نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

صلوا علیہ وآلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

شمارہ نمبر ۱۹ — دسمبر ۲۰۰۶ء

شمارے کی قیمت

۲۰۰ روپے

بیرون ملک (علاوہ ڈاک)

سعودی عرب: ۲۵ ریال
یو اے ای: ۳۰ درہم
امریکہ: ۱۰ ڈالر
برطانیہ: ۷ پاؤنڈ

سرورق (خطاطی)

استاد شفیق الزماں
(خطاط حرم نبوی ﷺ)

CONTACT:
Naat Research Center
B-50, Sector-11/A, North Karachi,
Karachi-75850, Pakistan.
Ph: 92-021-6901212
Fax: 92-021-4558806
Mobile: 0301-8200277
E-mail: naatrag@yahoo.com,
sabeehrehmani@gmail.com
Web: www.naatrang.com

مرتب وناشر صبیح رحمانی نے چیلنجر پیپر پروڈکٹ کراچی سے چھپوا کر مرکزی دفتر
بی-۵۰ سیکٹر ۱۱-اے نارتھ کراچی ۷۵۸۵۰ سے جاری کیا

نعتیہ ادب کے سنجیدہ اور معتبر اشاعتی ادارے

اقلیمِ نعت

کی قابلِ فخر و لائقِ مطالعہ کتابیں

شمار	کتاب		مصنف / مؤلف / مترجم	قیمت
۱۔	اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر	(مقالہ)	ڈاکٹر عاصی کرنالی	۲۰۰ روپے
۲۔	گل ہائے عقیدت	(نعتیہ مجموعہ)	سید حمید الدین حمید	۱۵۰ روپے
۳۔	نسبت	(نعتیہ مجموعہ)	سید ابوالخیر کشفی	۵۰ روپے
۴۔	آپ ﷺ	(نعتیہ مجموعہ)	حنیف اسعدی	۱۰۰ روپے
۵۔	حریم نعت	(انتخاب نعت)	رئیس احمد	۱۲۰ روپے
۶۔	آنکھ بنی کشکول	(نعتیہ مجموعہ)	آفتاب کریمی	۱۰۰ روپے
۷۔	توسین	(نعتیہ مجموعہ)	آفتاب کریمی	۲۰۰ روپے
۸۔	نزول	(نعتیہ مجموعہ)	شفیق الدین شارق	۱۰۰ روپے
۹۔	ارمغان حافظ	(نعتیہ مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	۱۰۰ روپے
۱۰۔	حضوری	(نعتیہ انتخاب)	عاطف معین قاسمی	۱۲ روپے
۱۱۔	وطن سے وطن تک	(سفرنامہ حجاز)	ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی	۲۵ روپے
۱۲۔	کرم و نجات کا سلسلہ	(نعتیہ مجموعہ)	عزیز احسن	۱۵۰ روپے
۱۳۔	نعت کی تخلیقی سچائیاں	(تنقید)	عزیز احسن	۱۵۰ روپے

﴿طلب فرمائیں﴾

کتاب سرائے، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور — فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

مکتبہ جام نور، نئی دہلی، بھارت — مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور

اردو بک ریویو، نئی دہلی، بھارت

B-50، سیکٹر A-11، نارتھ کراچی ـ 75850
فون: 12 12 690 - 21-092، فیکس: 06 88 455 - 21-092
سیل: 977 22 21 - 0300 ای میل: naatrang@yahoo.com

شہیدِ ناموسِ رسالت ﷺ

عامر چیمہ رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

بتلا دو گستاخِ نبی ﷺ کو غیرتِ مسلم زندہ ہے
اُن ﷺ پر مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

نائم قادری
۱۰ر دسمبر ۲۰۰۷ء

دھنک

تنقیدی مقالات

تحقیقی مقالات

فکر و فن

تذکرے

مطالعاتِ نعت

مدحتیں

خطوط

☆

مدحتیں

خطوط

☆

☆

جل جلالہ

مشامِ روح کو مہکا رہی ہے بوے حرم
بسی ہوئی ہے دل و جاں میں آرزوے حرم

ہجومِ شوق سے ہلچل بپا ہے سینے میں
کہ دل پہ دیتی ہے دستک ہواے کوے حرم

زہے نصیب مسافر رواں ہے منزل کو
جنونِ شوق لیے جا رہی ہے سُوے حرم

عجب نشاط و سرور و طرب کا عالم ہے
چھلک رہی ہے فضا میں مےِ سُبوے حرم

اسی سے پھوٹتے ہیں رُشد و خیر کے دھارے
جہاں کو کرتی ہے سیراب آب جوے حرم

ہے اک پیامِ طرب شامِ عطر بیز یہاں
نشاط بانٹتی ہے صبحِ مشک بوے حرم

اسی سے تو مےِ وحدت کا دور چلتا ہے
محیطِ لطف ہے اک، حلقۂ سُبوے حرم

دلوں میں فصل صلاح و فلاح اُگاتی ہے
عجیب چیز ہے کیا، قوتِ نموے حرم!

خلل نہ ڈالے کوئی وسوسہ حضوری میں
ترے قریب نہ پھٹکے کوئی عدوے حرم

یہ وقت خاص ہے، قدر اس کی دل سے کر احسنؔ
ہے ضو فگن ترے دل پر جمالِ رُوے حرم

حفیظ الرحمٰن احسن (لاہور)

جل جلالہ

ترا شکر ہے
میرے مالک کہ تُو نے
قلم کو مرے ایسی طاقت عطا کی
دگرنہ
یہ جو حرف میں نے لکھے بس خذف ریزے تھے
یہ نگینے کہاں تھے

تری دین ہے تیری بخشش ہے سب
رفعتوں عظمتوں کے یہ سارے سفر
طے ہوئے ہیں تو یہ بھی کرم ہے ترا ہی
ستاروں کو تسخیر کرتی
مری خاک میں وہ قرینے کہاں تھے

چلائی ہوئی ہوائیں تری تھیں
مرے بادباں اتنے مضبوط کب تھے
جو پایاب کرتے یہ ساتوں سمندر
مرے پاس ایسے سفینے کہاں تھے

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

جل جلالہ

مشامِ روح کو مہکا رہی ہے بوے حرم
بسی ہوئی ہے دل و جاں میں آرزوے حرم

ہجومِ شوق سے ہلچل بپا ہے سینے میں
کہ دل پہ دیتی ہے دستک ہواے کُوے حرم

زہے نصیب مسافر رواں ہے منزل کو
جنونِ شوق لیے جا رہی ہے سُوے حرم

عجب نشاط و سرور و طرب کا عالم ہے
چھلک رہی فضا میں مےِ سُبوے حرم

اسی سے پھوٹتے ہیں رُشد و خیر کے دھارے
جہاں کو کرتی ہے سیراب آب جوے حرم

ہے اک پیامِ طرب شامِ عطر بیز یہاں
نشاط بانٹتی ہے صبحِ مشک بوے حرم

اسی سے تو مےِ وحدت کا دور چلتا ہے
محیطِ لطف ہے اک، حلقۂ سُبوے حرم

دلوں میں فصل صلاح و فلاح اُگاتی ہے
عجیب چیز ہے کیا، قوتِ نموے حرم!

خلل نہ ڈالے کوئی وسوسہ حضوری میں
ترے قریب نہ پھٹکے کوئی عدوے حرم

یہ وقت خاص ہے، قدر ہے اس کی دل سے کر احسنؔ
ہے ضو فگن ترے دل پر جمالِ رُوے حرم

حفیظ الرحمٰن احسن (لاہور)

جل جلالہ

ترا شکر ہے
میرے مالک کہ تُو نے
قلم کو مرے ایسی طاقت عطا کی
دگرنہ
یہ جو حرف میں نے لکھے بس خذف ریزے تھے
یہ نگینے کہاں تھے

تری دین ہے تیری بخشش ہے سب
رفعتوں عظمتوں کے یہ سارے سفر
طے ہوئے ہیں تو یہ بھی کرم ہے ترا ہی
ستاروں کو تسخیر کرتی
مری خاک میں وہ قرینے کہاں تھے

چلائی ہوئی ہوائیں تری تھیں
مرے بادباں اتنی مضبوط کب تھے
جو پایاب کرتے یہ ساتوں سمندر
مرے پاس ایسے سفینے کہاں تھے

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

جل جلالہ

میں گنہگار، اور یہ سعادت عظیم اے رحیم اے کریم
بیچ اہلِ حرم کے ہوں میں بھی مقیم اے رحیم اے کریم

تو نے روشن کیا، طاقِ دل میں ہدایت کا ایسا دیا
مل گئی ہے مجھے بھی رہِ مستقیم اے رحیم اے کریم

دل میں تھا کتنا شوقِ طوافِ حرم، یہ ترا ہے کرم
آج میرا مقدر ہے بیتِ حریم اے رحیم اے کریم

سر پہ میزابِ رحمت، نظر دم بخود، آنکھ اشکوں سے پُر
شکر تیرا کہ ہوں درمیانِ حطیم اے رحیم اے کریم

رحمتوں نے تری نعمتوں سے عبارت کیا اس قدر
صفحۂ زیست ہے اب کتابِ ضخیم اے رحیم اے کریم

مجھ پہ روشن ہوا، تجھ سے کیا تھا حصولِ دعائے خلیل
دیکھ کر شہرِ مولودِ دُرِّ یتیم اے رحیم اے کریم

کر کے پیدا سبب تو نے تحریکِ عمرہ میں شامل کیا
ہو قمرؔ کیوں نہ شاکر بہ قلبِ صمیم اے رحیم اے کریم

قمر وارثی (کراچی)

حمد

جل جلالہ

فرش و فلک پہ ہر سُو اُجالا خدا کا ہے
دل میں، زباں پہ اسمِ مجلّٰی خدا کا ہے

ہے اس کی کبریا کا ہر ذرّہ مدح خواں
دستِ دعا کو میرے سہارا خدا کا ہے

دینِ متیں ہے اس کی حفاظت میں سرخ رو
احساں گنے گا کون کہ کتنا خدا کا ہے

دامن رسولِ پاک کا ہاتھوں میں ہے مرے
سینے میں جذبِ خیر کا عطیہ خدا کا ہے

مل جائیں گے غبار میں دنیا کے سارے ٹھاٹھ
باقی وہی جو جلوۂ اعلیٰ خدا کا ہے

منصوبۂ حیات کو پل کی خبر نہیں
میری ہر ایک سانس پہ قبضہ خدا کا ہے

معمولِ مدحِ شاہ مقدر کو مل گیا
عشقِ نبی کی روشنی تحفہ خدا کا ہے

مایوسِ مغفرت نہ ہو گوہؔر کبھی بھی تو
رحم و کرم کو دیکھ در وا خدا کا ہے

سیّد شمیم احمد گوہر (بھارت)

مبارک ہیں وہ لوگ

جنکے پاس نصیحت کے لئے الفاظ نہیں اعمال ہوتے ہیں۔

(حضرت شعبان ثوریؒ)

منجانب:

غلام مجتبےٰ احدی کراچی

Vanguard

دُرویش

وہ ہے

جو کسی چیز کی **طمع** نہ کرے

بے طلب ملے تو **منع** نہ کرے

مِل جائے تو **جمع** نہ کرے۔

(حضرت معروف کرخیؒ)

منجانب،

الحاج گلشن الٰہی

چیئرمین درگاہ سیّد ناسخی عبدالوہاب شاہ جیلانی ٹرسٹ حیدرآباد

فون: 0300-9378300

Vanguard

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

تہذیب کے ابتدائی ادوار میں شاعرانہ اور لغوی صداقت کے درمیان فرق پوری طرح واضح نہ تھا کیوں کہ گفتگو اضطراری علامتوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ ہر بیان استعاروں کی وساطت سے ہوتا تھا اور جب خارجی اشیا اور واقعات یا کسی عظیم شخصیت کے خصائص کے بیان یا ان کی ترجمانی کی ضرورت پڑتی تو تخیل سے مدد لی جاتی تھی۔ لیکن جب رفتہ رفتہ اخلاقی افکار منضبط اور فلسفیانہ نظام وضع ہوگئے تو قدرتی امر تھا کہ لغوی صداقت کے ابلاغ کے علاوہ دیگر مقاصد کے لیے زبان کا استعمال شک کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگے۔

سوال کیا جانے لگا کہ اگر شاعری سچ نہ بولے تو کیا وہ اخلاق کے لیے مضر یا کم از کم ناکارہ نہیں؟... تعجب ہے کہ یہ بات کہ شاعرانہ تخیل ایک اپنا ہی گنجینۂ حقایق رکھتا ہے۔ تہذیب کے ابتدائی ادوار کے لوگوں کے لیے کوئی اچھنبے کی بات نہ تھی لیکن تہذیب کی نشوونما کے بعد ایک معما بن گئی جس کے حل کے لیے ادبی تنقید کی ضرورت پڑی۔ تنقید شاعری کی پوری تاریخ تہذیب کی عدالت میں شاعرانہ تخیل کی اس الزام سے صفائی کی روداد ہے کہ وہ انسان کے لیے مضر ہے یا کم از کم بالکل بے کار ہے۔

شاعر کی اصل حیثیت ایک بلند نگاہ، معاملہ فہم، لطیف الاحساس اور صاحبِ تخیل تماشائی کی ہے جو ہر چیز کو حقیقت کے اس رشتے سے منسلک کرتا ہے جس کو دیکھنے اور دکھانے کی صرف وہ استعداد رکھتا ہے اس کا وظیفہ منصبی یہ ہے کہ طبعی و اخلاقی دنیاؤں کی تمام چیزوں، تمام مظاہر، تمام حوادث میں سے ان کا جوہر کشید کرے اور اسے فن کی دنیا میں لے جائے جہاں اس کی تخلیقی قوت اس میں ایک تغیر کلی پیدا کر کے اسے نئی شکلوں میں جلوہ گر کرے گی۔ شاعر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ شاعری کو کسی اجتماعی موضوع یا مفاد کا مطیع و منقاد بنائے بلکہ اسے شاعری کو ہمیشہ مقدم سمجھنا چاہیے۔

شاعر کو جو بات تخلیق پر مجبور کرتی ہے وہ اس امر کی پیہم ضرورت ہے کہ وہ اپنے تمام وجودِ باطنی کے راز کو دریافت کرنے کی کوشش کرتا رہے اور اس ضمن میں اپنی طاقت و قدرت کا امتحان لیتا رہے۔

لیکن کیا یہ بات ایک نعت گو شاعر کے لیے بھی معیارِ تخلیق قرار دی جاسکتی ہے؟ دنیا کی مختلف زندہ زبانوں میں تخلیق کیے جانے والے شاعری کے شہ پاروں اور ان پر تنقید کا تقابلی مطالعہ ہی اس بات کے جواب کا تعین کرسکتا ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب ہم نعتیہ شاعری اور اس سے متعلق تنقیدی مواد کو بین الاقوامی سطح پر رائج تخلیقی اقدار اور معیاروں کے تناظر میں متعارف کروائیں۔

عالم گیریت (Globalization) کے موجود رجحان اور پھیلاؤ کے پیشِ نظر یہ بات بھی قابلِ توجہ اور ضروری محسوس ہوتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ کی نبوت و رسالت کی ہمہ گیریت، جامعیت اور عالم گیریت کو عالمی سطح پر ان کی حقیقی جہتوں کے عین مطابق متعارف کرواتے ہوئے فروغ دیا جائے یہ ہمارا دینی فریضہ بھی اور ادبی منصب بھی۔

> وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا و لکن اکثر الناس لایعلمون o
>
> اور اے نبی! ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (سورۃ السبا۔ ۲۸)

اس آیتِ مبارکہ کے الفاظ... مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ہمارے اس فرض کو اور بھی زیادہ اہم اور ضروری بناتے ہیں۔

''نعت رنگ'' کے انیسویں شمارے کی اشاعت پر میں یہ احساسِ ذمہ داری آپ تک منتقل کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے نعت کے ادبی فروغ کا جو سفر شروع کیا ہے وہ ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہے۔ ابھی ہمیں نعتیہ ادب کو اس کی تمام تر جہتوں کے تناظر میں تنقید کے اعلیٰ ترین معیاروں کے مطابق متعارف کروانا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ دورِ حاضر میں مذہبی انتہاپسندی کے رجحان کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو حقیقی تنوع کے ساتھ... مسلمانوں کی عقیدت، محبت اور وابستگی کے حوالے سے عالمی ادب کی شعری اصناف مثلاً Epic اور Ode وغیرہ کی وساطت سے روشناس کروانے کی منزل بھی سر کرنی ہے اور اس منزل کو سر کرنے کے لیے ہمیں ضرورت ہے ایک ایسے ادارے اور پلیٹ فارم کی جو عالمی سطح پر اپنی شناخت اور دائرۂ عمل رکھتا ہو۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

زمیں تو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے
چلوگے تو کوئی رستہ بنے گا...

سو فروغِ نعت کو مزید وسعت دینے کے لیے ہم پہلا قدم اُٹھاتے ہوئے آپ کے سامنے ''گلوبل نعت فاؤنڈیشن'' کے قیام کی تجویز رکھ رہے ہیں اور ''نعت رنگ'' کی وساطت سے دنیا کے تمام براعظموں میں بسنے والے مسلمانوں اور بالخصوص ادیب اور شاعروں سے ملتمس ہیں کہ وہ ''گلوبل نعت فاؤنڈیشن'' کے قیام کے سلسلے میں اپنی تجاویز اور آرا سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔ ''گلوبل نعت فاؤنڈیشن'' فروغِ نعت کے سلسلے میں ان تمام اقدامات کو ممکن بنانے کی کوشش کرے گی جن کا ذکر ہم نے آپ کے سامنے کیا ہے۔ ہم اپنے طور پر فاؤنڈیشن کا ایک خاکہ تیار کر چکے ہیں، تاہم ہماری خواہش ہے کہ مجوزہ ادارے کی ساخت، طریقۂ کار، وظائف اور مالی و انسانی وسائل کی فراہمی کو حتمی شکل دیتے ہوئے آپ کی آرا اور تجاویز بھی ہمارے پیشِ نظر ہوں۔

''گلوبل نعت فاؤنڈیشن'' ہمارا خواب ہے اس خواب کو تعبیر سے ہم کنار کرنا دشوار ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ فرمانِ خداوندی ورفعنالک ذکرک کے سائے میں ہمارا کارواں منزل تک ضرور پہنچے گا۔ ان شاء اللہ

آپ کا ذکر کبھی کم نہیں ہوگا آقا
آپ کے ذکر کو اللہ نے رفعت دی ہے

نئے دُکھ

''نعت رنگ'' کے شماروں کی اشاعت کا درمیانی وقفہ باوجود کوشش و خواہش کے کم ہونے میں نہیں آرہا، علاوہ ازیں نعت خوانی کی بڑھتی ہوئی مصروفیات و مسلسل اسفار بھی توجہ کے انتشار کا باعث بنتے ہیں اسی لیے اس اشاعتی وقفے میں جو قابلِ ذکر ستارے آسمانِ نعت سے اوجھل ہوکر موت کی تاریکی میں گم ہوگئے، ان سب کے ناموں کا دمِ تحریر حافظے میں موجود ہونا بھی مشکوک ہے۔ تاہم چند ستارے اوجھل ہوکر بھی اپنے نام اور کلام کی اتنی روشنی چھوڑ گئے ہیں کہ وقت کی گرد ان کے کارناموں کو دھندلانے میں ناکام رہے گی، ان شاء اللہ

احمد ندیم قاسمی ادب کے تمام شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے تھے۔ نعت گوئی

کے حوالے سے ان کا مجموعہ ''جمال'' جدید نعت گوئی کا اہم سنگِ میل ثابت ہوا۔

ان کے ہاں نعت ایک ایسی تخلیقی جہت پیدا کرتی ہوئی نظر آتی جہاں حسن، موضوع، جذبے کی صداقت اور تاثیر ایسی اکائی میں ڈھل جاتے ہیں جس سے زندہ رہنے والی نعت وجود میں آتی ہے۔

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے، وہ تنہا تیرا

حنیف اسعدی پاکستان کے ان قادرالکلام اور معتبر نعت نگاروں میں شامل تھے جن کی وجۂ شہرت ہی نعت گوئی ٹھہری۔ وہ جدید نعت گوئی کے حوالے سے نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کے دو نعتیہ مجموعے ''ذکرِ خیرالانام'' اور ''آپ'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے اور پسند کیے گئے:

گماں تھے ایسے کہ آثار تک یقیں کے نہ تھے
حضور آپ نہ ہوتے تو ہم کہیں کے نہ تھے

صابر براری کی وجۂ شہرت نعت گوئی اور تاریخ گوئی دونوں حوالوں سے معتبر تھی۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جن شعرا کا ذکر بطورِ نعت نگار رہا، ان میں صابر براری نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے کئی مجموعے شائع ہوئے، ذاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قوی تعلق کو وہ اپنی شاعری میں منتقل کرنے میں خاصے کامیاب رہے۔

میرے لب پر میرے دل میں میرے تصور میں اے صابر
رہتا ہے ہر دم کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نعت خوانی کے حوالے سے شہرت کے بامِ عروج کو چھونے والے دو بزرگ ثناخواں نذیر حسین نظامی اور ثناء اللہ بٹ بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ مجھے دونوں ثناخوانوں کو سننے کا شرف حاصل رہا۔ دونوں نے نعت خوانی کی روایات کو پورے ادب و احترام اور علمی مزاج کے ساتھ قائم رکھا۔ عربی، فارسی اور اردو کی نعت کا ایک بڑا ذخیرہ ان بزرگوں کے حافظے میں محفوظ تھا۔

میں ان تمام وابستگانِ نعت کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں اور قارئینِ ''نعت رنگ'' سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

سیّد صبیح رحمانی

تنقیدی مقالات

نعت ریسرچ سینٹر

الحمدللہ ''نعت ریسرچ سینٹر'' نے اپنی علمی، تحقیقی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے۔
اس سلسلے میں متعدد ریسرچ اسکالرز اس سینٹر کے تعاون سے حمد و نعت کے موضوع پر اپنے تحقیقی کاموں کا آغاز کر چکے ہیں۔ ''نعت ریسرچ سینٹر'' میں دنیا کی مختلف زبانوں میں سرمایہ توصیف مصطفیٰ ﷺ کو جمع کیا گیا ہے اور اسے مزید وسعت دینے کی کوششیں جاری ہیں۔

قارئین ''نعت رنگ'' سے التماس ہے کہ اس سینٹر کے لیے ہمیں اپنے تعاون سے نوازیں اگر آپ شاعر ہیں اور آپ کی نعتیہ کتب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں تو ان کا ایک سیٹ آپ ضرور سینٹر کو عطیہ کریں یا آپ کے علم میں کوئی ایسا شاعر یا ادیب موجود ہے جس کی نعتیہ تصانیف موجود ہوں تو ان کو ''نعت ریسرچ سینٹر'' کی جانب متوجہ فرمائیں تاکہ وہ اپنی کتب اس سینٹر کو بھیج سکیں۔ علاوہ ازیں آپ کے علم میں کوئی ایسی کتاب مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہو جو اب تک شائع نہ ہو سکی ہو یا کئی برس پہلے شائع ہوئی ہو لیکن اب نایاب ہو تو ایسی کتب کی عکسی نقول آپ سینٹر کو ارسال فرمائیں تاکہ مختلف زبانوں میں نعتیہ سرمائے کو ایک جگہ یک جا کیا جاسکے اور اس کی کوئی فہرست بنوا کر دنیا بھر کے تحقیقی اداروں کو فراہم کی جاسکے اور دیگر زبانوں کے ادب کو مدحت رسول ﷺ کی علمی و ادبی روایت اور اس کی افادیت کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کروایا جاسکے۔

ہمیں اُمید ہے کہ اس سفرِ سعادت میں آپ ہمارے ساتھ شریک ہوں گے۔

ڈائریکٹر

''نعت ریسرچ سینٹر''

B-50، سیکٹر 11-A، نارتھ کراچی۔ 75850

فون: 12 12 690 - 21-092، فیکس: 06 88 455 - 21-092

سیل: 977 22 21 - 0300 ای میل: naatrang@yahoo.com

ڈاکٹر دوست محمد خان۔ پشاور

اسلام میں نعت کا مقام —— جواز/ عدم جواز

اسلام کا ایک بنیادی اُصول یہ ہے کہ کسی چیز کے متعلق حلال وحرام، جائز وناجائز کا فتویٰ صادر کرنے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات مبارک کی طرف رجوع کیا جائے، بالفاظِ دیگر قرآن وحدیث میں مذکورہ چیز کے متعلق حکم تلاش کیا جائے۔ اس اُصول کی وضاحت کے لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا جو ارشادِ گرامی ہے وہ سورۃ الاعراف میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

> یامرھم بالمعروف وینھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصراھم والاغلال التی کانت علیھم (۱)
>
> ترجمہ: وہ (رسول ﷺ) ان کو حکم دیتا ہے معروف کا اور روکتا ہے منکر سے اور ان کے لیے پاکیزہ جائز کرتا ہے اور ناپاک حرام ٹھیراتا ہے اور ان سے وہ بوجھ اور پابندیاں دُور کرتا ہے جو ان پر اب تک تھیں۔

اس حکمِ خداوندی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ فرض سونپا ہے کہ بنی نوع انسان کو طیبات اور خبائث سے باخبر کردے۔ مفسرین کرام نے طیبات کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کے مطابق طیبات سے مُراد وہ اشیا ہیں جو اپنے مزاج، اپنی فطرت اور بنی نوع انسان پر اثرات کے اعتبار سے پاکیزہ، معتدل، صحت بخش اور فائدہ مند ہیں۔ خبیثات سے مُراد وہ چیزیں ہیں جو اپنے مزاج، اپنی جبلت اور انسان کے مزاج وطبیعت پر اپنے اثرات کے لحاظ سے نقصان دہ، مضرِ صحت اور مفسد ہیں۔

طیبات اور خبیثات دونوں چیزوں میں اپنی صفات و اثرات کے لحاظ سے درجات و مراتب میں فرق وتفاوت ہوسکتا ہے۔ کوئی چیز زیادہ طیب ہوتی ہے، کوئی کم، اسی طرح کوئی چیز زیادہ

خبیث ہوتی ہے، کوئی کم، اس فرق مراتب کے لحاظ سے لازماً اس سے متعلق حکم پر بھی اثر پڑتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی چیز زیادہ خبیث ہو تو وہ حرام کردی جاتی ہے، دوسری کم تر خبیث چیز کراہت کے درجے میں رہتی ہے۔

اسی طرح بعض اوقات بعض حالات میں یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز بذات خود بُری نہیں ہوتی لیکن کسی خارجی سبب سے اس کو کوئی خرابی لاحق ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ چیز خبیث یا مکروہ بن جاتی ہے مثلاً حلال جانور کا ذبیحہ حلال ہے لیکن اگر یہی حلال جانور کسی تھان یا استھان پر ذبح کیا جائے تو حرام بن جاتا ہے۔ جوئے کے ذریعے حاصل کیا ہوا حلال گوشت یا حالتِ احرام میں شکار وغیرہ اسی ذیل میں آتا ہے۔

اسلام میں حرام یا بُری وخبیث چیزیں یا تو بذاتِ خود خبیث ہوتی ہیں یا کسی خارجی سبب سے بُری وخبیث بن جاتی ہیں، جب کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں اشیا کے درمیان خبیث کا فرق محض ایک اضافی امر ہے۔ اس کی فطری یا عقلی واخلاقی بنیاد نہیں ہے۔ ایک ہی چیز ایک قوم کے نزدیک حلال وطیب ہوتی ہے، وہی چیز دوسری قوم کے نزدیک خبیث وحرام قرار پاتی ہے۔

اسلام کے اُصولوں کے تحت ایسا سوچنا صریح سوفسطائیت ہے کیوں کہ اس خیال کے تحت تو پھر حق و باطل، عدل وظلم اور خیر وشر محض اضافی اُمور ہیں۔ ان کی کوئی عقلی اور فطری بنیاد نہیں۔ اسلام میں حلت وحرمت کا اصل ضابطہ یہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔ اس ضابطہ کی روشنی میں حلال بَیِّن اور حرام بَیِّن کا متعین کرلینا مشکل نہیں۔ ہمارے فقہا نے اس بارے میں قابلِ قدر کام کیا ہے۔ فقہ کی کتب میں تفصیلات موجود ہیں۔ (۲)

اسلام میں حرام وحلال، جائز و ناجائز، خبیث وطیب، پسندیدہ و ناپسندیدہ کے متعلق جو اُصول وقوانین موجود ہیں انھی پر نعت کو بھی پرکھ کر یہ فیصلہ کرنا بہت آسان ہوجاتا ہے کہ اسلام میں نعت کا کیا مقام ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے نعت کی مختصر لغوی اور اصطلاحی تعریف پیش کی جاتی ہے تاکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ کیا جاسکے۔

شعر کی تعریف

شعر ایک وجدانی اور ذوقی چیز ہوتی ہے اس لیے اس کی جامع اور مانع تعریف چند الفاظ میں مشکل ہے۔ اس وجہ سے شعر کی تعریف کرنے کے لیے مختلف توجیہات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف صلاحیتیں اور قوتیں دی ہیں۔ ان میں دو قوتیں تمام افعال

اور ارادات کا مرکز ہیں، ادراک اور احساس، ادراک کا کام اشیا کا معلوم کرنا اور ٹھوس ثبوت و دلیل سے ان کو ثابت کرنا ہے۔ اسی ادراک ہی کی بنا پر تمام ایجادات، تحقیقات، انکشافات اور دیگر علوم و فنون منظرِ عام پر آتے ہیں۔

احساس کا کام کسی چیز کا ادراک کرنا نہیں بلکہ محسوس کرنا ہے اور محسوس کرنے کے بعد اس کو مؤثر اور موزوں الفاظ میں ظاہر کرنا ہے۔ احساس نہ تو کسی بات یا مسئلہ پر غور و فکر کرتا ہے اور نہ اس کا حل پیش کرتا ہے بلکہ جس قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے انھی کو منعکس کرتا ہے، مثلاً غم کی حالت میں صدمہ اور خوشی کی حالت میں سرورِ حاصل ہوتا ہے، حیرت انگیز بات پر انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ اسی قوت کو احساسِ انفعال یا Feelings کہتے ہیں، اور یہی احساس جب الفاظ کا جامہ پہن کر سامنے آتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔

حیوانات پر جب کوئی کیفیت یا جذبہ طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آوازوں کے ذریعے اس کا اظہار کرتے ہیں مثلاً شیر غصے کی حالت میں دہاڑتا ہے، کویل کوکتی ہے، طاؤس ناچتا ہے۔ انسان بھی اپنے جذبات حرکات کے ذریعے ادا کرسکتا ہے لیکن انسانوں کو جانوروں سے بڑھ کر ایک قوت دی گئی ہے جو قوتِ نطق یا گویائی ہے اور جب انسان پر کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو اس جذبے کے اظہار کے لیے اس کے منھ سے بے ساختہ موزوں الفاظ نکلتے ہیں اور انھی موزوں الفاظ کا نام شعر ہے۔ (۳)

منطقی پیرایے میں شعر کی تعریف یوں بھی ہوسکتی ہے کہ جو الفاظ کے ذریعے ادا ہوں وہ شعر ہیں، چوں کہ یہ الفاظ سامعین کے جذبات پر بھی اثر کرتے ہیں اس لیے شعر کی تعریف یوں بھی ہوسکتی ہے کہ جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے۔ لیکن عربی لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہتے ہیں جن میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کیے گئے ہوں۔ لغوی لحاظ سے شعر میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ وغیرہ ضروری نہیں۔ اصطلاح میں شعر و غزل میں بھی چوں کہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لیے اصطلاح شعرا میں کلام موزوں و مقفّیٰ کو شعر کہنے لگے۔ اس کے علاوہ لفظ شعر بمعنی جھوٹ (کذب) بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین حضرات نے آیاتِ قرآن، ''بل ھو شاعر'' شاعر مجنون، شاعر نتربص بہ'' وغیرہ کے سلسلے میں شعر کے اصطلاحی معنی مُراد لے کر کہا ہے کہ کفارِ مکہ حضور ﷺ کو وزن دار اور قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ شعر سے کفارِ مکہ کا یہ مقصد نہ تھا کیوں کہ

وہ شعر کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ اسلام سے بھی پہلے عربوں میں بڑے پائے کے شعرا موجود تھے لیکن وہ قرآن کو اشعار کہتے تھے تو شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین بیان کرنے والے معنی میں کہتے تھے۔ ان کا مقصد نعوذ باللہ آپ کو جھوٹا کہنا تھا کہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جس طرح موزوں و مقفّٰی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی و تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہلِ منطق کی اصطلاح ہے۔

نعت اور شعر کا تعلق

ترکیبی لحاظ سے نعت بحر، وزن اور قافیہ وردیف کی پابند ہوتی ہے لیکن نعت میں موزونیت الفاظ، سلاست زبان اور چستیِ بندش کے علاوہ حُبِ رسول ﷺ بنیادی عنصر ہے۔ اگر کوئی موزوں کلام رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ڈوب کر نہیں لکھا گیا تو اس پر نعت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

چوں کہ حُبِ رسول ﷺ نعت کی بنیادی اور لازمی اینٹ ہے لہٰذا پوری عمارت حُبِ رسول ﷺ ہی کے گارے اور مٹی سے اُٹھے ہوگی۔ چوں کہ کوئی بھی حقیقی عمارت خیالی مسالے کی بنیاد پر نہیں اُٹھائی جاسکتی لہٰذا نعت کی عمارت کے لیے بھی صداقتِ مضمون، واقفیتِ مفہوم اور حسنِ محاکات لازمی اُمور ہیں، رنگینیِ خیالات اور ندرتِ تخیل کی نعت میں کوئی گنجایش نہیں۔

اساتذۂ ادب اور اہلِ ذوق وسخن نے شعروشاعری میں محاسنِ شعری کو بہت اہمیت دی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مضمونِ شعر کو بھی بنیادی اہمیت کا درجہ دیا ہے اور یہی چیزیں اچھے شعر کے لوازمات بھی ہیں لیکن اس کے مفہوم ومعانی کو کھینچ تان کر اتنی وسعت دی ہے کہ حقیقت نفس الامری کی حدود وقیود سے تجاوز کرکے امکانِ عقلی، تصورِ شعری اور مسلّماتِ شعری ہی کو اس میں شامل کردیا ہے، یہاں پر عام شعر اور نعت کی راہیں جدا ہوجاتی ہیں کیوں کہ نعت اتنی نزاکت کی حامل صنف ہوتی ہے کہ اصلیتِ مضمون میں اتنی وسعت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ حقیقتِ نفس الامری اور واقعیتِ معینہ سے سرِمو انحراف کرنا ہی مسلکِ نعت گوئی میں ضلالِ مبین، حرامِ قطعی اور گناہِ کبیرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حقیقتِ نفس الامری اور واقعیتِ متعینہ سے انحراف کرنے والے شعر اور شعرا ہی کے متعلق قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالشعراء یتبعھم الغاون (۴)

ترجمہ: ’’اور بے راہ لوگ ہی شاعروں کی متابعت کرتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں شعر کے اصطلاحی اور معروف معنی ہی مراد ہیں۔ یعنی موزوں اور مقفّٰی کلام

کہنے والے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو دربارِ نبوی ﷺ کے مشہور شعرا حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت حسانؓ بن ثابت اور کعبؓ بن مالک سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ آیت کے آخری حصہ کو بھی تو پڑھو، آیت کا آخری حصہ یہ ہے۔

الاّ الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت وذکرو اللّٰہ کثیراً (۵)

ترجمہ: ''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اللہ کو بہت یاد کیا''

آخری حصے کی یاد دہانی سے حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ تم اس سے مستثنیٰ ہو کیوں کہ تمھارے اشعار بے ہودہ اور غلط مقصد کے لیے نہیں ہوتے۔

اس آیت اور روایت کی روشنی میں ہم عام شعر اور نعت میں فرق کر سکتے ہیں ایسے مقررہ کردہ اُصول وقوانین کی روشنی میں مقصدی اور افادی شعر اور بے مقصد یاوہ گوئی کی راہیں متعین ہوتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ شعر جو مقصد کا حامل ہو اور حقیقت واقعیت پر مبنی ہو آیت کے آخری حصے کا مصداق ہوسکتا ہے اور اس کے برعکس شعر پر آیت کے پہلے حصے کا اطلاق ہوگا۔ چوں کہ نعت شعر وشاعری کی وہ صنف ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی سیرت، صفات اور شمائل کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ ایک مستحسن فعل ہے لیکن اس کے لیے بھی حدود شریعت کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر نعت بھی اپنی ان حدود وقیود سے باہر ہوجائے جو شریعت نے مقرر کر رکھی ہیں تو یہ بھی آیت کے پہلے حصے کے ذیل میں آسکتی ہے، لیکن نعت کے متعلق ان حدود و قیود کا ذکر بعد میں ہوگا۔

شریعت میں نعت کا جواز وعدم جواز

نعت بھی چوں کہ شعر وشاعری کی ایک نازک اور اہم صنف ہے لہٰذا شعر وشاعری کے جواز یا عدم جواز کے سلسلے میں جب ہم قرآنِ پاک سے رجوع کرتے ہیں تو ایک پوری سورت کو ہم شعرا کے نام سے منسوب پاتے ہیں اور وہ سورۃ الشعراء ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۲۲۴ سے لے کر ۲۲۷ تک شعرا اور ان کی کارکردگی کے متعلق بہت مختصر مگر جامع الفاظ میں معلومات موجود ہیں۔ ان مذکورہ آیات میں سے پہلے تین آیات میں شعر وشاعری کی سخت مذمت اور اس کو عنداللہ مبغوض قرار دیا گیا ہے وہ خود قرآن کے الفاظ میں یوں ہے کہ: وَالشعراء یتبعھم الغاون (٦)

ترجمہ: ''اور بے راہ رو لوگ شاعروں کی باتوں پر چلتے ہیں۔''

اس ایک آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے اس الزام کا جواب دیا ہے جو وہ نبی کریم ﷺ پر آپ کو شاعر کہہ کر لگاتے تھے۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے جان نثار صحابہ اور شعرا کے ساتھ لگے ہوئے لوگوں کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تم دیکھو تو سہی کہ کیا واقعی شعرا کے ساتھی اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح صحابہ کرامؓ ہیں۔ چوں کہ عرب معاشرے میں کفارِ مکہ کے سامنے ان کے شعرا بھی تھے اور شعرا کے ساتھ رہنے والے اور ان کو ان کے کلام پر داد دینے والے بھی لہٰذا بتایا گیا کہ کیا تمھیں حضور ﷺ کے ساتھیوں میں بھی کوئی بے راہ نظر آتا ہے؟ ایک نظر دیکھنے ہی سے دونوں گروہوں میں جو فرق ہے وہ صاف نظر آتا ہے۔ آپ کے ساتھ سنجیدگی، تہذیب، شرافت، راست بازی اور کمال درجہ کی دیانت و امانت کے حامل اور علم بردار، زبان جب بھی کھلتی ہے خیر ہی کے لیے کھلتی ہے شر کا کلمہ بھی ان سے ادا ہی نہیں ہوتا۔ سب سے اہم بات یہ کہ ان لوگوں کو دیکھ کر ہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے ایک بلند اور پاکیزہ نصب العین ہے جس کی دُھن میں دن رات لگے ہوئے ہیں اور ان کی ساری زندگی ایک مقصدِ عظیم کے لیے وقف ہے۔ دوسرے گروہ کا حال یہ ہے کہ مجمع لگا ہے اور اس میں شعرا کی زبانی عشق بازی اور شراب نوشی کے مضامین خیالی نزاکتوں کے ساتھ بیان ہو رہے ہیں اور سامعین و حاضرین اچھل اچھل کر داد دے رہے ہیں۔ کہیں ''اس بازار'' کی حالت یا کسی گھر کی بہو بیٹی کا حسن موضوعِ سخن بنا ہوا ہے اور سننے والے پرائی بہو بیٹی کے حسن سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ کہیں اس سے بھی بڑھ کر جنسی مواصلت کی حکایت مزے لے لے کر بیان ہو رہی ہے اور اس کے زیرِ اثر پورے مجمع پر شہوانیت کا بھوت سوار ہے۔ کہیں یاوہ گوئی اور ہزل بکا جا رہا ہے اور مسخرہ پن کے باعث لوگوں کے پیٹوں میں مروڑ اُٹھ رہے ہیں۔ کہیں کسی کی ہجو اُڑا کر عزت نیلام کی جا رہی ہے اور لوگ لطف لے رہے ہیں کہیں انعام و اکرام کے لالچ میں کسی کی بے جا تعریف ہو رہی ہے اور کہیں کسی کے خلاف نفرت، عداوت اور انتقام کے جذبات بھڑکائے جا رہے ہیں۔ ان مجلسوں اور مجمعوں میں شاعروں کے کلام کو سننے کے لیے جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور بڑے بڑے نامی گرامی شعرا کے پیچھے جو لوگ لگے پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر کوئی معقول شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اخلاق کے اُصول و ضوابط سے آزاد، جذبات و خواہشات کے غلام، لطف و لذت کے پرستار نیم حیوان قسم کے لوگ ہیں جن کے ذہن و فکر کو کبھی یہ خیال چھو کے بھی نہیں گیا کہ زندگی میں انسان کے لیے کوئی بلندتر مقصد اور نصب العین بھی ہو سکتا ہے۔ (۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:
''تم میں سے کسی شخص کا خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔''

اس قسم کی شاعری کو نبی کریم ﷺ نے شیطان کے مترادف قرار دیا ہے گویا شہوانیت، عشق بازی، جھوٹ، شراب، قبائلی منافرت پر مبنی شاعری شیطانی فعل ہے اور اسلام میں اس قسم کی ہرزہ سرائی کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عن ابی سعیدؓ اخدری قال بینا نحن نسیر مع رسول اللہ ﷺ بالعرج اذ عرض شاعر ینشد فقال رسول اللہ ﷺ "خذو الشیطان، او امسکو الشیطان، لان یمتلی جوف رجل قیحا خیر له من ان یمتلی شعرا.. (۸)

ترجمہ: ابوسعیدؓ خدری کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب (کوس) عرج میں جا رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور ﷺ نے فرمایا ''شیطان کو پکڑ لو'' اور فرمایا ''اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔''

سورۃ الشعرا کی مذکورہ آیات اور ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ کلام یا شعر جس میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا مقصود ہو یا جھوٹ کے طور پر ناحق کسی انسان کی توہین اور مذمت ہو یا فحش کلام اور خواہش کے لیے متحرک ہو وہ اسلام میں مذموم، مکروہ اور ممنوع ہے، جس شعر و شاعری میں جھوٹ اور فحش بیان ہو وہ صریحاً مذموم ہے، اس کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے۔ حضور ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دُہرائی۔

عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ جب آیت وَالشعراء یتبعهم الغاون نازل ہوئی تو عبداللہؓ بن رواحہ اور کعبؓ بن مالک اور حسانؓ بن ثابت خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں اب ہم تو

غارت ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت الاّ الذین امنوا۔۔۔ الخ نازل فرمائی۔ گویا اس آیت میں وہ شاعری جو اللہ کے ذکر کی کثرت میں مانع نہ ہو اور اللہ کے ذکر، توحید، حمد وثنا اور اللہ کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتی ہو، کی تحسین کی گئی ہے۔ (۹)

یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے شعر کے جواز وعدم جواز کا ذکر کیا گیا تو دار قطنی نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے بُرا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو بُرے کو چھوڑ دو۔ (۱۰) یہی وہ سنہرا اُصول ہے جو اسلام نے ہر مقام پر جاری فرمایا ہے کہ جو اچھا ہو وہ اختیار کرو اور جو بُرا ہو اسے چھوڑ دو کہ اسلام میں کسی قسم کی بُرائی کی کوئی گنجایش نہیں ہے دوسرے الفاظ میں خذ ماصفا و دع ماکدر۔ (۱۱)

قرآن وحدیث کی روشنی میں ''اچھے کو لے لو اور بُرے کو چھوڑ دو'' کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام شعر وشاعری اور علوم وفنون کا مخالف نہیں جیسا کہ قرآن کے سورۃ الشعرا کی آیات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے بلکہ اسلام اس طور طریقے کی مخالفت کرتا ہے جس میں کوئی بھی علم وفن اسلام کی راہ سے ہٹتا ہے۔ اسلام ہر اس راہ کو بند کرنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان شعرا کو جو بے راہ روی اور بے لگام خیالات کی دنیا کو چھوڑ کر ایمان لائے اور نیک عمل کیا الاّ الذین امنوا وعملوا الصلحت وذکروا اللہ کثیراً کے الفاظ کے ساتھ خواہشات کی وادیوں میں بھٹکنے والے شعرا سے مستثنیٰ کیا۔

اسی استثنا کی رو سے علمائے اسلام کے نزدیک اگر شعر وشاعری میں اللہ کا ذکر ہو، علم دین ہو، یا مسلمانوں کے لیے وعظ ونصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ اس قسم کی شاعری کا اسلام میں نہ صرف جواز موجود ہے بلکہ عین عبادت ہے کہ انسان اپنی ذہنی اور عقلی صلاحیتوں کو اسلام کی خدمت کے لیے بروئے کار لاتا ہے اور اسی قسم کی شاعری کو نبی کریم ﷺ نے حکمت اور اثر وتاثیر کے لحاظ سے جادو سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان من الشعر الحکمہ۔ (۱۲) بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

حضرت صخرؓ بن عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے کہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ ان من البیان لسحراً (۱۳)

اس سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ نے اس شاعری کو جس میں اسلام کا دفاع کیا گیا ہو جہاد باللسان قرار دیا ہے۔ حضرت کعبؓ بن مالک کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

عرض کیا یا نبی اللہ، شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا (سورۃ الشعرا میں) وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا، مومن اپنی تلوار اور زبان سے بھی جہاد کرتا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

عن کعب بن مالک "ان المومن یجاھد بسیفه ولسانه والذی نفسی بیده لکان ترمونهم به نضح النبل (۱۴)

اسلام اور اعلیٰ اقدار کی دفاع میں نبی کریم ﷺ نے نہ صرف شاعری کو جائز قرار دیا ہے بلکہ ایسی شاعری کی حوصلہ افزائی ہے۔ صحیحین میں حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسانؓ بن ثابت سے فرمایا:

"اھجھم وجبریل معک"

ترجمہ: مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد) کے لیے تمھارے ساتھ ہیں۔ (۱۵)

یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسانؓ بن ثابت سے فرمایا تھا:

"قل و روح القدس معک" (۱۶)

ترجمہ: (کفار کی ہجو میں) اشعار کہو روح القدس (مدد کے لیے) تمھارے ساتھ ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی شعر فہمی اور دادِ سخن

نبی کریم ﷺ فصحائے عرب وعجم تھے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے انا اعطیت جوامع الکلم (۱۷) (مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں)۔ جوامع الکلم سے مُراد وہ کلام ہے جس کے الفاظ مختصر اور معانی بحرِ بے کراں ہوں۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ خیر الکلام ما قل و دل۔ (بہترین کلام وہ ہے جو مختصر بھی ہو اور مدلل بھی) کا بہترین نمونہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم احادیث کے ذخائر پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کے کلام موزوں، ایجاز سخن، حسن ترتیب، نظم بیاں اور خوش اسلوبی سے مزین جواہر پاروں سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ انھی خوبیوں کی بنا پر آپ کے اکثر ارشادات عربی ادب کی ضرب الامثال بن چکے ہیں۔

حضور ﷺ خود بھی خوش کلام اور معجز بیان تھے اور دوسروں کے موزوں، برجستہ، برمحل اور واقعیت صداقت کے علم بردار اور کذب ومبالغہ وغیرہ عیوب سے پاک کلام کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے اور تحسین بھی۔

آپ نے نہ اشعار کہے ہیں اور نہ آپ کی یہ شان تھی کہ اشعار کہیں، لیکن اشعار میں یا عام کلام میں مستحسن کلام کی تحسین بھی فرمائی ہے اور داد بھی دی ہے۔ ویسے تو آپ کا ایک ایک لفظ موزوں، برجستہ اور حقیقت و صداقت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ آپ کی زبانِ مبارک سے ایسے الفاظ بھی نکلے جو اپنی تمام دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ موزونیت کا پہلو بھی لیے ہوئے تھے۔ حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور ﷺ کی ایک اُنگلی زخمی (یا خون آلودہ) ہوگئی آپ نے فرمایا: هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله مالقيت (۱۸)

(تو صرف ایک اُنگلی ہے جو زخمی ہوگئی اور جو کچھ تجھے دکھ میں ملا اللہ کی راہ میں ملا)

حضور ﷺ کی شعرفہمی اور اس میں مناسب اور ضروری اصلاح تجویز کرنے کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے حضرت کعبؓ بن زہیر کے ایک شعر میں صرف ایک لفظ کو تبدیل فرمایا صرف اس ایک لفظ کی تبدیلی سے کعبؓ بن زہیر کا وہ شعر آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔ حضرت کعبؓ بن زہیر جب نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں اپنا قصیدہ ''بانت سعد'' پڑھ رہے تھے تو اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لنور يستضاء به

مهند من سيوف الهند مسلول (۱۹)

بعض کتب میں یہ شعر یوں بھی ہے۔

ان الرسول لسيف يستضاء به

مهند من سيوف الهند مسلول

ترجمہ: (رسول ﷺ کا ایسا نُور ہے کہ جس سے ساری دُنیا چمک اُٹھی ہے اور وہ بے نیام (ننگی) ہندی تلوار کی طرح تیز اور فیصلہ کن ہیں)

آپ نے اس شعر میں حضرت کعبؓ کو ''سیوف الهند'' کی جگہ ''سیوف اللہ'' کی اصلاح دی۔ اس ایک لفظی اصلاح سے آپ شعر کا ذرا جائزہ لیں تو صاف معلوم ہوجائے گا کہ اس میں بہت بڑی گہرائی اور گیرائی پیدا ہوگئی۔ اس ایک لفظ سے شعر کی معنویت ''ہند'' (ہند سے مُراد ہندوستان نہیں بلکہ خود عربوں کی سرزمین میں ایک علاقہ ہند کہلاتا تھا) میں محدود ہونے کے بجائے لامحدود ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کی ادبی فہم و فراست اور نکتہ رسی کا مظہر بن گیا۔ آپ رحمۃ للعالمین، کسی خاص قوم، علاقے اور محدود مدت کے لیے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ قیامت تک سب کے لیے

رحمۃ للعالمین ﷺ بن کر مبعوث ہوئے ہیں لہٰذا (اپنی ان خصوصیات کے تحت آپ نے شعر میں اپنے لیے وہ استعارہ پسند نہیں فرمایا جس سے کسی خاص قوم و وطن وغیرہ کی بُو آتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی اضافت اللہ سے منسوب کر کے شعر کو علاقائی تنگنائیوں سے نکال کر اسلام کی آفاقی وسعتوں پر پھیلا دیا۔ اس ایک لفظی اصلاح کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے شعر و ادب کی تفہیم اور اسلامی فکر و نظر کا حامل ہونا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شعر فہمی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے شعر و شاعری کو بھی کلام پر قیاس کر کے اچھے اور بُرے کلام کی طرح شعر کو بھی حُسن اور قبیح قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھے شعر کی مثال اچھے کلام کی ہے اور بُرے شعر کی مثال بُرے کلام کی ہے۔

عن ابی هریرہؓ، قال رسول اللہ ﷺ "حسن الشعر کحسن الکلام قبیحہ قبیح الکلام۔ (۲۰)

اسی صورتِ حال کے تحت نبی کریم ﷺ نے دورِ جاہلیت کے مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت سے اشعار سننے کی فرمایش کی تھی۔

عمروؓ بن شدید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے: عمروؓ کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا، کہ آپ نے پوچھا: تمھیں اُمیہ بن ابی الصلت کا کوئی شعر یاد ہے! میں نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا سُناؤ! میں نے ایک شعر سُنا دیا، فرمایا اور سُناؤ! میں نے ایک اور شعر سُنایا۔ فرمایا اور سُناؤ! یہاں تک کہ میں نے حضور ﷺ کو سو (۱۰۰) شعر سُنائے۔ (۲۱)

اچھی بات اور اچھے کلام کا سننا ذوقِ سلیم کی نشان دہی کرتا ہے اور ان واقعات سے آپ کا اچھے کلام کو پہچاننا اور اس کی داد دینا ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اچھے شعر کو حکمت قرار دیا ہے اور حکمت کو مومن کی میراثِ گم گشتہ۔

امراء القیس دورِ جاہلیت کا بہت بڑا شاعر گزرا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب ان کے اشعار سُنائے گئے تو ان اشعار میں شعریت کا اعلیٰ نمونہ دیکھ کر ہی آپ نے فرمایا تھا "**اشعراء الشعراء ولکن لواء ھم الی النار" (۲۲)**

پانچ چھ الفاظ پر مشتمل اس جملے کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب الکلم نے امراء القیس کے چند اشعار ہی سُن کر جو ادبی تنقید فرمائی ہے وہ بڑے بڑے نقاد لمبے چوڑے مقالات لکھ کر بھی

نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا ایک تنقیدی جملے سے آج بھی ہمیں وہ زریں اُصول نبوی ﷺ ہاتھ آتا ہے جس کی روشنی میں شعر کے حُسن و قبح کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اگر کسی شاعر یا اس کے کلام کی تحسین فرمائی ہے تو فنِ شعر سے بڑھ کر اسلام کے حوالے سے اس کے اثرات و نتائج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تحسین یا تنقیص فرمائی ہے۔ امراء القیس کی شاعری، نکتہ سنجی اور سخن فہمی کی داد تو دی ہے کہ اسے شاعروں کا شاعر قرار دیا ہے، لیکن جس قسم کی شاعری اس نے کی ہے اس کا نتیجہ جہنم کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس طرح آخرت میں بھی جہنم کی طرف شعرا کی قیادت کرے گا۔

اس کے برعکس دورِ جاہلیت ہی کے شاعر اُمیہ بن ابی الصلت کے کلام میں سنجیدگی صداقت اور واقعیت و حقیقت کو دیکھ کر آپ نے ان کے سو (۱۰۰) تک اشعار بھی سماعت فرمائے اور ساتھ ہی تنقید کی چھلنی سے گزارتے ہوئے یہ فیصلہ بھی صادر فرمایا ''امن شعرہ و کفر قلبہ'' کہ اُمیہ بن ابی الصلت کا شعر تو ایمان لے آیا لیکن اس کا دل کافر ہی رہا (یعنی اس نے اسلام قبول نہ کیا) اُمیہ بن ابی الصلت کی خوب صورت و سنجیدہ شاعری ہی کی بدولت آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قریب تھا کہ اُمیہ اسلام قبول کرتے۔ آپ نے ان الفاظ میں اُمیہ بن ابی الصلت کو خراجِ تحسین پیش کیا تھا:

عن عمرو بن الشدید عن ابیہ، قال استنشدنی رسول اللّٰہ ﷺ بمثل حدیث ابراھیم بن میسرۃ، وزاد، قال ''ان کاد لیسلم'' وفی حدیث ابن محدی قال ''فلقد کاد یسلم فی شعرہ'' (۲۳)

سبعہ معلقہ میں لبید کا یہ شعر: الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل

سامنے آیا تو حضور ﷺ نے بہت پسند فرمایا اور داد دی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے،

عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن، قال سمعت ابا ھریرہ یقول، سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول ''ان اصدق کلمۃ قالھا شاعر کلمۃ لبید. الا کل شی ما خلا اللّٰہ باطل۔ (۲۴)

اچھے شعر کی پسندیدگی کے متعلق حضرت عکرمہ کی یہ روایت بھی بہت دلچسپ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا گیا ''آپ نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو بطورِ مثل شعر سُناتے سماعت فرمایا؟ اُنھوں نے کہا ''جب آپ گھر میں داخل ہوتے تھے تو کبھی کبھی یہ شعر زبان پر ہوتا تھا: ویاتیک بالاخبار من لم یزود۔ (اور تیرے پاس وہ شخص خبریں لائے گا جس کا تجھ کو علم نہیں)۔

خاندان اور دربارِ نبوت کے شعرا

نبی کریم ﷺ کی سُنّت مبارکہ یہ تھی کہ جب بھی کوئی شخص آپ کے سامنے کوئی ایسی بات یا عمل کرتا جو قرآن اور آپ کی سُنّت کے خلاف ہوتا آپ فوراً اس کی اصلاح فرماتے، اپنے صحابہ کے اچھے افعال پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، آپ کی اس سُنّت کی روشنی میں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خاندان رسول کی اہم شخصیات نے آپ کی تعریف وتوصیف نثر ونظم دونوں میں کی ہے اور آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا ہے تو ذہن خود بخود نعت گوئی کے جواز پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

آپ کے خاندانِ عالیہ میں سے سب سے پہلے کس نے آپ کی نعت کہی۔ یہ ایک اختلاف فیہ موضوع ہے اور اس کے متعلق بہت کچھ تحقیق کی گئی ہے لیکن آپ کی سیرت مبارکہ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات بدیہی طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے جو بالواسطہ نعت کہی وہ دنیا بھر کے نعت گوؤں کے لیے ایک ''مصرعِ طرح'' ثابت ہوا اور اس مصرعے پر حضور ﷺ کی پیدائش سے لے کر آج تک آپ کے عشاق، غزلوں، قصیدوں، مثنویوں اور شاعری کی دیگر اصناف میں طبع آزمائیاں کر رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

آپ کے چہیتے چچازاد حضرت علیؓ صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ آپ نے نبی کریم ﷺ کی تعریف وتوصیف بہت اعلیٰ تشبیہات واستعارات کے پیرائے میں کی ہے:

وکان لنا کالحصن من دون اهله　　له معقل حرز حریز من المدیٰ

وکان بمراة نری النور والهدیٰ　　صبا حامساء راح فینا او اعتدیٰ

آپ ہمارے لیے قلعے کے مانند تھے، جس میں پناہ لینے والے محفوظ ہوتے ہیں۔ ہم ایک آئینے کے ساتھ تھے، جب بھی آپ صبح وشام آتے جاتے، ہم نورِ ہدایت کو صبح وشام دیکھتے تھے۔

آپ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رحمۃ للعالمین کی وفات پر جو مرثیہ کہا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں جو درد اور غم بیان کیا گیا ہے وہ اپنے باپ کی وفات پر واقعی ایک بیٹی ہی محسوس کر سکتی ہے۔

انا فقد ناک فقد الارض واباها

وغاب مذغبت الوحی والکتب

فلیت قبلک کان الموت صادفنا لم نعیت وحالت دونک الکتب (۲۵)

بے شک ہم نے آپ کو کھویا، ایسا کھویا جس طرح بارش زمین کھو جاتی ہے، کاش آپ

سے پہلے موت ہمارے پاس آجاتی اور آپ کی موت کی اطلاع ہم تک نہ پہنچتی، اور آپ کے ہمارے درمیان مٹی حائل نہ ہوتی)

آپ کے خاندان کے شعرا کا احاطہ کرنا اس مقام پر ممکن نہیں کیوں کہ اس کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں، ان چند حضرات کا ذکر اس سلسلے میں کیا گیا کہ بامقصد شاعری کی شروعات آپ کے طفیل آپ کے خاندان ہی سے ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کے قریبی رشتہ دار حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عمر فاروقؓ سب شاعری کرتے تھے اور آپ کی تعریف و توصیف کے علاوہ آپ کی وفات پر بہت اعلیٰ پایے کے مرثیے بھی لکھے ہیں لیکن ان اکابرین اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شاعری کے علاوہ شعرائے دربارِ نبوت کی حیثیت سے شہرت جن کے حصے میں آئی وہ حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ہیں۔ یہ تینوں حضرات دربارِ نبوت کے خاص شعرا تھے اور نبی کریم ﷺ نے ہر ضرورت کے موقع پر ان کی شاعری سے استفادہ کیا ہے۔ اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان کی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش کی ہجو کرو، یہ ہجو) ان کے لیے تیر لگنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ قریش کی ہجو کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ حضور ﷺ کی خوشی کے مطابق ہجو نہ کر سکے، پھر کعبؓ بن مالک کو بلوایا، پھر حسانؓ بن ثابت کو بلوایا، جب حسانؓ ثابت آئے تو آپ نے فرمایا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دم پٹک رہا ہے (یعنی حملے کے لیے تیار) پھر حضرت حسانؓ ثابت نے اپنی زبان باہر نکالتے ہوئے اسے ہلا کر کہا: قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اپنی زبان سے ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جلدی نہ کرو، ابوبکرؓ قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے۔ ابوبکرؓ میرے نسب کو ان کے اندر سے چھانٹ دیں گے۔ حضرت حسانؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے، پھر لوٹ کر آئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح باہر لے آؤں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال باہر نکال لیا جاتا ہے۔ (اس موقع پر) حضرت حسانؓ نے یہ شعر کہے:

هجوت محمد افاجبت عنه

تو عنداله فی ذالک الجزا

تو نے محمد کی ہجو کی، میں نے ان کی طرف سے جواب دیا، اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجوت محمد ابر انقیا
رسول الله شیعة الوفا

تو نے پرہیز گار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفا وعہد ہے۔

فان ابی ووالدتی وعرضی
لعرض محمد منکم وقاء

میری، میرے والدین کی آبرو محمد کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد ﷺ کی آبرو پر قربان ہے۔(۲۶)

حضرت حسانؓ بن ثابت کو آں حضرت ﷺ کا شاعر خاص کہا جاتا تھا۔آں حضرت ﷺ ان کے لیے مسجدِ نبوی ﷺ میں منبر رکھواتے تھے اور آں حضرت ﷺ فرماتے جاتے تھے ''جب تک حسانؓ بن ثابت اشعار سے رسول اللہ ﷺ کی حمایت کرتے رہیں گے تب تک حق تعالیٰ روح القدس (حضرت جبرئیل) سے ان کی تائید و مدد فرماتا رہے گا۔'' (۲۷)

دربارِ نبوت کے دوسرے شاعر حضرت کعبؓ بن مالک ہیں جن کے اشعار کو نبی کریم ﷺ نے کفر کے لیے تیر کے مانند قرار دیا تھا۔آپ کے اشعار قابلِ غور ہیں اور حقیقت و صداقت کے آئینہ دار ہیں:

الحق منطقه والعدل سیرته فمن یجبه الله ینج من تبب
یمضی وینصر نا عن غیر معصیته کانه العبد لم یطمع علی الکذب

آپ کی بات حق اور سیرت عدالت ہے، پس جو بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلے گا، ہلاکت سے نجات پائے گا۔آپ اپنا کام کرتے جاتے ہیں اور بغیر کسی گناہ کے ہماری حفاظت کرتے ہیں گویا آپ بندے ہیں جن کی سرشت میں جھوٹ نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے سامنے نعتیہ اشعار سنانے کا شرف جن تیسرے صحابی کو حاصل ہے وہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ہیں۔آپ نے یہ اشعار اس موقع پر سنائے تھے جب حضور ﷺ کی صلح حدیبیہ کے عمرۃ القضاء کی ادائی کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یہ وہ موقع وحید تھا جب حضرت عبداللہؓ بن رواحہ حضور ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم شریف کے اندر شعر سنائے جا رہے تھے۔ (حضرت عمرؓ نے عبداللہؓ بن رواحہ کو ٹوکا) تو حضور ﷺ نے (حضرت عمرؓ) سے فرمایا: عمر اس کو سنانے دو

یہ اشعار تیروں سے زیادہ تیزی کے ساتھ ان (کفار) پر اثر انداز ہوں گے۔ ملاحظہ فرمائیں وہ اشعار جن کو نبی کریم ﷺ نے کفارِ مکہ کے لیے تیروں سے زیادہ مؤثر قرار دیا:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ ... انا الشھید انہ رسولہ
قد انزلا الرحمٰن فی تنزیلہ ... فی صحف تتلی علیٰ رسولہ
بسم الذی لادین الا دینہ ... بسم الذی محمد رسولہ (۲۸)

(اے کافروں کی اولاد، ان کا راستہ چھوڑ دو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں)۔
(رحمٰن نے اپنی تنزیل (قرآن) میں نازل فرمایا ہے۔ ان صحف میں جو آپ پر نازل ہوتے ہیں)
(اس کے نام سے کہ دین اسی کا ہے اور اسی کے نام سے کہ حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں)

ان حضرات کے علاوہ حضرت کعبؓ بن زہیر کا مشہور قصیدہ 'بانت سعاد' تو کسی تعارف کا محتاج نہیں جو اُنھوں نے حضور ﷺ کو سُنایا تھا، اور آپ اس قصیدہ سے اتنے خوش ہوئے تھے کہ بطور انعام اپنی چادر مبارک حضرت کعبؓ بن زہیر کو عنایت فرمائی۔
دیگر صحابہ جو شعر کہتے تھے، مقالے کی تنگیِ داماں کا خیال کرتے ہوئے درج نہیں کیے جاسکتے۔

نبی کریم ﷺ کے خاندان اور دربارِ نبوت کے شعرا کا ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ اسلام میں شعر و ادب کے مقام کا تعین کیا جاسکے۔ ان روایات اور واقعات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں جائزہ و ناجائز شعر و شاعری اور ادب سے مراد صرف وہ ادب مراد نہیں جن میں وضو اور طہارت کے مسائل بیان ہوئے ہوں یا حمد و نعت ہی کو عقیدت و جذبات کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہو بلکہ اسلام میں ہر اس شعر و ادب کو اولیت اور ترجیح حاصل ہے جو ان اُصولوں کا علم بردار ہو جو انسانی فلاح و بھلائی کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہوں۔ اسلام ہر اس نظریے، اُصول اور شعر و ادب کی تردید کرتا ہے جو انسانیت کے لیے مضر اور خسارے، کا باعث ہو۔

اسلام میں نعت کے جواز اور عدم جواز پر بات کرتے ہوئے خاندان اور دربارِ نبوت کے شعرا کے ذیل میں نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب اور چچا ابوطالب کے اشعار کا بھی ذکر کیا گیا ہے ان کے اشعار جس مفہوم و معنی پر مشتمل ہیں اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ شعر و ادب میں اسلامی شاعری اور کافرانہ شاعری کے درمیان ایک وسیع میدان جائز شاعری کا ہے۔ اس جائز شاعری پر کسی خاص قوم و نسل کی اجارہ داری نہیں ہوتی بلکہ دنیا کا ہر سلیم الفطرت شخص اس قسم کی شاعری کا حامل و علم بردار ہوتا ہے۔ شعر دنیا کی ہر زبان میں دنیا کے ہر شاعر کے ہاں پایا جاتا ہے۔ شعر جائز ملحد اور

کافر کے ہاں بھی پایا جاسکتا ہے اور جائز شعر وحکمت پر مسلمان کا اتنا ہی حق ہے جتنا کسی اور کا کہ حکمت مومن کی میراثِ گم گشتہ ہے۔

اسلام میں نعت اور شاعری کے جواز اور عدم جواز کے متعلق ماہ نامہ ''محدث'' لاہور کے مدیر نے پاکستان کے معروف اور جید علمائے کرام کی خدمت میں ایک سوال نامہ بھیجا تھا۔ ان حضرات نے ان سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے تھے۔ اس مقام پر ان سے فیض یاب ہونا باعثِ دلچسپی ہوگا۔

شاعری اور نعت گوئی کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا تھا کہ شریعت اسلامیہ میں چوں کہ حدود کی رعایت کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے لہٰذا نعت گوئی میں جھوٹ کی گنجایش تو بالکل نہیں۔ ایسی نعت کی بھی گنجایش نہیں جس میں جھوٹ پر مشتمل مبالغہ استعمال کیا گیا ہو البتہ تشبیہ واستعارہ کلام میں استعمال کیا جائے تو اس کی گنجایش ہے۔ گویا مولانا محترم کے الفاظ میں نعت اگر حدودِ شرعیہ میں کہی جائے تو جواز رکھتی ہے''۔ مولانا محمد یوسف بنوری نے اس کے جواب میں اپنا نقطۂ نظر یوں ظاہر فرمایا تھا کہ اگر نعت میں مبالغہ حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کرے تو گنجایش ہے ورنہ ایسی نعت جس میں کفروشرک پر اور صریح جھوٹ پر مشتمل مبالغہ استعمال کیا گیا ہو کسی حال میں درست نہیں۔

مولانا محمد چراغ کے بقول چوں کہ شعر کی بنیادیں مبالغے پر ہوتی ہیں اور نعت بھی شاعری کی ایک صنف ہے لہٰذا شعر میں مبالغے کی گنجایش ہوتی ہے بہ شرطے کہ کسی نصِ قطعی یا عقل کے خلاف نہ ہو نعت نبی میں بھی اس حد تک جائز اور روا ہے۔

اس سلسلے میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا خیال ہے کہ شعر اگر ناپاک جذبات سے خالی ہو اور جمالِ فطرت سے لطف اندوز ہونے کی حد تک رہے تو ناجائز نہیں ہے۔ البتہ جہاں سے حسن وعشق کے جھگڑے شروع ہوتے ہیں، عدم جواز کی سرحد آجاتی ہے۔ کیوں کہ یہ چیز اپنے اندر محض لطف نہیں رکھتی بلکہ غیر اخلاقی رویہ کی طرف اس کا رجحان واضح ہے، خواہ اس پر کتنے ہی لطیف پردے ڈالے جائیں۔

مولانا مودودی نے نعت میں مبالغے کے جواز وعدم جواز پر بھی بہت خوب صورت بات کی ہے، اور مثالوں سے وضاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صرف نعت ہی نہیں ہر طرح کے کلام میں مبالغہ صرف اسی حد تک جائز ہے کہ اس کے پیچھے یا اس کے نیچے اصل حقیقت بالکل چھپ کر یا دب کر نہ رہ جائے بلکہ سامع وقاری بآسانی سمجھ لے کہ حقیقتِ نفس الامری کیا ہے جسے مبالغے کے رنگ میں

بیان کیا گیا ہے۔(۲۹)

نعت کے جواز اور عدم جواز کے متعلق گزشتہ صفحات میں جو بحث کی گئی ہے اس سے یہ ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہر وہ ادب یا شعر وشاعری جو صرف انبساطِ خاطر یا تفریحِ نفس کے لیے ہو، ادب برائے ادب کے نظریے کے مطابق تو کوئی مقام پاسکتی ہے کہ اس نظریے کے مطابق ادبی تخلیقات کا مقصد انبساطِ خاطر کے سوا اور کچھ نہیں۔ ادب میں تفریحِ نفس اور انبساطِ خاطر حسن آفرینی کے ذریعے پیدا کیا جاسکتا ہے، اور حسن وہ ہے جو ذوقِ نظر کو تسکین دے اور لطف کے سامان پیدا کرے۔

اس نظریے کے تحت ادب کے تخلیق کاروں کے نزدیک حسن بنفسہٖ ایک مکمل اور مطلوب قدر ہے ان کے نزدیک حسن ایک آفاقی قدر ہے اور کوئی قدر اس سے بڑھ کر نہیں، حتیٰ کہ بعض حضرات تو اس کو خیر وصداقت سے بھی اعلیٰ درجہ دیتے ہیں۔ ان حضرات کے ہاں کوئی بھی ادبی تخلیق اس وقت ادب میں شمار کرنے کے قابل ہوتی ہے جب اس میں اظہارِ حسن ہو اور وہ جمالیاتی حظ و لطف بخشنے والی ہو۔

زندگی میں کوئی اعلیٰ اور پاکیزہ نصب العین نہ رکھنے والے گروہ، جماعت یا قوم کے لیے تو ادب کا یہ نظریہ ہوسکتا ہے لیکن ایک مسلمان ادیب یا تخلیق کار کے لیے قرآن وحدیث نے یہ راہ مسدود کر رکھی ہے، کیوں کہ اگر انسانی زندگی کو خوشیوں سے مالامال کر کے حسین وجمیل چیزیں ہی تخلیق کی جائیں اور ان حسین چیزوں سے جمالیاتی حظ اُٹھانا ہی زندگی کا مقصدِ وحید بن جائے تو ایسی صورت حال میں انسان خدا کو بھول جاتا ہے اور اس کے دل میں انسانیت کی کوئی قدر باقی نہیں رہتی۔ حسین چیزوں کی صحبت اس کو لذتیت کا دلدادہ بنا کر بدی کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اسلام ایسی جمالیاتی یا ادبی تخلیق کا روادار نہیں جس کا مقصد وحید حظ ولطف بخشی ہو۔

سند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک حدیث ملتی ہے کہ

امر القیس صاحب لواء الشعرا الی النار

امراء القیس کے کلام پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ بات پہلی نظر میں سامنے آجاتی ہے کہ ان کی شاعری، حسن وعشق کی داستانوں، عورت اور شراب کی تعریفوں، برباد و ویران شہروں کے آثار اور سنسان ریتیلے ویرانوں کے مناظر سے بھری پڑی ہے۔ اس کے کلام میں شاعرانہ موشگافیوں، زبان وبیان کی چاشنی، اسلوب وانداز کی ندرت، صنائع وبدائع کی قدرت اور اظہار و دل پذیری کی کمی نہیں

لیکن ایک سلیم الفطرت قاری و سامع پر اس کے کلام کا جو اثر ہوتا ہے اس کے پیشِ نظر حضور ﷺ نے اسے دوزخی شعرا کا سردار قرار دیا۔

امراء القیس کی نوع کی شاعری سے زبان و بیان اور تخلیقی وتخیلی استعداد و صلاحیت کے باوجود کوئی بلند و اعلیٰ مقصد و عمل کی تحریک قطعاً نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس فنا فی النفس اور جسمانی لذتوں میں غرق ہوجانے کی خواہش بیدار ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی اس اعلیٰ سخن فہمی سے یہ نکتہ بھی کھل کر سامنے آتا ہے کہ کسی فنی یا ادبی تخلیق کی قدر و قیمت اور اہمیت صرف اس کے ادبی و فنی حسن سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ادب و فن کا بامقصد، حیا بخش و حیات افروز ہونا لازمی ہے، اسی نقطۂ نظر کی رو سے نبی کریم ﷺ نے عہدِ جاہلیت کے شاعر عنترہ بن شداد کے ایک بامقصد اور حیات بخش اور تحریکی قوت سے بھرپور شعر کے سننے پر ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ اس واقعے سے متعلق روایت الاغانی میں یوں مذکور ہے: عنی ابن عائشہؓ، قال انشد النبی قول عنترہ، ولقد ابیت علی الطّوی وظلہ حتی انال بہ کریم الماکل فقال ﷺ ما وصف لی اعرابی قط فاحببت ان اراہ الاعنتر

(یعنی ابن عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو عنترہ کا یہ شعر سُنایا گیا کہ میں رات اور دن بھوکا رہنے کو تیار ہوں تاکہ محنت و مشقت کے ذریعے عزت کی روزی حاصل کرلوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی اعرابی کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوق ملاقات پیدا نہیں ہوا سوائے عنترہ کے۔ حضور ﷺ کا اس شعر کے بارے میں اتنا خوش گوار ردِعمل کیوں تھا؟ اس لیے کہ شاعر کے اس شعر میں محنت و مشقت اور جائز و حلال ذرائع سے کش مکش حیات میں فقط اس لیے کام یابی و کامرانی کے حصول کا عندیہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ شعر صحت مند اور صحت بخش زندگی کی جیتی جاگتی اور بولتی چالتی تصویر ہے۔

اس واقعے سے اسلام میں جائز اور روا ادب کا نظریہ اور بھی واضح ہوجاتا ہے اور وہ یہ کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ادب اپنی غایت نہیں اور نہ ہی اس کا مقصد حظ آفرینی ہے بلکہ ادب زندگی کا تابع اور خادم ہے۔ اس کی قدر و قیمت اور اہمیتِ زندگی، انسان اور انسانی معاشرے کے حوالے سے متعین ہوتی ہے۔ جس طرح ایک سرمایہ دار معاشرے اور نظام کا علم بردار، اشتراکی نظام معیشت و معاشرت کی وکالت نہیں کرسکتا، اگر کرے گا تو وہ اپنے عقیدے اور نظام کا وفادار نہیں کہلائے گا، اسی طرح عقیدے اور فکر ونظر کے حوالے سے ادب کا مقصد زندگی کے بہترین و بلندترین اقدار اور افکار و

جذبات کی ترجمانی ہے ادب میں ان افکار و خیالات کو ایسے حسین و مؤثر پیرایے میں قارئین و سامعین تک پہنچانا ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف محفوظ و مسرور ہوں بلکہ انھیں عملِ صالح کی تحریک و تشویق ہو اور وہ اس راستے پر چلنے کی طرف مائل ہوں جسے قرآن مجید نے صراطِ مستقیم قرار دیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ ادب کی لطیف ترین صنف خوب صورت شاعری ہے لیکن سورۃ الشعراء اور بعض دیگر آیات جو باب ہذا میں مذکور ہیں، کی رو سے بعض لوگ شاعری کو ایک مذموم و مکروہ فن سمجھتے ہیں، لیکن اگر ان تمام آیات کو ان کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے اور عہدِ نبوی کی شاعری کے پس منظر کو مدِ نظر رکھا جائے تو صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ شاعری مذموم و مکروہ نہیں بلکہ بُری شاعری قابلِ مذمت ہے۔ چوں کہ عربوں کی دورِ جاہلیت کی اکثر شاعری اپنے مضامین اور مفاہیم کی رو سے اسی ذیل میں آتی تھی لہٰذا قرآنِ مجید نے اس قسم کی شاعری کی رد کردی اور آں حضرت ﷺ کے متعلق بھی واضح اعلان کیا ہے کہ آپ نہ شاعر ہیں اور نہ ہم نے پیغمبر کو شاعری سکھائی ہے اور نہ شاعری آپ کے شایانِ شان ہے۔

اب رہی وہ شاعری جس کا سرچشمہ ایمان سے معمور دل ہو، جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالیت کو نمایاں کرلے، جو دانائی اور حکمت سے پُر ہو، جو صراطِ مستقیم کی نشان دہی کرتی ہو، جو حقیقی زندگی اور اس کی صداقت و فضیلت اور سنجیدہ مقصدیت کو ظاہر کرتی ہو۔ کسی طور پر بھی نہ غیر اسلامی ہے نہ مذموم و مکروہ اور ممنوع ہے۔ الغرض (خلاصہ کلام) یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہر وہ شاعری جائز، مستحسن اور باعثِ ثواب ہے جو انسان کی سیرت سازی کے لیے اور معاشرے کی اصلاح و ترقی کے لیے بروئے کار لائی جائے۔

شوق ترا اگر نہ ہو، میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب

ماخذات

۱۔ القرآن الکریم ۷:۱۵۷

۲۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن تفسیر، سورۃ الانعام، ج ۲
مولانا شمسی بدایونی، اردو نعت کا شرعی محاسبہ، ص ۹

۳۔ مولانا شبلی نعمانی، شعر العجم، ص ۲۔۱

۴۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن ''تفسیر سورۃ الشعراء تحت الآیہ والشعراء یتبعھم الغاون، ج ۶، ص ۳

۵۔ القرآن الکریم ۲۶:۲۲۴

۶۔ القرآن الکریم ۲۶:۲۲۴
تفسیر ابن کثیر سورۃ الشعراء الآیہ والشعراء یتبعہم الغاون ج۔۶ ص۔۵۷۴

۷۔ القرآن الکریم ۲۶:۲۲۴

۸۔ القرآن الکریم ۲۶:۲۲۵

۹۔ القرآن الکریم ۲۶:۲۲۷

۱۰۔ القرآن الکریم ۳۶:۲۹

۱۱۔ تفسیر ابن کثیر، سورۃ الشعراء تحت الآیہ والشعراء یتبعہم الغاون، ج۶، ص۵۷۴، تفسیر قرطبی تحت نفس الآیہ جلد۱۵، ص۵۲

۱۲۔ زادالمسیر لابن الجوزی۔ جلد۷، ص۳۴

۱۳۔ الدرالمنثور سورۃ یٰسین تحت الآیہ، وما علمنه الشعر وما ینبغی له جلد۵، ص۲۶۸
ایضاً جامع البیان (تفسیر طبری) جلد۲۲۔ص۱۹ تحت نفس الآیہ

۱۴۔ صحیح بخاری کتاب الآدب باب ما یکرہ ان یکون الغالب علی الانسان الشعر

۱۵۔ صحیح مسلم کتاب الشعر

۱۶۔ زادالمیسر فی علم تفسیر لابی الجوزی جلد۶۔ص۔۵۵ تحت الآیہ والشعراء یتبعہم الغاون

۱۷۔ دارقطنی کتاب النوادر اغوادر، جلد۴، رقم الحدیث ۸

۱۸۔ علامہ جاراللہ محمود ابن عمر الزمخشری، المستقطی فی امثال المعرب، ص۴۷

۱۹۔ صحیح لابخاری کتاب الادب، باب ما یجوز من الشعر والرجز

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً الدرالمنثور۔ تحت الآیہ والشعراء یتبعہم الغاون، ج۵، ص۹۹

۲۳۔ الدرلمنثور، تحت الآیہ والشعراء یتبعہم الغاون

۲۴۔ طبقات ابن سعد

۲۵۔ صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد باب ما ینقب او یطعن فی سبیل اللہ

۲۶۔ ڈاشوقی ضعیف تاریخ ادب عربی، دارالمعارف مصر، ۱۹۲۳ء، ص۸۶

۲۷۔ قرطبی، جلد۱۳، ص۱۵۰، تحت آیت الشعراء، رقم ۲۲۴

۲۸۔ صحیح مسلم کتاب الشعر

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ تفسیر ابن کثیر جلد۳، ص۵۸۱، تحت سورۂ یٰسین، الآیہ رقم ۲۹

۳۱۔ قرطبی، جلد۱۳، ص۱۵۱، ایضاً روح المعانی، تحت سورۃ الشعراء آیہ ۲۲۴
ایضاً صحیح مسلم کتاب الشعر

۳۲۔ صحیح مسلم کتاب الشعر

۳۳۔ تفسیر ابنِ کثیر جلد ۳، ص ۵۸۱ سورۃ یٰسین تحت الآیہ رقم ۲۹
۳۴۔ الدرالمنثور، جلد ۵، ص ۲۰۸ تحت سورۃ یٰسین الآیہ رقم ۲۹
۳۵۔ ڈ/ شوقی ضیف تاریخ ادب عربی، ص ۸۲
۳۶۔ صحیح مسلم، کتاب بداء الخلق، باب ذکر الملائکہ صلوٰۃ اللہ علیہم
۳۷۔ سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ۲، ص ۱۶۱، ایضاً قرطبی، جلد ۱۳، ص ۱۵۱، تحت سورۃ الشعراء الآیہ رقم ۲۲۴
۳۸۔ محمد طفیل، ''نقوش''، لاہور، سیرتِ رسول ﷺ نمبر
۳۹۔ نعیم احمد صدیقی، ماہ نامہ ''چراغِ راہ''، کراچی، شعر نمبر
۴۰۔ آفتاب احمد نقوی، مجلّہ ''اوج''، نعت نمبر
۴۱۔ صاحب زادہ ساجد الرحمان، ماہ نامہ ''فکر و نظر'' اسلام آباد، سیرت نمبر

سیّد افتخار حیدر۔ کینیڈا

نعت کی اساس - قرآن اور ادب

کائنات کے ہر ذرّے کو جس قرینے سے ہم آہنگ کیا گیا ہے وہ 'ادب' ہے۔ ان ذرّوں میں جو اوصافِ حمیدہ رکھ دیے گئے ہیں وہ حمدِ ذوالجلال والاکرام ہے۔ ہر ذرّے کو اس کا مقصدِ تخلیق پورا کرنے کے لیے جو مسلسل ہدایت مل رہی ہے وہ روحِ رسالت ہے۔ یہی روحِ رسالت جب پوری آب و تاب کے ساتھ انسانی وجود کی طرف منتقل ہوتی ہے تو نفوسِ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور سیّدالمرسلین محمد مصطفےٰ ﷺ کے علاوہ تمام انبیا و مرسلین علیہم السلام کے نفوسِ مقدسہ بن جاتی ہے۔

ان انبیا و مرسلین علیہم السلام کی عقیدت اور محبت کے جذبات کے ساتھ جب ان کی تعریف و توصیف کے جلووں کی ایک ایک کرن میں انتہائی قرینے سے حرف و صوت کے موتی پرو دیے جائیں تو نعت تخلیق ہوتی ہے۔ اب بھلا ایسی نعت کے صنفِ ادب ہونے پر کون سوال کرسکتا ہے، نعت ادب ہی ادب ہے، نعت عینِ ادب ہے۔

لغات میں ادب کے معنی تعظیم، قاعدہ، پسندیدہ طریقہ، علمِ زبان دانی، ہر چیز کو نگاہ میں رکھنا، حفظِ مراتب، بزرگی و عظمت کا پاس رکھنا، تہذیب، شائستگی، تمیز، احترام، ایسا اخلاقی ملکہ جو انسان کو ہر ناشایستہ بات سے باز رکھے، وہ علم جس کے ذریعے بول چال اور تحریر کی غلطیوں سے بچا جاسکے۔ (لغاتِ کشوری، فرہنگِ عامرہ، فیروز اللغات جامع، المنجد)

اس لیے نعت ایک ایسی صنفِ ادب ہے جو حمد، قصیدے اور مرثیے کی طرح ادب کے تمام مندرجہ بالا تقاضے پورے کرتی ہے۔ زبان سے متعلقہ تقاضے بھی اور اخلاقی تقاضے بھی... اپنی علمی ادبی تعلیمات کے تحت اُردو ادب کے نقاد، گرچہ اپنے اپنے فیصلے کرنے کا پورا اختیار رکھتے

ہیں لیکن ذرا سے غور و فکر سے یہ بات انھیں اچھی طرح نظر آجائے گی کہ ہر دور کے اچھے شعرائے کرام کی نعتوں میں ادب کے تمام تقاضے مطالب و مفاہیم کا نور بن کر نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر کسی نو آموز شاعر کے نعتیہ شعر میں کوئی سُقم نظر آئے تو ظاہر ہے وہ قصور شاعر کی علمی فنی استطاعت کا ہوگا، نعت بہ حیثیت صنفِ ادب کا نہیں ہوسکتا۔ حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب سے لے کر اس دور کے شعرائے کرام کی اُردو، فارسی، عربی زبانوں میں ہزاروں کی فہرست بنتی ہے اور لاکھوں اشعار کے حسین مجموعے دست یاب ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ نعت کا موضوع اور اس کا ممدوح ﷺ ہی اس قدر رفع و عظیم ہے کہ سوائے حضور پاک کے اجداد علیہم السلام کے ہر ایک کو شاعر نعت کہتے وقت اپنی کم مائگی کا شدید احساس رہتا ہے۔ شعرائے کرام کے بے شمار خوب صورت اشعار جو ادب کے ہر ایک معیار پر پورے اترتے ہیں، اس وقت نعت کے مجموعوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے صرف چند اشعار اس مضمون کی مناسبت سے پیش کر رہا ہوں۔ جناب حفیظ تائبؔ حمد و نعت لکھنے کی جسارت کا خیال آنے پر فرماتے ہیں:

عقل کیا سوچ کر ہے بال کشا — جس کی پرواز ہی قفس میں ہے

مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ ارشاد فرماتے ہیں:

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب — ہنوز نامِ تو گفتن تمام بے ادبی ست

پنجاب کے صوفی شاعر جناب میاں محمدؒ نے اسی خیال کا 'سیف الملوک' میں یوں اظہار فرمایا:

جے لکھ واری عطر گلابوں دھوویے نت زباناں
نام انہاں دے لایق ناہیں، کی قلمے کی کاناں

علامہ اقبالؒ نعت میں ایسی 'حیا' کے احساس کو پیش فرماتے ہیں جو جزوِ ایمان ہے:

مکن رسوا حضورِ خواجہ مارا — حسابِ ماز چشمِ او نہاں گیر

احسان دانشؔ نے اسی موضوع کو بالکل برعکس نبھایا ہے، اس احساس کے ساتھ کہ اگر میرے اعمال نامے کو شفیع المذنبین ﷺ پہلے دیکھ لیں گے تو ضرور کچھ بچت کے امکان پیدا ہو جائیں گے:

جب تک وہ تاج دارِ دو عالم نہ دیکھ لیں
فردِ عمل نہ میری کسی کو دکھائی جائے

صبا اکبر آبادی عملِ نعت نگاری کا ذکر فرماتے ہیں:

مجھ کو ملتی ہے کسی در سے مضامین کی بھیک — کسی دربار سے ہوتے ہیں مجھے لفظ عطا
میرے اشعار میں بارانِ لطافت کے لیے — جھوم کر گلشنِ فردوس سے چلتی ہے ہوا

علامہ اقبالؒ کا اپنا اچھوتا انداز ہے جس کی مثال مشکل ہے:

اے محمدؐ! تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر — اے! تیری ذات باعثِ تکوینِ کائنات

تصورات کے صحرا میں وہ حرم اُبھرا — کھلے گلاب مری دھول دھول آنکھوں میں
تھام کر دامن کو ان کے بے محابہ رو دیا — میں کہ گھبراتا تھا اُن کا سامنا کرتے ہوئے
(حفیظ تائب)

دھڑکنوں میں بھی احترام رہے — اے دلِ بے خبر! مدینہ ہے
(کوثر نیازی)

اس طرح پہنچی ہے مجھ تک اُن کے گھر کی روشنی — دیکھتے ہیں لوگ آکر میرے گھر کی روشنی
(سیّد عاصم گیلانی)

پہلے آجائے ترے عشق میں جینے کا شعور — پھر ترے نام پہ مرنے کا سلیقہ مانگوں
(حامد امروہوی)

میرے آقا کے قدم چومے ہیں جن راہوں نے — کاش اُن راہوں میں ہر گام پہ سجدہ کرتے
(ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد)

تکمیلِ حق ہوئی ہے محمدؐ کی ذات سے — ممکن نہیں تھا ارتقا اس ارتقا کے بعد
(کرامت غوری)

پھر اس کے بعد نبوت کا سلسلہ نہ رہا — وہ اک وجود مکمل تھا ارتقا کے لیے
چمک رہے تھے بہت دن سے طُور پر جلوے — سمٹ گئے تو مقدر بنے حرا کے لیے
(عابدہ کرامت)

خیالِ نورِ محمدؐ سے پھر جلا کردوں — میں پہلے آئینۂ دل سے زنگ تو کُھرچوں
(سیّد حنیف اخگر)

باندھ کر تعویذ تیرے نام کا، کشتی کے سر — عزمِ طوفاں کرلیا ہے میں نے ساحل چھوڑ کر
(ڈاکٹر سیّد تقی عابدی)

ایک انسان دیکھتا میں نجیب
اور قرآن پڑھ لیا ہوتا
(نجیب احمد)

گیا تھا جب تو، کوئی اور آدمی تھا میں
میں اپنے آپ سے واقف ہوا مدینے میں
(امجد اسلام امجد)

جلنے لگے ہیں میری نوا میں، چراغ سے
جب سے لبوں پہ اسمِ گرامی نبی کا ہے
(صبیح رحمانی صاحب)

مثلِ پروانہ پڑھے جاتا ہوں نعتیں اُن کی
کوئی قندیل سرِ شام جلا جاتا ہے
(صلاح الدین ناصر)

رحمت کا ہے دروازہ کھلا، مانگ، ارے مانگ!
دیتا ہے کرم اُن کا صدا، مانگ، ارے مانگ!
سرکار سے سرکار کو مانگوں گا نیازی
سرکار نے جس وقت کہا، مانگ! ارے مانگ!
اب تنگیِ داماں پہ نہ جا، اور بھی کچھ مانگ!
ہیں، آج وہ مائل بہ عطا، اور بھی کچھ مانگ!
ہر چند کہ آقا نے بھرا ہے ترا کشکول
کم ظرف نہ بن، ہاتھ بڑھا، اور بھی کچھ مانگ!
(مولانا عبدالستار نیازی)

سامانِ بقا کرلے فنا ہونے سے پہلے
اے قطرۂ ناچیز! سمندر کی طرف چل
(محمد ذکی کیفی)

جس کو سورج نے بھی دیکھا تو بہت شرمایا
اُفقِ مشرقِ آدم پہ وہ خورشید آیا
فرش پر بیٹھ کے بھی عرش کو جو چھو آیا
اُس نے کونین کی رگ رگ میں لہو دوڑایا
(محسن احسان)

کسی کو حسن کے معنی بھی جب نہ آتے تھے
وہ اپنی ذات کے اندر، حسین تھے جب بھی
قتیلؔ دل نے دھڑکنا بھی جب نہ سیکھا تھا
وہ میرے خانۂ دل میں مکین تھے جب بھی
(قتیل شفائی)

مجھے تو صرف اتنا ہی یقیں ہے
مرا تو بس یہی ایمان و دیں ہے
اگر تم مقصدِ عالم نہیں ہو
تو پھر کچھ مقصدِ عالم نہیں ہے
جھکی جاتی ہے خود سجدے میں گردن
نہ جانے کفر ہے یا کارِ دیں ہے
کہ دل میں ماسوائے اسمِ احمد
نہیں ہے، کچھ نہیں ہے، کچھ نہیں ہے

کبریائی پہ کروں غور ندیم اور تکتا رہوں صورت اُن کی
(شان الحق حقی)

اگرچہ ہزاروں شاعروں کے لاکھوں اشعار سے گلشنِ نعت میں دائمی بہار آئی ہوئی ہے مگر میرا شعور مجھے یہی سمجھاتا رہتا ہے کہ:

نعت قرآن کی نسبت سے کہا کر حیدر
نور ان کا ہے فروزاں اسی رعنائی میں

یہی وہ مقامِ فکر تھا جس پر مرزا اسداللہ خان غالبؔ نے اپنے جلتے ہوئے پروں کو دیکھ کر ہتھیار ڈال دیے تھے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

اور یہ بات بھی سچ ہے کہ خالقِ ارض وسماوات ہی کسی شے کے مقاصدِ تخلیق اور اس کی صفات وحیات کا صحیح اندازہ کرسکتا ہے اور پھر اندازہ بھی اگر کسی ایسی عظیم ہستی کا کرنا ہو جس کے جمال وکمال کا شمار کرتے کرتے لغت میں اسمائے حسنہ ہی ختم ہو جائیں علم کا دعویٰ کرنے والے ۹۹ اور ۱۰۰ کی گنتی سے آگے نہیں بڑھ پائے۔ اسی لیے فقیر لوگ 'ان حد' کی بات کرتے ہیں۔ میں بھی سُنتِ غالبؔ پر عمل کرتے ہوئے اس کام کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں جو اپنی پوری کتابِ نور میں مسلسل یہی نغمۂ جاں فزا سنا رہے ہیں۔ نعتیہ شاعری کا مندرجہ بالا تذکرہ تو محض تمہید تھا۔

تجلّائے نور ہوا اور صدا گونجی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے خلق کیا، وہی رب جس نے انسان کو علق سے خلق کیا، پڑھ! تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے انسان کو علم سکھایا، ایسا علم جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

قرآنِ کریم کی نعت کا مطلع ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنے رسول ﷺ کا رشتہ واضح کردیا۔ ایک پڑھانے والا دوسرا حرف بہ حرف اس پڑھائی کو جن وانس کی طرف جوں کا توں پہنچا دینے والا، ایک رب دوسرا مربوب، ایک خالق دوسرا مخلوق، ایک تمام انسانوں کو علق سے تخلیق کرنے والا، دوسرا ایک ایسا انسان جو اللہ کی طرف سے اُن کی ہدایت کے لیے رسول تخلیق کیا

گیا۔ پڑھانے والا بھی ایسا کریم کہ اس نے قلم کے ذریعے انسان کو علم سکھایا، وہ علم جو اگر اللہ نہ سکھاتا تو انسان بے علم ہی رہ جاتا (قرآنِ کریم میں اللہ کی طرف سے رسولوں کے ذریعے آئے ہوئے علم کو ہی 'علم' کہا گیا ہے۔ ایس علم کو لینے کے لیے چین یعنی کسی دور دراز ملک میں بھی جانا پڑے تو جانے کا حکم آیا ہے) اور یہ اللہ کے علم کو آگے پہنچانے والا بھی ایک ایسا 'امین' پیغمبر کہ جو اپنی طرف سے اس تعلیم میں ذرّہ برابر بھی تبدیلی کرنے سے مبرا ہو۔ اللہ کہے 'پڑھو!' تو وہ آگے کہہ دے 'پڑھو!' (اسی طرح اگر اللہ کہے 'ال م' تو وہ بھی حرف بہ حرف یہی دہرادے اور اگر اللہ کہے 'قل' تو وہ بھی فوراً 'قل' کہہ دے)... ایسے جیسے بیک وقت دو روپ رکھنے والا وجود۔ اللہ کی طرف سے دیکھو تو خود پڑھنے والا، مخلوق کی طرف سے دیکھو تو پڑھانے والا... ذرا غور فرمائیں کہ نعت کا اس قدر فصیح و بلیغ مطلع اللہ تعالیٰ کے سوا بھلا کوئی اور کہہ بھی کیسے سکتا ہے۔ مرزا اسداللہ غالبؔ فرماتے ہیں:

حق جلوہ گر بہ طرزِ بیانِ محمد است　　　آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمد است

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعت کہی۔ ارشاد ہوا:

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں گواہی دیتا ہوں ستارے کی جب وہ غائب ہونے لگے، تمھارا ساتھی نہ تو راہ سے خود بھٹکا ہے اور نہ ہی بہکایا گیا ہے۔ اس کی قوتِ گویائی تو خواہشِ نفس سے نہیں بول سکتی، بلکہ وہی کہہ سکتی ہے جو اسے وحی کی جاتی ہے جو اسے ایک شدید القویٰ نے تعلیم کی جو صاحبِ قوت ہے اور اسے سامنے نظر آیا۔ جب وہ افقِ اعلیٰ پر تھے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور قریب ہوئے۔ جیسے قوسین کا فاصلہ یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے عبد پر جو وحی کی، سو کی۔ پھر جو اس نے دیکھا، اس کے دل نے نہ جھٹلایا۔ کیا تم لوگ اس پر جھگڑتے ہو جو اس نے اس طرح دیکھا ہے۔ پھر اس نے اسے ایک اور بار بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر جو چھا رہا تھا، چھا رہا تھا۔ اس وقت اس نے نہ تو زاغ البصر کیا اور نہ ہی طغیٰ کیا۔ وہاں اس نے اپنے ربّ کی آیاتِ کبریٰ دیکھیں۔ (۵۳:۱۔۱۸)

قلب و خیال کے آفاقِ اعلیٰ پر، سدرۃ المنتہیٰ اور قابَ قوسین اور اودنیٰ کے معراجِ قرب

پر فائز ہوکر، وحی کے بصائر پر، نہ کذب الفواد، نہ زاغ البصر، نہ طغیٰ کرنے کے سندیافتہ رسولِ کریم ﷺ کی نعت، اتنی چھوٹی بحر میں، اتنے فصیح و بلیغ انداز میں کہنا محض اسی علیم و حکیم ربِ محمد ﷺ کا ہی استحقاق ہے۔

لکھنے والوں نے ان منازلِ عرفان و آگہی پر نہ جانے کتنی نعتیں لکھ کر اپنی اپنی قدر و منزلت میں اضافہ کیا۔ اس دور کے عظیم نعت گو جناب حفیظ تائبؔ کا اس کہکشاؤں کے تاج دار صاحبِ معراج ﷺ پر ایک شعر سنیں:

جیسے تارے ہیں سرِ کاہکشاں جلوہ فشاں
عرصۂ زیست میں یوں نقشِ قدم تیرے ہیں

اور جناب امدادؔ ہمدانی اسی موضوع پر ارشاد فرماتے ہیں:

ستاروں سے ستارے پوچھتے ہیں ہمارے درمیاں سے کون گزرا؟

اللہ نور السمٰوات والارض نے ایک اور نعت کہی کہ:

اے میرے نبی ﷺ! میں نے تجھے 'شاہد'، 'مبشر'، 'نذیر'، 'د
اپنے اذن سے 'سراجاً منیر' بنا کر بھیجا ہے۔
مومنین کو بشارت سنادو کہ ان پر اللہ کا یہ 'فضلِ کبیر' ہ

یہ سراجِ منیر جس نور سے روشن ہے اللہ نور السمٰوات ، شاندہی فرمادی ہے۔ ارشاد ہوا:

یا ایھا الناس! تمھارے پاس تمھارے ربّ کی طرف
ایک نورِ مبین آچکی ہے۔ (۴:۱۷۵)
اے اہلِ کتاب! تمھاری طرف ہمارا رسول آچ ہے۔
کتاب میں سے چھپایا کرتے تھے وہ کھول کھول کا بتا دیں ے
پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتابِ مبین آچکے ہیں۔ (۵:۱۵)
اللہ سمٰوات اور ارض کا نور ہے۔ (۳۵:۲۴)

نعت کا انداز ملاحظہ ہو کہ رسول اللہ ایک ایسا 'سراجِ منیر' ہیں جس میں 'اللہ کا نور'، 'قرآن کے نور' کی صورت روشن ہے۔ دین اجازت دیتا تو اچھا خاصا تثلیث کا مواد مل سکتا تھا۔ یہ قرآن کے سدا روشن رہنے والے نور کا ہی اعجاز ہے کہ آج تک اللہ اور سراجِ منیر مومنین کے

قلوب تک پہنچ رہا ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوا:

اللہ رحمٰن الرحیم کی رحمت ہر شے پر محیط ہے۔ (۷:۴۰)

اور پھر اپنے رسول کی شان میں سلطنتِ عرش کا سب سے بڑا اعزاز عطا فرماتے ہیں:

ہم نے نہیں بھیجا تمھیں، مگر عالمین کے لیے رحمت بنا کر۔ (۲۱:۱۰۷)

اور قرآن کے متعلق ارشاد ہوا:

یقیناً یہ قرآن مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی نعت کا کمال دیکھیں کہ اپنی اور قرآن کی رحمت دے کر اپنے حبیب ﷺ کو رحمۃ للعالمین ﷺ بنادیا۔ یہاں بھی مثالِ نور ویسی ہی تثلیث بن رہی ہے۔ اللہ، قرآن اور رسول ﷺ انسانوں کے لیے ایسی مشترکہ رحمت ہیں جسے کبھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر ایک انسان اسی رحمت سے فیض یاب ہوکر ہی دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کرسکتا ہے۔

وقت کی قید کا خیال رکھتے ہوئے صرف اس قدر کہتا چلوں کہ پورے کا پورا قرآن بالواسطہ یا بلاواسطہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی نعت نظر آتا ہے۔ جس کی تفصیل سننے کے لیے قصہ سوز و عشق سننے کی تاب چاہیے۔ صاحبانِ ذوق اس ناچیز کی کتاب 'سیدالمرسلین ﷺ بہ زبانِ قرآن' کو بھی اگر ساتھ شامل فرمالیں تو میرا یہ مقالہ مکمل ہوجائے گا۔ خاتم المرسلین، رحمۃ للعالمین، سراج منیر رسول ﷺ ہی وہ ممدوحِ کائنات ہیں جن کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے رفعتیں عطا کررکھی ہیں۔ وَرفعنا لک ذکرک (۹۴:۴)

کیا کروں، یہ سب کچھ کہ لینے کے باوجود بھی جی نہیں بھر رہا۔ چاہتا ہوں کہ تا ابد انھی ﷺ کا ذکرِ ارفع کرتا چلا جاؤں۔ محض ان کی ہی باتیں ہوتی رہیں۔ رئیس امروہوی کے چند اشعار یاد آگئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

چھیڑ اے دل! نجات کی باتیں   سیدِ کائنات کی باتیں
آج تک ہیں لبِ دو عالم پر   اُن کی ایک ایک بات کی باتیں

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

گلستانِ نعت میں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی بہارِ جاوداں

آج بزمِ کونین میں جدھر دیکھیے نعتِ رسول ﷺ کے نعرہ ہائے قدسی گونج رہے ہیں۔ افکار کی وادیاں ہو یا ابلاغ واظہار کی وسعتیں، تصنیف وتالیف کے مراحل ہوں یا تبلیغ واشاعت کے سلسلے، عشق وعقیدت کی جولاں گاہ ہو یا اسرارِ فطرت کی جمال آفرینیاں، الفاظ کا زیر و بم ہو یا حسنِ صورت کی جلوہ گری، منبر ومحراب کی تقدس آفرینی ہو یا محافلِ میلاد کی بہار سامانی، جدھر دیکھیے، جدھر بھی سماعت کی قوت کو اِذنِ پرواز دیجیے، نعت و مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کی بہار سامانی قلب ونظر کو شادکامی عطا کرتی نظر آئے گی۔ اصحابِ علم وفضیلت ہوں یا اربابِ فہم و دانش، نغمہ سرایانِ وقت ہوں یا معرفت کے خلوت کدے، یاد کرنے والے صوفیا واتقیا، سب کے لبوں پر نعت اپنے اپنے رنگ اور اپنے اپنے آہنگ میں لپک رہی ہے:

خدا کی حمد پیغمبر کی نعت، اسلام کے قصے
مرے مضموں ہیں، جب سے شعر کہنے کا شعور آیا

شعر کہنے کے شعور نے شاعری کے حسنِ تقدس یعنی جمالِ نعت سے آشنا کردیا۔ شاعری تو حسن واداہے۔ لفظوں کو بحور واوزان کے پیمانے میں سمونے کا نام ہے مگر جب اس پیمانۂ سخن گوئی کو حسنِ دوام بخشنے کا وقت آتا ہے تو پھر نعت کی بہار جاودانی سخن گوئی کی معراج بن کر اپنی ہمہ گیری کا سکہ منوالیتی ہے۔ زبردستی نہیں بلکہ محبت سے، مجبوراً نہیں بلکہ اپنی تاثر آفرینی سے، جلالِ فکروفن سے نہیں بلکہ جمالِ سخن وری سے، اصناف کے پُرغرور بانکپن سے نہیں بلکہ سوز وگداز کے والہانہ پن سے اور پھر جب نعت کا سکہ چلتا ہے تو وقت کی ہر قلمرواس کی عظمت سے آباداور زمانے کی ہر کروٹ اس کے کمالِ

عشق و عقیدت سے پُر بہار نظر آتی ہے، وقار صدیقی کے لفظوں میں:

آتے ہیں، وقار، اب تو تغزل کو پسینے
نعتِ شہِ ابرار کا وہ رنگ جما ہے

عرب سے عجم تک نعت نے اپنی حکمرانی کا سکہ منوایا تو پھر زمانے کا زمانہ اُدھر ہی کو چل پڑا۔ اور وہ نعت جسے تبرک کا درجہ دے کر کسی بھی کتاب کا حرفِ آغاز بنا رکھا تھا کہ خدا کرے اس کے صدقے میں انجام اچھا ہو، اسی نعت کے پیغام کو عالم گیریت عطا کر کے ہر جگہ ہر مقام پر پہنچا دیا گیا۔ اور صنفِ نعت بھی ایسی خوش بخت تھی کہ جوں جوں جملہ اصنافِ سخن اس کی جانب متوجہ ہوئیں اس کا دامن فراخ سے فراخ تر ہوتا گیا۔ آج زمانے بھر میں شاید ہی کوئی موضوع ہو جس نے نعت کو وسیلۂ اظہار نہ بنا رکھا ہو۔ سلطانِ دو عالم ﷺ کی نورانیتِ لازوال، آپ کی بشریتِ بے مثال، آپ کے خصائص و معجزات، آپ کی صفات و برکات، آپ کے حسنِ صورت کی تابانیاں، آپ کے کمالِ سیرت کی جولانیاں، آپ کے جلوہ ہائے ظاہر کی برکاتِ قدسیہ، آپ کے حسنِ باطن کی عنایاتِ بے بہا، عظمتِ اسلام کے فسانے، شوکتِ ایمان کے ترانے، محسنینِ اسلام کے کارنامے، عشاقِ رسول ﷺ کی جاں سپردگی کی داستان ہائے نور، ہر دور میں اسلامیانِ عالم پر ٹوٹنے والے طوفانِ بلاخیز کے قصہ ہائے رنجور۔ قرآنِ حکیم کی تجلیاتِ بے کراں، احادیثِ مصطفوی ﷺ کی جگمگاتی ہوئی کہکشاں آقائے دو عالم کے حضور امت کی زبوں حالی کا نوحہ، بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں خدامِ الم رسیدہ کے آنسوؤں کا سیلابِ بلا، غرضے کہ نعت میں فرد سے لے کر اُمتِ اسلام پر ٹوٹنے والے اجتماعی آلام کی داستانِ غم بھی ملتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نوازش ہائے بے بہا پر ہدیہ تشکر بھی۔ شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جسے موضوعِ نعت نہ بنایا گیا ہو۔ اور یہ تلازمِ نعت کی بے کراں وسعتیں ہیں جنھوں نے تمام موضوعات اور اسالیب کو اپنے دامن میں سمو لیا، اور بلاشبہ یہ صاحبِ نعت ﷺ کا کرم اور نعت کا فیضان ہے:

ان سے گر ربط نہ ہوتا تو گلِ ہستی کو
کن عذابوں سے گزرنا تھا گہر ہونے تک

نعت کے حوالے سے اگر ہم محض موضوعات کے لکھنے پر ہی اکتفا کریں تو ایک سیر حاصل کتاب مرتب ہو جائے۔ یہاں ہمارا مقصود دو موضوعات سے ہے جو نعت کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک صورتِ مصطفیٰ ﷺ کی تجلیات کی ہمہ گیری اور دوسرے سیرتِ رسول ﷺ کی جلوہ افروزی۔ چونکہ نعت بذاتِ خود تعریف و توصیفِ محمد ﷺ سے عبارت ہے، اس لیے محبوب کی

توصیف بطورِ خاص صورت اور سیرت کے بیان کا تقاضا کرتی ہے۔ باقی تمام موضوعات از خود ان دو عنوانات کی جامعیت میں سمٹ آتے ہیں۔ اور ہمارے آقا و مولا ﷺ کی ذاتِ والا صفات پر محبوبیت کی تمام تر رفعتیں تصدق ہونے لگتی ہیں۔ جسے خدا نے ''محمد'' بنایا، ''احمد'' کا لقب عطا فرمایا، ''رحمۃ للعالمین'' کا تاج اس کے سرِ پُر انوار پر رکھا، شفاعت کو اس کا معیارِ رحمت فرمایا، جس کے جمالِ جہاں آرا کے ظہور کو وجہِ وجودِ کائنات ٹھہرایا۔ چاند ستاروں کی ضیا پاشی کو جس کے حسنِ جہاں گیر کی ادنیٰ جھلک سے یاد فرمایا، جس کی صورت کو عشاق کے دلوں کے خلوت کدوں میں بسایا، جس کے ہاتھ کو دستِ قدرت قرار دیا، جس کی زبان کو وحیِ الٰہی کا ترجمان قرار دیا، جس کی چشمانِ مبارک کو ''مازاغ'' کا سرمہ نور عطا فرمایا، جس کے حسن کو جملہ انبیا و رسول سے بڑھ کر فضیلت دی اور تمام انبیا کے معجزات پر جس کے معجزات و خصائص کو جامعیت اور فضیلت عطا فرمائی، جسے اپنے نور کا مظہر قرار دیا، اس کے حسنِ ظاہری و باطنی کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم خود شرحِ انوارِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ ربِ کریم خود ہر گھڑی ہر آن شہ کارِ نورانیت پر درود بھیج رہا ہے۔ فرشتے خدائے قدوس کے حکم کی بجا آوری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درودوں کی سوغات نچھاور کرنے میں مصروف ہیں۔ ہر صاحبِ ایمان اپنے عشق و عقیدت کے تقاضوں کی عملی اور روحانی بجا آوری کے لیے حسن و جمال کو دل میں بسا کر سنتِ خداوندی میں لاتے ہوئے صلوٰۃ و سلام کا ارمغانِ شوق پیش کر رہا ہے۔ شعرا کے نعتیہ دیوان جمالِ رسول ﷺ کے تذکارِ نور سے بھرے پڑے ہیں۔ محمد (ﷺ) کا نامِ نامی اسمِ گرامی اہلِ ایمان سے ''محمدیت'' کی شانِ محبوبی کو اجاگر کرتے ہوئے آپ کے حسنِ لازوال کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی سعادت بخش رہا ہے۔ ایک صاحبِ ذوق کے لفظوں میں:

جب اس مصور نے جلوہ گاہِ جمالِ احمد کی ابتدا کی
تو ان نگاہوں سے مہر و ماہ و نجوم کو روشنی عطا کی

نعت کا دوسرا اہم ترین موضوع جو حسنِ نعت کا تقاضا بھی ہے اور بطورِ خاص عہدِ حاضر کا آوازہ بھی، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مطہرہ کی جلوہ گری ہے۔ ماضی کے نعتیہ مجموعوں میں ہمیں صورتِ محمدی ﷺ کے بحرِ بے کنار کے مقابلے میں سیرتِ حضور کا تذکرہ نسبتاً کم ملتا ہے بلکہ بعض نعتیہ دیوان تو اس سے خالی نظر آتے ہیں۔ اس کا سبب ہرگز یہ نہیں کہ وہ نعت گو شعرا سیرتِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمہ گیری سے غافل تھے۔ یہ ایک فطری سبب ہے کہ نگاہوں کو اولین تاثر میں حسنِ ظاہری و باطنی ہی زیادہ متاثر کرتا ہے۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت حسانؓ

بن ثابت تک سب ہی جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی طلعتوں میں کھوئے رہے۔ جب محبوب خدا کا جمالِ جہاں آرا نگاہوں کے روبرو تھا تو دلوں کے قبلے ازخود درست ہو رہے تھے۔ چہرۂ والضحیٰ کی ایک ایک جھلک ایمان کے فکری اور عملی تقاضوں سے بہرہ ور کر رہی تھی۔ اقبالؔ نے سیّدنا صدیقِ اکبر کی فکرِ پاکیزہ اور طائرِ عشق کی پرواز کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

معنیِ حرفم کنی تحقیق اگر　　　بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبی　　　از خدا محبوب تر گردد نبی

(رموزِ بے خودی)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ''حضور سرورِ عالم ﷺ کے وجودِ مبارک میں وحیِ الٰہی، معجزات اور دیگر دلائلِ نبوت کا اثر وظہور نہ بھی ہوتا تو آپ کا چہرۂ مبارک ہی آپ کی دلیلِ نبوت کو کافی تھا۔'' (زرقانی علی المواہب، ص۷۲)

اِک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمالِ صورت کو نگاہوں میں بسانے کے لیے ایک زمانہ نہیں بلکہ تمام زمانے تڑپتے رہے اور آج بھی اس جمالِ بے مثال کی ایک جھلک کو خواب میں دیکھنے کے لیے ہر صاحبِ ایمان درود وسلام کے گل ہائے سدا بہار بارگاہِ رسالت مآب میں نذر کر رہا ہے۔ آپ کے حسن و جمال کی تمام تر اثر آفرینی اپنی جگہ مگر یہ بھی تو ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جہاں صورتِ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں نے زمانے کو اپنی جانب متوجہ کیا وہاں آپ کی عالم گیر سیرت نے ہر زمانے کو تسخیر کرلیا۔ قرآنِ حکیم خود آپ کی سیرتِ قدسیہ اور اسوۂ حسنہ کی سربلندی کی ابدی گواہی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَۃٌ حَسَنَه

''اے اصحابِ ایمان! تمھارے لیے اللہ کے رسول کا کردار ہی بہترین نمونہ ہے''

یہ آپ کے لازوال کردار کی جامعیت ہی کا کمال تھا کہ خدائے کریم نے آپ کے وجودِ اقدس کو اپنا احسانِ عظیم قرار دیا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ۝

''بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا کہ انھیں اپنا رسول عطا فرمایا''

اس رسولِ معظم ﷺ کی تشریف آوری نے زمانے کا رُخ بدل دیا۔ آپ کے وجود کو خدا اپنا عظیم احسان قرار دے رہا ہے۔ زمانہ شاہد ہے کہ اس عظیم احسان کے فیضانِ عام نے ہر ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ سیرتِ قدسیہ کی ایسی بہار دکھائی کہ دنیا قیامت تک جس کی برکات سے خوشہ چینی کرتی رہے گی۔ جب آپ کی سیرت کا آفتاب اُبھرا تو ابھرتا ہی گیا۔ نصف النہار پر پہنچا تو ہر زوال سے بے نیاز ہو گیا کیوں کہ خالقِ کونین نے:

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ

فرما کر آپ کے ذکر کو ہمیشہ کے لیے سربلند کر دیا۔ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا آفتاب ہر قسم کے زوال اور گہن سے نا آشنا ہے۔ یہ وہ گلِ باغِ توحید ہے جو خزاں سے نا آشنا ہے، وہ ماہتابِ صد انوار ہے جو جگمگایا تو جگمگاتا ہی گیا اور ہر آنے والا دور اس کی جگمگاہٹ سے دل و جان کو ہی نہیں بلکہ افکار و کردار کو بھی منور کرنے لگا:

چشمِ اقوام یہ نظارا ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

یہ آپ ہی کی سیرتِ طیبہ کا فیضانِ عام تھا کہ پتھر دل موم ہونے لگے۔ لاتعداد اصنام کی پرستش کرنے والے خدائے واحد پر ایمان لے آئے، کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹکنے والے انوارِ توحید کے طلب گار بن گئے، بیٹیوں کو زندہ زمین میں دفن کرنے والے ان کی عفت و عزت کے نگہبان بن گئے، بات بات پر خون کا بازار گرم کرنے والے امن و سلامتی کے علم بردار بن گئے، عورتوں کو قدموں کی جوتوں سمجھنے والے انھیں نشانِ غیرت سمجھنے والے بن گئے، ماں باپ کے بڑھاپے کو بوجھ تصور کرنے والے ان کے قدموں میں جنت تلاش کرنے لگے، ظلم و تشدد کے خوگر اخوت و رحمت کے مظہر بن گئے، شراب کو اعزاز اور قمار بازی کو افتخار سمجھنے والے انسانی اقدار کی سربلندی کے لیے میدانِ عمل میں اُتر آئے، وحشت و بربریت کو زندگی کا معیار سمجھنے والے صلح و امن کے علم بردار بن گئے، کمزور و بے کس کی عزت سے کھیلنے والے ان کے سر پر دستِ شفقت کی چھاؤں کرنے لگے۔ عجب انقلاب تھا کہ جس نے دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تبدیل کر کے رکھ دیا۔ یہ سب سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرتِ اطہر کا کمال تھا کہ خدا نے جس کے ہر آنے والے زمانے کو گزرنے والے زمانے سے اولیٰ تر قرار دیا ہے اور ''وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ'' کہہ کر بھی تعلیم دی گئی کہ اگر میرے انعامات کا صحیح معنوں میں چرچا مقصود ہے تو میرے انعامِ خاص (محمد رسول اللہ) کی تعلیمات

سے روشنی لو جن کی سیرت ہر دور میں آفتابِ تازہ کی صورت ظلمتوں کے پردے چاک کر رہی ہے:

سبیل ہے اور صراط ہے اور روشنی ہے
اک عبد مولیٰ صفات ہے اور روشنی ہے

(انجم عارف)

وہ عظیم شخصیت جس نے تاریخ ساز انقلابِ سیرت برپا کیا وہ ممدوحِ دو عالم، صاحبِ نعت، حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ وہ پیغمبرِ سیرت کہ جس کے کردار کی بلندیوں کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ وہ پیغمبرِ سیرت جس نے پتھر کھا کر پھولوں کی بشارت دی، جو اپنی راہ میں بچھائے گئے کانٹوں پر چل کر جنت کے گل زاروں کی خوش خبری سے نوازتا رہا، جو اپنے لہو کے پیاسوں کو ادائے رحمت سے نوازتا رہا، قتل کے منصوبے بنانے والوں کو جان کی امان دیتا رہا، گالیاں دینے والوں کو رحمت کی دعاؤں سے نوازتا تھا۔ وہ صاحبِ نعت (ﷺ) جو جانِ سیرت تھا اور اعزازِ سیرت بھی، جو بغض وحسد میں ڈوبے ہوئے دلوں کو فکر کی طہارت عطا کرتا رہا۔ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرتا رہا۔ جو دوسروں کا حق غصب کرنے والوں کو انسانی حقوق کا احترام سکھاتا رہا۔ جو بے یاروں کا یار اور الم رسیدگانِ ہستی کی آخری ڈھارس تھا، جو پیٹ پر پتھر باندھ کر دنیا بھر کے خزانے تقسیم کرتا رہا۔ وہ پیغمبرِ سیرت جس نے ''نہ'' کہنا سیکھا ہی نہیں تھا، جو قاسم انعاماتِ ربانی تھا مگر کئی کئی وقت کے فاقے کاٹتا تھا، جو ''الفقر فخری'' کی رفعتوں کا امین تھا۔ جس نے عرب کے بادیہ نشینوں کو قیصر و کسریٰ کی قبائیں عطا کیں، گرتے ہوؤں کو اوپر اٹھایا، گم راہوں کو خدا کی معرفت عطا کی، وہ پیغمبرِ سیرت، وہ مرکزِ نعت، وہ مرجعِ عقیدت کہ جس کی سیرت سے قیامت تک اپنے ہی نہیں بلکہ اغیار بھی خوشہ چینی کرتے رہیں گے:

وہ اِک اُمی کہ ہر دانش کو چمکاتا ہوا آیا
وہ اِک دامانِ بخشش پھول برساتا ہوا آیا
وہ اِک عظمت کہ مظلوموں کے چہروں پر دمک اُٹھی
وہ اِک بندہ کہ سلطانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا
وہ اِک نرمی کہ سنگ و خشت کے سینے میں جا اتری
وہ اِک شیشہ کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوا آیا
ترے در کے سوا آسودگیِ دل کہاں ملتی
ترے دَر پر زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

(ضمیر جعفری)

ہمارا مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ ہمارے آقا و مولا ﷺ نورِ الٰہی کے مظہر ہیں تو پیغمبر سیرت بھی ہیں۔ صورتِ مقدسہ اپنی جگہ مرجعِ عقیدت تو سیرتِ منورہ اپنی جگہ وجہِ اعزاز۔ اس لیے ہمارے شعرا کو چاہیے تھا کہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے تذکارِ نور کے پہلو بہ پہلو آپ کی سیرتِ پاک ہی ہے جو ہر دور کو جینے کے آداب سکھلا رہی ہے۔ یہ آپ کی سیرت کی عظمت کا اعلان ہی ہے کہ قرآن آپ کی اتباع کو اتباعِ خداوندی قرار دے رہا ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ

"جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی"

گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مطہرہ کی پاس داری اور اس حوالے سے آپ کی اتباع عین اتباعِ خداوندی ہے۔ آپ کی سیرتِ مقدسہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

اس دنیا سے سیرت کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور صرف قرآن ہی باقی رہے، جب بھی آں حضرت ﷺ کی شخصیتِ مقدسہ اور آپ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے کیوں کہ یہ صرف قرآن ہے جو ہمیشہ دنیا کو بتلاتا رہے گا کہ اس کا لانے والا کون ہے؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و یگانہ کیسے تھے؟ قوم و مرزبوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی، اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کیسی کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات اور حوادث پیش آئے؟ یا پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ کر گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظرِ وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی۔

(رسولِ رحمت، ابوالکلام آزاد، ص ۱۹۔۲۰)

اب ہم ایک نظر دیکھتے ہیں کہ سیرت کیا ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کہتے ہیں:

زندگی میں کوئی تبدیلی نصب العین کے بغیر لائی نہیں جاسکتی اور نصب العین

کے بغیر زندگی کو ضبط اور انقیاد کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ سیرت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ سیرت یا کردار نام ہی پسندیدہ اور ناپسندیدہ کے درمیان کا امتیاز پر اصرار اور اس اسرار کی قیمت ادا کرنے کا ہے اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ کا تعین نصب العین ہی کے حوالے سے ہوسکتا ہے۔ مقصد کا شعور باقی نہ رہے تو بے راہ روی پیدا ہو کر رہے گی۔

(''سیرتِ طیبہ اور ہماری سیرت'' برہان احمد فاروقی، ماہ نامہ ''شام وسحر'' ۱۹۸۴ء)

ٹامس کارلائل کہتا ہے:

بس ایک شعلہ گرا، محض ایک شعلہ اور وہ بھی ایسی سرزمین پر جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس پر انسانی آبادی پنپ نہیں سکتی۔ لیکن اس زمین کی ریت بارود ثابت ہوئی جس نے دلّی سے غرناطہ تک کے آسمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ (ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ، ٹامس کارلائل)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار کسی تابعی نے حضور ﷺ کی سیرتِ پاک کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا:

''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟''

اس نے کہا، ''قرآن تو کئی بار پڑھا ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ ''یہی قرآن حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت اور خلق کا آئینہ ہے۔''

اسلام اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ لازم وملزوم ہیں۔ قرآن اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ تو پھر شعرائے کرام پر بھی لازم آتا ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے مضامین زیادہ سے زیادہ بیان کریں۔ نثر کی نسبت نظم زیادہ تاثیر رکھتی ہے اور نثری پارہ کی نسبت موزوں اور برمحل شعر زیادہ پُر تاثیر اور مستقل حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ قیامت تک جو چیز عالمِ انسانیت کی راہ نمائی کرتی رہے گی، وہ بلاشبہ آپ کی سیرتِ مطہرہ ہے۔ جس طرح آپ کی سیرت نے ہر دور کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو منزل آشنا کیا ہے، اسی طرح آج بھی آپ کی سیرت کے انوار ہی ظلمتوں کے طلسمِ باطل کو کافور کر سکتے ہیں۔ شاعری خدا کی دین ہے اور شاعری میں نعت کو اختیار کرنا عین رحمتِ خداوندی ہے۔ اس رحمتِ خداوندی کا حق بجا طور پر اسی طور ادا ہوسکتا ہے کہ اس صنفِ سخن سے سیرت نگاری کا زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ اس احساس کے ساتھ کہ:

آپ نے آ کے وہ تعلیمِ محبت دی ہے
تلخ لہجوں کو جو شائستہ بنا دیتی ہے
اِک نئی نعت کے ہونے کی بشارت دی ہے
میری پلکوں پہ چراغوں نے فروزاں ہوکر
(سیّد صبیح رحمانی)

ہم سیرتِ حضور ﷺ کے حوالے سے چند عظیم شخصیات کے عربی نعتیہ کلام کے کچھ اقتباسات کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے سرپرست اور محافظ چچا حضرت ابوطالب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ سب سے پہلے وہی آپ کی مدح وثنا میں لب کشا ہوئے۔ ان کے پہلے نعتیہ قصیدے کے ابتدائی تین شعر یہ ہیں:

اذا اجمعت یوما قریش لمفتخر
فعبد مناف سرها وصمیمها
وان حصلت اشراف عبد منا فها
وفی هاشم اشرافها و قدیمها
وان فخرت یوما فان محمدا
هو المصطفی من سرها و کریمها

مفہوم: اگر قریش والے کبھی یہ فیصلہ کرنے کو جمع ہوں کہ اُن کا سرمایۂ افتخار کیا ہے تو معلوم ہوگا کہ عبد مناف کی شاخ پورے قبیلے کی جان ہے اور اگر عبد مناف کے اکابر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ اُن کی عزت وعظمت کا راز کیا ہے تو وہ بنو ہاشم میں اپنی عظمت کا سراغ پائیں گے اور بنو ہاشم کسی چیز پر فخر کرنا چاہیں تو اُن کو معلوم ہوگا کہ محمد (ﷺ) اُن میں بہترین، پسندیدہ ترین اور باعثِ افتخار ہیں۔

ایک اور قصیدے میں ابوطالب کی زبانِ قلم سے ایک ایسا شعر بھی نکلا جو بہت سے قصیدوں پر بھاری ہے اور وہ شعر یہ ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

"وہ روشن اور تاب ناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے، وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ ہیں۔"

بعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ مدینے میں قحط پڑا تو شہر والوں نے حضورِ اکرم ﷺ سے بارش کی دعا کے لیے درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی اور اس کے نتیجے میں اُسی روز اتنی بارش ہوئی کہ سارا علاقہ جل تھل ہوگیا۔ اُس دن حضور ﷺ نے صحابہؓ کی موجودگی میں کہا کہ اگر آج ابوطالب یہ

دن دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ اس پر ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کا اشارہ اس شعر کی طرف ہے اور انھوں نے مندرجہ بالا شعر پڑھا۔

آپ نے فرمایا،"بے شک، یہی بات ہے۔"

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسول ﷺ کے محبوب نعت گو تھے۔ آپ کی نعتوں میں محبوبِ دو عالم ﷺ کے بے مثال حسن و جمال کے انوار بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ کی ایک نعت کے چند اشعار دیکھیے جو سیرتِ حضور کے گلاب مہکا رہے ہیں:

واللہ ربی لانفارق ماجداً	عف الخلیقة ماجد الاجداد
متکرما یدعوا الی رب العلی	بذل النصیحة رافع الاعماد
مثل الھلال مبارکا ذا رحمة	سمع الخلیقة طیب الاعواد
ان تترکوا فان ربی قادر	اسیٰ یعود بفضله العواد

۱۔ بخدا ہم اُس ذاتِ گرامی سے رُوگردانی نہیں کریں گے جو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ پاک باز اسلاف کے لیے قابلِ فخر ہے۔

۲۔ احسان فرمانے والے، خدائے بزرگ و برتر کی طرف بلانے والے، خیرخواہ، بڑے سیر چشم اور بامروّت۔

۳۔ مہِ نو کی طرح بابرکت، سراپا رحمت، نرم خو، عالی نسب۔

۴۔ اگر تم لوگ اُن کو چھوڑ بھی دو گے تو میرا رب قادر ہے، وہ اپنے فضل و احسان سے پھر آپ کی طرف مائل ہے اور اُس کا فضل تو بار بار آنے والا ہے۔

بارگاہِ رسول ﷺ سے نوازے گئے مقبولِ زمانہ نعت گو شاعر حضرت امام بوصیری جنھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چادرِ رحمت سے بھی نوازا اور صحت بھی ان کا مقدر بنی، ان کا قصیدۂ بردہ شریف ہر مردِ مومن کے دل میں نور بکھیر رہا ہے۔ آپ کی ایک نعت کے چار اشعار نذرِ قارئین ہیں:

رحمة کله وحزم و عزم	ووقار و عصمة وحیاء
لاتحل البأساء منه عری	الصبر ولاتتخفه السراء
کرمت نفسه فما یخطر السّوء	علی قلبه والا الفحشاء
وسع العالمین علماً و حلماً	فھو بحرٌ لم تعیه الاعیاء

۱۔ آپ سراپا رحمت ہیں، قوتِ فیصلہ اور قوتِ ارادہ کے بادشاہ ہیں، وقار، پاک دامانی اور شرم وحیا

کے کامل و مکمل نمونہ ہیں۔

۲۔ مصیبتیں آپ کے صبر کی کسی کڑی کو توڑ نہیں سکتی تھیں، مسرتیں آپ کو آپے سے باہر نہیں کر سکتی تھیں۔

۳۔ آپ کا نفس، وہ نفسِ بلند تھا جس پر برائی اور بے حیائی کا سایہ بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔

۴۔ سارے عالم کو آپ نے اپنے علم و بردباری سے سیراب کردیا۔ آپ ایک سمندر تھے جس کو کوئی وزنی سے وزنی شے بھی عاجز نہیں کر سکتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا شمار ہندوستان کے انتہائی مقتدر علما و مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ کے فقہی کارنامے بے شمار اہلِ اسلام کو فکری راہنمائی مہیا کررہے ہیں۔ آپ کی ایک نعت ملاحظہ ہو:

ودعوة ابراهیم عند بنائهٖ بمكة بیتا فیه نیل ارغائبٖ

وأحسن خلق الله خلقاً و خلقةً وانفعهم للنّاس عند النوائبٖ

وقد فاح طیباً كف من مس كفه وما حل رأساً جر شیب الذوائبٖ

وسماه رب الخلق اسماء مدحة تبین ما اعطٰی لهٗ من مناقبٖ

۱۔ آپ وہی ہیں جن کے ظہور کی دعا حضرت ابراہیمؑ نے اُس وقت کی تھی جب کہ وہ خانۂ کعبہ کی مکے میں تعمیر کررہے تھے، وہ خانۂ کعبہ جو مرادوں کے پورا ہونے کی جگہ ہے۔

۲۔ بندگانِ خدا میں حسنِ صورت اور حسنِ سیرت، دونوں اعتبار سے کامل ترین فرد اور مصائب کے وقت لوگوں کے لیے سب سے زیادہ کارآمد اور نفع بخش۔

۳۔ جس نے بھی آپ کے دستِ مبارک کو چھوا، وہ خوش بو سے مہک اُٹھا، جس سر پر آپ نے دستِ شفقت پھیرا وہ کبھی سفید نہیں ہوا۔

۴۔ خدائے جہاں نے آپ کو مدح و ثنا کے محبت بھرے ناموں سے پکارا جن سے آپ کے اوصافِ حمیدہ اور مناقبِ جلیلہ کا اظہار ہوا۔

برصغیر کی تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہد، فقیہِ اعظم، نامور عالمِ دین حضرت امام فضلِ حق خیرآبادیؒ کی نعت دیکھیے اور آپ کے حسنِ بیان کی چاندنی سے دلوں میں اُجالا کیجیے:

هاد یبشر قد القت بشائره الرهبان فی رهب والهود فی هادٖ

الرهبان فی رهب والهود فی هادٖ عن السبیل وستوی كل منتادٖ

تلا کتاباً حکیماً محکماً حکماً　　　یقضی علی کل مرتاب لمرتادِ
دعا لیدخل فی افرادِ امتہٖ　　　رسل علی ماروی اصحاب اسنادِ

۱۔ آپ خوش خبری سنانے والے ہادی ہیں۔ راہبوں نے آپ کی آمد کی اطلاع حالتِ رہب میں پہنچائی اور اسی طرح یہود نے۔
۲۔ انھوں نے ہر گم کردہ راہ کو سیدھا راستہ بتایا اور ہر ٹیڑھے کو سیدھا کر دیا۔
۳۔ انھوں نے حکمت والی فیصلہ کن کتاب کی تلاوت کی۔ وہ کتاب متلاشیِ حق کے حق میں اور شکی کے خلاف فیصلہ صادر کرتی ہے۔
۴۔ رسولوں نے اُن کے امتی بننے کی خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔ روایات میں اسناد کے ساتھ اس کا تذکرہ موجود ہے۔

برصغیر کی ایک علمی شخصیت آزاد بلگرامی کی لکھی نعت اور اس کا ترجمہ دیکھیے۔ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیاں کس طرح جلوہ گر ہیں:

قالت لطرفاء الفرة حمامة　　　لم تمرحین وتفخرین؟ فارشدی
قالت لھا: أو ما ترین مکانتی　　　قد کان منا منبر لمحمدِ
شھب السماء بأسرھا مصنوعة　　　من نور ھذا الکوکب المتوقدِ
غوث الوریٰ، غیث الندی، غرض المنی　　　کھف الارامل ملجا المسترفدِ

۱۔ ایک بلبل نے ایک صحرائی درخت سے پوچھا: ”تم کس بات پر اکڑتے ہو، تمھیں کس بات پر غرور ہے؟“
۲۔ اُس درخت نے جواب دیا: ”تمھیں میری حیثیت نظر نہیں آتی؟ میرے ہی تنے سے محمد ﷺ کا منبر بنا تھا۔
۳۔ (اور کون محمد) وہ جو کائنات کے لیے ایک رحمت، خشک زمین کے لیے آسمانی بارش، تمناؤں کے کعبۂ مقصود، بیواؤں کے سرپناہ اور بے سہاروں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔
۴۔ آسمان کے سب ستارے اسی روشن ستارے کے نور سے بنے ہوئے ہیں۔

سیّدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی یہ نعت اہلِ شوق کا وظیفہ ہے۔ ہم اس نعت کے تین اشعار سیماب اکبرآبادی کی تضمین کے ساتھ پیش کر رہے ہیں:

فریاد ہے، فریاد ہے، مجھ پر ہوئے بے حد ستم
کس سے کہوں حالِ الم، ہے کون واقفِ کارِ غم
صبرِ مصیبت تا کجا، ضبطِ فغاں تا کے کنم

ان نلت یا ریح الصبا یوما الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضة فیها النبی المحترم

کیسے نبی؟ خیر الوریٰ، سرمایۂ جود و سخا
رحمت پے ہر دوسرا، ماہِ شرف، مہرِ ولا
من سیره صدر العلی من شانه کهف الوریٰ

من وجهه شمس الضحی من خده بدر الدجی
من ذاته نور الهدیٰ من کفه بحر الهمم

اُن کی زبانِ فیض تھی، گویا نشانِ مرحمت
نورِ ہدایت سے ہوئی زائل جہاں کی شیطنت
وہ ترجمانِ وحیِ حق، وہ خوش بیانِ معرفت

قرآنه برهاننا فسخا لادیان مضت
اذ جآء نا احکامه کل الصحف صار العدم

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے ذوقِ نعت کے حوالے سے ہم ان کے کچھ عربی اشعار اور ان کا ترجمہ پہلے درج کر چکے ہیں۔ اب ہم ان کے عربی قصیدہ ''بردہ شریف'' کے فقط دو اشعار کا ترجمہ نذرِ قارئین کر رہے ہیں جن میں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ قصیدہ ۱۶۵ر اشعار پر مشتمل ہے اور شہرت و مقبولیت کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

''سبحان اللہ آپ کی شکل و صورت کیا ہی خوب ہے جسے حسنِ سیرت نے زینت بخشی ہے۔ یہ حسن پر مشتمل اور تازہ روئی و خندہ پیشانی سے موسوم ہے۔ آپ جب بات کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ آپ کا دہن اور لب دکانیں ہیں جن میں دُرّ ہائے دنداں یوں پنہاں ہیں جیسے صدف میں اچھوتے موتی۔''

اس سلسلے میں حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کا عربی قطعہ تاریخِ نعت نگاری کا اعزاز بن چکا ہے۔ اس قطعے کے دو اشعار میں بیک وقت حسنِ صورت کی نمود بھی ہے اور کمالِ سیرت

کا اظہار بھی۔ فرماتے ہیں:

بلغ العلی بکمالہٖ　　کشف الدجی بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ　　صلوا علیہ وآلہٖ

جمالِ صورت کا تذکرہ ہے جس سے تاریکیاں چھٹ گئیں اور جمالِ سیرت (خصالہٖ) کا ذکر ہے جو تمام اخلاقِ جمیلہ کا مجموعہ ہے۔

ابوالعتاہیہ دورِ بنوعباس کا نامور شاعر ہے۔ اس کے ایک قصیدے سے نعت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں جو اکمالِ سیرت کا حسن لیے ہوئے ہیں:

مرسل لو یوزن الناس بہٖ　　فی التقی والبر مثالو و رجح
فرسول اللّٰہ أولی بالعلی　　ورسول اللّٰہ اولیٰ بالمدح

(ترجمہ) ''وہ ایک ایسے پیغمبر ہیں کہ اگر پرہیزگاری اور نیکی کے سلسلے میں ان کو تمام انسانوں کے ساتھ تولا جائے تو لوگوں کا پلڑا ہلکا ہو اور آپ کا پلڑا بھاری ہو۔

''رسول اللہ (ﷺ) بلندی میں سب سے زیادہ ہیں اور تعریف میں بھی سب سے زیادہ ہیں۔''

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت　　ساری اچھائیاں ایک انسان میں
(محشر بدایونی)

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے فیضانِ عام کی جھلک الطاف حسین حالی کے کلام میں دیکھیے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ　　یتیموں کا والی غلاموں کا مولا
خطاؤں سے بھی درگزر کرنے والا　　بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا

(الطاف حسین حالی)

مالکِ کونین ہیں، گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

☆

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا　　''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

☆

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیے ہیں، دُر بے بہا دیے ہیں

☆

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

☆

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

☆

جو ہیبت سے رکے مجرم تو رحمت نے کہا بڑھ کر
چلے آؤ، چلے آؤ یہ گھر رحمٰن کا گھر ہے

(امام احمد رضا خاں)

غریبوں کی حاجت روا کرنے والے فقیروں کو دولت عطا کرنے والے
عفو کرنے والے عطا کرنے والے کرم چاہتے ہیں خطا کرنے والے

(سیّد نعیم الدین مراد آبادی)

آڑے آئی ہے تری ذات ہر اک دکھیا کے
میری مشکل بھی ہو آسان مدینے والے

(بیدم وارثی)

وہ اوج ہمتِ عالی وہ شانِ فقر غیور کہ سرکشوں سے باندازِ خسروانہ ملا
وہ دشمنوں پہ مدارا دوستوں پہ کرم بقدرِ ظرف ترے در سے کس کو کیا نہ ملا

(حفیظ ہوشیار پوری)

باطل مٹا حضور کی آمد سے اس طرح غائب ہوں جیسے ظلمتیں نورِ سحر کے بعد
سب دین جذب ہوگئے دینِ حضور میں تارے چمک سکے نہ فروغِ قمر کے بعد

(انجم وزیر آبادی)

گھبرائے ہوؤں کو کس نے سنوارا ترے بغیر ڈوبے ہوؤں کو کس نے ابھارا ترے بغیر
انسانیت کا درس ملا تیری ذات سے بے نور تھا خرد کا ستارا ترے بغیر

(محمد اعظم چشتی)

جتنے فضائل جتنے محاسن آپ میں ہو سکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب ان میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم

(اقبال سہیل)

جانِ خلوص! جورِ مسلسل کے باوجود
تیری جبینِ عفو پہ آئی نہیں کرن

(قمر یزدانی)

غریبوں بے نواؤں کا سہارا بن کے عالم میں
کیا آکر رفو انسانیت کے چاک داماں کو
گدا کو ایسی استغنا کی دولت بخش دی تو نے
کہ خاطر میں نہیں لاتا وہ مفلس میر و سلطاں کو

(منظور حسین منظور)

زندگی میری ہے طائف کے سفر کا پرتو
میں نے پائی ہے ستم سہنے کی عادت تجھ سے

(عارف عبدالمتین)

یہ آپ ہی کا فیض دلوں کا گداز ہے
ان برف کی سلوں میں حرارت ہے آپ سے
اس خاک کو کیا ہے ستاروں سے بھی بلند
انسانیت کی شوکت و عظمت ہے آپ سے

(شہزاد احمد)

جلوۂ فطرت، چشمۂ رحمت، سیرتِ اطہر، ماشاء اللہ
حسنِ مکمل، فیضِ مسلسل، خیر سراسر، ماشاء اللہ
سب نے سنا اعلانِ رسالت، تقویٰ ہے معیارِ فضیلت
یکساں ٹھہرے ابیض و اسود، اصفر و احمر، ماشاء اللہ
صورتِ فاتح غالب ہو کر، داخلِ مکہ جب ہوئے سرور
ناقے پہ آئے سر کو جھکائے، حمد لبوں پر ماشاء اللہ

(حفیظ تائب)

دیکھتے ہی ترا جلال کفر کی صف الٹ گئی
جھک گئی، گردنِ ہبل ٹوٹ گیا طلسمِ لات
آنکھ کے اِک اشارے سے تو نے معا بدل دیے
ذہن کے سب تصورات، قلب کے سب تاثرات

(ظفر علی خاں)

غلط سمجھا گیا دعویٰ بتوں کی فاعلیّت کا یقیں پیدا ہوا حکمِ خدا کی کاملیّت کا
بڑھا نورِ بصر گزرا زمانہ فاعلیّت کا بجا ڈنکا زمانے میں بشر کی قابلیّت کا
اشارا عقل کی جانب کلامِ حق ہو واضح ہے یہی قرآں درِ گنجینۂ قدرت کا فاتح ہے

(اکبر الہ آبادی)

فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی وہ رسول گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسول
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسول جس کی اِک اِک سانس قانونِ الٰہی وہ رسول
جس نے قلبِ تیرگی سے نور پیدا کردیا جس کی جاں بخشی نے مردوں کو مسیحا کردیا

(جوشؔ ملیح آبادی)

بحرِ سخاوت کانِ مروت، آیۂ رحمت شافعِ امت مالکِ جنت، قاسمِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم
رہبرِ موسیٰ، ہادیِ عیسیٰ، تارکِ دنیا، مالکِ عقبیٰ ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم

(امیر مینائی)

روح نے خالق سے کی تجدیدِ پیمانِ الست نغمۂ ماضی ہوا پیدا شکستہ ساز سے
دل کی کھیتی لہلہا اٹھی تری تکبیر سے تھا نہاں طوفانِ شادابی لبِ تقدیر سے

(آغا حشر کاشمیری)

تو رؤف اور رحیم اور کریم اور بشیر رحمتِ جاویدِ منّان و صمد کا مرسل
خیر و بخشش کی خبر عفو و شفاعت کی نوید کرم و لطفِ خدائے احد و عز و جل

(نظیر لدھیانوی)

نعمتیں ہم کو کھلائیں اور آپ جو کی روٹی پہ قناعت کرلی
فاقہ مستوں کو شکم سیر کیا آپ فاقے پہ قناعت کرلی

☆

کیف افروز ہے بات بات آپ کی وجد انگیز ہے ہر کلام آپ کا

(حافظ مظہر الدین)

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

☆

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

(علامہ محمد اقبال)

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے حسن کی جلوہ گری شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کے کلام میں جہاں نظر آتی ہے وہاں اس کا اندازِ نمود نی شان لیے ہوئے ہے۔ ایک غزوہ میں جب حاتم طائی کی صاحب زادی قید ہو کر آتی ہیں تو آپ کا ان سے حسنِ سلوک ایمان کی بلندیوں سے آشنا کرتا نظر آتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

در مصافے پیشِ آں گردوں سریر دخترِ سردارِ طے آمد اسیر
پاے در زنجیر و ہم بے پردہ بود گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دُخترک را چوں نبی بے پردہ دید چادرِ خود پیشِ روئے او کشید

اور پھر حکیم الامت اقبال ہی واقعے کی طرف اشارہ کر کے عہدِ حاضر کو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ سے عملی طور پر ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

ماں ازاں خاتونِ طے عریاں تریم پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم
روزِ محشر اعتبارِ ماست اُو در جہاں ہم پردہ دارِ ماست اُو

علامہ اقبال کی طرح کئی اور شاعروں نے بھی سیرت نگاری کو موضوع خاص بنا کر واقعات سیرت کو قلم بند کیا ہے۔ ان میں ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری، شبلی نعمانی، منظور حسین منظور، محشر رسول نگری، صوفی غیرت قادری وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ دراصل سیرت نگاری کے باب میں واقعات کا تاثر کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اور کوئی شعلہ نوا خطیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میلادِ پاک یا آپ کے اوصافِ حسنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس واقعے کو حسنِ خطابت کی زینت بنا کر پیش کرتا ہے تو پھر سماں ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

اس ضمن میں المیہ یہ ہے کہ سیرت نگاری کے باب میں کم لکھا گیا اور ہمارے فضلا، خطبا،

اُدبا اور مقررین نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں سیرت نگاری کے حسین تاثر کو عام کرنے کی ہی نہیں۔ نعروں کی آرزو میں جدھر عوام نے چاہا اُدھر کو نکل گئے۔ حالاں کہ صاحبِ طرز اپنے سامعین کی فکر کا اسیر نہیں ہوتا بلکہ انھیں اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اور سامعین اس کے حسنِ خطابت میں ہمہ تن گم ہو کر محسوس کرتے ہیں کہ:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

سیرت نگاری کی اہمیت اور افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شبلی نعمانی کہتے ہیں:

''اگلے زمانے میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی۔ علمِ کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا۔ لیکن معترضینِ حال کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے نام کا اعتراف ہے تو بحث یہیں رہ جاتی ہے لیکن جب اقرارِ نبوت بھی جزوِ مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی اور سفیرِ الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادت کیا تھے۔''

(سیرت النبی، ج ۱: ص ۲۲)

مزید تفصیلات سے گزرتے ہوئے شبلی نعمانی سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی عظمتوں کو خراجِ فکر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ توقع کی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آں حضرت ﷺ کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپ کو دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصوں کے نام اور حالات قلم بند کیے گئے اور اس زمانے میں کیے جب تصنیف و تالیف کا آغاز نہ تھا... کیا دنیا میں کسی شخص کے رفقا میں سے اتنے لوگوں کے نام اور حالات درج تحریر ہو سکے ہیں۔

(سیرت النبی، ج ۱: ص ۲۵)

ان معروضات کے ساتھ ہی ہم اپنے عنوان کے تحت شعرائے نعت کی سیرت افروزی کی

طرف لوٹتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم یہ واضح کردیں کہ زیرِ نظر مضمون میں ہم نے تقدیم و تاخیر کے حوالے سے کسی مخصوص ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا۔ اور نہ ہی خود پر بڑے ناموں کی ہیبت طاری ہونے دی ہے۔ نعت کے گلستانِ نور میں کوئی چھوٹا نہیں ہوتا۔ نسبتِ حضور ﷺ کے سبب سے سب ہی بڑے ہوتے ہیں۔ گم نامی یا پیش منظر سے دوری اپنی جگہ، ہمارے لیے تو تمام شعرا کے اسمائے گرامی انتہائی محترم اور ان کی فکری کاوشیں لائقِ تحسین ہیں۔ شبلی نعمانی نے ذاتِ نبوت کو سیرت نگاری کی بنیاد قرار دیا ہے اور نعت کے ایوانوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ والا صفات کی عظمتوں کا تصور ہی آپ کی سیرتِ قدسیہ کے نقوشِ نور کو اعزازِ شاعری بنانے کی توفیق دیتا ہے۔ سیرت نگاری کے باب میں شعرا کے شعری انتخاب سے چند مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا　　　کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کردیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا درِ یتیم　　　اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا

(ہری چند اختر)

ہاتھ خالی دل غنی، کون و مکاں پر اختیار　　　دیکھنا یہ ساز و سامانِ حبیبِ کبریا
تم نے آکر سوزنِ رحمت سے کی بخیہ گری　　　پارہ پارہ ہوچکا تھا ورنہ دامانِ حیات
زندگی کے آپ نے سمجھائے اسرار و رموز　　　آپ سے پہلے کے حاصل تھا عرفانِ حیات

(سید محمد مرغوب اختر الحامدی)

تیری نگاہِ لطف ہے چارۂ دردِ عاجزی　　　خندۂ زیرِ لب ترا مرہمِ زخمِ بے کسی
مرہمِ زخمِ زندگی خندۂ زیرِ لب ترا　　　چارۂ دردِ عاشقی تیری نگاہِ التفات

(سید فیض الحسن شاہ)

زندگی کربِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں　　　فکر کیا مجھ کو، مرے زخموں کا چارہ آپ ہیں
لوگ ٹھکراتے ہیں جن کو سنگ ریزوں کی طرح　　　ان غریبوں بے نواؤں کا سہارا آپ ہیں

(تاب اسلم)

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم　　　شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ
کونین کا غم، یادِ خدا، دردِ شفاعت　　　دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ

(جگر مرادآبادی)

پیرایۂ حیات ہے سرمایۂ نجات　　　پیغام جو دیا ہے رسولِ انام نے

محبوبِ کبریا کی حیاتِ جمیل سے پایا ہے افتخار بقائے دوام نے

(حافظ محمد افضل فقیر)

جانِ عالم ہے ہر اِک ادا آپ کی مشعلِ زیست ہے نقشِ پا آپ کا

(حافظ لدھیانوی)

حبیبِ کبریا کے دہر میں تشریف لانے پر اندھیرے چھٹ گئے انوار برسے ہیں زمانے پر
شعورِ آگہی بخشا ہے جن کی ذاتِ والا نے بتانِ دہر اوندھے منھ گرے ہیں ان کے آنے پر

(پیرزادہ حمید صابری)

تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی
اگرچہ فقر و فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا گر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی و خاقانی

(حفیظ جالندھری)

محمد مصطفیٰ نے کس قدر اعجاز فرمایا
شتربانوں کو سلطانی سے سرافراز فرمایا
وہ انساں قتل و غارت میں درندوں سے جو بڑھ کر تھا
اسی کو آپ نے انسان کا دم ساز فرمایا

(خالد بزمی)

حضور کا رخِ زیبا حضور کا اسوہ دل و نگاہ میں ہے الکتاب کی صورت
اُدھر سے بارشِ دشنام و سنگ تھی پیہم ادھر تھیں لب پہ دعائیں جواب کی صورت

(راز کاشمیری)

ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو ایک مرکز پہ بلانے کے لیے آپ آئے
ایک پیغام جو ہر دل میں اجالا کردے ساری دنیا کو سنانے کے لیے آپ آئے

(ساغر صدیقی)

جن لوگوں کو شک ہے کہ کرم ان کا ہے محدود ان لوگوں کی باتوں پہ نہ جا اور بھی کچھ مانگ
اس در پہ یہ انجام ہوا حسنِ طلب کا جھولی مری بھر بھر کے کہا اور بھی کچھ مانگ

(سیّد نصیر الدین نصیر)

رہبرِ ہستی نے واضح کردیا خط کھینچ کر یہ مقامِ شرک ہے، یہ منزلِ توحید ہے

دہر کے افکار پر، اعمال پر، احوال پر　　　آپ کا نفسِ وجود اللہ کی تنقید ہے

(عاصی کرنالی)

دیا توحید کا پیغام اس نے بت پرستوں کو　　　کیا تبدیل رُخ اس نے ہوا کے بادبانوں کا
کھنچی بے ساختہ اس کی طرف درماندہ و راندہ　　　ہے ذات اس کی حصارِ عافیت بے خانمانوں کا

(عبدالعزیز خالد)

پیامِ زیست رسالت مآب لائے ہیں　　　جو غیر فانی ہے وہ انقلاب لائے ہیں

(عبدالکریم ثمر)

بزمِ توحید سے تبلیغ کا نامہ آیا　　　کوئی پہنے ہوئے قرآن کا جامہ آیا
جس نے اسلام کے پیچیدہ مطالب کھولے　　　سر پہ باندھے وہ فضیلت کا عمامہ آیا

(عزیز لکھنوی)

وہ آئے اور آئے بھی قرآں لیے ہوئے　　　تنظیمِ کائنات کا ساماں لیے ہوئے
گزرے وہ ہر مقام سے طائف ہو یا حنین　　　اپنے جلو میں نصرتِ یزداں لیے ہوئے

(ماہر القادری)

خدا کی رحمت ہے نام اس کا، فلاحِ انساں پیام اس کا
ڈھلی ہوئی اس پیام میں جس کی زندگی ہے وہی بنی ہے

☆

وحدانیت کے پھول کھلے گرم ریت پر
دی سنگِ بے زباں نے گواہی رسول کی

(مظفر وارثی)

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ بظاہر دو لفظوں کا مجموعہ ہے مگر ان دو لفظوں کے اندر مفاہیم و برکات کا سمندر موجزن ہے۔ اس سے فقط یہ مراد نہیں ہے کہ نعت میں جہاں لفظ ''سیرت'' آجائے وہی سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا ترجمان ہے بلکہ یہ الفاظ تو غیر معمولی جامعیت لیے ہوئے ہیں۔ جب پورا قرآن ہی سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا ترجمان ٹھہرا تو پھر مفاہیم و مطالب اور مراتب و مقاصد کی کیا کمی۔ ربِ جلیل نے اپنے محبوب ﷺ کی جس قدر صفاتِ حسنہ بیان کی ہیں جن کی بدولت کائنات میں کبھی زوال پزیر نہ ہونے والا تاریخ ساز انقلاب برپا ہوا، وہ سب مضامین سیرت کے خصائص ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنا ارسلنک بالحق بشیراً و نذیرا۔ (فاطر:۲۴)

ترجمہ: ''اے محبوب بے شک ہم نے تمھیں حق کے ساتھ خوش خبری سناتا اور ڈر سناتا بنا کر بھیجا۔''

انا ارسلناک شاھداً و مبشراً و نذیراً۔ (الاحزاب:۴۵)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تمھیں گواہی دینے والا، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔''

وما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فھم۔ (انفال:۳۳)

ترجمہ: ''اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک کہ اے محمد! تم ان میں تشریف فرما ہو۔''

یاایھا النبی انا ارسلنک شاھداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللّٰہ باذنہٖ وسراجاً منیراً۔ (الاحزاب:۴۵۔۴۶)

ترجمہ: ''اے نبی! ہم نے تجھ کو بھیجا، نگرانی والا (گواہ) اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اور چمکتا ہوا چراغ۔''

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ (انبیا:۱۰۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کے بھیجا۔''

انک لعلی خلق عظیم۔

مولانا احمد رضا خاں کے لفظوں میں:

ترے خَلق کو حق نے عظیم کیا ترے خُلق کو حق نے عظیم کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ (التوبہ:۱۲)

ترجمہ: ''بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ تمھاری بھلائی کے بہت چاہنے والے ہیں اور مسلمانوں پر بہت کرم کرنے والے مہربان ہیں۔''

ہم نے فقط چند آیاتِ مقدسہ کو تبرکاً درج کیا ہے۔ یہ تمام آیات سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے کردار کی تجلیات بکھیر رہی ہیں۔ خوش خبری دینے والا، گناہوں سے ڈرانے والا، ہمارے اعمال پر گواہ ہیں جس کے ہوتے ہوئے ہم پر عذاب نہیں آسکتا۔ اللہ کا داعی، چمکتا ہوا چراغ۔ ابد تک تمام جہانوں کے لیے رحمت، صاحبِ خلقِ عظیم، جس پر امت کی مشقت گراں گزرے، بھلائی چاہنے والا، کریم، رحیم، مہربان و مشفق، یہ سب وہ صفاتِ حسنہ ہیں جو آپ کی سیرتِ پاکیزہ کا امتیاز خاص ہیں۔

''حریص علیکم'' کے حوالے سے امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کہتے ہیں:

شیاطین اب بھی جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے ہیں، ان کے ہاتھ تو ایسا دامن آیا ہے کہ یہ گر رہے تھے، اس نے بچا لیا۔ ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں۔ ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے، دو کو بچا سکتا ہے، کوئی قوی ہوگا زیادہ سے زیادہ بیس کو بچا لے گا۔ یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک جو کہہ رہے ہیں، میں تمھارا کمر بند پکڑے کھینچ رہا ہوں۔ ارے میری طرف آؤ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین۔''

سیرتِ مصطفیٰ کی تابانیوں کے حوالے پر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

آپ خود غور فرمایئے! جن افراد نے یا جن قوموں نے حضور کے دامانِ رحمت کو تھاما۔ حضور کے لائے ہوئے دین کو صدقِ دل سے قبول کیا اور حضرت کے پیش کردہ نظامِ حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا... وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ گم راہ تھے لیکن اس نورِ مبین سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد ظلمت کدۂ عالم میں ہدایت کے چراغ روشن کر گئے۔ جاہل تھے لیکن اس چشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشے میں گئے علم وحکمت کے چمن کو کھلاتے گئے۔ گنوار اور اجڈ تھے لیکن پاکیزہ تہذیب وتمدن کے بانی بن گئے۔ یہ تو عالمِ ناسوت میں حضور کی گوناگوں رحمتوں کا ظہور ہے لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالمِ ملکوت میں بھی حضور کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے... حضور کا دستِ شفقت گل افشانی کر رہا ہے، وہاں رحمتِ محمد کے ظہور میں جو بانکپن ہے اور بحرِ کرم میں جو مٹھاس اور روانی ہے اس کا حال تو فقط نفوسِ قدسیہ بھی جانتے ہیں۔　　　　(تفسیر ضیاء القرآن)

گویا سیرتِ مصطفیٰ ﷺ ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں پر محیط ہے۔ ماضی پر اس لیے تمام گزرے ہوئے لمحات کو سیرتِ حضور کی اتباع کے سبب سے دائمی تابانی کا شرف عطا ہوا۔ دورِ حال اس لیے کہ اس کا لمحہ لمحہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی مہک باریوں سے آباد ہے۔ اور دورِ مستقبل اس لیے کہ

مستقبل غیب کے پردوں سے طلوع ہوکر ہمیشہ دورِ حال سے راہ نمائی لیتا ہے۔ گویا آپ کی سیرت ہر عہد کے لیے ہے اور ہر دور کے لیے ہے۔

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہوگیا محدود

اس لیے ہمارے، جن شعرا کی شعری تخلیقات میں لفظ سیرت نہیں ملتا مگر آپ کے انقلاب آپ کی تبلیغ واشاعتِ اسلام، آپ کے اوصافِ حسنہ، خصائص وکمالات کی طرف اشارے ملتے ہیں، بلاشبہ وہ مضامین سیرت ہی کی متنوع صورتیں ہیں۔ ورنہ ایک ہی لفظ بار بار استعمال ہونے لگے تو پیغام کی جامعیت اپنے حقیقی حسن سے محروم ہوجائے اور شاید شاعر بھی صرف لفظی اور شعری یکسانیت کا شکار ہوکر رہ جائے۔

اس سلسلے میں شعرا کو مخصوص عقائد کے محدود پیمانوں کا اسیر ہوکر صورت وسیرت کے امتیازات میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ حقیقت مدنظر رہے کہ صورتِ مصطفیٰ ﷺ کی جمال آفرینی سیرتِ حضور ﷺ سے الگ نہیں اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں کو جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے الگ کرکے نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ دو شخصیات کا تذکرہ نہیں بلکہ ایک ہی یکتا و بے مثال پیغمبرِ خاتم الزماں ﷺ کے احسانات اور کرم باریوں کا ذکرِ جمیل ہے۔ جن حضرات کو ربِ کریم نے حسنِ خطابت سے نوازا ہے انھیں تو بطورِ خاص صورت وسیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو پہلو بہ پہلو لے کر چلنا چاہیے۔ بعض کج فکر محافلِ سیرت منا کر گمان کرتے ہیں کہ یہ محافلِ میلاد کا جواب ہے۔ حالاں کہ میلاد منانے اور سیرتِ مصطفیٰ اپنانے کی چیز ہے اور جب کسی کے اوصافِ عالیہ کو بشرحِ کمال اپنالیا جائے تو اس کے تذکارِ جمیل کی محافل منانے کو دل مچلنے لگتا ہے۔ ان کیفیات سے گزر کر ہم اپنے محترم شعرا کی شعری کاوشوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں:

ادب، انکسار، غنا، حیا، غمِ حشر، صدق و صفا، دعا
جو یہ سات رنگ ہوئے بہم، تری شخصیت کی بنی دھنک
ترے سب زماں، ترا کل مکاں، ترے مہر و مہ، تری کہکشاں
تو ادھر سے اٹھ، تو ادھر سے آ، تو یہاں چمک تو وہاں چمک

(نعیم صدیقی)

اونٹوں کے چرانے والوں نے، اس شخص کی صحبت میں رہ کر
قیصر کے تخت کو روندا، کسریٰ کا بھی دامن چاک کیا

سورج نے ضیا اس چشم سے لی، اس نطق سے غنچے پھول بنے
اٹھا تو ستارے فرش پہ تھے، بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا

(شورش کاشمیری)

نمونہ سب کے لیے ہے نبی کی سیرت میں
کہ جو نظیر بھی ڈھونڈی گئی یہیں سے ملی
بھلا کسے تھی تمیزِ حقوقِ انسانی
یہ مصطفیٰ ہی کے اعلانِ آخریں سے ملی

(اسد ملتانی)

بڑے چھوٹے میں جس نے اِک اخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی

(جگن ناتھ آزاد)

ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن　　　　ہر فعل ترا حسنِ ارادت کا امیں ہے

(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)

میری پہچان ہے سیرت ان کی　　　　میرا ایمان محبت ان کی
پتھروں میں بھی لہو دوڑ گیا　　　　اس قدر عام تھی رحمت ان کی
آج ہم فلسفہ کہتے ہیں جسے　　　　وہ مساوات تھی عادت ان کی

(احمد ندیم قاسمی)

تیرا امروز صبر و قناعت رضا، تیرا فردا شفاعت وفا بر وفا
ایکم ہے مقامِ مثالی ترا، خواجۂ انس و جاں سیّدِ انبیا
تو نے حنظل زبانوں کے منھ بھر دیے شکرِ رحمت و قندِ الطاف سے
تیری صمصامِ جود و عطا کا ہوا، صید سارا جہاں سیّدِ انبیا

(بشیر حسین ناظم)

تلخیص ہے توحید کی تشریحِ رسالت
سرکار کی سیرت نے بتایا ہے بہ تفصیل
ہوا حضور سے واضح تصورِ وحدت
ہمارے دین کی اس کے سوا اساس نہیں

آپ کے لطف و عطا سے ہیں دو عالم مستفید
آپ کا ابرِ کرم چھایا ہوا ہے چار سو

(راجا رشید محمود)

کب چھڑایا نہیں ہم کو غم سے، کب مصیبت کو ٹالا نہیں ہے
کب کڑی دھوپ میں مصطفیٰ نے، سایہ رحمت کا ڈالا نہیں ہے
ان کی رحمت کا کیا ہے ٹھکانا دیکھ لے سُوئے طائف زمانہ
موسمِ سنگ باری میں لب پر کیا دعا کا اجالا نہیں ہے

☆

گفتگو خوش بو کے لہجے میں سکھائی آپ نے
خارِ نفرت چن لیے، دے کر محبت کا گلاب
زیست کے تپتے ہوئے صحرا میں ہے وجہِ سکوں
ان کی یاد، ان کی تمنا، ان کی سیرت کا گلاب
آپ نے آ کے بتائے ہیں بصیرت کے رموز
آپ سے سب کو ملا خوش نگہی کا موسم

(سید صبیح رحمانی)

بتا گیا ہے زمانے کو رمزِ سلطانی
وہ بوریا کہ تھی جس کی شکن شکن روشن

(سجاد سخن)

تری سیرت کی خوش بو سے مشامِ آرزو مہکے
رہے انوار سے تیرے کسی کا آشیاں روشن
تری اقلیمِ رحمت میں عجب منظر یہ دیکھا ہے
نصیبِ دوستاں تو کیا نصیبِ دشمناں روشن

(ریاض حسین چودھری)

جو علم و آگہی کی منزل سے آشنا تھے
وہ راستے دکھائے محبوبِ کبریا نے

مہکا رہے گا جن سے انسانیت کا دامن
وہ گلستاں سجائے محبوبِ کبریا نے

(خالد شفیق)

نعت گوئی کا کاروانِ خوش بخت ہر منزل کو نشانِ منزل سمجھتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ ہر زمانے کا افتخار رہے کہ زیادہ سے زیادہ نعت کہنا اور نعت میں اسالیب، روایات اور حسنِ بیان کا تنوع بیان کرنا اسی کا حصہ ہے مگر اس میں کلام نہیں کہ دورِ حاضر بہت سے ادوار سے بازی لے گیا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ ہر آنے والا دور پہلے دور کی نسبت زیادہ فعال اور فکری لحاظ سے زیادہ متحرک ہوتا ہے۔ وہ اپنی داستانِ شوق کو وہاں سے آگے بڑھاتا ہے جہاں سے دورِ گزشتہ کے مدحت نگاروں نے اسے چھوڑا تھا۔ پھر عصرِ حاضر کو ابلاغ و اظہار کے ساتھ ساتھ ترویج و اشاعت کی جو سہولیات میسر آئیں، وہ پہلے کہاں میسر تھیں۔ جوں جوں زمانہ آگے کو بڑھتا ہے، بزمِ ہستی کا پھیلاؤ بڑھتا ہے، اسی تیزی سے مسائل و افکار جنم لیتے ہیں۔ ورنہ کسی زمانے میں کتاب کے آغاز میں فقط ایک ایک حمد و نعت پر اکتفا کرلیا جاتا تھا اور آج اس تیزی سے نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آرہے ہیں کہ ان کی تعداد ہم جیسے گنتی کرنے والوں کے تصورات کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہے اور پھر حالات کی کوکھ سے جو مسائل و افکار جنم لیتے ہیں ان کے ابلاغ و اظہار کے لیے موزوں ترین صنفِ سخن نعت ہی ہے۔ اس لیے نعت ہی عصرِ حاضر کے تمام مسائل، افکار و حوادث، رنج و آلام کی امانت دار ہے۔ اس دورِ پُر آلام میں فقط ایک ہی احساس دلوں کو تازگی بخشتا ہے اور وہ ہے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو دلوں میں بسانا اور خود کو عملی طور پر اس کے اتباع پر آمادہ کرنا۔ بلاشبہ یہ دور سیرتِ حضور کی جلوہ گری کے حساب سے کئی ادوار سے بازی لے گیا ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے لفظوں میں:

> نعت کے دائرے کو محدود سمجھنا درست نہیں کیوں کہ جتنا دائرہ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کا ہے، اتنا ہی دائرہ ان اوصافِ حمیدہ کا ہے جو نعت پر کام کرنے والوں کی کوششوں سے انسانیت تک پہنچ رہے ہیں۔ تمام اسلامی زبانوں میں نعت اور سیرت پر سب سے زیادہ ذخیرہ اردو زبان میں ہے۔
>
> (ماہ نامہ ''نعت'' لاہور اگست، ستمبر ۱۹۹۸ء)

اوپر بیان کیے گئے جذبات کی شعری ترجمانی کا انداز دیکھیے:

شکست و ریخت کی اس تیرگی میں
اِک یہی امید کا روشن حوالہ ہے

کہ اس عہدِ قتال و جنگ میں
وہ خیر خواہوں کا امامِ اوّلین و آخریں
اِک بار سب کو یاد آجائے

(صبیح رحمانی)

نعت کس طرح مقاصدِ نعت کے حوالے سے سیرت نگاری سے آشنا ہوئی۔ اس کا سبب اُمتِ اسلام کا زوال ہے۔ جب کوئی قوم ذلت آمیز حد تک زوال وادبار سے آشنا ہوتی ہے تو کچھ عرصے تک وہ حیات وموت کی کش مکش میں رہتی ہے اور وہ سمجھ نہیں پاتی کہ کیا کرے۔ آہستہ آہستہ جب اس کے ذہنی، فکری اور سیاسی قویٰ اعتدال پر آتے ہیں تو وہ اپنے راستے کا تعین کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ برصغیر کی ملتِ اسلامیہ جب فکری پس ماندگی کے حصار سے باہر آئی اور علاجِ غمِ دوراں کی تلاش میں مصروف ہوئی تو اسے واضح طور پر نظر آیا کہ ہم نے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے پاکیزہ مقاصد سے بے توجہی برت کر مقاصدِ نبوت سے غداری کی ہے۔ اس احساسِ زیاں سے دوچار ہوتے ہی برصغیر کے مسلم شعرا نے سیرتِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باقاعدہ موضوع کی شکل دے ڈالی۔ عاصی کرنالی کے بقول:

> جب قوم تحریکِ پاکستان اور تشکیلِ پاکستان کے ابتدائی دور میں ناہموار حالات سے گزری تو حضور ﷺ سے استمداد کا جذبہ اور غالب آیا۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ ہماری نعت حضور کے فضائلِ اخلاق، حضور کے مرتبہ ومقاصدِ نبوت، حضور کی تعلیمات، ارشادات اور احکامات کی مبلغ رہی۔ اور حضور ﷺ کی محبت اور اطاعت کے خیالات کی مظہر رہی۔ اس تنوع کاری کے باوجود ہر عہد میں اور ہر علاقے میں نعت واضح طور پر دو بنیادی اور مرکزی موضوعات سے وابستہ رہی یعنی سراپا نگاری اور سیرت نگاری۔
>
> (نعت رنگ، شمارہ: ۱۵ر مئی ۲۰۰۳ء)

ہم مقالہ نگار کے اقتباس کے اختتام پر انھی کے دو اشعار نقل کر رہے ہیں تاکہ ہمارا موضوع بھی چل نکلے اور مضمون نگار کا مدعا مزید واضح ہوجائے:

مرا پیام ہے ہر قوم کو ہر اُمت کو — مرے حضور کے در تک ضرور آجائے
مدارِ امن محمد ہیں اور کوئی نہیں — بس اتنا نوعِ بشر کو شعور آجائے

ڈاکٹر ریاض مجید اپنے مقالے ''اردو میں نعت گوئی'' میں نعت کے ماخذات کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> اردو کے نعت گو شاعروں نے آں حضرت ﷺ کی کتبِ سیرت سے بطورِ خاص استفادہ کیا ہے اور نعت کے ہر دور میں صحتِ واقعات اور اسناد و روایات کے لیے اہم اور مستند کتبِ سیرت سے رجوع کیا جاتا رہا۔ اردو نعت میں اس رجوع کی عام طور پر درج ذیل شکلیں ملتی ہیں۔ سیرت کے واقعات پر نعتیہ نظمیں لکھی گئیں۔ غزوات و معجزاتِ نبوی کی تفصیلات میں کتبِ سیرت و مغازی سے استفادہ کیا گیا۔ آپ کی کتبِ سیرت کی روشنی میں منظوم سیرتیں لکھی گئیں۔　　(اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر ریاض مجید)

چوں کہ سرِ دست ہمارا موضوع منظوم سیرت نگاری، منظوم جنگ نامے یا سیرتِ اسلام کے منظوم واقعات نہیں، اس لیے ہم ان سے دانستہ گریز کرتے ہوئے شعرائے کرام کے قلم کی نوک سے ٹپکنے والے اشعارِ سیرت کی وادیِ نور میں ایک مرتبہ داخلے کے پھر امیدوار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اشعار اپنی انفرادی حالت میں بھی کسی تاریخی واقعے کا پس منظر بیان کر جاتے ہیں:

دشمن بھی ہے نوازشِ پیہم کا معترف　　صد مرحبا اے جذبۂ ایثارِ مصطفیٰ
(راسخ عرفانی)

ساربانوں کو ملا درسِ جہاں بانی کا　　اُمیوں کو ملا تعلیم و تعلّم کا عمل
(حلیم ناصری)

ہر قدم تیرا ہے منزل، ہر سخن تیرا کتاب　　اے خطیبِ خیرہ حکمت، اے امامِ راستیں
اسلوبِ دلبری میں وہ اپنی مثال آپ　　ختم اس پہ ہوگئی روشِ بندہ پروری
(عبدالعزیز خالد)

جو صدیوں سے تھے باہم خوں کے پیاسے　　کیے وہ متحد اس نے قبائل
رسول اللہ کی سنت پہ چل کر　　ہوئی آسان تر ہر ایک منزل
(عابد نظامی)

جس کو دشمن بھی سمجھتے تھے امین و صادق　　حسنِ کردار کا معیار ہے سیرت ان کی
(غافل کرنالی)

کل جہاں میں روشنی ہے سرورِ دیں کے طفیل
چاندنی ہی چاندنی ہے سرورِ دیں کے طفیل
جب کبھی محفل سجائی ہے درود و نعت کی
بارشِ رحمت ہوئی ہے سرورِ دیں کے طفیل

(عزیز الدین خاکی القادری)

اِک نورِ لاجواب ہے سیرت حضور کی
الہام کی کتاب ہے سیرت حضور کی

(ریاض احمد قادری)

ہر دور کے انسان کے ہیں آپ ہی قائد
تکمیل ہوئی آپ سے ہر حسنِ ادا کی

(عارف مہجور رضوی)

اپنائیں خوش دلی سے جو ہم اسوۂ رسول
ہو جائیں اپنے شہر کے حالات پاک صاف

(سہیل غازی پوری)

زمانے بھر کو دیے ہیں دارین کے خزینے، مرے نبی نے
مجھے بھی بخشے ہیں دین و دنیا، مرے نبی نے، مرے نبی نے
محبتوں کے چمن کھلائے ہیں آپ نے خلقِ بے کراں سے
وفا کی تعلیم سے چراغاں کیے ہیں سینے، مرے نبی نے

(جعفر بلوچ)

اے مواخاتِ مدینہ تیرے صدقے دہر میں
اسمِ احسان و وفا کی روشنی لکھی گئی
درگزر کے پھول بانٹے اس طرح سرکار نے
دشمنوں کے واسطے بھی دوستی لکھی گئی

(محمد حنیف نازش قادری)

سیرت، رموزِ امر و نواہی لیے ہوئے
صورت جمالِ نورِ الٰہی لیے ہوئے
عادت پیمبری کی گواہی لیے ہوئے
غربت، جلال و شوکتِ شاہی لیے ہوئے

(انور جمال)

دامنِ انسانیت پر داغ تھا جن کا وجود
بن گئے انسان وہ، انسانِ کامل دیکھ کر

(عبدالغنی تائب)

نظر نظر رحمتِ سراپا، ادا ادا غیرتِ مسیحا
ضمیر مردہ بھی جی اُٹھے ہیں جدھر تمھاری نظر اٹھی ہے

(خالد محمود)

اس نے دنیا کو وہ میزانِ عدالت بخشی　　　جس سے انصاف کا مفہوم سمجھ میں آیا

(محسن احسان)

ہے وہ خورشیدِ اخلاق خیر البشر　　　جس سے پاتا ہے ہر آدمی روشنی

(اعجاز رحمانی)

اسوۂ مصطفیٰ کا چراغ آج بھی　　　جل رہا ہے ہواؤں کے طوفان میں

(محشر بدایونی)

ہر ایک پھول نظر آرہا ہے رُوے رسول
ہے تتلیوں کو بھی بے شبہ، جستجوے رسول
یہ قلب، ساتھ اگر دے، تو پہلے کس کا دے!
نظر بھی، روح بھی، رکھتی ہے آرزوے رسول

(محیط اسمٰعیل)

جدھر اُٹھ گئے پائے سرکارِ والا، کلیجے سے ظلمت کے ابھرا اجالا
جوارِ نقوشِ قدم تک جو پہنچے، وہ ذرّے مثالِ سحر جگمگائے

(انور صابری)

وہ عالمِ توحید کا مظہر ہے کہ جس میں　　　مشرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ عجم ہے

(مفتی محمد شفیع)

غنی گدا کو کیا، مفلسوں کو شاہ کیا　　　عطا و لطف و کرم کے خزینے والے نے

(خان اختر ندیم)

گم راہوں کے واسطے آقا　　　حرفِ ہدایت بن کے آئے
شرک کی گہری تاریکی میں　　　نورِ نبوت بن کر آئے

(سرشار صدیقی)

ہر عظمتِ انساں کے پسِ پردہ وہی ہیں　　　وہ روحِ عمل، حسنِ یقیں، حاملِ قرآں

(امین راحت چغتائی)

تمیزِ مومن و کافر سے بالا　　　محمد رحمتِ اہلِ جہاں ہیں
فقیری میں جلالِ بے نہایت　　　امیری میں جمالِ بے کراں ہیں

(علی محسن صدیقی)

وحشت کے سوا کیا تھا سروں میں کہ وہ آیا
پھر اس نے نکالی ادب آداب کی صورت
(احمد صغیر صدیقی)

لمس جن قدموں کا صحراؤں کو گلزار کرے
ذکر سے ان کے ہی آتی ہے سخن میں خوش بو
(محمد علی صدیقی شیدا بستوی، بھارت)

ہیں گزرتی مومنوں کو ان کی تکلیفیں گراں
اہلِ ایماں کی ہیں جانوں کے قریں آقا حضور
(ضیا نیر)

آپ نے رحمت لٹائی سنگ باری کے عوض
آپ ہیں غم خوارِ انساں، حاملِ خلقِ عظیم
(تنویر پھول)

کبھی جو مجھ سے الجھتا ہے دوپہر کا عذاب
وہ میرے سر پہ کرم اپنا تان دیتا ہے
میں حرف وصوت کی خیرات ان سے مانگتا ہوں
جو پتھروں کو بھی رزقِ زبان دیتا ہے
(محسن نقوی)

انھیں کے خُلق سے ہر شے منور
انھیں کے خُلق سے قائم جہاں ہے
(علی محسن صدیقی)

جمالِ صورت و سیرت کی کیسی خوش نمائی ہے
مصور نے ہمیں تصویر خود اپنی دکھائی ہے
(سیّد محمد طلحہ رضوی برق، بھارت)

عمل سے آپ نے آقا دکھا دیا ہم کو
دلوں کو جیت لے، تاثیر وہ زباں میں ہے
(جمال نقوی)

کوئی کہیں سے چھیڑے افسانہ زندگی کا
ہے اسوۂ محمد پیمانہ زندگی کا
(حافظ عبدالستار حافظ)

پھر ہے تہذیب کی انساں کو ضرورت انور
پھر سے تقلیدِ شہِ کون و مکاں ہوجائے
(افضال احمد انور)

سرکارِ دو عالم کی بصیرت کا ہے صدقہ
ہر سلسلۂ فکر و نظر زندہ ہے ہم سے
تاریخ محمد کا نشانِ کفِ پا ہے
انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے
(سیّد ابوالخیر کشفی)

تذکرہ جس کا دعاؤں کو اثر دیتا ہے
اس کا کردار ہی جینے کا ہنر دیتا ہے
(رشید وارثی)

انساں کو آکے آپ نے انساں بنا دیا		انسانیت کے رنگ میں تھا آدمی کہاں

(صابر گیلانی)

فہم و ادراک کی سرحدِ نور پر، نظمِ عالم کی تشکیل کی آپ نے
مژدہ امید کا چشمِ تر کے لیے، سارے احسان ہیں آپ کے یانبی

(احمد ظفر)

مرکزِ انسانیت سے آشنا اس کو کیا		جب بھٹکتی پھر رہی تھی زندگی کی روشنی

(سید معراج جامی)

میں نے قرآن کی تفسیر میں سیرت کو پڑھا		نور کو دائرۂ نور کے اندر رکھا

(افتخار عارف)

ممتاز منفرد، ازل آثار، بے مثال		صورت حضور کی ہو کہ سیرت حضور کی

(ریاض مجید)

ظہور صدق کی "فیروز" نورِ حق کی کتاب		ابد نصیب زمانے میں ہے نبی کا نصاب

(محمد فیروز شاہ)

چھپے ہو گرچہ صدیوں میں مگر میں دیکھ لیتا ہوں		کہ اپنی سیرتِ انور کے شیشے میں نہاں تم ہو

(لالہ صحرائی)

ہے ثبت تری ذات سے تاریخ بشر میں		وہ عزم کہ تھکتا نہیں طائف کے سفر میں

(انور مسعود)

اسوۂ ہجرت سے کھولی کس نے راہِ ارتقا		کس کی گردِ پا سے خطِ کہکشاں سرسبز ہے

(حفیظ الرحمٰن احسن)

اک عالمِ حیرت ہے تری بزمِ فصاحت		ہیں سیکڑوں سحبان یہاں مہر بلب سے

(طارق سلطان پوری)

آپ ہیں ظلِ الٰہی، آپ ہی کے نور سے		جگمگاتا ہے جہاں آقا رسولِ ہاشمی

(سعید ...)

ایک ہی صف میں بیٹھے گا ہر آدمی		یہ مدینے کے والی کا دستور ہے

(اقبال نجمی)

خُلقِ عظیم آپ کا سرمایۂ حیات قرآن آپ ہیں تو بہ قرآن آپ سے

(امجد حمید محسن)

آنے سے ترے دور ہوئے ظلم کے سائے تو عدل کا انصاف کا برتر علم ہے

زندہ ہے جو اس عہدِ پُرآشوب میں نقوی یہ تیری دعا، تیری نظر، تیرا کرم ہے

(سید آفتاب نقوی)

مثالِ شمعِ ایماں اِک ترا کردار ٹھہرا ہے ترا اسوہ دو عالم کے لیے معیار ٹھہرا ہے

(حافظ منور حسین سرمد)

چہرۂ عالم پہ تھا چھایا کہ جو گرد و غبار
آپ نے از بابِ رحمت اس کو یکسر دھو دیا

(بے چین رجپوری)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ پر لکھنے کا سبب فقط شاعرانہ عظمت کا اظہار نہیں بلکہ شاعر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کو اس لیے موضوعِ شاعری بناتا ہے کہ یہی وہ واحد معیارِ حیات ہے جس کی پیروی اسے دو عالم میں سرخ رو کرسکتی ہے۔ وہ جہاں محاسنِ حضور بیان کرتا ہے وہاں آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کو وسیلۂ نجات سمجھتا ہے۔ کیوں کہ ایسا سمجھے بغیر ایک دنیاوی راہ نما کا تذکرہ تو ہوسکتا ہے مگر سلطانِ دو عالم کے محاسن کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر محاسنِ حضور کے بیان کا لطف جب ہی آتا ہے جب دل میں محبتِ رسولِ خدا ﷺ اپنا حسن بکھیر رہی ہو، مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ محققین کے نزدیک وسیلۂ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لیے ہیں۔ (آبِ حیات، صفحہ ۱۷۶)

علامہ محمد شفیع اوکاڑوی اس حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

> آیت وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین اور اس کی تفسیری عبارت سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ تمام عالمین کے ہر ہر فرد کے لیے رحمت اور تمام عالمِ ممکنات کے لیے ہر قسم کے فیوض و برکات کا ذریعہ و وسیلہ ہیں یعنی جس طرح جڑ پورے درخت کی تمام شاخوں کی شادابی و شگفتگی کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ تمام عالمین کے لیے ہر قسم کے فیوض کا باعث ہیں، تو

یہ ہوسکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے مردہ ہوجائے اور شاخیں زندہ اور سرسبز و شاداب رہیں؟ جب یہ نہیں ہوسکتا تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جن کی ذاتِ مقدسہ تمام جہان کے لیے رحمت اور اصل الاصول ہو وہ مردہ ہوجائیں اور جہان زندہ رہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ زندہ ہیں اور تمام جہان کی زندگی کا واسطہ و وسیلہ ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(''ذکرِ جمیل'' علامہ محمد شفیع اوکاڑوی، صفحہ ۳۶، ۲۰۰۱ء)

جب حضور ﷺ کے وسیلہ اور واسطہ ہونے کا یقین آجاتا ہے اور محبتِ رسول دل و دماغ پر مسلط ہوجاتی ہے تو پھر سیرتِ رسول کے بیان کا اصل مدعا پورا ہوتا ہے۔ ورنہ کہنے کو تو شعرا محبوبانِ مجازی کے لیے بھی زمین و آسمان کے قلابے ملا جاتے ہیں اور اس ضمن میں وہ معمولی سی حیا کے روادار بھی نہیں ہوتے کہ محبوبانِ مجازی کی اداؤں اور طرزِ عمل کے لیے استعمال شدہ پامال الفاظ وہ کس بے دھڑک انداز میں محبوبِ خدا کے لیے استعمال کررہے ہیں۔ یہاں تو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ لفظوں کی پاکیزگی مانگتی ہے۔ تراکیب کا اچھوتا پن چاہتی ہے۔ نئے سے نئے مضامین کی نمود چاہتی ہے تاکہ پڑھنے والوں کو قدم قدم پر احساس ہو کہ کردارِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ اسی طرح نادر و نایاب اور اچھوتے ہیں جس طرح سمندر سے ابھی ابھی چشم و فکر کو خیرہ کرنے والے لعل و جواہر برآمد ہوئے ہیں۔ ایسا لگے کہ یہ الفاظ بزمِ فطرت کے حسن سے ابھی ابھی مستعار لیے گئے ہیں۔ جب ممدوحِ کائنات ﷺ انوکھا اور نرالا ہو، اس کے خصائص و کمالات کی ایک جھلک بھی بزمِ ہستی نے پہلے نہ دیکھی ہو۔ تو پھر جوں جوں حضور ﷺ پر ایمان اپنے اکمال کو چھونے لگتا ہے۔ محبت اپنی معراج سے ہم کنار ہونے لگتی ہے۔ صورتِ مصطفیٰ ﷺ کی جلوہ ریزیاں بصارت کا اعزاز بننے لگتی ہیں تو پھر وہ سیرتِ حضور کے نام پر جو کچھ بھی کہتا ہے وہ ایمان و یقین کی زندہ گواہی بن جاتا ہے۔ یہی سیرت نگاری وقت کی میزان پر تل کر اسے حاصلِ کائنات بنا دیتی ہے۔ گنبدِ خضریٰ میں حیاتِ مصطفیٰ کا شعور شاعر کے لیے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو صحیح معنوں میں قابلِ تقلید بنا دیتا ہے اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے:

تعلق ہے مرا اہلِ نظر کے اس قبیلے سے
خدا کو جس نے پہچانا، محمد کے وسیلے سے

(قتیل شفائی)

اور پھر شاعر سیرتِ حضور ﷺ کی شمعِ نور روشن کر کے گنبدِ خضریٰ کی طرف بے تابانہ لپکتا ہے تو وہ اُمتِ اسلام کا نوحہ سناتے ہوئے اپنے مشفق و کریم آقا سے رحمت و عنایت کا طلب گار ہوتا ہے کیوں کہ یہ رحمت و عنایت میں تو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی پہچان اور جان ہے:

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا

(احمد ندیم قاسمی)

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ پاک کی ہمہ رنگی ہے کہ چہرۂ انور کی تابانیاں، وجودِ مقدس کی رعنائیاں ہوں یا آپ کی سیرتِ قدسیہ کا ہر آن برستا ہوا سحابِ رحمت ہو، ربِ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی ہر ادا، ہر سخن، ہر اندازِ فکر اور ہر زاویۂ عمل کو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا ذریعہ بنا دیا۔ ایک طرف آپ نے اخلاقِ حسنہ سے تلوار کا کام لیا تو دوسری طرف اپنے رخِ انور کی ایک ایک جھلک سے نجانے کتنے گم راہوں کو اپنی جانب کھینچ کر توحیدِ خداوندی کا خوگر بنا دیا۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی یہ گواہی نہایت جامع اور فکر آفریں نظر آتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ (جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے) فرماتے ہیں:

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو لوگ کام کاج چھوڑ کر جلد جلد آپ کو دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔ میں بھی آیا، جب میں نے آپ کا چہرہ دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ آپ اس وقت فرما رہے تھے۔ اے لوگو! سلامتی پھیلاؤ اور صلۂ رحمی یعنی اپنوں سے محبت کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں، اللہ کی عبادت کرو اور سلامتی سے جنت میں جاؤ۔

(''المستدرک''، ج۴،ص۱۶۰، ''خصائصِ کبریٰ'' ج۱،ص۱۹۱)

گویا حضرت عبداللہ بن سلام ایک ہی وقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورتِ منور اور پیغامِ سیرت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ صورت کو دیکھیں تو یہ ابدی گواہی ملتی ہے:

اے کہ شرحِ والضحیٰ آمد جمالِ رُوے تُو
نکتۂ واللیل وصفِ زلفِ عنبر بوے تُو

ادھر سیرت و کردار حضور ﷺ کی تاثر آفرینی دیکھیں تو کہنا پڑتا ہے:

کچھ ان کے خُلق نے کرلی، کچھ ان کے پیار نے کرلی
مسخر اس طرح دنیا، شہِ ابرار نے کرلی

غرض جمالِ حضور ﷺ کی جلوہ افروزیوں کو اپنا راہنما بنا کر سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا آفتاب جہاں تاب چودہ صدیاں قبل اس شان سے سپہرِ عالم پر جلوہ گر ہوا کہ اس کی شعاعوں سے اطراف و اکنافِ عالم یکساں انداز سے مستنیر ہوتے گئے۔ شہر، بستیاں، علاقے، ملک، براعظم، دشت و جبل، بحر و بر، خشک و تر دیکھتے ہی دیکھتے ضوبار ہونے لگے۔ جس نے پیغام سنا، آپ کے خلق کی جامعیت دیکھی، آپ کے اُسوۂ حسنہ کی مہک باریاں دیکھیں، آپ کے لبوں سے لطف و کرم کا پیغام سنا۔ آپ کی مجلس آرائی دیکھی، اعجازِ نطق کی کرشمہ سازیاں دیکھیں تو وہ بے اختیار ہوگیا۔ آپ کے اسوۂ عالی کے گلاب چن کر اپنے ایمان کی زینت بنالے۔ ''محمد رسول اللہ'' کے انوار ظاہری و باطنی اس کے دل میں گھر کرتے گئے اور وہ ''لا الہ الا اللہ'' کے پیغامِ لاہوتی کا علم بردار بن گیا۔ آج جب ہم چشمِ تصور سے دیکھتے ہیں تو روحِ محمد (ﷺ) پیغام دیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے:

خُلق احمد یوں دل و جاں میں بسایا جائے　　دشمنِ جاں کو بھی سینے سے لگایا جائے
آج پیغام ہے ناموسِ رسالت کا یہی　　عصرِ حاضر کے ہر اک بت کو گرایا جائے
پھر شبِ تار سے ایماں کے اُجالے پھوٹیں　　یوں چراغ آپ کی سیرت کا جلایا جائے

(محمد اکرم رضا)

یہی پیغام اور مفہوم ہے جو ہر جانب سے فکری یلغار کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایسی فکری یلغار کہ جس کے سامنے باطل نظریات کے کاخ ایک ہی آن میں اپنے وجود سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

جو اشکِ ندامت مری پلکوں پہ گرا ہے
اے بحرِ کرم وہ ترے جلووں کی عطا ہے
جاری ہے دو عالم میں ترے فیض کا چشمہ
تو بحرِ کرم بحرِ عطا بحرِ سخا ہے

(طاہر حسین طاہر سلطانی)

اپنوں کی بات چھوڑیے غیروں کو لیجیے
برسی ہے دشمنوں پہ بھی رحمت رسول کی

(ریاض احمد بدایونی)

جس کو چاہا اسے قدموں میں ترے ڈال دیا
خود مشیت بھی سمجھتی تھی ارادہ تیرا

(صبا اکبرآبادی)

ان کے دربارِ اقدس میں جب بھی کوئی غم زدہ آگیا، تشنہ کام آگیا
غم غلط ہوگئے، معصیت ڈھل گئی، مغفرت، عافیت کا پیام آگیا

(سکندر لکھنوی)

نگاہِ ساقیِ کوثر کے فیض کا صدقہ
سمٹ گئی مرے ساغر میں طُور کی رونق

(محمد علی ظہوری)

سخن جس سے کیا وہ ہوگیا توحید کا شیدا
کچھ ایسی دل نشیں سی بات فرماتے ہوئے آئے

(سلیم اختر فارانی)

جب سے حضور آپ کا فیضان ہوگیا
کتنا بلند مرتبہ انسان ہوگیا

(سجاد مرزا)

روشن کچھ اس طرح ہوئے ان کے نقوشِ پا
جیسے کہ چاند ٹوٹ کے بکھرا ہو راہ میں

(اثر لدھیانوی)

ہر زمیں روشن ہوئی، سب آسماں روشن ہوئے
آمدِ سرکار سے سارے جہاں روشن ہوئے
اخلاقِ مصطفیٰ سے مزین جو ہوگئے
نارِ خزاں سے آگئے باغ و بہار تک

(سید رفیق عزیزی)

دشمن پہ کرم، دشمن پہ عطا، دشمن کے لیے بھی لب پہ دعا
اس شے کو سخاوت کہتے ہیں یہ رنگِ سخاوت کیا کہنا

(بہزاد لکھنوی)

سبھوں کے واسطے تم نے اٹھائے دستِ دعا
تمھارے سامنے دوست آئے یا عدو آئے

(حسرت حسین حسرت)

تفریقِ رنگ و خوں کو مٹایا حضور نے
ہم کو شعورِ زیست سکھایا حضور نے
جس کی کوئی مثال ابد تک نہ مل سکی
آئینِ زندگی وہ بنایا حضور نے

(امداد ہمدانی)

قرآں کا حرف حرف ہے سیرت حضور کی
قرآں کا حرف حرف سراپا حضور ہیں

(حامد یزدانی)

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ قرآنِ حکیم سیرتِ رسول ﷺ کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ آپ کے اسوۂ حسنہ کی کبھی نہ مٹنے والی گواہی ہے۔ قافلے مشامِ ابد کی منزل کی جانب سفر کرتے رہیں گے لیکن ان کو منزلوں کا سراغ فقط قرآنِ حکیم کے آئینے میں سیرتِ رسول کا مطالعہ کرکے ہی ملے گا۔ قرآن حکیم کے مطالعے کے بعد صاحبِ ایمان سوچتا ہے کہ قرآنِ حکیم کی کون سی آیت کو سیرتِ رسول کے اظہار میں رقم کیا جائے اور کس کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ کے تبعین آپ کے اقوال و افعال اور کردار و سیرت کو اس طرح محفوظ نہ بھی کرتے جس طرح کرنے کا حق ادا کیا گیا ہے، تب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت و سیرت اتنی ہی زیادہ قبولیتِ عام کے درجے پر فائز ہوتی، کیوں کہ خالقِ کائنات نے سب سے پہلے اس کام کو خود اس قرینے سے قرآن میں محفوظ کیا ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت اور رحمت و رافت کے سلسلے میں کسی شک وشبہے کی گنجایش نہیں رہتی۔ پورا قرآن آپ کی توصیف و ثنا، سیرت اور محاسنِ قدسیہ کو بیان کر رہا ہے اور جس طرح آپ کی حیاتِ مبارکہ اور احادیث قرآنِ حکیم کی روشن ترین تفسیر ہیں، اسی طرح قرآنِ حکیم بھی آپ کی سیرت اور اسوۂ عالی کا مفسرِ اعظم ہے۔ اس لیے جن خوش بخت نعت گو شاعروں نے نعت اور صاحبِ نعت ﷺ کے کردار کے تمام پہلوؤں کو دیکھا۔ ان کے قلم سے سیرتِ رسول ﷺ کے ایسے لافانی اشعار ظہور پزیر ہوئے کہ وہ اہلِ شوق کا وظیفۂ حیات بن گئے۔ ان کے مقابلے میں جن شعرا

نے سیرت نگاری کو محض ایک مضمون یا رویے تک محدود رکھا ان کی شاعری تمام تر ادبی لوازم کے باوجود اس گلاب کی طرح ہے جو ظاہری زیب و زینت تو رکھتا ہے مگر خوشبو سے محروم ہے۔ اگر سیرت نگاری میں کلامِ ربانی اور احادیثِ حضور کو مدنظر نہ رکھا جائے تو شاعری محض تک بندی، مضمون آفرینی، محض کوتاہ فکری اور سیرت نگاری لفظوں کا ایسا ذخیرہ بن کر رہ جائے جو کسی بھی دنیاوی و مجازی شخصیت کی نذر کیا جاسکتا ہے۔ ایک نظر ان خوش بخت نعت گو شعرا کا پیرایۂ اظہار دیکھیے جو سیرتِ حضور ﷺ کے حوالے سے خالقِ دو عالم کے کلامِ مجید کو پیشِ نگاہ رکھے ہوئے ہیں:

مدحتِ خیر البشر انداز ہے تحریر کا
یہ بھی اِک انداز ہے قرآن کی تفسیر کا

(راغب مرادآبادی)

کتنی آیات مفہوم میں ڈھل گئیں
بات کہنے کو تھی مختصر آپ کی

(محسن نقوی)

قرآن کے اوراق میں، پڑھتا ہوں انھی کو
اس مصحفِ ناطق کی تلاوت پہ نظر ہے

(سید محمد ابوالخیر کشفی)

آیا ہے جہاں بھی ذکر تیرا
قرآن بھی مسکرا دیا ہے

(نجیب احمد)

اے صاحبِ قرآں ترا منشورِ گرامی
ہر دور کے انساں کی ضرورت کے لیے ہے

(رشید وارثی)

تابعِ وحیِ خدا تھی آپ کی اک اک ادا
الغرض قرآنِ ناطق صاحبِ قرآن ہے
آپ کے اُسوہ سے ہٹ کر زندگی ممکن نہیں
آپ کا جادہ سراسر عظمتِ قرآن ہے

(محمد اکرم رضا)

اس طرح جانِ دو عالم ہے دل و جان کے ساتھ
جیسے قرآن ہو خود صاحبِ قرآن کے ساتھ

(سید صبیح رحمانی)

تجھ کو پڑھ کر بسر زندگی ہم نے کی
جس کے قاری ہیں ہم، تُو وہ قرآن ہے

(اے جی جوش)

بشر ہے وہ یا کلامِ باری، میں اس کی ہر اِک ادا کا قاری
تمام قرآن کی جو تصویرِ معنوی ہے وہی نبی ہے

(مظفر وارثی)

ہم نے جہاں گلستانِ نعت میں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی گل کاریوں کی خوش بولتائی ہے، وہاں ہر گام پر اس حقیقت کو بھی اجاگر کیا ہے کہ جمالِ صورتِ حضور کے انوار کو فراموش کر کے یا اس کے پُر تاثیر انوار سے اغماض برت کر ایک لحظے کے لیے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا کماحقہ ذکر نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر کوئی دانستہ طور پر ایک پہلو سے پہلوتہی کرتے ہوئے دوسرے پہلو کو اجاگر کرتا ہے تو وہ نعت نہیں کہتا بلکہ کسی مجازی محبوب کا تذکرہ کر رہا ہوتا ہے۔ حالاں کہ غزلیہ شاعری گواہ ہے کہ محبوبانِ مجازی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف لطف و کرم نہیں فرماتے بلکہ ان کا تمام تر حسن عشوہ و ادا اور بے رُخی و کج ادائی کے دھندلکوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ تو فقط ذاتِ مصطفیٰ ہے جس کی صورت انوارِ خداوندی کے جھرمٹ میں اپنا حسن بکھیر رہی ہے اور سیرت وقت کی بلندیوں کو تسخیر کر رہی ہے۔ راجا رشید محمود کہتے ہیں کہ ''جن موضوعات کو بعض لوگ رسمی قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ محبت و عقیدت اور احترام و تکریم مصطفوی (ﷺ) کے ان موضوعات اور ان مضامین کے بغیر (اشعار یا شعر) نعت کہلانے کے مستحق نہیں ہوسکتے۔''

حکیم محمود احمد برکاتی کہتے ہیں ''نعت گوئی کے دو رنگ ہیں: ایک میں شاعر اپنے جذباتِ عشق و شیفتگی کا اظہار کرتا ہے... دوسرا رنگ یہ ہے کہ شاعر اپنی ذات کو ملت میں گم کر کے حضور ﷺ سے ملّی مصائب و مشکلات کی فریاد کرتا ہے، التفات کی درخواست کرتا ہے۔ حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) کی تعلیمات کو موضوعِ سخن بناتا ہے۔ آپ کے سخنِ سیرت و کردار کے مختلف گوشوں کو نمایاں کرتا ہے۔ آپ کے اُسوۂ حسنہ کے اتباع پر ملت کو ترغیب دیتا ہے۔ محبت کے ساتھ اطاعت کی طرف

متوجہ کرتا ہے۔''

کاسۂ جاں میں لیے نور کی لوئے خیرات
جو گدا ان کے درِ فیضِ رسا تک پہنچے

(سیّد صبیح رحمانی)

نعت تو سر بہ سر خوش نودیِ خدا و رسول ہے۔ نعت تو عشق کا ترانہ اور لفظوں کا فسانہ ہے۔ نعت تو گدازِ شوق ہے، شیفتگی و ارادت کا پیغامِ نور ہے۔ متاعِ شوقِ بے بہا ہے۔ دل و جان و نظر کا مدعا ہے۔ نعت تو فکر کا اعزاز ہے۔ شوکتِ ایمان کی ہم راز ہے۔ نعت سراپا عاجزی ہے۔ مولائے کائنات ﷺ کی بارگاہِ عالم پناہ میں جذبوں کی حاضری ہے۔ نعت تو گلابوں کی لڑی ہے، سحابِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کی ہر آن برستی ہوئی جھڑی ہے۔ نعت حسنِ ذوق ہے، رفعتِ شوق ہے۔ نعت جلوہ گاہِ عرفان ہے بلکہ ایمان کی جان ہے۔ ایسے میں کوئی بد بخت ہی جمالِ صورت کی قیمت پر کمالِ سیرت پر بات کر سکتا ہے۔ وجودِ مصطفیٰ ﷺ کا مفسرِ عظیم قرآن تو دونوں حقائق کو ایک ساتھ لے کر چل رہا ہے کیوں کہ تکمیلِ شخصیت صورت و سیرت کی سرفرازیوں کے بغیر ممکن ہی نہیں اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اس باب میں یکتا و بے مثال ہیں بلکہ آپ کی سیرت کو اپنا کر ہی تشکیلِ شخصیت کے خواب کو تعبیر سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں جو لوگ ''غلو'' کا نعرہ لگاتے ہیں انھیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے جب خدائے کریم نے اپنے محبوب کے سرِ اقدس پر ''ورفعنا لک ذکرک'' کا تاجِ لولاک سجا دیا ہے تو پھر سرورِ کونین ﷺ کے مقاماتِ عالیہ کی رفعتوں کی جانب کس کا شہپرِ تخیل اذنِ پرواز طلب نہیں کرے گا۔ کیا کسی نے مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کا آخری کنارا دریافت کر لیا ہے۔ یہاں تو خدا کے بعد انھیں سب کچھ کہنا روا ہے اور مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے حضور ﷺ کے اوصافِ حسنہ کا شمار کرتے کرتے یہ حقیقت ایک زمانے پر واضح کر دی کہ:

بس کہ رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولا کہوں تجھے

'غلو' کا بہانہ تراشنا نعت کے حقیقی حسن کو نگاہوں سے اوجھل کرنے کی سطحی سی کوشش ہے۔ ورنہ جسے بھی عاقبت میں سرخ روئی عزیز ہے وہ خوش نودیِ حضور ﷺ کا طلب گار بنا رہے گا اور اس شوق کا مسافر جانتا ہے کہ قرآن کے فرمودات اور تعلیماتِ رسول سے ہٹ کر خوش نودیِ رسول کا

تصور بھی نہیں کیا جا سکتا:

تعلیمِ مصطفیٰ کا تقاضا ہے بندگی
اور بندگی بھی کس کی غفور الرحیم کی
ہر در پہ سجدہ ریزی غلامانہ فعل ہے
توہین ہے یہ دینِ رسولِ کریم کی

(اقبال عظیم)

ترا وجود کتابِ مکارمِ اخلاق
ہر اِک سبق کا سمجھتا ہے تو سیاق و سباق

(عبدالعزیز خالد)

تری نظر خارزار شب میں گلاب تحریر کر چکی ہے
اُجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی ہے

(محمد اجمل نیازی)

خُلق کی خوش بو سے وادی زندگی کی بھر گئی
تیری ہی تہذیب نے پُرنور ہر آنگن کیا

(امان اللہ اجمل)

اس رحمتِ عالم کی عطا سب کے لیے ہے
سرکار کی شفقت کی ردا سب کے لیے ہے

(سید ابوالخیر کشفی)

چراغِ راہ ملا، رہ نما اُصول ملے
خدا کو پالیا بندوں نے جب رسول ملے

(حاصل مرادآبادی)

ہر روشنی کا مرکز و محور نبی کا نام
عالم ہے شب چراغِ منور نبی کا نام

(آفتاب کریمی)

ان کی تنویرِ رسالت نے بتایا خلق کو
دینِ حق کے ساتھ پیمانِ وفا ہے روشنی
ان کی طرزِ زندگی میں نورِ حق پوشیدہ ہے
ان کے اندازِ تکلم کی ضیا ہے روشنی

(عزیز احسن)

وہ لہجہ، وہ خلوص، وہ انداز، وہ خطاب
اس صاحبِ کتاب کا ہر لفظ اِک کتاب

(صابر وسیم)

یہ تو سرکار کی رحمت کو گوارا ہی نہیں
ان کی چوکھٹ پہ کوئی جائے تو خالی آئے

(خالد محمود نقش بندی)

ہے سنگ باریِ طائف سے جسمِ اطہر پر
ہر ایک زخم کہ جیسے گلاب روشن ہے
لہو سے ہوگئے لبریز آپ کے نعلین
مگر لبوں پہ منور خطاب روشن ہے
انھی کے دم سے منور ہے گوشۂ سیرت
عمل میں جن کے خدا کی کتاب روشن ہے

(ظفر مراد آبادی، بھارت)

میرے نبی کی ذات ہے شمعِ رہِ ہدیٰ فقط
اہلِ نظر کے واسطے اسوۂ مصطفیٰ فقط

(ناز قادری، بھارت)

طائف میں انتہاے مظالم کے باوجود
خیر البشر کے لب پہ نہ بدلا دعا کا رنگ

(ندیم صدیقی، بھارت)

ہر قدم پر رہبری کی اُسوۂ سرکار نے
روشنی یہ کب گئی ہے ساتھ میرا چھوڑ کر

(سید صبیح رحمانی)

آپ کے خون سے صحراؤں میں گلشن مہکے
چار سو پھیل گئے سیرتِ صد رنگ کے باغ

(سید افتخار حیدر)

یہ معجزہ ہے تری تربیت کا جس کے طفیل
جو بے ہنر تھے کبھی صاحبِ ہنر ٹھہرے

(علی محسن صدیقی)

وہ جن پہ سیرتِ اطہر کا رنگ چڑھ جائے
کبیر ہو کے، سراپا صغیر رہتے ہیں

(فیض رسول فیضان)

سیرت ہے تری جوہرِ آئینۂ تہذیب
روشن ترے جلوؤں سے جہانِ دل و دیدہ

(حفیظ تائب)

فاقے ہیں اور شکم پہ ہے پتھر بندھا ہوا
صبرِ جمیل ایسا کہ درمانِ جوع ہو

(راغب مرادآبادی)

شہِ امم کا بدن اور نشاں چٹائی کے
زبانِ اشک سے اس سادگی کا ذکر کرو

(حنیف اسعدی)

ہیں ترے قول و عمل تعبیر و تشکیلِ سنن
موجِ کوثر سے تری کشتِ خدا سرسبز ہے
یہ کریمانہ بصیرت یہ حکیمانہ شعور
نم ہیں تہذیبیں، تمدن کی گھٹا سرسبز ہے

(فضا ابن فیضی)

آپ کے آخری خطبے سے ہوا ہے قائم
ابنِ آدم کا بھرم سیّد مکی مدنی

(انور سدید)

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی گل کاریوں سے ایک زمانہ مہک رہا ہے۔ گزرتے ہوئے ادوار کا ہر لمحہ یہی پیغام دے رہا ہے کہ اگر نجاتِ دائمی مقصود ہے تو سیرتِ حضور کے دامانِ کرم میں پناہ ڈھونڈ لو۔ یہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا لافانی معجزہ ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اقوامِ عالم کی راہ نمائی کر رہی ہے۔ زمانہ ہر لحظہ تغیر و تبدل کی زد میں ہے۔ ہر لحظہ وقت کے افق پر نئے حوادث ابھرتے ہیں۔ کتنے ہی باطل نظام جھوٹے نظریات کی اوٹ سے ابھرے اور سچائی کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ سرابوں نے حقایق کا راستہ کاٹا، جبر و تشدد کے پرستاروں نے انسانی کھوپڑیوں کے مینار سجائے، ظلم و تعدی کو فروغ دے کر امن و سلامتی کی اقدار کو پامال کرنا چاہا۔ عہدِ مصطفوی سے لے کر آج تک اشرارِ کفر نے اپنی طاقت کو بزورِ شمشیر منوانا چاہا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

نجانے کتنے ہی زمانی و مکانی حادثات تاریخ کے دھندلکوں سے ابھرتے رہے۔ نئے نئے تخیلات کو جبر و استبداد کے زور پر منوانے کی کوشش کی گئی۔ ظالم و جابر اقوام نے کئی بار اُمتِ اسلام کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ اسلامی دنیا کو تاخت و تاراج کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ یہ آخری پیغامِ خداوندی ہی مٹ جائے۔ مگر یہ ربِ کریم کا فضلِ بے بہا تھا کہ اس نے اپنے محبوب رسول کو سیرت و کردار کی وہ بلندیاں عطا کیں کہ جن کے فیضان سے تاخت و تاراج ہونے والا گلشنِ اسلام پھر سے حیاتِ نو کی تصویر بن گیا اور وقت کے شراروں کی باطل خدائی سے پامال ہوتی ہوئی اُمتِ اسلام پھر سے ہر دور کے قیصر و کسریٰ کے تخت اور جلالِ بادشاہی کو قدموں کی ٹھوکروں سے اڑانے لگی۔ اپنے تو اس سیرتِ اقدس کی سرفرازی کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ ان کا ایمانِ برحق ہے۔ گواہی تو وہ ہے جو اغیار کے تعصب آلود ذہنوں اور دشمن کی آخری حدوں کو چھونے والی تحریروں سے ٹپک اُٹھے۔ تھامس کارلائل ہو یا جارج برنارڈ شا، مہاتما گاندھی ہو یا ٹیگور، ولیم میور ہو یا برٹرینڈ رسل، غیر مسلم شعرا ہوں یا ناقدین، انھیں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے پیغامِ عالم گیر کے سامنے سر جھکانا ہی پڑا اور پھر "The Hundred" تصنیف کرنے والے مائیکل ایچ ہارٹ نے یہ کہتے ہوئے انسانیت کی تمام تر

عظمتوں کو نبیِ آخرالزماں کے قدموں تلے رکھ دیا کہ:

حضرت محمد (ﷺ) اس علاقے میں مبعوث ہوئے جو دنیا کا پس ماندہ ترین خطہ تھا۔ یہ علاقہ دنیا بھر کے علوم وفنون سے بہت دور تھا اور وہاں انسانی اقدار کی ترویج کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن حضرت محمد تھوڑے ہی برسوں میں اس علاقے میں ناقابلِ یقین حد تک جو حیرت انگیز انقلاب لے آئے، وہ آپ کے علاوہ کسی اور شخصیت سے ممکن ہی نہ تھا۔ یہ آپ کی رہ نمائی کا ہی اعجاز تھا کہ انسانی کردار کی عظمتوں سے محروم اس خطے سے عالمِ انسانیت کی راہ نمائی کا آغاز ہوا۔

اعزاز یہ سرکار کی سیرت کے لیے ہے
ہر دور میں انساں کی ہدایت کے لیے ہے

(حفیظ تائب)

آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو یہ اعزاز کیوں حاصل ہوا کہ ہر دور کے بے چارگانِ ہستی کے آلام کا مداوا بن سکیں، آپ نے خلوت وجلوت، سفر وحضر، صلح و جنگ، نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد مکے کے عام شہری اور مدینے کے مقتدرِ اعلیٰ کی حیثیت سے ایک بیٹے، ایک بھائی، ایک شوہر اور ایک باپ کی حیثیت سے ہر لمحہ و ہر آن انسانیت کی بقا اور تہذیبی اقدار کے فروغ کو مدنظر رکھا۔ راقم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لافانی سیرتِ قدسیہ کے حوالے سے ایک مضمون میں لکھا تھا:

رسولِ کریم ﷺ عالمِ انسانیت کا وہ روشن مینار ہیں کہ جس سے پھوٹنے والی کرنوں نے وادیِ حجاز سے لے کر افریقا کی تاریک بستیوں تک تہذیبِ عالم کو یکساں روشنی اور انسانی عظمت کی حرارت بخشی ہے۔ پھر رسولِ کریم کی بے پایاں عظمت اور انسانیت نوازی کا ہی اعتراف ہے کہ آج دشت وجبل میں زمینوں آسمانوں میں، عرب کے ریگ زاروں میں، ایشیا کی عبادت گاہوں میں، یورپ کے علمی وتہذیبی سرمائے میں، افریقا کے کالے انسانوں کے چمکتے دلوں میں، محسوسات کے مہک بار گلستانوں میں، عشق وعقیدت کے پُرنور ایوانوں میں، فکر و تدبر کی روشن وادیوں میں، شعرا کی مدحت طرازیوں میں، ادیبوں کی ادب نوازیوں میں اور خطیبوں کی تکلم باریوں میں

حضور ﷺ کا اسمِ گرامی انسانیت کے سب سے بڑے محسن کی حیثیت سے
اُبھرتا اور جگمگاتا ہے۔
(اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا، ماہ نامہ ''شام وسحر''، سیرت نمبر،۱۹۸۴ء)

محشر بدایونی نے کیا خوب کہا ہے:

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت
ساری اچھائیاں ایک انسان میں

آج کی نعت اور مستقبل کی نعت جمالِ صورتِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنے افکار کی زینت بنا کر سیرتِ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو منوانے کے لیے بھرپور روحانی جدوجہد کررہی ہے۔ عصری مسائل و احوال نے حضور ﷺ کی سیرت نگاری کے اجزا و عوامل میں اضافہ کردیا ہے۔ نئے نئے سانحات جنم لے رہے ہیں۔ کتنے ہی نامعلوم حقایق آج وقت کی ابدی صداقتوں میں ڈھل رہے ہیں۔ عصرِ حاضر کا مادیت زدہ انسان چاند کی تسخیر کو اپنا سب سے بڑا اعزاز قرار دے رہا ہے حالاں کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے تو ایک مدت قبل فرمادیا تھا کہ:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

☆

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

☆

پہنچنا چاند پر تو اک بہانہ تھا مرے آقا
یہ دنیا آپ کا نقشِ کفِ پا ڈھونڈتی ہوگی

(وسیم بریلوی)

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں ارتقائی سفر نے تہذیب وتمدن کے نئے جزیرے دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر دور نے یہی محسوس کیا ہے کہ اس کی عمرانی ارتقا کے لیے کی جانے والی کاوشیں دوسرے ادوار سے زیادہ ہیں۔ عصرِ حاضر یہ سمجھتا ہے کہ وہ تہذیبی و عمرانی ارتقا کی معراج کو چھو رہا ہے۔ مگر یہ کیسی معراج ہے کہ ہر طرف انسانیت کا لہو بہ رہا ہے۔ جنگل کا قانون نافذ ہے۔ تہذیب

کی تاریخ اور عمرانیت کی پہچان اور تعریف مرتب کرنے والوں کے غارت گر ہاتھوں سے بزمِ ہستی کا ملبوس چاک ہورہا ہے۔ یہ کیسی تہذیبی اور سائنسی معراج ہے۔جس نے انسانیت کے مستقبل کو تاریکیوں کی نذر کردیا ہے۔ عالمِ اسلام خاص طور پر اس نام نہاد تہذیب کے اجارہ داروں کی زد میں ہے۔ اس اندوہ بے کراں میں فقط اسوۂ رسول ہی آفتابِ حیات بن کر چمکتا ہے۔ گزرنے والی چودہ صدیوں کی ایک ایک ساعت گواہ ہے کہ جب عالمِ اسلام اور تاریخِ انسانیت کا کوئی بھی پرسانِ حال نہیں تھا تو فقط سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی ہمہ گیریت ہی انسانیت کے دکھوں کا درمان کر رہی تھی۔ اللہ اللہ! سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی رفعتِ فلک آثار کو غلامانِ محمد ﷺ کی کھوپڑیوں کے مینار لگانے والے ہی سیرتِ محمدی ﷺ کے علم بردار بن گئے۔ جس طور ہر دور کے تہذیبی علم برداروں نے اپنے بقولِ انسانی ارتقا کی معراج کو چھونے کا دعویٰ کیا ہے (اگرچہ ان کا یہ دعویٰ فقط اندازِ تفاخر جسے خود تاریخ نے بار بار جھٹلایا ہے) اس سے کہیں زیادہ واضح، موثر اور دل نشیں انداز میں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ نے اپنا فکری اثاثہ ہر دور کی نذر کرکے عالمِ انسانیت کو حق و باطل کی پہچان بخشی ہے۔ اور یہ سب صدقہ ہے اس دانائے کُل کا جس کے ہر اندازِ حیات نے دلوں کی بنجر بستیوں کو آباد کرکے وہاں امن و سلامتی، تہذیب وتمدن، وقت کے تقاضوں کی بجا آوری اور ارتقائے مسلسل کے گل و لالہ مہکا دیے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ:

کھلے ہیں جس میں محبت کے پھول ہر جانب
وہی ہے گلشنِ بے خار گفتگوے رسول

(راجا رشید محمود)

ہر اِک عمل مرے آقا کا ایک آیت ہے
ان آیتوں میں سے تفہیمِ کائنات ہوئی

(شبنم رومانی)

جادۂ حق سے بھلا میرے قدم کیوں بھٹکیں
جب ہو ضو بار دل و جان میں اُسوہ تیرا

(محمد اکرم رضا)

آدمی کو آدمی بننا سکھایا آپ نے
زیست کا مفہوم دنیا کو بتایا آپ نے

(سید انوار ظہوری)

عدل کیا ہے تری سیرت کا ذرا سا اظہار
روشنی کیا ہے ترے قول کی سچائی ہے

(غافل کرنالی)

جو ناشناسِ رموزِ حیات تھے کل تک
وہ آج آپ کے دم سے ہیں رازدانِ حیات

(ساقی گجراتی)

بخشا سکوں حضور کے فیضانِ عام نے
دیکھا سحر کا نور زمانے کی شام نے

(محمد افضل فقیر)

ہے رحمت آپ کی اس درجہ بے پایاں بتاؤں کیا
کہ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں وسعت سمندر کی

(منصور ملتانی)

روے انور کی طرح گوشۂ سیرت چمکے
آئینے دیکھے تو آئینے کی قسمت چمکے

(حلیم حاذق)

ہزار شکر کہ وہ نقشِ پا میسر ہیں
سفر مرا تھا وگرنہ فنا کے رستے پر

(سید عمران نقوی)

اُسوۂ خیر البشر ہے سامنے
راہ آساں ہے، خدا کا شکر ہے

(سید صبیح رحمانی)

کونین میں وہ ایک ہی رہبر ہے کہ جس کی
تابانیِ نقشِ کفِ پا سب کے لیے ہے

(سلیم گیلانی)

اے مرے شاہِ شرق و غرب، نانِ جویں غذا تری
اے مرے بوریا نشیں، سارا جہاں گدا ترا

(احمد ندیم قاسمی)

تیری آواز تھی روشنی کا سفر
برف پگھلی تو سورج چمکنے لگا

(جاذب قریشی)

غرضے کہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے حسنِ شعریت کے چراغ جلانے والوں نے سلطانِ دو عالم کے کردار کے مختلف گوشوں کو موضوعِ فن بنایا ہے۔ اس طرح مضامین کے تنوع نے بہار آفرینی کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ وہ شعرا لائقِ صد تعظیم ہیں جنھوں نے محض تغزل کا سہارا لینے کے بجائے اسوۂ رسول ﷺ کو قرآنِ حکیم کے تناظر میں دیکھا۔ قرآن سب سے بڑا شہ پارۂ نور ہے اور یہی شہ پارۂ نور، حضور نورِ مجسم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی زندہ گواہی ہے۔ اس ضمن میں ان اشعار کا حسن دیکھیے:

چند کھجوریں، جو کی روٹی، ایک پیالہ پانی کا
طور طریقے درویشی کے، منصب ہے سلطانی کا
مسند، منبر، گاؤ تکیہ، تاج، حویلی کچھ بھی نہیں
دیا چٹائی پر ہے روشن تہذیبِ عمرانی کا

لکھنے والوں نے اسوۂ حضور پر بہت کچھ لکھا اور لکھے جارہے ہیں۔ مگر اسوۂ حضور ﷺ سے اَن مٹ وابستگی تب ہی نصیب ہوتی ہے۔ جب صاحبِ ایمان بارگاہِ رسول میں عجز و انکسار، سوز و گداز اور اظہارِ عجز کو زادِ سفر بنالے۔ ورنہ ہر گام پر رحمٰن کیانی کے لفظوں میں بے عملی اور فکری بے حسی کی سیاہ راتوں کے مسلط ہونے کا خوف دامن گیر ہوتا ہے اور سہل پسندی اسلامی معاشرے پر غالب آنے لگتی ہے:

شرطِ ایماں مصطفیٰ سے والہانہ پیار ہے
پیار لیکن پیروی ہے، پیروی دشوار ہے
پیروی سے عاشقی آسان ہے اور اس لیے
جس کو دیکھو ان کا دیوانہ سرِ بازار ہے

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ تب ہی با مقصد لگتا ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمالِ جہاں آرا میں گم ہو کر مقامِ رسالت کا عرفان حاصل کیا جائے۔ اصحابِ باکمال کی سیرت پڑھی جائے تو وہی سیرت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرحِ مبین کا کما حقہ حق ادا کر سکے گی جنھوں نے محبوبِ دو عالم کی عقیدت کے انوار سے دل و جان کو جگمگانے کی عملی کوشش کی۔ یہ کوشش انھیں نہ صرف نعتیہ شاعری میں بلند مقام عطا کر گئی بلکہ اس کی بدولت انھیں کونین میں سرخ روئی کا سامانِ خیر بھی میسر آ گیا:

دھوپ رحمت کی عطا کر دی ٹھٹھرتی زیست کو
حبسِ جاں جب حد سے گزرا تو اسے ساون کیا

(امان اللہ اجمل)

اتاری روح کی بستی میں جلووں کی دھنک اس نے
شکستِ شب پہ ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ

(سیّد صبیح رحمانی)

میرے نبی کی ذات ہے شمعِ رہِ ہدیٰ فقط
اہلِ نظر کے واسطے اسوۂ مصطفیٰ فقط

(ناز قادری)

قدم جو زیست کی راہِ سفر میں رکھا جائے
نبی کا اسوۂ کامل نظر میں رکھا جائے

(امیر الاسلام صدیقی)

شاہِ کونین کی ضو بار یوں سیرت دیکھی
دشمنِ جاں پہ بھی سرکار کی رحمت دیکھی

(محمد اکرم رضا)

تاریکی جس قدر زیادہ ہو روشنی کی ضرورت اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ ظلماتِ خرد کا طلسم جس قدر بھرپور ہوگا، راہِ حیات کے مسافر اس قدر زیادہ تجلیاتِ کرم کے متلاشی ہوں گے۔ تاریک راتوں میں سفر کرنے والے رہ نورد روشنی کی ایک ننھی سی کرن کے لیے بھی ترستے ہیں اور جب ایک کرن بھی اپنے روشن وجود کا اظہار کرتی ہے تو فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے اندھیرے بہت جلد اپنے بدترین انجام کی آہٹ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ جب کہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ تو نام ہے اس

آفتابِ لازوال کا جو فاران کی بلندیوں سے طلوع ہوا تو عرب و عجم یکساں انداز سے منور ہوگئے۔ بات فقط یہ ہے کہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو محبت و عقیدت کے عملی تقاضوں کے ساتھ اپنی زندگیوں میں جاری کیا جائے۔ پھر ہی وہ لمحہ آئے گا کہ سیرتِ حضور سے عملی وفکری خوشہ چینی کرنے والے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے علم بردار بن جائیں گے۔

یہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا اعجاز ہے کہ یہ ہر دور کے تیزی سے بدلتے ہوئے تقاضوں کا جواب دے سکتی ہے۔ زمانہ ہر لحظہ نئے سے نئے عوامل کی زد میں ہے مگر سیرتِ مصطفیٰ ﷺ ہر دور کے تمام مسائل و مشکلات کا حل پیش کرسکتی ہے۔ سیرتِ حضور ﷺ قرآنِ حکیم کا دوسرا نام ہے۔ قرآنِ ناطق (ﷺ) ہی قرآنِ مجید کا حقیقی شارح، مفسر اور ترجمان ہے۔ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا علم حق وقت کی بلندیوں پر اڑانے والوں کو پوری طرح سے قرآنِ مجید سے خوشہ چینی کرنا ہوگی۔ قرآنِ ناطق (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اسوۂ لازوال کے تمام پہلوؤں کو حسنِ بصارت ہی نہیں جمالِ بصیرت بھی بنانا ہوگا۔ اپنا ہر عمل سچائی، خلوص اور صداقت کی میزان پر تولنا ہوگا۔ ذہن میں اس تصور کو راسخ کرنا ہوگا کہ زمانہ اگر بدلتے ہوئے احوال و مناظر میں تبدیلیوں کی زد میں ہے تو ہمارے پاس اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے اسوۂ عالی کی صورت میں ایسا مینارۂ نور موجود ہے جو ہر دور کی ظلمات کو کافور کرسکتا ہے۔ نعت گو شعرا پر بالخصوص یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسمِ "محمد" سے زمانے بھر میں اجالے بکھیرنے کا اہتمام کریں۔ یہ اُجالے پیغمبرِ اسلام کی سیرتِ قدسی سے عبارت ہیں اور اس عظیم ترین ہستی کی حفاظت اور اس کے پیغام کے زندہ اور غالب رہنے کا ذمہ خدا نے لے رکھا ہے۔ جذبے راسخ ہوں، فکر وعمل کا قبلہ درست ہو، ہر لحظہ ہر آن محبتِ رسول ﷺ خضرِ راہ ہو تو پھر اشعارِ نعت کی تاثیر دلوں کی سلطنت پر بلا تاخیر اپنا سکہ بٹھالیتی ہے۔ یہی تقاضائے فطرت بھی ہے اور فوز وفلاح کا واحد راستہ بھی۔

آج دنیا "گلوبل ولیج" میں تبدیل ہوچکی ہے۔ زمان و مکاں کے فاصلے دم توڑ چکے ہیں۔ ایسے عالم میں سیرتِ رسول ﷺ کی تجلیات سے زمانے بھر کو مستنیر کرنا آسان ہوگیا ہے۔ سیرتِ رسول تو سر بہ سر روشنی ہے، نور ہے، خوش بو ہے، حسن کی جلوہ گری ہے، محبتِ رسول ﷺ کی میزان ہے، پیار کا نغمہ ہے، محبت وخلوص کی بادِ بہاری ہے، جلووں کی سوغات ہے۔ کامرانی کا پیغام ہے۔ سرخ روئی کی صلائے عام ہے، قرآنِ ناطق کی اداؤں کو اپنانے کا انعام ہے۔ دنیا جس قدر سمٹ رہی ہے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے اپنی بالاتری منوانا اسی قدر آسان ہوگیا ہے۔ یہ عصرِ حاضر کے کسی دانش ور کا خوش کن خواب نہیں بلکہ چودہ صدیوں کے تناظر میں بکھری ہوئی حقیقتِ ازلی ہے۔

ضرورت فقط اس امر کی ہے کہ پیغامِ سیرت کو عام کیا جائے۔ دلوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے اجالا کر کے جب اہلِ شرق آگے بڑھیں گے تو ہر آنے والا وقت ان کا استقبال کرے گا۔ بات فقط اس صداقت کو عام کرنے کی ہے:

زیست کے تپتے ہوئے صحرا میں ہے وجہِ سکوں
ان کی یاد، ان کی تمنا، ان کی سیرت کا گلاب

(سیّد صبیح رحمانی)

انسانیت کے حسن کی یکتا مثال بھی
تیرے وجود میں ہے خدا کا جمال بھی

(یوسف حسن)

جس طرح ملتے ہیں لب نامِ محمد کے سبب
کاش ہم مل جائیں سب نامِ محمد کے سبب

(یعقوب تصور)

دہر کو سیرتِ سرکار سکھا دی جائے
سنگ باری جو کرے اس کو دعا دی جائے
روشنی سیرتِ سلطانِ حرم سے لے کر
قلب کو حلم، نگاہوں کو حیا دی جائے
جو ہیں محرومِ ثنا خوانیِ شاہِ بطحا
یا خدا ان کو بھی توفیقِ ثنا دی جائے
آپ کے حکم سے بڑھ کر کوئی منشور نہیں
یہ حقیقت بھی زمانے کو بتا دی جائے
ہیں جو مطلوب مساواتِ نبی کے چرچے
تو یہ تفریقِ من و تو کی مٹا دی جائے
آپ کے اسوۂ حسنہ کو بسا کر دل میں
عظمتِ فکر کی قندیل جلا دی جائے

(محمد اکرم رضا)

عزیز احسن۔ اسلام آباد

افصح العرب ﷺ کے حضور میں

نبی اکرم ﷺ نے عربوں سے فرمایا ''انا افصح العرب'' میری زبان سب سے زیادہ فصیح ہے۔ عرب مشرکین نے حضور ﷺ کے دعویٰ نبوت کا تو انکار کیا لیکن ان میں سے کسی نے اس دعوے کی تردید نہ کی کیوں کہ یہ دعویٰ قابلِ تصدیق تھا۔ زبان اپنے استعمال سے پہچانی جاتی ہے۔ خوب و زشت کا اندازہ زبان کھولنے ہی سے ہو جاتا ہے...

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

(جب تک انسان بات نہیں کرتا اس کے عیب و ہنر چھپے رہتے ہیں)

چناں چہ زبان کے دعوے کی مشرکین نے بھی تائید ہی کی۔ نبوت کا معاملہ عقل و فہم سے بالا تھا اس لیے اس حقیقت کو سمجھ ہی نہ سکے، بس انکار کر بیٹھے۔ پھر آہستہ آہستہ نبوت کے اسرار کھلے تو مشرکین میں سے جس کو اللہ نے چاہا وہ ایمان بھی لے آیا۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہم جب کسی بہت زیادہ علم والے کے سامنے زبان کھولتے ہیں تو لفظوں کے استعمال، خیال کی پاکیزگی، بات کی صداقت اور لہجے کی متانت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہی احتیاط نامہ نگاری میں بھی برتی جاتی ہے۔ نعت نگاری بھی ایسی ہی ہے جیسے شاعر، دربار رسالت ﷺ پناہ میں حاضر ہو کر خود حضور نبی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں اپنے جذبات، اپنے احساسات، اپنا احوال یا امت کا احوال، پیش کرنے کے لیے عرضی لکھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں وہ آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور کیسے لب کشائی کرے گا اور کیسے حرف جوڑے گا؟ ظاہر ہے، اگر شاعر کو، حضور ﷺ کی رفعتِ شان کا ذرا سا بھی ادراک ہوگا تو وہ دم بخود ہو جائے گا۔ اس کی زبان گنگ ہو جائیگی۔ وہ حیرت میں ڈوب جائے گا... سوائے عجز بیاں کے، کوئی خیال شعر

کا متن بنانے کے لیے اسے نہیں سوجھ سکے گا... لیکن اردو شاعری کے جدید دور میں جب شعرا نعت گوئی کی مائل ہوئے تو ان میں سے بہت کم نے لہجے کی متانت، خیال کی پاکیزگی، صداقت بیانی اور جذبے کی سچائی کا خیال رکھا۔ زبان کی صفائی اور فصاحت کو بھی بیشتر نظر انداز کر دیا گیا۔ حالاں کہ عجمی زبانیں کیا اور ان کی فصاحت کیا؟ عربی زبان کے سامنے یہ سب زبانیں توتلی ہیں... لیکن جیسی بھی ہیں ان میں جو کچھ اور جیسے کچھ بھی فصاحت کے معیارات مقرر ہیں، کم از کم انھیں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے!

میں نے اپنے نعتیہ مجموعے کے دیباچے میں عرض کیا تھا: ''شعر میں مافیہِ (نفسِ مضمون content یا متن text) اور اسلوب (style) دونوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ نعت میں مواد (مافیہِ متن یا نفسِ مضمون) کی اہمیت اس لیے زیادہ ہوتی ہے کہ یہ عقیدت آشنا شعری عمل اور رفیع الشان صنفِ ادب ہے جس میں کیفیات کی لمحاتی سچائی سے لے کر تاریخ و سیر اور دینی اقدار کی آفاقی سچائی تک صرف اور صرف صداقت ہی منعکس ہوتی ہے یا ہونی چاہیے''☆۱

آج میں صداقت بیانی کے مفہوم کو ذرا واضح کرتے ہوئے اردو کے نعتیہ شعری سرمائے سے کچھ شعری نمونوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

قرآنِ کریم میں سورہ شعراء کی آخری چار آیات میں اللہ رب العزت نے فرمایا ''اور شاعروں کی پیروی گم راہ کرتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے... اور بہ کثرت اللہ کی یاد کی اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو''☆۲ ان آیات کی تفسیر میں مفتی احمد یار خان نعیمیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں کفار کے اس بکواس کی تردید ہے کہ نبی ﷺ شاعر ہیں۔ فرمایا گیا کہ شعرا کے جھوٹے کلام کو رواج دینے والے ان جیسے آوارہ اور جھوٹے لوگ ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کی اتباع کرنے والے ابوبکر صدیق (اور) عمر فاروق (رضوان اللہ تعالیٰ) جیسے پاک نفس اور پاکباز لوگ ہیں ان پاک لوگوں کو دیکھو اور حضور ﷺ کی حقانیت کا پتا لگا لو۔

آگے فرماتے ہیں (یہ شعرا) ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے اور ہر لغو چیز پر شعر گوئی کرتے ہیں۔ کبھی کسی کی تعریف کرتے ہیں اور پھر برائی، گالی گلوچ یعنی لعن طعن جھوٹے دعوے، تکبر و فخر کی باتیں کرنا ان کا شیوہ ہے... بے عملی کے حوالے سے مفسر علام نے لکھا ہے کہ عبد الملک بن مروان نے کسی شاعر کا فحش کلام سنا تو کہا ''تجھے زنا کی سزا ملنی چاہیے کیوں کہ تو خود اپنے زنا کا

اقراری ہے۔ وہ بولا کہ قرآن کہتا ہے کہ میں سزا کے لایق نہیں اور یہ آیت پڑھی کہ شعرا کہتے بہت ہیں کرتے کچھ نہیں (مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے یہ مکالمہ سلیمان بن عبدالملک اور مشہور عرب شاعر فرزدق کے حوالے سے نقل کیا ہے)۔

سورہ شعراء کی اگلی آیات میں اللہ تعالی نے شعر گوئی کی ان اصناف ہائے سخن کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور جن اصناف کی ترویج کے لیے خود اللہ کے رسول ﷺ کے شعرا کو ترغیب دی ہے۔ بغوی کی شرح السنہ اور معالم کے حوالے سے صاحبِ تفسیرِ مظہری حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ نے سورہ شعراء کی آیت ۲۲۷ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ نے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ، شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا؟) فرمایا! مومن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔"☆۳ تفسیرِ مظہری ہی میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ شاعری کے حوالے سے کئی احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں کفار کی ہجو کرنے اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے پر حضرت حسانؓ کو سراہا گیا اور انھیں روح القدس کی مدد کی بشارت دی۔

کمالین شرح جلالین کے مترجم اور شارح محمد انظر شاہ سورۂ شعراء کی آیات بالا کے حوالے سے رقم طراز ہیں "اسلام نہ عام شاعری کو پسند کرتا ہے اور نہ شاعروں کی کچھ ہمت افزائی کرتا ہے لیکن اس عام شاعری سے وہ شاعری یقیناً مستثنیٰ ہوگی جس میں حقایق وصداقت سے کام لیا گیا ہو اور وہ اشعار جو اسلام کی حمایت اور خدا تعالی کی حمد میں کہے گئے ہوں اور جس سے کسی نیکی اور بھلائی کی ترغیب ہوتی ہو۔ اسی طرح وہ اشعار جو کفر کی مذمت اور گناہوں کی برائی میں کہے گئے ہوں اس طرح کے اشعار مذموم اور غیر پسندیدہ نہیں کہے جا سکتے۔"☆۴ مذکورہ آیت کی تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں "اسلام اکثر فنونِ لطیفہ کی طرح عموماً شاعری کا بھی ہرگز قدر داں نہیں اور نہ شاعروں کی ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے دربار میں کوئی کرسی ہرگز شاعروں کے لیے نہیں... اس لیے کہ عام شاعری میں بجز خیال آرائی اور مبالغہ پروری کے اور کچھ نہیں ہوتا... لیکن اس عام بے راہ روی کی شاعری کے حکم سے وہ شاعری یقیناً مستثنیٰ ہے، جو حقایق اور صداقتوں کی جامع ہے، جو نصرت وحمایتِ حق میں کی جائے۔ جس سے کام دین کے

غلبے کا لیا جائے۔ ذَکَرُ اللّٰہَ کَثِیرًا۔ اسلامی نظمیں، جوشِ دینی پیدا کرنے والی، عصبیتِ اسلامی کو بیدار کرنے والی، سب ذکرِ الٰہی ہی کی فرد ہیں۔ شاعرِ دربارِ نبوت حضرت حسانؓ بن ثابت سے لے کر مولانا روم اور پھر اقبال و جوہر و اکبر کی شاعری اسی طبقہ میں آتی ہے"☆۵ مفتی احمد یار خان اپنی تفسیر نورالعرفان میں سورۂ شعراء کی آخر آیت کی شرح میں فرماتے ہیں "اس سے پتا لگا کہ نعت گوئی حمد کے قصیدے اور علم کے مسائل پر اشعار لکھنا عبادت ہے۔" (نور العرفان صفحہ ۶۰۰)

یہاں سے میں اپنی بات کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ ان آیات و احادیث اور مفسرین کی آرا کی روشنی میں اس بات کا تو اطمینان ہوگیا کہ الحمدللہ، حمد و نعت کی وادی میں قدم رکھنے والے شعرا کی قلمی کاوشیں عبادت کے ذیل میں آتی ہیں۔ چناں چہ ان کاوشوں میں لگنے والا وقت اور صرف ہونے والی تمام صلاحیتوں کا اجر انھیں ضرور بہ ضرور ملے گا...لیکن عبادت کی قبولیت کی شرائط بھی معلوم ہونی چاہیے مثلاً نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، روزہ رکھنے، حج کرنے اور جہاد کرنے کے لیے اسلامی طریق اور متعین شرائط پوری کرنا ضروری ہیں۔ معین شرائط پوری نہیں ہوئیں تو عبادت بھی ادا نہیں ہوگی اور اگر ادا ہو بھی گئی تو قوی امکان ہے کہ منہ پر مار دی جائے! صرف نماز کی ادائیگی کے لیے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کا جاننا ضروری ہے... بنیادی شرط یہ ہے کہ عبادت خالص اللہ کے لیے ہو۔ نماز اگر کسی انسان کو دکھانے کی غرض سے زیادہ خشوع سے ادا کی گئی تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

یہی حال دوسری تمام عبادات کا ہے۔ بلکہ جہاد جیسی عظیم المرتبت عبادت میں جان جیسی قیمتی شے دیدینے اور اپنی آخری پونجی لٹا دینے والے شہید کو بھی حشر میں نیت کے کھوٹ کے باعث دوزخ میں جھونک دیا جائے گا...اس ضمن میں مثالوں سے گریز کی راہ اس لیے اپناتا ہوں کہ کہیں موضوع سے دور نہ نکل جاؤں۔ اب قلمی عبادت کی طرف آیئے۔ حمد و نعت کی صورت میں حرف لکھنے کی کیا شرائط ہیں؟ حمد میں تو بقول اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ بریلوی، کوئی قید نہیں... لیکن نعت میں دونوں طرف حد بندی ہے۔ فرماتے ہیں "اور حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"☆۶

آج کی گفتگو بھی نعت شریف کے حوالے سے ہی ہوگی۔ نعت کی براہِ راست گفتگو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ شعر کی کیا تعریف ہے؟...'' وہ کلام جسے بالقصد موزوں کیا گیا ہو شعر ہے'' (کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد)[☆۲] شعر بالقصد و بالارادہ موزوں کرنے کا مطلب ہے کہ اس میں جذبے کی سچائی، لسانیاتی صداقت، واقعاتی حقیقت اور کیفیاتی (یاوارداتی) سچائی اور خلوصِ اظہار کے ساتھ ساتھ شعریت کے تقاضے پورے کرنے کا داعیہ موجود ہو۔ یہ سب کچھ نہ ہو تو عام شاعری کو بھی قبول نہیں کیا جاتا بلکہ برملا کہہ دیا جاتا ہے ''شعر گفتن چہ ضرور؟'' (شعر کہنا کیا ضروری ہے؟) اردو لغت میں لکھا ہے، ''جب اصول وقواعد کی پابندی نہ کی جائے تو کہتے ہیں۔ شعر گفتن چہ ضرور؟''

اب آیئے نعت کی طرف، شاعر نے نعت کہنے کا قصد کیا...تو خود کو خیالی طور پر مدینۃ النبی ﷺ میں پہنچا دیا۔ طلب صادق ہے تو اس تصور سے دل میں تڑپ پیدا ہوگئی۔ جذبے نے اظہار کی راہیں تلاش کیں تو کوئی مصرع موزوں ہوگیا۔ اب آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شعر اس سرعت سے شاعر کی جھولی میں آنے لگے جیسے آندھی میں درخت سے پھل جھڑتے ہیں۔ یہ لمحہ بڑا قیمتی ہے، جتنے پھل جھولی میں ڈالے جاسکتے ہیں ضرور ڈال لینے چاہییں کیوں کہ جس تیزی سے آمد کی آندھی چلے گی اتنی ہی جلد یہ سلسلہ رک بھی جائے گا۔ سلسلۂ آمدِ شعر موقوف ہونے کے بعد شاعر کو اپنی جھولی (بیاضِ شعر) میں دیکھنا ہے کہ کتنے پھل جمع ہوئے؟... اب شاعر اپنے وجدان، اپنے مبلغِ علم، اپنے جذبے کی سچائی اور متن (text) کو پرکھنے کی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے بڑی سچائی سے اپنے شعروں کو اس طرح دیکھے گا جس طرح دوسرے شعرا کے کلام کو دیکھتا اور اس پر اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا حکم لگاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عام شاعری میں جہاں شعرا کی تعلّیاں سامنے آتی ہیں ہمیں فن کی تحسین اور کمالِ فن کو سراہنے کی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں۔ دور کیوں جایئے میر تقی میرؔ کی مثال سامنے ہے۔ میرؔ کی شاعری کو تقریباً ہر شاعر نے سراہا اور اپنے فن کو انکے فن سے فروتر جانا ہے۔ ناسخ کہتا ہے

شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

غالبؔ جیسے خود پسند شاعر نے کہا:

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

ذوق نے کہا:

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

حسرتؔ موہانی فرماتے ہیں:

شعر میرے بھی ہیں پُر درد و لیکن حسرتؔ
میرؔ کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

عام شاعری یا دنیاوی شاعری میں اعترافِ عظمت کی یہ مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ شاعر کتنا ہی خود پرست کیوں نہ ہو اگر شعر گوئی کی اعلیٰ قدروں سے آگاہ اور فن شناسی کا ذرا سا بھی ملکہ رکھتا ہے تو اس میں تحسینِ فن کا ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ معروضی (objective) انداز سے دوسروں کے فن کو سراہنے میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ عام شاعری کی طرف مائل شعرا کا یہ معروضی انداز اور یہ ظرف، نعت نگار شعرا کے لیے مثال بن سکتا ہے بلکہ نعتیہ شاعری کا تقدس آمیز جذبہ، نعت گو شعرا سے کچھ زیادہ وسعتِ نظر اور کشادگی قلب کے مظاہرے کا متقاضی ہے۔ یہاں اپنے آپ کو دوسرے شعرا سے برتر سمجھنے والا شاعر اپنے اخلاقی معیار کا خود اندازہ کر لے اور سوچ لے کہ اس اخلاق کے ساتھ کیا وہ واقعی سچی نعت نگاری کر رہا ہے؟ اور کیا اس کی نعت نگاری رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی جھلک دکھانے اور آپ کی تعلیمات عام کرنے کے لیے ہے یا اپنی projection کے لیے؟ اس ضمن میں طویل گفتگو کی ضرورت نہیں یہاں صرف خود احتسابی اور خود تنقیدی کے احساس کو بیدار کرنے کے لیے چند باتیں عرض کر دی ہیں۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آمد کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد شعر کی تحسین (appreciation) کا عمل شروع ہو جاتا ہے یا ہو جانا چاہیے اور اس عمل میں سچائی کی تلاش اور جستجو میں شاعر کو ہر زاویے سے اپنے شعر کو پرکھنا چاہیے۔ بات چوں کہ کلامِ موزوں کی ہو رہی ہے اس لیے پہلی صداقت تو عروضی صداقت ہوگی جس کی میزان پر شعر کو تولا جائے گا۔ پابند شاعری کی حد تک شعر میں عروضی سچائی کا ظہور ہونا لازمی ہے۔ شعر کا وزن وجدان کی بخشی ہوئی بصیرت کی میزان پر ہوتا ہے لیکن یہاں صرف وجدان پر بھروسا کرنا کافی نہیں علمِ عروض کی شد بد بھی ضروری ہے۔ وجدان پر اعتماد کرنے والے کہہ سکتے ہیں:

شعر می گویم بہ از قند و نبات
من نہ دانم فاعلاتن فاعلات

یعنی عروض سے عدم واقفیت کے باوجود طبع موزوں کے فیض سے کلام لطیف و شیریں ہوتا ہے (مہذب اللغات) لیکن یہ دعویٰ ہر شاعر نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے لیے مسلسل محنت، مشق اور قدما کے کلام کا مطالعہ کرتے رہنا ضروری ہے۔ عَرُوض کے میدان میں بڑے بڑے جغادری چوکڑی بھول جاتے ہیں۔

عروض سے متصل لسانیاتی صداقت ہے۔ لفظ کے درست استعمال اور صحیح تلفظ کے لیے بڑی احتیاط سے لکھی ہوئی نثری عبارت بھی رہنمائی کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اعراب کی عدم موجودگی کے باعث لفظوں کے استعمال میں حرکت اور سکون، شدّ اور مد کی گتھی صرف اور صرف کسی مستند شاعر کے شعر سے سلجھائی جا سکتی ہے۔ اس مرحلے پر شاعر کے علمِ لغت کا امتحان ہوتا ہے۔ اگر کسی حرکت (یعنی زیر، زبر یا پیش) والے لفظ کو سکون (ساکن) باندھ دیا یا مد والے الف کو الفِ مقصورہ کے طور پر یا اس کے برعکس باندھ دیا، تو عروضی گھاٹی سے تو شاید گزر جائے لیکن لغت کے معاملے میں شاعر بے اعتبار ٹھہرتا ہے۔ اس معاملے میں صرف وجدان کی رہبری میں شعر کہنا بڑا گھاٹے کا سودا ہے۔ لفظوں کے استعمال ہی سے پتا چلتا ہے کہ شاعر جس زبان میں شعر کہہ رہا ہے اس کی فصاحت، بلاغت، قواعد اور صرف ونحو سے کتنا واقف ہے؟ عروضی اور لسانیاتی مرحلوں سے گزر کر نعت کے متن مواد یا مافیہ کی پرکھ کا سوال ابھرتا ہے اور یہ سوال مدحت مصطفےٰ ﷺ کے ضمن میں کلیدی سوال ہے۔ کیوں کہ نعت نگاری، لا یعنی اور بے لگام جذبوں، ہوس پرستی کی زمین میں پیدا ہونے والے پودوں کی پرداخت کا عمل نہیں ہے بلکہ معاشرے میں دینی فکر، اخلاصِ نیت اور حبِ سرورِ کونین ﷺ کے ساتھ ساتھ اتباعِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لیے فضا سازگار بنانے کی جدوجہد کرنا بھی نعتیہ شاعری کے مقاصد میں داخل ہے۔ یہاں قدم قدم پر احتیاط اور دم دم چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ میرؔ نے انسانی احساسات کا خیال رکھنے کی تلقین اپنے بھرپور شعری شعور کے ساتھ کی تھی اور یوں کہا تھا:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

مجھے نعت کی کارگاہِ شیشہ گری سے زیادہ نازک کائنات میں کچھ نظر نہیں آتا، اس لیے میں شعرا کی توجہ میرؔ کے اس شعر کی طرف مبذول کروانے کی سعی کرتا رہوں گا... چناں چہ شعر کا متن (text) پرکھنے کے لیے دینی شعور، تاریخی آگہی، اپنے موضوع (نعت) کے حدود یا ابعاد

(dimentions) کی جان کاری بھی بہت ضروری ہے۔ یہاں زبان دانی، عروض کی واقفیت اور جذبے کی صداقت بھی کچھ کام نہیں آئے گی۔ نعت گو شاعر کے لیے اپنے کلام کو پرکھنے کا مرحلہ کتنا کٹھن ہے اس کا اندازہ امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضاؒ بریلوی کی رائے سے بھی ہو جانا چاہیے اور عرفی اور عزت بخاری کے اشعار سے بھی۔ اعلیٰ حضرت کی رائے تو پہلے ہی نقل کر دی گئی ہے اب اشعار دیکھیے:

عرفی شتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
ہشیار کہ رہ بردم تیغ است قلم را
(عرفیؔ)

(عرفی جلدی مت کر یہ شارعِ نعت ہے صحرا نہیں ہے۔ یہاں ہوشیار رہ کہ قلم کا قدم تلوار کی دھار پر ہے)

عزت بخاری کا شعر ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

(یہ، بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، ایسی ادب گاہ ہے جو آسمان کے نیچے ہونے کے باوجود عرش سے زیادہ برگزیدہ ہے۔ یہاں جنید اور بایزید جیسے جلیل القدر بزرگ ششدر رہ جاتے ہیں)۔

مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں اپنے مطالعے کا ماحصل پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ابتداً عرض ہے کہ میں نے شعروں کی پرکھ کے لیے خاص طبقے، شخصیت یا گروہ کے شعرا کا انتخاب نہیں کیا ہے بلکہ دوست دشمن کی بھی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عرض ہے کہ میں نے نعتیہ اشعار کو حتیٰ المقدور معروضی انداز سے پرکھنے کی کوشش کی ہے... تاہم تنقیدی بصیرت، سخن فہمی اور عروض، لغت اور متنِ شعر کو پرکھنے کا معیار میرا ذاتی ہے۔ اس لیے اپنے نتائج ہائے فکر کسی دعوے کے ساتھ نہیں بلکہ اس استدعا کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اگر میں کسی شعر کو سمجھنے میں چوک جاؤں تو قارئین اور خود شعرا بھی میری رہنمائی فرمائیں۔ میرا وعدہ ہے کہ اگر کسی صاحب نے اخلاص کے ساتھ اور بدلائل میری غلطی سے مجھے آگاہ کرنے کی کوشش کی اور اپنی بات یا نکتے کی وضاحت کرنے میں کامیاب ٹھہرے تو ان شاء اللہ میں اپنی کہی ہوئی بات اور پیش

کیے ہوئے تنقیدی نتائج سے رجوع کرلوں گا۔ کیوں کہ اس راہ میں اَنا کو دخل دینا خود کو اخوان الشیطان کے زمرے میں شمار کروانے کے مترادف ہوگا۔

میں نے ۱۹۷۷ء میں ایک نعت کہی۔ اس نعت کا مقطع تھا:

نعت کہنا ہی مرا مشغلہ بن جائے عزیزؔ

جب لکھوں لذتِ دیدار چشیدہ لکھوں

ایک مرتبہ ندیم عیسیٰ خیلوی صاحب کی فرمائش پر یہی نعت انھیں لکھ بھیجی۔ انھوں نے خط میں لکھا کہ نعت اچھی ہے لیکن مقطع محتاجِ اصلاح ہے۔ ''مشغلہ'' نعت کے شایانِ شان نہیں ہے۔ لیکن اس عہد میں مجھے اپنے جہل کا ادراک نہیں تھا بلکہ معاملہ کچھ یوں تھا:

اک عمر سے ہے جہل پہ اپنے گمانِ علم

(حمایت علی شاعرؔ)

چناں چہ میں نے ندیم صاحب کی رائے پر توجہ نہیں دی۔ کئی سال بعد ایک محفل میں بھائی منصور ملتانی (حال عارف منصور) نے اسی لفظ (مشغلہ) کی طرف توجہ دلائی۔ اللہ کا کرنا کہ اسی لمحے اس لفظ کا نعم البدل (appropriate alternate) سوجھ گیا اور میں نے لفظ بدل کر مقطع پڑھ دیا جو پسند بھی کیا گیا اور میں بھی مطمئن ہوگیا:

نعت لکھنا ہی وظیفہ مرا بن جائے عزیزؔ

اب ذرا اس تبدیلی پر غور فرمایئے۔ ''مشغلہ'' سنجیدہ مصروفیت کے ساتھ ساتھ کھیل کود اور تفریحی مصروفیت کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ نعت میں اس لفظ کے استعمال سے نعت کہنے کی مصروفیت پر بھی تفریحی مصروفیت کا معنوی پرتو پڑ سکتا ہے اس طرح لفظ کی ذومعنویت سے نعت کہنے کے عمل کا تقدس مجروح ہونے کا بھی امکان تھا اس لیے میں نے اسے ''وظیفہ'' سے بدل دیا۔ وظیفہ سنجیدہ، با مقصد اور اختیاری مصروفیت کو کہتے ہیں۔ اسمِ الٰہی اور درودِ پاک کے با اہتمام ورد کے لیے بھی وظیفے کا لفظ بولا جاتا ہے، چناں چہ نعت کہنے کے عمل کو ''وظیفے'' سے تعبیر کرنا ''مشغلے'' سے زیادہ موزوں ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ شعر کتنا ہی سجا بنا کر کہا جائے اس میں اصلاح اور بہتری کے امکانات ہمیشہ باقی رہتے ہیں لہٰذا شاعر کو اپنی اَنا کے خول میں بند رہنے کے بجائے سنجیدہ اور مشفقانہ رائے پر ضرور توجہ دینی چاہیے۔

۱۹۸۱ء میں میں نے ایک نعتیہ انتخاب مرتب کیا تھا ''جواہر النعت'' اس میں ایک سانیٹ معروف محقق افسر صدیقی امروہوی (مرحوم) کا بھی تھا۔ اس میں ایک شعر تھا:

نورِ حق پھیلا زمانے میں بہ اندازِ کمال
ہوگئی ہر شے رہینِ گرمیٔ بازارِ حسن

اس شعر پر میرے ایک دوست سیّد وجاہت علی حیرت نقوی (مرحوم) نے تبصرہ کرتے ہوئے ''بازارِ حسن'' کے استعمال کو رکیک قرار دیا۔ میں نے یہ اعتراض جناب افسر صدیقی تک پہنچا دیا۔ وہ فرمانے لگے بھائی میں نے جب یہ سانیٹ لکھا تھا اس وقت اس لفظ کے معنی مبتذل نہیں تھے مبتذل تو یہ لفظ آج ہوا ہے۔ اس وقت افسر امروہوی کی عمر ۸۵/ برس تھی۔ پتا چلا بعض الفاظ کے معنوی عکس امتدادِ زمانہ سے بھی بدل جاتے ہیں۔

انشاء اللہ خاں انشاؔ دہلوی ثم لکھنوی بڑے جیّد استاد اور زبان کے ماہروں میں سے تھے۔ ان کی کہی ہوئی ایک نعت کو اللہ ربّ العزت نے یہ مقبولیت عطا فرمائی کہ آج بھی زباں زدِ خاص و عام ہے:

آپ خدا نے جب کہا صلِّ علیٰ محمدٍ
کیوں نہ کہیں پھر انبیاء صلِّ علیٰ محمدٍ
عرش سے آتی ہے صدا صلِّ علیٰ محمدٍ
نورِ جمالِ کبریا صلِّ علیٰ محمدٍ
صلِّ علیٰ نبیّنا صلِّ علیٰ محمدٍ

اس نعت کے تیسرے مصرعے کی خواندگی میں محسوس ہوتا ہے کہ ''آتی'' کی ''ی'' قرأت میں نہیں آتی۔ ''ی'' کا اس طرح دبنا عیبِ سخن گردانا جائے گا۔ لیکن یہ اس قدر معیوب نہیں ہے جس قدر مقطعے میں شاعر کے تخلص کے الف کا گرنا معیوب ہے:

انشاء اگر نجات تو چاہے تو پڑھ یہ رات دن

نجات تو میں ''ت'' کی تکرار اتصالِ حرف بعدِ سقوطِ حرف، عیبِ تنافر پیدا کر رہی ہے۔ لیکن اسطرح کے عیب سے بچنا بعض جگہ محال ہو جاتا ہے اس لیے استاد فدا خالدی دہلوی مرحوم اس طرح کے اتصالِ حرف کو عیب شمار نہیں کرتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر شاعر مصرعے میں دو ایسے حروف لائے جن کے اتصال سے نیا غیر ضروری لفظ بن جائے تو یہ عیبِ تنافر سمجھا جائے گا مثلاً:

ساقیا اب صراحیٔ مے لا

اس مصرعے میں مے (شراب) اور لا (امر) دونوں اصوات مل کر نیا لفظ بنا رہی ہیں "مَیلا" جس کی شعر میں بھی گنجایش نہیں ہے اور معنی بھی مناسب نہیں ہیں۔

ایک اور نکتے کی طرف بھی توجہ فرمایئے۔ اس نکتے پر غور کرنے کی دعوت مجھے حضرت علامہ بشیر حسین ناظم نے دی تھی، اللہ انھیں خوش رکھے! فرماتے ہیں "کبریا" اللہ تعالیٰ کا اسمِ صفت نہیں ہے بلکہ صفت ہے۔ اب غور فرمایئے ہمارے بہت سے اکابرین نے بھی یہ لفظ اللہ کے اسمِ صفت کے طور پر ہی استعمال کیا ہے جن میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ اردو لغت کے مرتبین نے بھی "کبریا" کو اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام کے طور پر بھی لکھدیا ہے۔ لیکن اس لفظ کے اصل معنیٰ بزرگی اور عظمت ہی ہیں۔ قرآنِ کریم میں آیا ہے "وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ (ط) (یونس۱۰، آیت ۷۸، پ ۱۱) اورتم دونوں کی ملک مصر میں حکومت ہو جائے (قولِ فرعون)۔ صاحبِ تفسیر مظہری نے لکھا ہے "کبریا سے مراد ہے حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ"[☆۸]

"وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (ص) وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آیت ۳۷ جاثیہ ۴۵، پ ۲۵) (اور اسی کو (اللہ کو) بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔[☆۹]

ان معروضات کی روشنی میں انشاء اللہ خاں انشاؔ کے اس مصرعے پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے:

نورِ جمالِ کبریا صلِ علیٰ محمد

بہرحال یہ معاملہ اب میں آپ کے ذوقِ سلیم کی نذر کرتا ہوں۔

جیسا وہ فیاض ویسی تہی دامانی مری
مجھ بھکاری کو شہِ ارض و سما درکار ہے[☆۱۰]

اس شعر کا پہلا مصرع بے وزن ہے۔ یہاں تہی کو "تے" "ہی" پڑھیں تو وزن قائم رہتا ہے اور چوں کہ تہی میں 'ت' مجہول ہے اس لیے بات بگڑ گئی۔ دوسرے مصرعے پر غور فرمایئے، یہاں شہِ ارض و سما کے التفات، کرم یا چشمِ عنایت کی ضرورت تھی، کیوں کہ دامن میں عنایاتِ شہِ ارض و سما کے ثمرات ہی سما سکتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے شعر میں عروض و قافیے کی مجبوری کے باعث "شہِ ارض و سما درکار ہے" کہہ دیا گیا جو بے جوڑ لگتا ہے۔

کرتا رہا ترا مزاج، چارہ گروں کا بھی علاج
جن کے سروں پہ گھاؤ تھے بخش دیے تو نے ان کو تاج ☆۱۱

مصرعۂ ثانی بے وزن ہے۔ ''بخش دیے تو نے'' کے بجائے ''بخشے ہیں تو نے'' ہوتا تو عروضی ضرورت پوری ہو سکتی تھی۔

عشقِ مصطفیٰ کی تڑپ جو نہیں ہے سینے میں
لطف کیا ہے مرنے میں کیف کیا ہے جینے میں
کاش زندگی کے مری روز و شب یونہی گزریں
صبح ہو حرم میں تو شام ہو مدینے میں ☆۱۲

ان دونوں اشعار کے پہلے مصرعے بے وزن ہیں۔

دوسرے شعر میں ''حرم (بیت اللہ)'' کے مقابلے میں ''حرمِ نبوی'' کا ذکر ہوتا تو اچھا ہوتا۔ یا مدینے کے حوالے سے ''مکے'' کا حوالہ آتا۔ بہرحال ان باریکیوں کی طرف شاعر کی توجہ مبذول نہیں ہو سکی۔

ہر سطر سے ہے عیاں قال و مقالِ محبوب
دیکھ قرآن کے پاروں میں جمالِ محبوب ☆۱۳

اس شعر میں لفظ ''سطر'' کی لغوی حیثیت مجروح ہو گئی کیوں کہ یہاں یہ لفظ سَطَر (س اور ط پر زبر) پڑھا جائے تو شعر کا وزن درست ہوتا ہے ورنہ میزانِ عروض کا ایک پلڑہ ہوا میں ڈولنے لگتا ہے۔ ''سَطر'' میں صرف ''س'' مفتوح (زبر کے ساتھ) ہے۔ جیسے:

ماجرائے گریۂ فرقت اگر لکھنے لگو
موجِ دریا سَطرِ خط، اے دلربا ہو جائے گی
(برق)

☆

بصد ادب اے نسیمِ صبحِ نبی سے میرا سلام کہنا
بلالو در پر چھڑالو غم سے بس اتنا میرا پیام کہنا ☆۱۴

اس شعر میں ''صبح'' کی ''ح'' نہ صرف متحرک ہو گئی بلکہ ایک الف کے بقدر کھنچ بھی گئی یعنی ''صبا'' ہو گئی۔ جو غلط ہے۔ دیکھیے استاد داغ دہلوی نے یہ لفظ کیسے برتا ہے۔

صبح ان مست نگاہوں کا نہ پوچھو عالم
جن میں تھا رات کا کچھ نشہ ء صہبا باقی
یہ کبھی نہ ہوگا کہ دوں صدا کسی تیرگی کی پکار پر
مجھے فخر ہے کہ نثار ہوں میں حرا کی روشنی غار پر ☆[۱۵]

☆

وہ برائے نذر لے آئے ہیں یہ حسین تحفے درود کے
صبح و شام لاکھوں ملائکہ جو پہنچ رہے ہیں مزار پر ☆[۱۶]

(ایضاً ص ۱۹۲)

کسی اور کی نہ ہو پیروی، جو ہو پیروی تو نبی کی ہو
یہ ہے لازمی کے نثار ہوں یہ مسلماں دینی شعار پر ☆[۱۷]

(ایضاً ص ۱۹۲)

یہ تینوں شعر بے وزن ہیں۔ پہلے شعر میں ''روشنی غار''، دوسرے شعر کے دونوں مصرے ہی ساقط الوزن ٹھہرے۔ شعر، ''نذر لے آئے ہیں'' اور ''صبح و شام'' کے ٹکڑوں کا وزن نہیں سہار سکتا۔ تیسرے شعر میں لفظ ''مسلماں'' پورے تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھا جا رہا۔

آپ ہیں ایسے حسین جن کی نہیں کوئی مثال
رحمۃ للعالمیں ہیں آپ اللہ کا کمال
خود خدا جن پر فدا ہو شان ان کی کیا کہیں
در حقیقت ان کی ذاتِ پاک اللہ کا جمال
آنِ واحد میں گئے ہیں آپ سوئے عرش بھی
کس قدر نزدیک سے دیکھا ہے اللہ کا جمال ☆[۱۸]

ان اشعار میں اللہ کا اسمِ ذات مخفف تلفظ کے ساتھ بندھا ہے (اَلّا پڑھا جاتا ہے) جو درست نہیں۔ ہاں اسی نعت شریف میں ایک جگہ اللہ کا اسمِ ذات بالکل صحیح تلفظ کے ساتھ بندھا ہے،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر موصوف، درست تلفظ اور اس کی شعر میں مناسب بنت کا ادراک رکھتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ ہر شعر میں اسمِ ذاتِ باری تعالیٰ کو ایسے ہی برتتے! اس ضمن میں معروف شاعر، محقق اور عروض داں علامہ قمر رعینی کی رائے بھی نقل کردوں۔ اپنے نعتیہ مجموعے ''ولائے رسول ﷺ''

کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں ''(میں نے اپنی کتاب میں) لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر الا نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے۔''

شعرا کو اس معاملے میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت اکبر حمزئی کا ہی درج ذیل شعر دیکھیے۔ اس شعر میں اللہ ربّ العزت کا اسم ذات بالکل درست تلفظ سے برتا گیا ہے۔

سب سلاطینِ جہاں ہیں آپ کے ادنیٰ غلام
آپ کو اللہ نے بخشا ہے وہ اوجِ کمال ☆۱۹

☆

ہم بے کسوں پہ آپ کا احساں ہے کس قدر
زیست آپ کی ہمارے ہی غم میں بسر ہوئی ☆۲۰

اس شعر میں ''زیست'' کی نامناسب بنت نے شعر کو لغوی اور عروضی سچائیوں سے دُور کر دیا۔ اسی لفظ ''زیست'' کا درست استعمال بھی حضرتِ اکبر حمزئی کے ہاں موجود ہے۔

انجام مری زیست کا ہو شہرِ نبی میں
یہ میری تمنا ہے یہ خواہش یہ دعا ہے ☆۲۱
مری آرزو ہے کہ اے کملی والے!
بلا لے مجھے اپنے در پر خدارا
شب و روز دل کے لیے ان کی فرقت
قیامت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے ☆۲۲

یہاں پہلے مصرعے میں التجائیہ تخاطب ہے اور واحد حاضر کے صیغے میں ندا ہے۔ جب کہ دوسرے مصرعے میں احوالِ دل بیان ہوا ہے اور حضورﷺ کا ذکر ادباً جمع غائب کے صیغے میں کیا گیا ہے۔ دونوں مصرعوں کا تناظر بدل گیا۔ اس شعر کو صرف وزن کی بنیاد پر ہی شعر قرار دیا جاسکتا ہے۔ درج ذیل اشعار بھی اس سے ملتی جلتی مثالیں پیش کر رہے ہیں:

ملی خاک میں ہیبتِ شانِ کسریٰ زمانے میں جب نور اسلام پھیلا
جنھیں سب کہیں شافعِ روزِ محشر، انھی کی شفاعت کو جی چاہتا ہے ☆۲۳

(دونوں مصرعے دولخت ہیں)

محشر میں مجھ ایسے عاصی کی کر دیجیے شفاعت اے آقا
جس وقت بھی میری فردِ عمل اللہ کو دکھائی جاتی ہے[☆۴۴]

اس شعر میں پہلا مصرع مستقبل میں، یعنی محشر میں، شفاعت کی التجا پر مبنی ہے جب کہ دوسرا مصرع حال میں ہے۔ یہاں شاعر نے قافیہ (دکھائی) اور ردیف (جاتی ہے) کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ مصرعوں کے معنوی ربط کا معاملہ پڑھنے والوں پر چھوڑ دیا ہے۔

اے رحمتِ مولا صلِ علیٰ اے رہبرِ کامل صلِ علیٰ
تصویر جو آپ کی سیرت کی ہر دل میں سمائی جاتی ہے[☆۴۵]

''تصویر جو آپ کی'' والا ٹکڑا مصرعے کے مجموعی وزن کو بگاڑ رہا ہے۔

جب تک مرے نبی کا اشارہ نہیں ملا
طوفاں میں نوح کو بھی کنارا نہیں ملا[☆۴۶]

یہ شعر تاریخی شعور کی کمی اور دینی علم کے افلاس کی علامت ہے۔ نبی ﷺ کا نور سب سے پہلے تخلیق فرما دیا گیا تھا یہ بات مسلم ہے لیکن نورِ محمدی (علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام) کے دنیا میں جلوہ افروز ہونے سے قبل کے ایسے تصرفات کا علم یوں نہیں دیا گیا ہے کہ ''نوح'' کی کشتی بھی حضور ﷺ کے اشارے سے کنارے لگی تھی۔ صرف عقیدت کے اظہار کی خاطر، ایسی بے سند باتیں حوالۂ قرطاس کرنا بہت بڑی جسارت ہے، جس سے اجتناب چاہیے:

اب مدینے میں ہم کو بلا لیجیے، دل تو طالب ہے آقا کے دیدار کا
دوڑے جائیں وہاں سر کے بل دوستو، گر ہمیں بھی ملے حکم سرکار کا[☆۴۷]

پہلے مصرعے میں سرکار رسالت مآب ﷺ سے التجا ہے، جب کہ دوسرے مصرعے میں دوستوں کو مدینے جانے کے شوق کی بے تابی سے آگاہ کیا جارہا ہے:

عرشِ اعظم پہ بلایا ہے پئے دید انھیں
دیکھیے ان سے خدا کو ہے محبت کتنی[☆۴۸]

یہاں معراج کے حوالے سے بات کی گئی ہے لیکن من مانے طریقے پر، اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کی علیم و بصیر ذات کا دینی تصور مسخ ہوگیا۔ یہ بات ہمارے نبی ﷺ کے ذریعے ہی ہم تک پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر شے کو ہر وقت دیکھ لیتا ہے اور اسے کسی سے ملنے کے لیے یا دیکھنے کے لیے اپنے پاس بلوانے کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔ ہاں بندوں کی ضرورت ہے کہ وہ

اپنے خالق کا دیدار کرنے کے لیے کہیں جائیں۔ طور کا انتخاب موسیٰؑ کی بشری محدودات (limitations) کے پیشِ نظر کیا گیا اور حضور پُرنور محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے آسمانوں کی سیر کا بندوبست کیا گیا تا کہ حضور ﷺ اللہ کی نشانیاں دیکھ لیں۔ قرآنی الفاظ ہیں "لنریة من ایتنا(ط)" تا کہ ہم اس بندہ کو اپنی قدرت کی کچھ عجیب نشانیاں دکھا دیں۔ صاحبِ تفسیرِ مظہری نے لکھا ہے "چالیس دن کی مسافت کو رات کے قلیل ترین وقت میں طے کرانا پھر بیت المقدس سے آسمانوں تک لے جانا، انبیا کو مجسم بنا کر دکھانا پھر ان کی امامت کرانا اور ان کے علاوہ دوسرے عجائبات قدرت کی سیر کرانا یہ سب کچھ اللہ کی وہ آیات تھیں جن کا مشاہدہ کرانا مقصود تھا۔"[☆۲۹]

واضح قرآنی آیات کی موجودگی میں شعرا کو حبِ رسول ﷺ میں بھی یہ کہنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دیکھنے کے لیے آسمانوں میں بلوایا تھا۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ شعرا اپنے زعمِ عشقِ رسول ﷺ میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اللہ کی ذات و صفات کا دینی تصور یکسر ان کے ذہنوں سے نکل جاتا ہے اور وہ ایسے ایسے شعر کہہ دیتے ہیں کہ حبطِ اعمال اور سخت مواخذہ کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر کسی کا یہ شعر:

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
صدمۂ ہجر خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا (نعوذ باللہ)

☆

لا الٰہ کا مرے ہونٹوں پہ حسیں ذکر اختر
جیسے ہجرت زدہ پا بوسِ وطن ہوتا ہے[☆۳۰]

اس شعر میں "الٰہ" مخفف ہو گیا۔ ہائے ہوز پوری ادا نہیں ہو رہی ہے اور یہ بالکل جائز نہیں۔ کم از کم اختر ہوشیار پوری جیسے استاد شاعر کو تو اس معاملے میں محتاط ہونا چاہیے اور الحمدللہ وہ محتاط بھی ہیں، دیکھیے اس شعر میں بھی تو انھوں نے ہی "الٰہ" کو بالکل درست تلفظ کے ساتھ باندھا ہے:

ورنہ کسے شعور تھا اس رنگ و آب کا
اختر میں لا الٰہ کے حرفوں میں کھو گیا[☆۳۱]

سحر کو بارشِ شبنم سے بھیگے طیبہ کے پات
دمک رہے ہیں زمانے میں کہکشاں کی طرح[☆۳۲]

ملے وہ لعل و گہر طیبہ کے دفینے سے
دل و نظر کے ہے دامن میں مہر و ماہ کا حسن[☆۳۳]

ان اشعار میں بھی "طیبہ" کی ہائے ہوز دب رہی ہے۔ جس سے اچھا صوتی تاثر نہیں پڑ رہا ہے۔ مزید براں لسانیاتی صداقت بھی مجروح ہو رہی ہے اور عروضی سقم تو ظاہر ہی ہے۔ ان

اشعار کے مقابلے میں شاعر کے یہ شعر دیکھیے:

بہار دامنِ طیبہ سے فیض پاتی ہے — مگر خزاں ہے جو خود سے بھی خوف کھاتی ہے ☆۳۴

لالہ زاروں سے مہکتی ہے رگِ جاں اختر — میں نے طیبہ میں یہ اعزازِ چمن پایا ہے ☆۳۵

مجھ کو تو علم ہے اغیار نہ بے شک جانیں
کہ یہ روح ان کی ہے دل ان کا ہے چاہت ان کی ☆۳۶

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں ''روح'' کا ''ح'' مکمل گر گیا۔ میں اصلاح تجویز کرنے کا اہل تو نہیں ہوں تاہم نعت کے معاملے میں اگر دمِ تحریر کوئی نکتہ سوجھ جائے تو بتانے سے بخل آمیز دریغ بھی نہیں کرتا۔ اس لیے بغیر کسی دعوے کے مؤدبانہ عرض ہے کہ مصرع اگر یوں ہوتا تو مصرعے میں پایا جانے والا سقم دُور ہوسکتا تھا۔

روح ان کی ہے یہ دل ان کا ہے چاہت ان کی

بعینہ اس شعر میں ''رتبہ'' کی ہائے ہوز نہیں گرتی اگر ذرا سا تغیر کردیا جاتا۔

ہونٹوں کی جنبشوں کو یہ اختر کہاں نصیب
جو رتبہ ان کی بزم میں آنکھوں کے نم کا ہے ☆۳۷

اب میری عاجزانہ تجویز پر غور فرمائیے کہ بالکل معمولی لفظی تقدیم اور تاخیر سے مصرعے کا یہ عیب دُور ہوسکتا تھا۔

رُتبہ جو ان کی بزم میں آنکھوں کے نم کا ہے

حق کی وحی کو لہجۂ جبریلؑ گر ملے — ممکن ہے تب ہی شرحِ حقیقت حضور کی ☆۳۸

مہبط وحی کا قلبِ رسول کریم ہے — قرآں خدائے پاک کا لطفِ عمیم ہے ☆۳۹

حق کی وحی بہ نطقِ رسولِ خدا بھی ہے — اسرارِ کائنات کا عقدہ کشا بھی ہے ☆۴۰

ان تینوں اشعار میں ''وحی'' کا لفظ عوامی اور اردو تلفظ کے ساتھ باندھا گیا ہے جو غلط ہے۔ محتاط شعرا اس کا وہی تلفظ اپناتے ہیں جو عربی سے اخذ کیا جاتا ہے۔ عربی میں ''وْ'' مفتوح (زبر کے ساتھ) اور حائے حطی ساکن ہے۔ آتش کا شعر ہے:

تختۂ میّت فراقِ یار میں معراج ہے — وحی آنا جانتا ہوں موت کے پیغام کا

وہ محمود و حامد وہ احمد محمد — درک سے مدح احمدی ماورا ہے ☆۴۱

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں ''درک'' اور ''مدح'' کے الفاظ معروف اور قابلِ قبول

تلفظ کے خلاف بندھے ہیں۔ پہلا لفظ درک سکونِ ''را'' کے ساتھ ہے اور دوسرے لفظ میں ''دال'' اور حائے حطی دونوں ساکن ہیں۔ اردو ڈکشنری بورڈ کی اردو لغت میں درک کی سند یہ شعر ملتا ہے:

درک اپنا نہ اپنے احساسات
وہی کہنا سنی سنائی بات

اسی لغت میں مدح کے لیے یہ شعر ہے:

ترے حبیب کے ہر مدح خواں کی نذر کروں　　　جو دسترس میں مرے آئیں تیرے لوح و قلم
وہ اسرا اسمِ الٰہی کا محرم　　　سہل اس کے دم سے ہر اک مرحلہ ہے☆۴۲

اس شعر میں ''سہل'' کا تلفظ بگڑ گیا۔ اس لفظ میں شاعر موصوف نے ''س'' اور ہائے ہوز دونوں کو متحرک باندھا ہے جب کہ صرف ''س'' مفتوح ہونا چاہیے، جیسے:

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے　　　دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
(غالب)

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں　　　تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
(میر تقی میر)

میرا ہر نفس یہ کلام ہو، مری بندگی کو دوام ہو　　　صبح وشام اس پہ سلام ہو، جو خدا کا پیارا حبیب ہے☆۴۳

یہاں ''صبح وشام'' کی حائے حطی گرگئی نتیجتاً شعر بحر سے خارج:

رات دن صبح وشام ہوتی ہے (داغ)

تابع تری رضا کے ہے دہر کا سارا انتظام　　　تجھ پہ خدائے پاک کا ہر دم درود اور سلام☆۴۴
تابع تری رضا کے ہو میری تمام زندگی　　　جو یاں تری عطا کا ہے میرا سفینۂ حیات☆۴۵

ان دونوں اشعار میں ''تابع'' کا ''ع'' اُڑ گیا اور پہلے شعر میں ''دم'' کا ''میم'' ساقط ہوا۔ اب دیکھیے تابع کا استعمال... کسی کا مصرع ہے:

تابعی تابعِ اصحابِ نبی ہوتے ہیں

بنجر زمیں پہ ہر طرف غنچہ و گل کھلا گئے　　　اُمی نژاد دہر کو علم و ہنر سکھا گئے☆۴۶

پہلے مصرعے میں ''بنجر'' باندھا گیا ہے جو قرأتِ شعر میں محض ''بنج'' پڑھا جا رہا ہے۔ شعر بحر سے خارج۔

☆۴۷
فاقہ کشوں کے حوصلے منزل نئی دکھا گئے اوجِ بشر کے تذکرے حدیقیں میں آ گئے

☆۴۸
اے کہ مرے نصیب پہ کامل ہے تجھ کو اختیار اے کہ ترا شہود ہے آئینۂ تجلیات

ان دونوں اشعار کے مصرع ہائے اولی میں ''منزل'' اور ''کامل'' کے الفاظ مخفف ہو گئے اور دونوں لفظوں میں آنے والے ''ل'' تقطیع میں نہیں آتے اور صرف ''منز'' اور ''کام'' رہ گئے۔

☆۴۹
کس کی شعاع نور سے روشن ہیں ماہ و آفتاب کس کی تجلیات سے نورِ خدا ہے بے نقاب

اے کہ ترے جمال سے روشن ہے بزمِ کائنات
اے کہ ترے خیال سے آساں ہوئی ہیں مشکلات ☆۵۰

درج بالا دونوں اشعار میں ''روشن'' کا ''ن'' تقطیع سے خارج ہے، چناں چہ یہ اشعار بھی بحر سے خارج قرار پائے۔

وحدت، صلوٰۃ و صوم، زکوٰۃ اور ادائے حج
اسلام کی اساس ہیں یہ پانچ ہی نہج ☆۵۱

عربی میں نہج (ن پر زبر۔ ہائے ہوز اور ج ساکن) راستے کو کہتے ہیں۔ نہج (ن۔ ہائے ہوز اور ج تینوں متحرک اور مفتوح یعنی سب پر زبر) کے معنی ہیں آدمی کا ہانپنا یا کپڑے کو بوسیدہ کرنا۔ اس لیے عربی کے یہ دونوں الفاظ ''حج'' کے قوافی نہیں بن سکتے کیوں کہ ''حج'' میں حائے حطی مفتوح ہے اور ''ج'' ساکن۔ ویسے بھی دوسرا لفظ جس کے معنی آدمی کا ہانپنا اور کپڑے کو بوسیدہ کرنا ہیں، مذکورہ شعر کے مفہوم سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ اب رہا پہلا لفظ ''نہج'' تو اس کا ''ج'' سے پہلے والا حرف متحرک نہیں ہے، جب کہ حج میں ''ج'' سے پہلے والا حرف متحرک اور مفتوح ہے۔ نہج کا استعمال ادیب رائے پوری مرحوم، کے شعر میں دیکھیے:

خم گردنِ تفسیر ہے شرمندہ صراحت
یارب! مرے الفاظ کو دے نہجِ بلاغت

علامہ اقبال کے کلام کی تضمین میں ایک مصرع بطورِ گرہ اس طرح ہے:

ماہ و نجوم کو ملا طلعتِ خور سے فروغ
''عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ'' ☆۵۲

''خور'' خورشید کا مخفف ہے، لیکن اس میں واوٴ مجہول ہے ''خورشید'' لیکن پڑھا جاتا ہے ''خُرشید''

اس لیے "خور" کو ظہور کا قافیہ نہیں بنایا جاسکتا۔ غالبؔ کا شعر ہے:

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

سیّد فضل الحسن مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'نکاتِ سخن'' میں لکھا ہے، ''واضح ہو کہ اردو زبان میں حروفِ علت یعنی واوٗ، الف اور 'ی' کا گرنا یا دب کر نکلنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔''[۵۳] آگے لکھتے ہیں ''بعض اسمائے ضمیر مثلاً مری، تیری، وغیرہ کے متعلق لکھا جاچکا ہے کہ ان میں ی کا دبانا گوارا نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات الف کی نسبت نہیں کہی جاسکتی۔ تقصیرِ الف اسمائے ضمیر میں بھی اچھی معلوم نہیں ہوتی... مثلاً:

رقم کریں غزلِ تازہ طرزِ میرؔ میں ہم
شراب کا مزا اس آبِ خوش گوار میں ہے
(شہیدیؔ)

دوسرا مصرع اگر اس طرح ہو: مزا شراب کا اس آب۔ الخ تو یہ عیب دُور ہو جائے''[۵۴]

اب ذرا درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

روحِ صفیؑ پہ وا ہوا شانِ محمدیؐ کا باب — پایا جو ساقِ عرش کا اسمِ نبیؐ سے انتساب [۵۵]
علم کی انجمن میں ہے شرحِ صدور سے فروغ — جذب کی منزلوں میں ہے سینا وطور سے فروغ [۵۶]
تیغِ نظر سے پڑ گیا مہتاب میں شگاف — مختارِ کل کے ایک اشارے کی دیر تھی [۵۷]
اے کہ ترا شہود ہے آئینۂ تجلیات — حق آشنا و حق نما، تیرا وجودِ پاک ہے [۵۸]
درمانِ دردِ لا دوا تیری نگاہِ التفات — ہوتی ہیں تیرے نام سے میری دعائیں مستجاب [۵۹]

اوپر کے چار اشعار میں [پایا]، [سینا]، [پڑ گیا]، [آشنا]، سب الفاظ کے مکتوبی ''الف'' دب کر نکل رہے ہیں اور چوتھے شعر میں 'ہوتی' کی ''ی'' اور درمان کا ''الف'' دونوں حروف پورے نہیں پڑھے جارہے ہیں۔ اس لیے حسرت موہانیؒ کے بتائے ہوئے معیار کے حوالے سے یہ سب اشعار محتاجِ اصلاح ہیں۔

وہ جس کو عشقِ محمد نے لازوال کیا — حوادِثات نے کب اس کو پائمال کیا [۶۰]

'حادث' جو قدیم کی ضد ہے، اس کی جمع حوادث ہے اور حادثہ جو سانحے اور افسوس ناک واقعے کے معنی میں مستعمل ہے اس کی جمع ''حادثات'' ہے۔ اس لیے 'حوادثات' لکھنا لغوی اعتبار

سے درست نہیں۔

امامت میں علی مولیٰ ہیں نائب مولیٔ کُل کے
خلافت کے ضِمن میں سبقتِ صدیقِ اکبرؓ ہے ☆۶۱

اس شعر میں دو مسئلے ملفوظی اسقام سے متعلق ہیں اور ایک مسئلہ شعر کے متن، نفسِ مضمون یا مافیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

☆ 'مولیٔ کُل' کی ترکیب میں مولا کا الف گر گیا۔

☆ 'ضِمن' میں 'میم' متحرک ہوگیا جو ساکن ہے۔ اس 'ضِمن' میں میرؔ کا شعر ملاحظہ ہو۔

حیف وہ بے تہ نہ رکھے جو کہ تیری دوستی　　اک وِلا کے ضِمن میں تیری ہزاروں میں ثواب

اب آیئے مسئلہء 'امامت' کی طرف۔ یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے، اس لیے پہلے اس مسئلے کا پس منظر اور پھر سوادِ اعظم اہلِ سنت کے مسلمہ عقائد کی روشنی میں اس ناچیز کی معروضات۔

قرآنِ کریم میں لفظ ''امام'' غالباً چھ مقامات پر آیا ہے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ ھود، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ فرقان اور سورۂ احقاف۔

قال انی جاعلک لناس اماماً ''تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں'' (آیت: ۱۲۴، البقرہ، ۲پ)

امامت سے مراد اس مقام پر نبوت ہے۔ یا عام معنی مراد لیے جائیں یعنی امام وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے اور جس کی اطاعت واجب ہو اور سلطنت اور امامت بمعنی خاص مراد نہیں ہے جسے امامیہ مذہب والوں نے گھڑا ہے اور امامت کا اس معنی میں شرع اور لغت میں کہیں استعمال نہیں آیا۔ ☆۶۲

ومن قبلہ کتب موسیٰ اماماً ورحمۃ　　(آیت ۱۷، سورۂ ھود ۱۱، پ۱۲)

اور اس کے (نزول سے) پہلے موسیٰ کی کتاب (یعنی توریت اللہ کی طرف سے شاہد ہے جو قرآن کی تصدیق کر رہی ہے) وہ (حضرت موسیٰ کی کتاب) ہے جو (تعلیم احکام کے لحاظ سے) امام اور رحمت ہے۔ (مظہری جلد ۶ ص ۱۸)

وانھما لبامام مبین (ط ع۔۷۹) اور دونوں (قوموں کی) بستیاں صاف سڑک پر (واقع) ہیں۔ [امام مبین: کھلا ہوا راستہ، طریق واضح۔ جس کو دیکھ کر مکہ والے عبرت حاصل کر سکتے تھے سفر میں اس راستے پر جاتے تھے] امام ہر وہ چیز جس کی پیروی کی جائے (یعنی اس کو نمونہ عمل،

یا پیشوا، یا دستور کار بنا لیا جائے)۔[مظہری جلد ششم۔ص ۲۴۸]

(آیت ۷۹، سورۃ حجر:۱،پ ۱۴)

یوم ندعوا کل اناس باما مھم (آیت نمبر ۷۱۔ بنی اسرائیل ۱۷۔پ ۱۵)

جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے امام کے ساتھ طلب کریں گے۔(مجاہد اور قتادہ نے کہا امام سے مراد ہے ہر امت کا نبی۔ ابوصالح اور ضحاک نے کہا وہ الٰہی کتاب مراد ہے جو ہر اُمت کو دی گئی تھی۔ ابنِ مردویہ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت کو ان کے امام اور ان کے رب کی کتاب کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابنِ عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ امام سے مراد ہر قوم کا وہ امامِ وقت ہے جو اپنی قوم کو گم راہ کرتا یا ہدایت کی طرف بلاتا تھا، اللہ نے دونوں کے متعلق ائمہ کا لفظ فرمایا ہے ایک آیت ہے وجعلناھم ائمة یھدون بامرنا یعنی ائمہ ہدیٰ۔ دوسری آیت ہے وجعلنھم ائمة یدعون الی النار [یعنی ائمہ ضلالت][☆۶۳]

وجعلنا للمتقین اماماً (آیت ۷۴، الفرقان : ۲۵،پ ۱۹)

اور ہم کو متقیوں کا پیشوا بنا... [جب اہل و عیال متقی ہو جائیں گے تو لامحالہ وہ مومن متقیوں کے امام (پیشوا) قرار پائیں گے]۔(مظہری جلد ہشتم۔ص ۳۳۸)۔

و من قبلہ کتاب موسیٰ اماما و رحمة (آیت ۱۲۔ سورۂ احقاف ۴۶۔پ ۲۶)

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو راہنما اور رحمت تھی۔[☆۶۴]

قرآن کریم میں امام، پیشوا جس کی اطاعت واجب ہو۔ توریت، کھلے ہوئے اور واضح راستے، راہ ہدایت اور گم راہی دونوں کی طرف بلانے والا (اپنے اپنے دائرے میں)، اہل و عیال کا سربراہ، اور پھر کتابِ موسیٰ، وغیرہ کے معنی میں آیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرقۂ امامیہ کے مخصوص نظریۂ امامت کی تردید بھی لازمی سمجھی۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''امامت قریشیوں ہی کو سزا وار ہے کیوں کہ حکومت میں عدل و انصاف سے کام لیتے، وعدہ ایفائی کرتے اور طلبِ رحم کے وقت مہربانیاں کرتے ہیں۔ یہ حدیث امام احمد، ابویعلیٰ اور طبرانی نے بھی اپنی مسند میں تحریر کی ہے۔[☆۶۵]

صاحبِ تفسیرِ مظہری سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۵۹ ''اے اہلِ ایمان اللہ کا حکم مانو اور رسول

کا حکم مانو اور تم میں سے جو حاکم ہوں (ان کا حکم مانو)'' کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں ''امام (حاکم) پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کرے اور امانت کو ادا کرے جب وہ ایسا کرے گا تو رعیت پر لازم ہے کہ اس کی بات سنیں اور حکم مانیں''۶۶☆

حضرت علی الہجویری داتا گنج بخشؒ (پیدائش ۴۰۰ھ وفات ۴۶۵ھ) نے تحریر فرمایا ''صدیقِ اکبرؓ، تمام عامۃ المسلمین کے دین میں امام ہیں اور خاص مسلمانوں کے طریقت میں امام ہیں۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اہلِ ایمان کے چوب دار اور اہلِ احسان کے صعلوک یعنی شیخ اور اہلِ حقیقت کے امام اور خدا کی محبت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، جب امام حسینؓ (حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کے) اندر تشریف لے گئے تو آپ نے بعد از سلام اس مصیبت پر افسوس کا اظہار کیا اور عرض کی کہ اے امیر المومنین میں آپ کے فرمان کے بغیر مسلمانوں پر تلوار نہیں چلا سکتا۔ اور آپ کا امامِ برحق ہوں، پس اس طائفے کی اقتدا کرنی صرف مال و جان اور امور کی تسلیم میں اور عبارت کے اخلاص میں حضرت عثمان غنیؓ کی اقتدا ہے اور وہ درحقیقت سچے امام ہیں، حضرت جنیدؒ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ اصول اور مصیبتوں میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں یعنی ہمارے امام معاملات اور طریقت کے علم میں علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔''۶۷☆

آیاتِ قرآنی، حدیث نبوی ﷺ حضرت علیؓ کا قول مبارک اور حضرت داتا گنج بخشؒ اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ کی تحریروں سے اقتباسات اس لیے دینے پڑے کہ جنابِ رشید وارثی نے اپنے ایک شعر میں امامت و نیابت نبوی کو حصر کے ساتھ حضرت علیؓ سے منسوب کرتے ہوئے خلافت کو امامت سے کوئی علاحدہ شے (اور کم تر چیز) ظاہر کیا اور حضرت صدیقِ اکبر کی (صرف و محض) خلافت میں سبقت تسلیم کی۔ ایسا کرنے سے خواہ مخواہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ اور سیدنا علیؓ کے درمیان ایک قسم کے مقابلے اور موازنے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور شاعر کے منشا (ارادی یا غیر ارادی) کے مطابق تفضیلِ علیؓ کا پہلو نکل آیا جو تاریخی صداقت کا تو خون ہے ہی اہلِ سنت والجماعت کے ٹھوس عقیدے (افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابی بکرنِ الصدیقؓ) کے بھی خلاف ہے۔ افسوس یہ ہے کہ جناب رشید وارثی نے یہ نظریۂ امامت اخذ تو کیا کہیں اور سے لیکن اسے منسوب کردیا اہلِ سنت والجماعت سے جو بربنائے اجماعِ امت تمام خلفائے راشدین (حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ، حضرت عثمانِ غنیؓ، اور حضرت علیؓ) کو بالترتیب

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نائب اور امام (خلیفہ) مانتے ہیں لہٰذا اہلِ تسنن کے نزدیک تمام خلفائے راشدین اپنے اپنے دورِ خلافت میں امامِ امت تھے اور بعد میں ان کی جن جن صفاتِ عالیہ سے امت نے فیض اٹھایا ان مخصوص صفات کی پیروی کے حوالے سے وہ تمام نفوسِ قدسیہ امام کا درجہ رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی تحریر سے ثابت ہوا۔ مزید وضاحت کے لیے حضرت داتا گنج بخشؒ ہی کی ایک تحریر کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے: ''اور میں نے حکایتوں میں پایا ہے کہ ایک ظاہری عالم نے حضرت شبلیؒ سے بطور آزمائش پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے مال سے دینی چاہیے اس نے جواب دیا دوسو درہم پر جب ایک سال گزر جائے تو پانچ درہم دینے چاہییں اور بیس دینار پر جب ایک سال اپنے قبضہ میں رکھتے ہوئے گزر جائے تو آدھا درہم دینا چاہیے اور یہ مسئلہ تیرے مذہب کا ہے مگر میرے مذہب میں کوئی چیز اپنے ملک میں نہیں رکھنی چاہیے تاکہ زکوٰۃ کے مشغلہ سے خلاصی تو حاصل کرے۔ اس ظاہری عالم نے کہا کہ اس مسئلہ میں تیرا امام کون ہے اس نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، جب آپ نے تمام مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیا تو حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اپنے بال بچوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر آیا ہوں۔''[☆۲۸] رشید وارثی صاحب کی کتاب میں اُسی نظریۂ امامت کو اہلِ تسنن کا مقبول نظریہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو چودہ سو برس سے اہلِ سنت والجماعت نے قرآن وسنت اور اجماعِ امت بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کے طرزِ عمل کی روشنی میں جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا پا کر رد کر دیا تھا امامِ اہلِ سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار خود حضرت رشید وارثی نے بھی اپنے ایک مضمون میں نقل فرمائے ہیں:

اے عدوئے کفر ونصب ورفض وتفضیل وخروج   اے علوئے سنتِ دینِ ہدیٰ امداد کن
ناصبی رابغض تو سوئے جہنم رہ نمود   رافضی از حبِ کاذب در سقر در آمدہ

میں ایک صوفی کی حیثیت سے کشفی طور پر جو کچھ بھی دیکھوں امت کی اکثریت کو اس کشف کو ماننے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ رسالتِ محمدیہ کو تسلیم نہ کرنے والا بلکہ حضور ﷺ سے زمانی سبقت لے جانے والے انبیا علیہم السلام کی نبوت میں ذرا سا شک کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے، لیکن کسی کی ولایت تسلیم نہ کرنے کے باعث آج تک کسی کو کافر قرار نہیں دیا گیا۔ صوفی اگر اس بات کا دعویٰ کرے۔

علیؑ امامِ من است و منم غلامِ علیؑ
ہزار جانِ گرامی فدا بنامِ علیؑ

تو اس کے لیے نہ صرف جائز بلکہ اس کے وارداتِ قلبی اور ذاتی حوال کے حوالے سے یہ ناگزیر بھی ہوگا، اس کے باوجود کسی صوفی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنا احوال ساری دنیا سے عقیدے کے طور پر تسلیم کراتا پھرے۔ اس سے زیادہ میں کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کیوں کہ یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر ضخیم کتب بھی لکھی جاسکتی ہیں (اور بہت سی لکھی بھی جاچکی ہیں)۔

اللہ کی، یہ صبحِ ولادت تھی نوازش
چھڑکاؤ تھا زم زم کا تو کوثر کی تھی بارش ☆۶۹

اس شعر میں بڑی بھیانک تعقید (لفظ کا اپنے محل پر نہ آنا) آگئی ہے۔ کتابت میں اس تعقید کے معنوی اثرات سے بچنے کے لیے سکتہ (Coma) لگا دیا گیا ہے۔ لیکن شعر زبانی سفر کرنے والی عبارت پر مبنی ہوتا ہے اس لیے زبانوں پر (Coma) نہیں آسکتا جس سے مطلب کچھ کا کچھ ہوجانے کا قوی امکان ہے۔ اس شعر کا پہلا مصرع ''اللہ کی، یہ صبحِ ولادت، الخ'' اگر زبانی روایت سے آگے سفر کرے گا تو صبحِ ولادت (نعوذباللہ) اللہ کی ذات سے منسوب ہوجائے گی تو یقیناً شاعر کے منشاء اور عقیدۂ قدامتِ ذات احدیت، کے خلاف ہوگا۔ جب کہ فی الحقیقت اللہ کی ذات سے نوازش کا رشتہ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے اور ''نوازش'' کا لفظ تعقید کے باعث بہت دور جاپڑا ہے۔ مجھے اصلاح دینے کا حق تو نہیں ہے لیکن مجبوراً عاجزانہ تجویز پیش کررہا ہوں کہ یہ مصرع اگر یوں ہوتا تو عیبِ تعقید سے بچ سکتا تھا:

یہ صبحِ ولادت تھی، مرے رب کی نوازش

جناب ادیبؔ رائے پوری کی کتاب ''مقصودِ کائنات'' پیشِ نظر ہے۔ اس کتاب میں بھی زبان و بیاں کے کچھ اسقام نظر آئے چناں چہ بلاتفاخران کی نشان دہی کررہا ہوں۔

انھیں کے نام کو لکھوں حیاتِ نو کا پیغام
حیاتِ نو کے جو مضمون کا متن لکھوں ☆۷۰

اس شعر میں 'متن' کی 'ت' متحرک ہوگئی ہے، حالاں کہ ساکن ہونی چاہیے۔ لفظ کے درست استعمال کی مثال پہلے کہیں آچکی ہے۔

ادیبؔ رائے پوری مرحوم پُرگو شاعر تھے۔ ان کی طبیعت میں تجدد پسندی غالب تھی۔ وہ

بحریں بھی نئی نئی بناتے تھے اور ردیفوں میں بھی جدت طرازی کا ہنر دکھاتے تھے۔ کلام کو جدید بنانے کی کوشش میں (جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے) کبھی کامیاب ہوجاتے تھے اور کبھی ناکام۔ تاہم انھوں نے نعتیہ شاعری میں کی جانے والی ہر قسم کی کاوش کو محفوظ کردیا ہے۔ ردیف کے انوکھے پن کی ایک مثال پیشِ خدمت ہے:

میں ہوں غمِ طیبہ میں گرفتار چناں چہ
ہیں دیدہ و دل زندہ و بیدار چناں چہ ☆۱۷

اس پوری نعت کی ردیف "چناں چہ" ہے، جس پر شاعر نے مقطعے میں فخریہ انداز بھی اختیار کیا ہے۔

اپنے تنقیدی مضامین کے مجموعے "نعت کی تخلیقی سچائیاں" کے ایک مضمون (ردیفوں کے مثبت استعمال کی تحریک) میں مولوی حکیم نجم الغنی نجمی رام پوری کی کتاب "بحر الفصاحت" سے ان کی رائے درج کر چکا ہوں۔ وہی رائے یہاں اقتباس کرتا ہوں: "باتفاقِ جمہور، یہ لفظ (ردیف) خواہ کلمہ ہو یا کلام، مستقل اور متحد اللفظ والمعنیٰ ہوتا ہے اور معنی شعر کے اس سے ایسے ہوتے ہیں کہ بے اس کے تمام نہیں ہوتے۔" (نعت کی تخلیقی سچائیاں، ص ۵۷) ردیف کی اس تعریف کی روشنی میں ادیبؔ صاحب کی نعت کا مطلع ملاحظہ فرمائیے:

میں ہوں غمِ طیبہ میں گرفتار چناں چہ
ہیں دیدہ و دل زندہ و بیدار چناں چہ ☆۲۷

اس شعر کی نثر کیجیے "میں غمِ طیبہ میں گرفتار ہوں چناں چہ (میرے) دیدۂ و دل زندہ و بیدار (رہتے) ہیں" اس جملے میں ردیف صرف ایک بار آسکتی ہے، لہٰذا 'چناں چہ' کی تکرار یہاں مزاحیہ شاعری میں تکیہ کلام کی تکرار سے مشابہ ہوگئی ہے جس سے نعت کی متانت پر حرف آتا ہے۔

اس نعت کے دوسرے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

غم بھی ہیں مداوا بھی ہیں غم کا مرے آنسو
رہتی ہے سدا آنکھ گہر بار چناں چہ

جز چشمِ محمد کوئی دیکھے نہ خدا کو
موسیٰ کا مقدر نہ تھا دیدار چناں چہ

مخلوق میں کوئی بھی نہ تھا اس سا مکرم
بخشش کی بندھی ان پہ ہی دستار چناں چہ

تم سا تو نہ صادق ہے کوئی اور نہ امیں ہے
دشمن کو بھی کرنا پڑا اقرار چناں چہ

محدود بشر تک نہ رہے ان کی بزرگی
جھک جاتے تھے تعظیم کو اشجار چناں چہ

اب آپ ہی آکر مجھے دامن کی ہوا دیں
زندہ اسی حسرت میں ہے بیمار چناں چہ

ادراک سے بالا ہے تخیل سے پرے ہے		محروم رسائی سے ہیں افکار چناں چہ
☆۴۳
رہتا ہے ادیبؔ آپ کی نعتوں کے چمن میں		لکھتا ہے نئے رنگ سے ہر بار چناں چہ

ان تمام اشعار میں ''چناں چہ'' بحیثیت ردیف کہیں کہیں نبھ گیا ہے۔ مقطع میں اس لیے نبھ گیا کہ بالالتزام 'ہر بار' کے الفاظ لائے گئے اور شاعرانہ تعلّی اور ایک گونہ فخر فرمایا گیا کہ میں نے ہر بار چناں چہ استعمال کیا ہے، ورنہ بیشتر اشعار میں غیر ضروری طور پر ''چناں چہ'' ٹانکا گیا۔

بخشش کی بندھی ان پہ ہی دستار، یہاں 'ان کے سر دستار بندھی' کہنے کی ضرورت تھی یا اس طرح کہتے جیسے امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے کہا ہے:

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

بیمار کے قافیے والا شعر دیکھیے۔ پہلے مصرعے میں 'واحد متکلم' (مجھے) آیا ہے۔ اور دوسرے مصرعے میں 'بیمار' واحد غائب ہے، اگلا شعر (ادراک، الخ) پڑھ کر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کون ادراک سے بالا ہے؟ بہر حال نعت کا یہ تجربہ ناکام بلکہ کچھ بھونڈا سا لگتا ہے، وجہ وہی ہے کہ 'چناں چہ' کی تکرار چاہیے کسی قادر مشکی ہوئی ردیف کے ساتھ ہو، اس لفظ کی غیر سنجیدہ کیفیت ختم نہیں ہوسکتی، جب کہ نعت انتہائی سنجیدہ، متین اور رفیع الشان صنفِ سخن ہے۔ اسی لیے حالیؔ نے کہا تھا ع یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ، خطا ہے۔

☆۴۴
ادیبؔ نعت کا ہر لفظ ہے در نایاب		درِ یتیم کا احساں ہے درمیاں میں رفیق

در (ضمہ دال، را ساکن) موتی کو کہتے ہیں، لیکن جب یہی لفظ یتیم کے ساتھ آتا ہے تو ''را مشدد'' آتا ہے۔ جیسے:

دُرّ یتیم، گوہر گنجینۂ خفی		نوعِ بشر کے واسطے ظلمت میں روشنی

(اردو لغت)

☆۴۵
رخ پہ ملنے کے لیے روح میں ڈھلنے کے لیے		گردِ کوچہ بھی نصیب، بادِ معطر بھی نصیب

اس شعر میں نصیب اور باد کا ''ب'' متصل آیا اور صرف ایک ''ب'' تقطیع میں محسوب ہوتا ہے۔ اس طرح عیب تنافر بھی پیدا ہوگیا۔

☆۴۶
کوڑی کے کوئی مول نہ لے لعلِ بدخشاں		جو ہجرِ مدینہ کے دکھاؤں میں اگر داغ

''جو اور اگر'' کے ایک ہی مصرعے میں استعمال نے دوسرا مصرع غیر فصیح کردیا۔ پہلے

مصرعے سے بھی اس مصرعے کا تعلق بڑی کھینچ تان کے بعد بن سکتا ہے، کیوں کہ لعلِ بدخشاں کی تجارت کا ذکر ہے اور داغِ ہجرِ مدینہ قابلِ بیع شے نہیں۔ پھر خالی داغ دکھانے سے لعلِ بدخشاں کا سودا خراب کیسے ہوجائے گا؟

اس جسد میں کچھ قلب و نظر پر نہیں موقوف
آقا کی عنایت سے ہے سب گھر کا یہ گھر داغ [۷۷]

جسد میں 'س' متحرک ہے جب کہ ساکن بندھا ہے۔ ''سب گھر کا یہ گھر'' انتہائی غیر فصیح ہے۔ 'آقا کی عنایت' سے جسم، قلب و نظر داغ داغ ہوجانے کا اظہار بھی مناسب نہیں۔ مجازی (دنیاوی) محبوب سے تخاطب ہو تو طنزاً کہتے ہیں آپ کی عنایت سے میرا انگ انگ داغ داغ ہے۔ یہاں شاعر صرف ہجرِ سرورِ کونین ﷺ کے اپنی ذات پر پڑنے والے اثرات کا ذکر کر رہا ہے اس لیے احتیاط لازمی تھی۔

غزل کا پھیر کے رخ لے چلا ثناء کی طرف حرف حرف کو پسند آئی رہبری میری [۷۸]

حرف میں صرف حائے حطی متحرک ہے۔ لیکن شاعر نے (ر) کو بھی مفتوح باندھا ہے جو درست نہیں۔ دیکھیے یہی لفظ غالب کے ہاں کس طرح شعر میں بندھا ہے۔

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

خود ادیبؔ صاحب نے یہی لفظ دوسری جگہ بالکل درست تلفظ کے ساتھ شعر میں کھپایا ہے:

رقم ہو تیرے نبیؐ کا بیان اتنا حسیں کہ حرف حرف ستارہ تو نقطہ نقطہ نگیں

وفد قوسِ قزح لائی کہ شامل رنگتیں کرلو طیورانِ چمن دوڑے کے دیکھو گلستاں نکلا [۷۹]

'وفد' میں ف پر جزم ہے، زبر نہیں۔ اگر درست تلفظ کے ساتھ شعر پڑھیں تو قبائے عروض تنگ پڑجاتی ہے، بصورتِ دیگر لغت بین کرتی ہے۔

پئے پرواز براق تخیل سامنے آیا تجسس سے ذراسی ایڑدی وہ لامکاں نکلا [۸۰]

براق (فتح ب، شدر) چمکیلا، روشن، درخشاں، براق (ضم ب) وہ بہشتی سواری جس پر آں حضرت ﷺ شبِ معراج سوار ہوکر منازلِ فلکی کی سیر کے لیے تشریف لے گئے (اردو لغت)۔ سند کے لیے لغت میں یہ شعر دیا گیا ہے۔

سرعت میں براقِ نبوی برق سے براق
بے تاب مثالِ نظر عاشقِ مشتاق

خود حضرت ادیب رائے پوری نے یہ لفظ بالکل صحیح تلفظ کے ساتھ بھی برتا ہے:

خیال اس کے تعقب میں تھک کے بیٹھ گیا
سفر براق پہ اس کا مگر تمام نہیں[۸۱☆]

مداح خود قرآں ہے رسالت مآب میں
میرے خیال کی تگ و دو کس حساب میں؟[۸۲☆]

یہاں قرآن کا الفِ ممدودہ، الفِ مقصورہ ہوگیا، پھر پہلے ہی مصرع میں ''رسالت مآب کا'' ہونا چاہیے تھا۔ رسالت مآب میں کے ساتھ مدح گزاری کا قرینہ درکار تھا۔

عجیب بات ہے کہ ادیب صاحب (مرحوم) نے قرآن کا تلفظ کہیں تو بالکل درست رکھا ہے اور کہیں الف کا مد غائب کر دیا ہے۔ اب دیکھیے یہ بھی انہی کا شعر ہے جس میں قرآن صحیح تلفظ کے ساتھ شعر کی بنت میں آیا ہے۔

دیکھ چہرۂ انور، دیکھ ابروئے خمدار		ایک آیتِ مشتق، ایک مصدرِ قرآں[۸۳☆]
محشر میں جو نکلے گا یہی نام دہن سے		جھک جائے گا پلہ مرا نیکی کے وزن سے[۸۴☆]

وزن میں ز پر جزم ہے۔ زبر کے ساتھ عوام بولتے ہیں جو فصیح نہیں ہے، اس لیے عیب قافیہ پیدا ہوگیا۔ درست تلفظ کے ساتھ پڑھیں تو عروضی عیب شعر کو بے وزن کر دیتا ہے۔ دیکھیے رئیس امروہوی مرحوم نے یہی لفظ کتنا متوازن رکھا ہے۔

تخمینۂ حوادثِ طوفاں کے ساتھ ساتھ		بطنِ صدف میں وزنِ گہر کر رہے ہیں ہم[۸۵☆]
عصیاں کے خوف سے جو مایوس ہوگیا تھا		دامن میں جا چھپا ہے دربارِ مصطفیٰ میں

قرآن کریم میں آیا ہے 'ومن یقنط من رحمة ربه الاالضآلون' (آیت ۵۶، سورۃ الحجر: ۱۵، پ ۱۴) (ابراہیمؑ نے کہا): گم راہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے اور کوئی نا اُمید نہیں ہوتا۔ یعنی جو رحمتِ الٰہی سے واقف نہیں، معرفت سے بے بہرہ ہیں، اللہ کی رحمت، علم اور قدرت کی وسعت کا ان کو پتا نہیں، وہی آس توڑ لیتے ہیں اور نا امید ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے نا امید ہو جانا ایسا ہی بڑا گناہ ہے جیسا غضب سے بے فکر ہو جانا۔[۸۶☆]

مایوسی کے حوالے سے قرآنی آیت اور اس کی تفسیر من وعن نقل کردینے کے بعد اس بات کی چنداں ضرورت نہیں رہتی کہ اس طرح کے خیالات کے اظہار سے گریز کی ترغیب دی جائے۔ اللہ شاعرِ مرحوم کی مغفرت فرمائے (آمین) اس شعر میں مایوسی کا خیال بہرحال اصلاح طلب تھا۔

اسی شعر میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ شاعرِ دربارِ مصطفیٰؐ میں چھپا ہے یا دامنِ مصطفیٰ ﷺ میں؟ یا تو یہ کہا جاتا کہ عصیاں شعار، دامنِ مصطفیٰ ﷺ میں جا چھپا ہے یا یہ کہا جاتا کہ دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں پناہ گزیں ہے۔ بہ یک وقت دامن کا ذکر کرنا اور یہ ظاہر نہ کرنا کہ کس کے دامن میں؟ پھر کہنا ''دربارِ مصطفیٰؐ میں'' یعنی دربار کو تو حضورِ اکرم ﷺ سے منسوب کیا، لیکن دامن کو نہیں کیا، حالاں کہ دامن کو حضور ﷺ سے واضح طور پر منسوب کیا جانا چاہیے تھا۔

سطر سطر ہے قرآنِ کریم کا جلوہ
حرف حرف ہے جمالِ رسول کی صورت ☆۸۷

اس شعر میں سطر، قرآن اور حرف، تینوں لفظوں کا تلفظ قائم نہیں رہ سکا اس لیے شعر خارج از بحر قرار دیا جائے گا۔ سطر میں جیسا کہ پہلے کہیں آچکا ہے، سطر میں طا اور را دونوں ساکن ہیں۔ قرآن میں الف ممدودہ یعنی مد کے ساتھ ہے اور حرف میں را اور فا دونوں ساکن ہے۔ درست استعمال کی مثالیں کہیں آچکی ہیں۔

کر زباں انؐ کا بیاں جن کی زباں ہے قرآں
جن کی تصویر بنا کر ہے مصور حیراں ☆۸۸

اس شعر میں ''قرآں'' درست بندھا ہے۔ حیرت ہے کہ شاعر موصوف لفظوں کا درست استعمال جاننے کے باوجود غلط تلفظ کے ساتھ بھی شعروں میں باندھ دیتے تھے۔ قرآن کا لفظ متعدد جگہ غلط اور کئی مواقع پر بالکل درست تلفظ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ ایک مثال تو درجِ بالا شعر میں آگئی ایک شعر اور ملاحظہ فرمائیے۔

ایسا قرآن، جو ہر معنیٔ قرآں کی سند
ایسا انساںؐ، جو ہر انسان پہ اللہ کی مدد

اس شعر میں قرآن دونوں جگہ مکمل تلفظ کے ساتھ جزوِ شعر بنا ہے، لیکن یہیں پر 'اللہ' کی ہائے ہوز دب گئی۔

زیرِ تبصرہ شعر میں مصور یعنی ذات باری تعالیٰ کو حیران قرار دیا گیا ہے۔ یہ خیال محلِ نظر ہے۔

ذرا سوچیے حیرانی کیوں ہوتی ہے؟ کسی ایسی بات کو سن کر یا ایسا منظر دیکھ کر یا چیز دیکھ کر جو توقع سے بڑھ کر غیر معمولی ہو اور علم میں اچانک اضافے کا باعث بنے۔ اللہ نے تو اپنے محبوب ﷺ کی تخلیق اپنے خاص منصوبے اور منشاء کے مطابق کی تھی پھر حیرانی کی کیا بات تھی۔ حیرانی اور تعجب تو انسانی سرشت میں ہے کیوں کہ انسان قدم قدم پر ایسی چیزیں دیکھتا ہے جن کو اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے اس میں اضافہ ممکن ہی نہیں اس لیے حیرانی کو اللہ کی ذات سے منسوب کرنا، علمِ الٰہی کے ناقص ادراک کا نتیجہ ہے۔

شہد کی نہر پہ اس لب کی جو یاد آئے گی
تلخی شہد سے طبیعت مری گھبرائے گی [۸۹]

یہ نظم کا شعر ہے۔ جنت میں حضور ﷺ کو نہ پاکر شہد کی نہر پر شہد کی مٹھاس، تلخی سے مبدل ہوجائے گی۔ مضمون تو نظم کے تسلسل میں کھپ گیا، لیکن 'طبیعت' میں شامل ''ی'' خارج از بحر ہوگئی۔ صرف ''طبعت'' پڑھیں تو وزن قائم رہتا ہے ورنہ نہیں۔

وہ سنگِ آستانِ مصطفیٰ افلاک کا سینہ
وہ پتھر جو نصب ہوکر بنا ہے عرش کا زینہ
وہ پتھر کاش میں ہوتا [۹۰]

نصب میں 'ن' پر زبر ہے 'ص' اور 'ب' ساکن ہیں، لیکن ادیب صاحب نے ن اور ص دونوں کو مفتوح باندھا ہے، جو درست نہیں ہے۔ نوراللغات میں اس لفظ کی سند کے لیے ناظم کا یہ شعر لکھا ہے:

جا کے اک کمرہ میں کی اس گلِ رعنا سے یہ چال
نصب آئینہ کیا جس میں ہو پیدا تمثال

وہ جذبۂ دلِ انساں کہ عینِ فطرت ہے
نمودِ سحر کی مانند آشکار لیے [۹۱]

'سحر' جادو کو کہتے ہیں، جیسے:

کون سحرِ سامری کا نام لیتا ہے جلیلؔ
چل رہا ہے ان دنوں جادو نگاہِ یار کا

لیکن ادیب صاحب کے شعر میں سحر استعمال ہوا ہے جس کا تلفظ بگڑ گیا ہے۔ معنوی

اعتبار سے بھی جادو کا محل نہیں ہے۔ کیوں کہ صبح آشکار ہوتی ہے اور جادو ڈھکا چھپا ہوتا ہے۔

جا شبِ ہجر وہ سحر آئی تو ہی جائے گی پھر اگر آئی

(داغ)

نہ ورقِ گل پہ بصد ناز، شبنم خفتہ نہ موجِ شوخ ترنم کے رقص کی جھنکار ☆۹۲

ورق، فتحِ واؤ اور را، ہونا چاہیے لیکن اس شعر میں 'را' ساکن ہے۔ دیکھیے غالب نے یہ لفظ کس طرح استعمال کیا ہے۔

ورق تمام ہو اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

نہ حسن وعشق کے چرچے نہ آہ واہ کی بات نہ شب کو سوزِ شمع کی وہ بے زباں گفتار ☆۹۳

'شمع' کی وجہ سے شعر میں عروضی چراغ گل ہوگیا۔ دیکھیے غالب نے اس لفظ کا کیسا استعمال کیا ہے۔

غمِ ہستی کا اسدؔ، کس سے ہو، جز مرگ، علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے، سحر ہونے تک

مگر یہ آنکھ کہ جس کی پیاس بجھ نہ سکی مگر یہ شوق کہ اترا نہ جس کے سر کا خمار ☆۹۴

''پیاس'' میں یائے مخلوط ہے معروف نہیں، جب کہ مذکورہ شعر میں یائے معروف کے ساتھ لفظ ''پیاس'' جزوِ شعر بنایا گیا ہے۔ اردو لغت میں اس شعر کی سند میں یہ شعر بھی دیا گیا ہے۔

پیاس کوثر ہی پر بجھائے گا عاشقِ تشنہ کام احمدؐ کا

(محامدِ خاتم النبیینؐ)

وہ ایک امی کہ بخشا خیال نے جس کے
عروج فکر کو اظہار کو بلند کردار ☆۹۵

''بلند'' شعر کی خواندگی کے وقت پڑھا نہیں جاتا۔ شعر وزن سے خارج ہوا۔ پھر اظہار کو فصاحت و بلاغت تو مل سکتی ہے لیکن کردار کے لیے انسانی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے کہ کردار کی نمود انسانی جسم سے نکلنے والے اعمال کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ چناں چہ یہ بیان بھی حقیقت سے دور جا پڑا۔

☆۹۶
مہ رمضاں میں اُم المومنیں نے پردہ فرمایا پئے تدفین اُترا قبر میں رحمت کا وہ سایہ

رمضان میں را۔ میم اور ''ض'' بالفتح ہیں (تینوں پر زبر ہے) جیسے:

طبع آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے تمھیں کہہ دوں یہی آئینِ وفاداری ہے؟

(جوابِ شکوہ۔ اقبال)

طرابلس اور افریقہ بنا اسلام کا حصہ بغاوت مصر کی توڑی، فتح قبرص بھی کرڈالا [97]

اس شعر میں ''طرابلس'' کا الف دب گیا اور ''فتح'' (ف مفتوح، تا اور حائے حطی ساکن) کو فتح (تائے مفتوح) (ت زبر کے ساتھ) باندھا گیا ہے۔

اصل تلفظ ملاحظہ ہو:

یہی دینِ محکم یہی فتحِ باب کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

(اقبال)

[98]

وہ شفا دیتے ہیں ہر مرض سے ہر اک غم سے جتنے بیمار ہیں اچھے ہیں انھیںؐ کے دم سے

اس شعر میں ''مرض'' بہ سکون رابندھا ہے۔ صحیح استعمال حالی کے ہاں دیکھیے:

کسی نے یہ سقراط سے جا کے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

اسی شعر میں شفا دینے کے عمل کو حضورﷺ کی ذاتِ بابرکت سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ ایک روحانی صداقت ہے جس کا اظہار شریعت سے متصادم ہے کیوں کہ باطنی معاملات کا ظہور ہر فردِ ملت پر یا ہر انسان پر نہیں ہوتا۔ یہ معاملات صرف مخصوص لوگوں پر کھلتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضورِﷺ نے ہر اس خیال کی اصلاح فرمائی ہے جس کا تعلق کسی نہ کسی زاویے سے شرک سے بنتا ہو۔ اس سلسلے میں ذرا تفصیل درکار ہے۔ پہلے یہ دیکھیے کہ 'شفا' کے حوالے سے قرآنِ کریم میں کیا سبق ملتا ہے و اذا مرضت فھو یشفین ''اور جب میں (حضرت ابراہیمؑ) بیمار ہوجاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔'' [99] بیماری اور شفا دونوں کا خلاق اللہ ہی ہے۔

ایسی صورت میں شفا کا فاعل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو قرار دینا خود نبی علیہا الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

خود آقائے نامدار محمد الرسول اللہ ﷺ نے ہر ایسے موقع پر جہاں شفا بخشنے کا فعل آپ کی طرف منسوب کیے جانے کے امکانات تھے، ایسا طرزِ عمل اختیار فرمایا کہ امتیوں کی توجہ اللہ رب العزت کی طرف مبذول ہوجائے مثلاً غزوۂ خیبر کے موقع پر آپؐ نے حضرت علیؓ کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس طرح شفائے کاملہ بخشی کہ گویا کوئی عارضہ پہلے لاحق ہی نہ تھا۔ یہ واقعہ کم و بیش انھی الفاظ کے ساتھ، تاریخِ اسلام کی کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ حوالے کے لیے یہ کتب دیکھی جاسکتی ہے۔ سیرت سیّدنا علی المرتضیٰؓ کرم

اللہ وجہ (ص ۱۰۵)، اصح السیر فے ھدے خیر البشر ﷺ (ص ۱۹۰)، امیر المومنین سیدنا علیؓ شخصیت و کردار (ص ۱۰۵)، الرحیق المختوم (ص ۵۰۲) تاریخ الاسلام والمسلمین (ص ۳۲۴)[۱۰۰] عرض یہ کرنا ہے کہ اس موقع پر دعا کرنے کا اہتمام بھی غالباً اسی مصلحت کے تحت ہوگا کہ امت میں شفا بخشی کا فعل (حبِ نبی ﷺ ہی میں صحیح) نبی علیہ السلام سے منسوب نہ کردیا جائے، موضوع چوں کہ بہت ہی اہم ہے اس لیے فکری جھروکے کھولنے کے لیے مزید چند نکات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں:

ذرا غور فرمایئے رسول اللہ ﷺ کا مشن کیا تھا؟ مختصراً عرض ہے (سورۃ المدثر کی آیت ۳ کی روشنی میں) اللہ کی کبریائی کا اعلان۔ وربک فکبر، کچھ بھی ہو کسی حال میں ہو، اپنے رب کی بڑائی کا اظہار کرو، تکبیر کا معنی ہے حدوث اور ہر زوال ونقصان کی علامات اور افعال میں اس کو مشابہ نہ بنانا، صرف اسی کے اندر اوصافِ کمال تسلیم کرنا اور دوسروں کے اوصاف کو ناقص اوصاف جاننا۔ عقیدۂ تکبیر ہر شخص پر سب سے اول لازم ہے تمام فرائض سے زیادہ اہم ہے، نہ اس کی خلاف ورزی قابلِ معافی ہے، نہ کسی سے یہ واجب ساقط ہوسکتا ہے۔ (تفسیرِ مظہری، جلد ۱۲، ص ۱۲۶) یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے ہر کمال کو صرف اور صرف اپنے رب سے منسوب فرمایا اور ہر اس موقع پر رجوع الی اللہ کا مظاہرہ فرمایا جس میں آپ کی ذاتِ پاک سے کوئی محیر العقول واقعہ یا معجزہ رونما ہوا ہو۔ اُمت کی تربیت اور رسوخِ عقیدۂ توحید کے لیے ہی آپ نے ہر اس خیال کی طرف سے اُمت کی توجہ ہٹانے کی سعی فرمائی جس میں اللہ کی کسی صفت میں آپ کا شرکت کا پہلو نکلتا ہو اگر آپ ایسا اہتمام نہیں فرماتے تو آپ کی شخصیت کی عظمت، آپ کے معجزات اور مافوق الادراک معاملات دیکھ کر پیکرِ محسوس کی پرستش کرنے کے عادی عرب آپ کی ہی عبادت شروع کر دیتے اور نبوت کا اصل مقصد (نعوذ باللہ) خواب و خیال ہو جاتا۔ یہ واقعہ میں اپنی کسی تحریر میں پہلے بھی نقل کر چکا ہوں، لیکن یہاں بالوجوہ اس کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں۔ ''حضرت ربیعؓ بنتِ معوذ بن عفراء سے روایت ہے کہا نبی ﷺ اس وقت تشریف لائے جب میں اپنے خاوند کے گھر لائی گئی۔ آپ میرے بستر پر تیرے بیٹھنے کی طرح بیٹھے، میرے پاس لڑکیاں دف بجاتی تھیں اور ہمارے آبا و اجداد کی شجاعت بیان کرتی تھیں جو بدر کے دن شہید ہوگئے تھے۔ ایک لڑکی نے کہا ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا یہ بات مت کہہ اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔ روایت کیا اس کو بخاری[۱۰۱] نے میں نے اس حدیث کے حوالے سے لکھا تھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے اس طرح خیال کی اصلاح فرمائی تھی، تو میرے مخدوم حضرت علامہ کو

کب نورانی نے مجھے ٹوکا تھا۔ میں نے پھر اس موضوع کو بالکل نہیں چھیڑا، لیکن آج خیال آیا کہ اپنی بات کی ذرا وضاحت کردوں۔ حدیثِ مبارکہ چودہ سو سال سے لوگ پڑھ رہے ہیں لیکن بہت کم لوگوں نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ حضور ﷺ نے گانے والی لڑکی کو یہ بات کہنے سے کیوں روکا کہ ''ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے'' اس حدیث پر غور کرنے کے لیے چند باتیں دعوتِ فکر کی غرض سے پیش کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ میں تفہیمِ حدیث کا مدعی نہیں ہوں۔ تاہم میں نے حتیٰ الوسع اخلاصِ نیت کو بنیاد بنایا ہے اس لیے جرأتِ اظہار بھی ہوئی ہے۔

اسلام کی تبلیغ کے ابتدائی دور میں ملکِ عرب میں کہانت کا سلسلہ بالکل ختم نہیں ہوا تھا اور اللہ رب العزت نے مشرکین کے اس الزام کی پر زور الفاظ میں تردید فرمادی تھی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام (نعوذ باللہ) کاہن ہیں۔

جب رب نے اپنے نبی ﷺ کو تمام علوم سے کامل آگاہ فرمایا تھا، اسی نے ایسے حالات و آثار بھی پیدا فرمائے تھے کہ اس کے حبیب ﷺ کے کسی بھی عمل سے لوگوں کی توجہ رب سے ہٹ کر صرف نبیؐ کی ذات پر مرکوز نہ ہوجائے مبادا نبی علیہ السلام کی پرستش ہونے لگے۔

چناں چہ قرآن کریم میں جہاں نبی علیہ السلام کی بہت زیادہ تعریف ملتی ہے وہیں بعض آیات سے تنبیہات کا تاثر بھی ملتا ہے۔

اسی طرح جہاں بہت سے معاملات میں حضور کا آگاہِ غیب ہونا ظاہر ہوتا ہے تو کچھ باتوں سے اس کی نفی بھی ہوتی ہے۔ خود قرآنِ کریم میں دونوں طرح کے تاثر دینے والی آیات ملتی ہیں (ان آیات میں تطبیق تلاش کرنے کا کام علمائے امت کا تھا، لیکن افسوس وہ دوگروہوں میں تقسیم ہوگئے)۔

پھر قرآن و احادیث میں کہیں بھی مسلمانوں کو صرف علمی موشگافیوں کی طرف نہیں بلایا گیا، البتہ اتباعِ نبوی علیٰ صاحبہا کی طرف بار بار دعوت دی گئی۔

ایسی صورت میں تمام مسلمانوں کو (بشمول علمائے اُمت) سارا زور نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیروی پر صرف کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شیطان نے انھیں بھی اغوا کرلیا اور ان کی صلاحیتیں اپنے نبی کے علم کو ناپنے اور ان کی ماہیت جسمانی سمجھنے کی (مکمل ناکام۔ ثم مکمل ناکام) کوششوں میں صرف ہونے لگیں۔

نبی ﷺ کی اس تنبیہ کو اب تک نہیں سمجھا گیا جو ایک گانے والی لڑکی کے توسط سے

قیامت تک آنے والے تمام مسلمان عوام و خواص کے لیے تھی۔ یعنی ایسی تمام باتوں سے اعراض کرتے ہوئے اسلام کے عملی پہلو پر گفتگو کرو۔ اور ظاہر ہے جہاد سے بڑا عملی پہلو اور کوئی نہیں۔ اس حدیث میں نہ تو علمِ غیب کا اثبات ہے اور نہ ہی نفی، بلکہ اس موضوع پر گفتگو کا باب بند کرنے کی ہدایت ہے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا تھا: وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا (آیت ۷، الحشر: ۹۰، پ ۲۸) اور رسول ﷺ تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس کو لینے سے تم کو روک دیں، رک جایا کرو۔ یہ آیت اگرچہ مالِ فے کی تقسیم کے متعلق ہے لیکن (الفاظ کے عموم کے پیشِ نظر) رسول اللہ ﷺ کے تمام اوامر و نواہی پر کاربند رہنے کی ہدایت کو شامل ہے[☆۱۰۲]

میرا کامل یقین ہے کہ رسولِ معظم سیّدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ نے مستقبل میں ہونے والی علمی موشگافیوں کا دروازہ بند کرنے ہی کے لیے تقریبِ نکاح میں شریک ایک لڑکی کو یہ کہنے سے منع فرمایا تھا کہ ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے، اور تاکیداً فرمایا تھا ''اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ''۔ ظاہر ہے جس بات کا تذکرہ، میرے آقا و مولا ﷺ نے پسند فرمایا تھا وہ بدر میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی شجاعتوں کا تذکرہ تھا، جس کے جاری رہنے سے امت میں شجاعت کا جذبہ بیدار ہوتا اور دین کی علمی تنفیذ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن آج تک میری ملت کے بعض علما ان ہی بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں انھیں ذرا احساسِ زیاں نہیں!

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(اقبالؔ)

علما کا ایک گروہ عوام میں حبِ رسول ﷺ کا جذبہ جگانے کے شوق میں (ارادی یا غیر ارادی طور پر) اللہ تعالیٰ کے حقوق سے اعراض کا پیغام دے رہا ہے۔ جس کے مظاہر ہمیں نعتیہ شاعری کے کچھ حصے میں ملتے ہیں۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ، (آیت ۹۱، سورۃ الانعام: ۶، پ ۷) اور انھوں نے اللہ (کی ذات و صفات) کا ایسا اندازہ نہیں کیا جیسا کرنا چاہیے تھا۔[☆۱۰۳]

علما کا دوسرا گروہ بزعم خویش اللہ کی محبت کا دعوے دار بن کر توحید کا پرچار کر رہا ہے لیکن اس پرچار میں (ارادی یا غیر ارادی طور پر) حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیثیت کا

استخفاف کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔

میں علماے کرام کا دل سے قدر دان ہونے کے باوجود ان کی ہر روش کو بنگاہِ استحسان نہیں دیکھتا۔ کیوں کہ وہ بہت معتبر ہونے کے باوجود مامور من اللہ نہیں ہیں بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی بھی مامور من اللہ نہیں ہے۔ اگر کوئی کسی کو کسی بھی شکل میں مامور من اللہ سمجھتا ہے تو وہ ختم نبوت میں نقب لگانے کی سعی غیر مشکور کا مرتکب ہوتا ہے۔ علما ہم ہی میں سے ہیں۔ انھوں نے اپنا وقت علم دین حاصل کرنے پر صرف کیا ہے اس لیے وہ نبی ﷺ کی وراثتِ علمی کے امین ہیں، لیکن انھیں اپنے فرائض اور حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر دین کی صداقتوں کو عام کرنا ہے نہ کہ قوم کو متفرق کرنے کے لیے مہمیں چلانی ہیں۔ علمی مباحث وہ آپس میں چاہے جتنے کریں عوام کو مخاصمت کی دعوت دینے سے گریز کرنا چاہیے۔

کیے ہیں فاش، رموزِ قلندری میں نے کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد!
رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمیؑ ہے کارِ بے بنیاد!
(اقبالؔ)

سن ۱۸۲۰ء کا واقعہ ہے، مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے یہ کہنا شروع کیا کہ ”محمد ﷺ کی نظیر تحتِ قدرتِ ممکن ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا قادرِ مطلق کہلانا ممکن نہیں، وہ ایک اور محمد پیدا کرنے پر قادر ہے“۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی نے اس باطل خیال کی پرزور مذمت کی اور اس نظریے کے خلاف دلائل دیے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے بھی مولانا خیر آبادی کی تائید میں امکان نظیر کے نظریے کے رد میں ایک مثنوی لکھی۔[☆۱۰۴]

حضرت علامہ بشیر حسین ناظمؔ صاحب کی گفتگو[☆۱۰۵] سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ احمد رضا خاںؒ کی تائید اور مسئلہ امتناعِ نظیر پر مولانا ابوالکلام آزاد کے والد حضرت مولانا خیرالدین نے بھی دس جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ”النجم الرجم الشیاطین“ تھا۔ میرے خیال میں بیدم وارثی کا یہ شعر مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی جسارت سے بھی بڑی جسارت ہے، لیکن علما نے اس شعر پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں فرمایا:

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات خیر النساءؓ، حسینؓ و حسنؓ، مصطفیٰؐ، علیؓ

اب اگر کوئی سوال کرے کہ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تو اس قسم کی حدیثِ قدسی موجود ہے کہ اللہ نے کائنات ان کی خاطر تخلیق فرمائی (خلقت الخلق لاعرفهم

کرامتک و منزلتک عندی و لولاک ماخلقت لدنیا، یعنی اللہ عزو جل اپنے محبوب اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ میں نے تمام مخلوق اس کے لیے بنائی کہ تمھاری عزت اور تمھارا مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ بناتا۔ لیکن حضرت علیؓ اور ان کے خانوادے کے لیے اس ضمن میں کون سی نصِ قطعی ہے؟[۱۰۶]

نصِ قطعی کا حوالہ نہ پاکر ہی لوگ صرف 'اہلِ محبت' کہہ کر بات گول کر جاتے ہیں۔ کیوں بھئی کیا یہ بات کہہ کر بیدم وارثی نے وہی مسئلہ پیدا نہیں کر دیا جس پر علماء کی غیرت جوش میں آئی تھی؟ یعنی امکانِ نظیر کا مسئلہ؟ اگر اللہ کے نزدیک اپنے رسول ﷺ اور ان کی ایک صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا، نبی علیہ السلام کے داماد حضرت علیؓ اور نبی علیہ السلام کے دو نواسوں کا وہی مقام ہے جو خود اللہ کے نبی ﷺ کا ہے تو پھر یہ فرق مراتب کیسا؟ پھر تو یہ سب کے سب ایک ہی مرتبے کے لوگ ہوگئے! اگر یہ شرک فی النبوت نہیں تو شرک فی النبوت اور کیا ہوتا ہے؟ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے:

ہر مرتبۂ وجود حکمے دارد گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

(وجود کے تمام مظاہر الگ الگ حکم رکھتے ہیں (جن کا سمجھنا ضروری ہے) اگر مراتب کے درجے نہ سمجھے تو کافر ہوا)۔

اس قسم کے اشعار بعض خانقاہی حلقوں میں قبول کر لیے جاتے ہیں حالاں کہ یہ صوفی کی شطحیات کے سوا کچھ نہیں۔ شطحیات، شطح کی جمع۔ ایسا کلمہ جو ذوق اور جوشِ مستی میں کسی واصل کی زبان سے نکل جائے جو بظاہر خلافِ شرع ہو جیسے منصور حلاج نے اناالحق کہا تھا۔[۱۰۷]

تو جناب شخصیات سے محبت میں اعتدال کی ضرورت ہے 'خیر الامور اوسطہا' (بہترین کام یا بات وہ ہے جس میں افراط ہو نہ تفریط)۔ شرک فی التوحید اور شرک فی النبوت دونوں سے اللہ ہمیں محفوظ فرمائے (آمین)۔ شرک فی التوحید اور شرک فی النبوت دونوں عمل ہی سخت ناپسندیدہ ہیں پھر اس طرح کی باتیں کرنے والے کسی کو راضی کرنے کے گمان میں ہیں؟ جس بات کو نبی ﷺ پسند نہیں فرمائیں گے اس بات کو نہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی نہ اللہ کے نیک بندوں کی۔

ان کا نام آتے ہی دل دھڑکا ہے جیسے کوئی حور شہر کی مسجدِ جامع میں اذاں دیتی ہے[۱۰۸]

اس شعر کا متن دینی بصیرت اور دین کی عملی صورت سے متصادم ہے۔ واقعاتی صداقت سے بھی

عاری ہے۔ پھر شعر کا مفہوم بھی فی بطن شاعر ہے۔ قاری یا سامع کے پلے بات پڑتی ہی نہیں۔ کس شہر کی کون سی جامع مسجد میں کبھی کسی حور نے جنت سے آ کر اذان دی ہے؟، جس کی آواز سن کر شاعر کا دل دھڑکا ہے؟ پتا نہیں شاعر کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ گیا۔

☆۱۰۹
مرے آقا مرے مولا مرے ہادی تجھ سے عبد و معبود کا دنیا کو قرینہ آیا

عبد و معبود کے تعلق سے بندوں کو آگاہی ملی کہنا چاہیے تھا۔ 'عبد و معبود کا قرینہ' سے کوئی مفہوم نہیں بنتا۔ اسی مفہوم کو شاعر نے خود اس سے بہتر انداز میں ایک شعر میں ادا کیا ہے۔

عبد اور معبود کے ٹوٹے ہوئے رشتے جڑے ذوقِ سجدہ کو جبینوں میں کوئی تڑپا گیا

مژدۂ وصل سنا ہے تو یہ عالم ہے خلیق
روح بے تاب ہے جاں تن سے نکل آئی ہے ☆۱۱۰

روح اور جان دونوں ایک ہی ہیں پھر ایک ہی مصرعے میں دونوں کو دو الگ الگ افعال کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ روح بے تاب ہے، اور جان تن سے باہر نکل آئی ہے۔ یہ کیا شاعری ہوئی، شعر میں نعت کا کوئی قرینہ بھی نہیں ہے۔ یہی شعر غزل میں بھی کھپایا جاسکتا ہے۔

گاتے ہیں دمِ صبح تری نعت کے نغمے یہ قمری و دراج، تری شان بڑی ہے ☆۱۱۱

یہ شعر حمد کا تو ہوسکتا ہے نعت کا نہیں۔ ''سبح اللہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض'' (آیت ۱، سورۃ الحشر: ۵۹، پ ۲۸) (اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں) کے تحت کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی حمد و ثنا کر رہا ہے۔ اس حمد میں خوش الحان پرندے بھی شامل ہیں۔

☆۱۱۲
میں کہاں اور کہاں مرتبۂ نعتِ رسول یہ کرم ان کا ہے آقا مرے لکھواتے ہیں!

دنیا دار لوگ اپنی تعریف لکھواتے، قصیدے سنتے اور پسند کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کسی سے لکھواتے نہیں بلکہ کسی کسی شاعر کے خلوص اور جذبۂ اشاعتِ دین کو پسند فرماتے ہیں اور انعامات سے بھی نواز دیتے ہیں جیسے حضرت کعب بن زہیر اور بوصیریؒ کو نوازا۔ یہاں نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ فنی لوازمات، دینی شعور، جذبے کی سچائی اور مروجہ زبان کی فصاحت و بلاغت تو معیارِ پسندیدگی ہوسکتا ہے، فنی خامیوں سے لبریز شاعری کے بارے میں قطعیت سے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اسے حضور ﷺ نے پسند فرما لیا ہے۔ پھر آقا کے لکھوانے کا کیا ثبوت ہے؟ نعت گو شعرا بڑے خلوص سے، تصوراتی طور پر، اپنی شعری کاوشوں پر حضور ﷺ سے انؐ کی پسندیدگی کی سند

حاصل کرلیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ کس ہستی سے کیا بات منسوب کر رہے ہیں؟ البتہ کسی شاعر کو مسلسل توفیقِ ثنائے مصطفیٰؐ حاصل ہو رہی ہے تو اسے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اسے تو روز و شب نعتیہ مضامین کی سوچ میں مگن رہنا چاہیے اور نعت کی شعری اظہار میں اسلوب کی پاکیزگی اور بیان میں فصاحت و بلاغت کا دھیان بھی رکھنا لازمی ہے۔ نعت کے مافیہ (content) کی صحت کے لیے تحصیلِ علم اور اسلوب (style) کی شگفتگی کے لیے مشق کرنی چاہیے۔

اس کے باوجود کبھی اپنی شعری کاوش کو قطعیت کے ساتھ حضورؐ کی پسندیدگی کی تصوراتی سند نہیں دینی چاہیے اور یہ دعویٰ تو قطعاً نہیں کرنا چاہیے کہ میری نعت مجھ سے آقائے نامدار محمد رسول اللہؐ نے لکھوائی ہے۔ ہاں اگر کبھی خواب میں حضورؐ کا دیدار نصیب ہوجائے اور کسی شعر پر آپ سے داد مل جائے تو اختیار ہے کہ اس کا اظہار کرے یا نہ کرے۔

وہ طنطنۂ فتح و ظفر خواب تھا اب تو بدلا ہوا ہر باب میں عنوان عرب ہے ☆۱۱۳

اس شعر کا تاریخی پسِ منظر یہ ہے کہ جب عربوں کی توجہ اسلام کی اشاعت کی طرف تھی تو انھوں نے بہت سے ممالک فتح کرلیے تھے۔ لیکن اب فتوحات کا وہ سلسلہ نہ صرف خواب و خیال ہوگیا ہے بلکہ اپنی آزادی برقرار رکھنا بھی دشوار نظر آتا ہے۔ لیکن پہلے مصرعے میں تاریخی حقیقت کو خواب کہہ کر شاعر نے اپنی بات خود ہی غیر معتبر کردی۔ فتح و ظفر کا وہ سلسلہ خواب نہیں تھا بلکہ آج کے رویے نے اسے خواب و خیال بنا دیا ہے۔

سلام اس پر اپالو اوّلیں براق تھا جس کا سرِ عرشِ معظم میزباں خلاق تھا جس کا ☆۱۱۴

اپالو دنیا کے کاری گروں کا بنایا ہوا خلا میں چھوڑا جانے والا راکٹ تھا جب کہ براق، اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی سواری تھی۔ اس لیے تشبیہ مناسب نہیں ہے۔ پھر براق کی ''را'' مشدد نہیں ہے۔ اس لفظ 'براق' کے درست استعمال کی مثال پہلے کہیں دی جا چکی ہے۔

اب میرے پیشِ نظر ایک کتاب ہے ''خوابِ مکرم کے'' اس میں بہت سی اچھی نعتیں ہیں لیکن بعض نعتوں میں شاعر نے جدیدیت یا انگریزیت کے شوق میں ان مل بے جوڑ الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جو نعت کے متین اور سنجیدہ موضوع کے برعکس کچھ فکاہیہ اشعار کا سا تاثر دے رہے ہیں۔

میرے رب نے مجھ پر کرم کر دیا زلمت مجھے سر گرم کر دیا ☆۱۱۵

گرم میں را ساکن ہے جب کہ شاعر موصوف نے مفتوح باندھا ہے۔ اس لیے شعر لغوی اعتبار سے بے اعتبار ہوا، اور اگر لغت صحیح ہوجائے تو یہ لفظ بحر کے سانچے سے نکل جائے گا۔

شعر خود ہی نزول ہوتے ہیں — لکھنے بیٹھے کوئی ثنائے رسول
دیکھیے کب حصول ہوتا ہے — ہم ہیں مشتاق ان کے جلووں کے ☆۱۱۶

ان دونوں اشعار میں نزول اور حصول کی جگہ نازل اور حاصل کا محل تھا لیکن شاعر نے ''پھول'' کا قافیہ بنانے کے لیے نزول اور حصول کے الفاظ شعر میں کھپائے۔

نبیؐ ہمارے کہ دوجہاں میں جو نورِ وحدت ہیں بن کے آئے
جو بشریت کا لبادہ اوڑھے خدا کی رحمت ہیں بن کے آئے ☆۱۱۷

خدا کرے بارگاہِ رحمت میں شرفِ مقبولیت وہ پائیں
جو آنسو آنکھوں کی پتلیوں میں نشانِ الفت ہیں بن کے آئے ☆۱۱۸

ان دونوں اشعار میں 'بشریت' اور 'شرف' غلط تلفظ کے ساتھ بندھ گئے ہیں۔ بشریت کا استعمال دیکھیے:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے مجھے — کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
(اقبالؔ)

شرف کی بُنت دیکھیے:

شرف اللہ نے بخشا ہے آدمؑ پر محمدؐ کو — فضیلت ہے مقدم سے زیادہ یاں مؤخر کی
(آتشؔ)

سرکار کی مدح ہی تو ہے حاصلِ حیات — مشتاق لے کے نعتیہ اشعار آگیا ☆۱۱۹
گو طلاطم سے بھی پیار اس نے کیا — ڈوبتوں کو تھاما پار اس نے کیا ☆۱۲۰
آج بھی مدفون ہے سوکھا تنا منبر تلے — سہہ سکا نہ جو جدائی ہے نبیؐ سرکار کی ☆۱۲۱

پہلے دونوں اشعار میں علی الترتیب 'مدح' اور 'تھاما' میں سقم ہے۔ مدح میں دال بالحرکت لکھا گیا جب کہ ساکن ہونا چاہیے۔ تھاما، تھام پڑھا جا رہا ہے الف گر گیا۔ سہہ سکا نہ، سہہ سکانا پڑھا جا رہا ہے۔ ہائے ہوز کو الف سے بدلنا جائز نہیں۔ پھر اس شعر کے دوسرے مصرعے میں تعقید بھی آگئی ہے۔ دیکھیے نثر میں کیسے لکھیں گے۔ 'جو نبیؐ سرکار کی جدائی نہ سہہ سکا ہے' (یہاں ہے کے بجائے 'تھا' کا محل تھا)۔ لیکن موجودہ صورت میں 'ہے' نبیؐ سرکار کی، سے قبل بالکل بے محل ہے۔

آدمؑ و عیسیٰؑ نے بھی لوگوں کو تھا فرما دیا — کہ بتوں کی پوجا کرنا خارج از اسلام ہے

اقصیٰ میں جبریلؑ بولے انبیا سے کہ اٹھو　　　　اس امام المرسلینؐ کا آج فیضِ عام ہے ☆۱۲۲

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں تعقید ہے ''تھا فرمادیا''۔ دوسرے مصرعے میں ''پوجا'' کا الف گرگیا۔ دوسرے شعر میں اقصیٰ کے الف میں تقصیر ہوگئی۔ 'کہ اٹھو' کا تخاطب غیر مناسب ہے۔ دوسرا مصرع پورا کا پورا جبریلؑ کے قول پر مبنی ہے، اس لیے واوین ('' '') میں ہونا چاہیے تھا، لیکن اس قول کی سند نہیں ہے اس لیے یہ پورا مصرع مبنی بر صداقت نہیں لگتا۔ جبریلؑ تو برگزیدہ فرشتے ہیں، کسی عام آدمی کا قول نقل کرنے میں بھی یہ احتیاط چاہیے کہ اصل کے مطابق ہو۔

ہے ہمارا دیں ہی کامل جو زمانہ کہہ رہا ہے　　　　پھر کس لیے مسلماں یہ فریب سہہ رہا ہے ☆۱۲۳

شعر کا مفہوم کیا ہے؟ نثر کرکے دیکھتے ہیں 'جو زمانہ کہہ رہا ہے (کہ) ہمارا دین ہی کامل ہے (تو) پھر مسلمان یہ فریب کس لیے سہہ رہا ہے'۔ بات نہیں بنی، دوسرا مصرع بے وزن بھی ہے۔ فریب سہا نہیں جاتا۔ عذاب یا دکھ سہا جاتا ہے۔ فریب کھایا جاتا ہے یا فریب دیا جاتا ہے۔

کتاب کا حصہ اردو بیش تر بے وزن اشعار پر مبنی ہے۔ اب آیئے انگلش حصے کی طرف۔

سارے جہاںؔ نے مجھ کو جو ریجیکٹ ہے کیا　　　　پر مصطفیؐ کے در نے نہ نگلیکٹ ہے کیا

جنت کے کھلے گیٹ ہیں رمضان کے صدقے　　　　کم سب کے ہوئے ویٹ ہیں رمضان کے صدقے

مسلم ہر ایک رنگ میں آقا کا فین ہے　　　　دیوانۂ رسول ہی دراصل مین ہے

طیبہ کی ہے گلی منور گول بنا لو دوستو　　　　جنت کے لوگوں کی خاطر پول بنالو دوستو

یہ نفرتوں کی آگ دھری کولڈ کیجیے　　　　نہ اس طرح جناب مجھے بولڈ کیجیے

نبوت کا جو ٹاور ہے　　　　درخشاں ہے مناور ہے ☆۱۲۴

انگریزی الفاظ پر مبنی قوافی کے تمام مطلعے میں نے نقل کر دیے ہیں۔ بیش تر مصرعے بے وزن ہیں۔ بیش تر انگریزی الفاظ کا تاثر طنز و مزاح کی شاعری کا سا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس شاعری کی تحسین نہیں کرسکتا۔ میں اس رجحان کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کرسکتا۔ شاعر کی کتاب میں بعض نظمیں اپنے مواد (content) کے اعتبار سے بہت اچھی ہیں لیکن شاعر کو عروض پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ شعر کہنے سے پہلے اگر اساتذہ کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا شعار بنالیں تو شاعر کو بہت فائدہ ہوگا۔ اللہ کرے میرے چھوٹے بھائی میری رائے کو مبنی بر اخلاص تصور کریں۔ (آمین)

بتایا سرورِ دیں نے برائے امنِ عالم میں　　　　کہیں اخلاق ہوتا ہے کہیں تلوار ہوتی ہے ☆۱۲۵

اس شعر کا متن بہت اہم اور بلند ہے۔ لیکن شعر کی بنت کے حوالے سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ نثر میں شعر کا مفہوم کچھ اس طرح ادا ہوگا ''سرورِ دیں نے بتایا (ہے) کہ امنِ عالم کے لیے کہیں اخلاق (سے کام چل جاتا ہے) کہیں تلوار اٹھانی پڑتی ہے''۔ پہلے مصرعے میں 'برائے' کے بعد 'میں' لانا مناسب نہیں کیوں کہ یہ روز مرہ کے خلاف ہے۔ دوسرے مصرعے میں اخلاق کا لفظ کچھ کھٹک رہا ہے، کیوں کہ حق کے نفاذ کے لیے تلوار اٹھانا بھی عین اخلاقی عمل ہے، جہاد کوئی غیر اخلاقی چیز نہیں ہے، یہ تو عبادت ہے۔ شعر کے مفہوم کے لحاظ سے اگر یوں کہتے تو شاید کچھ بات بن جاتی:

برائے امنِ عالم یہ سکھایا سرورِ دیں نے کہ فہمائش کہیں ہوتی، کہیں تلوار ہوتی ہے

لیکن یہ کوئی حتمی صورت نہیں ہے۔ شعر کی بنت کے ہزار ڈھنگ ہیں۔ یہ تو شاعر پر منحصر ہے کہ وہ کون سا پیرایۂ بیان اختیار کرتا ہے۔ البتہ پہلے مصرعے کا بے محل ''میں'' اور دوسرے مصرعے کا بے جا ''اخلاق'' مؤخر الذکر شعری بنت سے نکل گئے۔

قصرِ کونین کو اثبات حضورؐ آپ سے ہے آپ بنیاد کا پتھر ہیں رسولِ عربی ☆۱۲۶

یہاں لفظ 'ثبات' کا محل تھا۔ اثبات کے معنی ہیں۔ ثبوت پہنچانے کا عمل، (دلائل یا قرائن سے) ثابت کرنا۔ ابطال کی ضد۔ جب کہ 'ثبات' اپنے حال پر قائم اور برقرار رہنے کی کیفیت، قیام، استقلال اور بقا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اسی کی ذات کو ہے دائماً ثبات و قیام قدیر و حی و کریم و مہیمن و منعام (نظیر)

اعجاز رحمانی صاحب نے اپنے شعر میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کونین کی عمارت آپ کی ذات کی وجہ سے اپنی جگہ کھڑی ہے، اس لیے یہاں ثبات کا لفظ برتنا چاہیے تھا۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے لیے ''بنیاد کا پتھر'' کہنا بالکل مناسب نہیں۔ یہ عام آدمی کے لیے بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائے کہ رسولِ عربی ﷺ کے لیے جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں!

دوستو اسوۂ نبیؐ پہ چلو ہم پہ الزامِ بے وفائی ہے ☆۱۲۷

اس شعر کا دوسرا مصرع ایک فلمی گانے کے مصرعے سے لڑ گیا ہے۔ پہلے مصرعے میں تبلیغ اور دعوتِ عمل ہے۔ اسوۂ نبیؐ پر چلنے کی تبلیغ دی جارہی ہے۔ دوسرے مصرعے میں یہ کہا جارہا ہے کہ ہم پر 'اسوۂ نبیؐ سے گریز کا الزام' ہے۔ بھائی! الزام تو غیر ثابت شدہ حقیقت کو کہتے ہیں۔ اگر یہ خالی الزام ہے تو پھر الزام لگانے والوں کو دوٹوک لفظوں میں جواب دیجیے، اگر حقیقت ہے تو دل سے

قبول کرتے ہوئے برملا کہیے کہ ہم سب اسوۂ نبیؐ سے دور ہیں اس لیے اسوۂ نبیؐ پر چلنے کی دعوت دینا ہم پر فرض ہے۔ صرف ایک لفظ الزام کی وجہ سے شعر کا مفہوم ہی غارت ہوگیا۔

درج ذیل شعر بھی اسی طرح کا مفہوم رکھتا ہے، اس لیے نظرِ ثانی کا محتاج ہے:

جب بھی الزام سر تک آ پہنچے اسوۂ مصطفیؐ کو اپناؤ [☆۱۲۸]

اس شعر کا ایک مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کسی طرف سے ایسی کوئی آواز نہیں اٹھے کہ مسلمان اسوۂ نبیؐ چھوڑ بیٹھے ہیں، تو بے شک مسلمان اپنی موجودہ روش پر قائم رہیں! بصورتِ دیگر اسوۂ نبیؐ اپنانا ہوگا! اور یہ مفہوم شعر کی مقصدیت کے خلاف ہے۔

کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپ کے کوئی حسانؓ ہے کوئی اعجاز ہے [☆۱۲۹]

اس شعر میں حضرت حسانؓ کے ساتھ شاعر نے اپنا ذکر کر کے تعلّی کو بے جا بنا دیا ہے۔ مدحت سرائی کی توفیق بہت بڑی نعمت ہے اس پر شاعر جتنا ناز کرے کم ہے، لیکن اپنی کاوش کو صحابیِ رسول ﷺ کی شعری کاوشوں کا ہم پلہ قرار دینا محلِ نظر ہے۔

وہ نورِ ذاتِ ربِّ تعالیٰ تمھیں تو ہو لوٹی ہیں طورِ سینا نے جس کی تجلیات [☆۱۳۰]

اس شعر میں متنی کم زوری بھی ہے اور شعری بنت بھی کم زور ہے۔

(الف) سینا کا الف دب رہا ہے۔

(ب) دوسرا مصرع تین اضافتوں کے بوجھ تلے دب گیا ہے۔

(ج) متن میں طورِ سینا کا ذکر ہے اور وہاں حضور ﷺ کی ذات کو جلوہ فرما دکھایا گیا ہے۔

شعر کا یہ نفسِ مضمون حقیقت سے بعید ہے۔ سورۂ قصص میں اللہ ربّ العزت نے خود ارشاد فرمادیا ہے کہ ''اور (اے محمدؐ) تم موجود نہ تھے (وادیٔ طور کی) مغربی جانب، جب عطا کیا تھا ہم نے موسیٰ کو فرمانِ شریعت اور نہ تھے تم شامل مشاہدہ کرنے والوں میں۔'' (آیت ۴۶، سورۃ القصص: ۲۸، پ۲۰) قرآن سے دوری نے شاعر کو من مانے مضمون تراشنے کی طرف مائل کردیا۔

درج ذیل اشعار بھی اسی قبیل کے ہیں:

ایمن پہ بلا کر انھیں دکھلائی تجلی تھی حضرتِ موسیٰ کو تمنائے محمدؐ [☆۱۳۱]

ہر ذرہ میں تھے صاحبِ لولاک جلوہ گر نظارہ کش تھا طور رسولِ کریم کا [☆۱۳۲]

فاراں کی وادیاں ہوں کہ ہوں کوہِ طور کی ہر سمت روشنی ہے محمدؐ کے نور کی [☆۱۳۳]

طور کی چوٹی بھی ہے فاراں کی چوٹی بھی شریف
ایک جلالِ مصطفیٰؐ ہے اک جمالِ مصطفیٰؐ ☆۱۳۴

اللہ مرحوم شاعر کی فکری لغزش معاف فرمائے (آمین)۔

☆۱۳۵
چمکا ہے کوئی چاند مدینے کی زمیں سے　　یا نور اتر آیا سرِ عرشِ بریں سے

یہ شعر پڑھ کر خیال ہوتا ہے شاعر نے میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا حوالہ دیا ہے، لیکن نبی ﷺ کی دنیا میں آمد کے ذکر کے ساتھ مدینے کے بجائے مکے کا ذکر موزوں تھا۔

☆۱۳۶
نعت پڑھیے ہر جگہ ہر شے کو وجداں کیجیے　　ان کا چرچا یوں گلستاں در گلستاں کیجیے

اس شعر میں ''وجداں'' کا لفظ بے محل استعمال ہوا ہے۔ وجداں تو دریافت کرنے اور جاننے کی قوت کو کہتے ہیں۔ چناں چہ وجدانِ سلیم اس شعر کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔

☆۱۳۷
قافلہ ناقہ سواروں کا سبک گام چلے　　پیچھے رہ سکتے ہیں سرکارؐ کے پیادے کوئی

اس شعر میں ''پیادے'' کی (ی) اس طرح دب رہی ہے کہ آواز میں کراہت پیدا ہوگئی ہے۔

اب ذرا اس لفظ کا درست استعمال ملاحظہ فرمائیے:

ہوا کے دوش پہ جاتا ہے کاروانِ نفس　　عدم کی راہ میں کوئی پیادہ پا نہ ملا

(یاس یگانہ چنگیزی)

☆۱۳۸
عشقِ مصطفیٰؐ کی تڑپ جو نہیں ہے سینے میں　　لطف کیا ہے مرنے میں کیف کیا ہے جینے میں

پہلے مصرعے میں تڑپ کی (پ) خارج از بحر ہوگئی۔ شعر بے وزن ٹھہرا۔

☆۱۳۹
کاش زندگی کے میری روز و شب یونہی گزریں　　صبح ہو حرم میں تو شام ہو مدینے میں

(الف) پہلے مصرعے میں زندگی کا لفظ شعری بنت میں صحیح نہیں آسکا، زیست کا لفظ مناسب تھا۔

(ب) صبح کی ہائے حطی اور ہو کی ہائے ہوز کی آوازیں مل گئی ہیں، اس طرح عیبِ تنافر پیدا ہوگیا ہے۔

(ج) دوسرے مصرعے میں مدینے کے مقابل مکے کا ذکر ہونا زیادہ موزوں تھا، حرم کے مقابلے میں مسجدِ نبوی یا حرمِ نبوی کہنا زیادہ مناسب ہوتا۔

وہ سجدہ کر چاہے آخری ہو، مگر خلوصِ نیت ہو شامل
ریا ہو جس میں تو وہ عبادت کبھی قبولِ خدا نہ ہوگی ☆۱۴۰

(الف) نیت کی (ی) مشدد ہے۔

دی ہے مسجد میں مؤذن نے اذاں بہرِ نماز باوضو ہو کے نمازی نے بھی باندھی نیت
(ذوق)

(ب) سجدہ چاہے آخری ہو سے شاعر کی کیا مراد ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا!

ان کا جلوہ جو دل نشیں ہوتا فائزِ عرش بالیقیں ہوتا ☆۱۴۱

اس شعر کی نثر یہ ہوئی "ان کا (محمد رسول اللہ ﷺ) جلوہ (میرے) دل میں اتر جاتا تو میں یقیناً عرش پر فائز ہوتا"۔ عرش پر اللہ کی ذات ہے اس لیے شاعر کا یقین محض ظن و تخمین کے ذیل میں آگیا، اور ظن بھی مناسب نہیں اس لیے کہ بندہ عرش پر بیٹھ ہی نہیں سکتا۔

دیکھ لیتا نہ گر شریف وہ نور ہم کہیں اور دل کہیں ہوتا ☆۱۴۲

اس شعر میں ایک اچھی بات سلیقے سے نہیں کہی جا سکی۔

(الف) شاعر نے غالباً خواب میں دیدارِ رسول اکرم ﷺ کیا ہے۔

(ب) دیدارِ مصطفیٰؐ کے بغیر شاعر کا حال پریشاں رہتا، شاعر کہیں ہوتا اس کا دل کہیں ہوتا۔

(ج) پہلے مصرعے میں تخلص کے استعمال سے صیغۂ واحد غائب، جزوِ شعر بنا۔ دوسرے مصرعے میں 'ہم' صیغۂ جمع حاضر ہو گیا۔

شبِ اسریٰ شہہِ بطحیٰ کی سواری جو چلی
کھل گئے ہفت سماوات کے در آپ سے آپ ☆۱۴۳

یہ شعر واقعاتی صداقت کے منافی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں باب فی المعرج (معراج کا بیان) میں ایک طویل حدیث آئی ہے جس میں تفصیلاً مذکور ہے کہ پہلے سے ساتویں آسمان تک ہر بار جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا "تو کون ہے؟ اور تیرے ساتھ کون ہے؟ جواباً جبریلؑ نے کہا میں جبریلؑ ہوں اور میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ کہا گیا کوئی ان کی طرف بھیجا گیا ہے؟ جبریلؑ نے کہا ہاں، فرشتوں نے کہا مرحبا کہ اچھا آنے والا آیا۔ اور آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا" ☆۱۴۴ اس حدیث کی روشنی میں (کھل گئے ہفت سماوات کے در آپ سے آپ) کہنا کہاں تک مناسب ہے؟

کیا کہیے کہ سرکارؐ مجھے کیا نظر آئے سر تابقدم نور سراپا نظر آئے ☆۱۴۵

سر تابقدم کہنے کے بعد سراپا (سر سے پیر تک) کہنے کی گنجایش نہیں تھی۔

حبیبِ زار پر جب نزع کا عالم رہے طاری تو ہولب پر صدائے دل نشیں اللہ ہو تیری ☆۱۴۶

اس شعر میں ''نزع کا عالم طاری ہو'' کا محل تھا۔ طاری رہے فصیح نہیں ہے۔

☆۱۴۷
بارھویں کی صبح جب پھیلی جہاں میں روشنی		فرش تو پھر فرش ہے تھی آسماں میں روشنی

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرش تو ہمیشہ ہی روشن رہتا ہے، بارہویں کی صبح تو آسمان بھی روشن تھا۔ حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ روشنی کے سارے ذرائع آسمان ہی میں ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، کہکشاں یہ سب زمین پر تو نہیں ہیں۔ زمین تو روشنی کے لیے آسمانی ذرائع کی محتاج ہے۔ شاعری کے لیے شاعر کا مشاہدہ بھی گہرا ہونا چاہیے۔

☆۱۴۸
عہدِ حاضر کا یہی اک المیہ ہے دوستو		دردِ عشقِ مصطفیٰؐ میں مبتلا کوئی نہیں

'الف' المیہ میں ل بالفتح اور ی مشدد ہے۔ یعنی المیّہ۔ بعض اہلِ علم نے 'ی' بغیر تشدید بھی قبول کیا ہے، لیکن ل بہرحال زبر ہی کے ساتھ ہے۔ اب اس لفظ کو بالکل درست تلفظ کے ساتھ پڑھا جائے تو شعر کی عروضی صداقت پر حرف آتا ہے بصورتِ دیگر لغت کا خون ہوتا ہے۔ 'ب' دوسرے مصرعے میں پوری امت کے لیے یقین سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ (دردِ عشقِ مصطفیٰؐ) سرے سے رکھتی ہی نہیں۔ دردِ عشقِ مصطفیٰؐ میں مبتلا افراد کم ضرور ہیں بالکل معدوم نہیں۔

☆۱۴۹
حاصل ہوا تقریبِ قوسین آپ کو		موسیٰؑ کے لیے شرط ہوئی کوہِ طور کی

اس شعر کا دوسرا مصرع بے وزن ہے۔

حشر تک بھی مٹانے سے مٹتا نہیں		نقش ایسا بٹھایا ہمارا نبیؐ

☆۱۵۰
جس کے پینے سے مخمور تا حشر ہوں		جام ایسا پلایا ہمارا نبیؐ

مذکورہ دونوں اشعار اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ شاعر نے، ردیف (ہمارا نبیؐ) کو محض ردیف کے طور پر شعر میں ٹانک دیا ہے۔

☆۱۵۱
جہاں میں ظلم و تشدد کا گھپ اندھیرا ہے		جلاؤ خیر کی شمع، بجھاؤ شر کے چراغ

'شمع' میں ش اور م پر زبر ہے اور ع ساکن۔ لیکن فارسیوں کی تقلید میں م کو بھی ساکن باندھتے ہیں۔ اس لفظ کا شعر میں نباہنا بڑی مہارت کا متقاضی ہے۔ درج بالا شعر میں بھی یہ لفظ درست تلفظ کے ساتھ نہیں بندھا۔ اگر شاعر 'شمعیں' (بصیغۂ جمع) باندھ دیتا تو نبھ جاتا۔ 'شر کے چراغ' کی موجودگی میں شمع کی جمع استعمال کرنے کی ضرورت بھی تھی۔ اب اس لفظ کا استعمال بھی دیکھیے:

شمعِ مردہ کے لیے ہے دمِ عیسیٰؑ آتش		سوزشِ عشق سے زندہ ہوں محبت کے قتیل

(ذوقؔ)

پیش گلدستہ کروں کیسے نبیؐ کی بزم میں چند گل کی بات کیا ہے گلستاں کافی نہیں ☆۱۵۲

'چند گل' کی ترکیب محلِ نظر ہے۔ چند گلوں کا محل تھا۔ یہ مصرع یوں بھی ہوسکتا تھا ''کچھ گلوں کی بات کیا ہے۔ الخ''

یہ کبھی نہ ہوگا کہ دوں صدا کسی تیرگی کی پکار پر
مجھے فخر ہے کہ نثار ہوں میں حرا کی روشنی، غار پر ☆۱۵۳

دوسرا مصرع ''روشنیء غار'' کے استعمال سے بے وزن ہوگیا۔

کسی اور کی نہ ہو پیروی، جو ہو پیروی تو نبیؐ کی ہو
یہ ہے لازمی کہ نثار ہوں یہ مسلماں دینی شعار پر ☆۱۵۴

''یہ مسلماں'' کا ٹکڑا، شعر میں درست نہیں بیٹھا۔

ان اشعار کے علاوہ بھی ''ثنائے حبیبؐ'' میں بہت سے نظرِ ثانی کے محتاج ہیں۔ ان اشعار کی موجودگی میں شاعر کا یہ مشورہ کیسے قبول کرلیا جائے؟

نعت میں اچھے بُرے کی بحث سے حاصل ہے کیا
شانِ ختم المرسلیںؐ میں جو کہیں وہ ہے حسیں ☆۱۵۵

کہیں ایسا تو نہیں کہ شاعر نے یہ مشورہ، فن کی مہارت اور زبان پر قدرت حاصل کرنے کی محنت نیز متنِ شعر کو سنوارنے کے لیے تاریخ و سیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت سے بچنے ہی کی غرض سے دیا ہو؟

اس موقع پر یہ اعتراف کرنا بھی ضروری ہے کہ میرے بھی ایک شعر پر محترم احسن صدیقی (خلف الرشید حضرت نظرلکھنوی) نے اعتراض فرمایا ہے۔ شعر یہ ہے۔

اگر ہے جذبۂ حبِ نبیؐ میں کچھ بھی سچائی
تو پھر کیوں سرنگوں ہے آج تک پرچم صداقت کا ☆۱۵۶

اعتراض ''آج تک'' پر ہے۔ اس سے تو صداقت کے پرچم کا ہر عہد میں سرنگوں رہنا ثابت ہوتا ہے... جب کہ ایسا نہیں ہے۔ صداقت کا پرچم کسی نہ کسی خطۂ زمین میں کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی مومن کے ہاتھوں ضرور بلند رہا ہے اور ہے۔ مجھے اپنی غلطی مان لینے میں کوئی عار نہیں، میں حضرتِ احسن صدیقی کے شکریے کے ساتھ اس شعر میں ترمیم کے لیے لفظوں کی تلاش جاری

رکھنے کا وعدہ کرتا ہوں اور انشاءَ اللہ مناسب لفظوں کی یافت پر ضرور ترمیم کرلوں گا!

اب ایک ایسی کتاب کی طرف توجہ مبذول کروانی ہے جس میں بھارت کے ایک بزرگ حضرت پروفیسر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی (سابق صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو، دانش گاہ مدراس) نے اِس ناکارہ کی کتاب ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' کی بھرپور تحسین فرماکر خورد نوازی اور اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت فراہم فرمایا ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف نے بعض اشعار کی تحسین کرنے پر بھی بڑی شفقت سے میری اصلاح فرمائی ہے۔ یعنی میں نے جن اشعار کو قابلِ تعریف جانا تھا ان میں بھی کچھ نکات ایسے ہیں کہ انھیں سراہنے میں پروفیسر صاحب متامل ہیں۔ میں یہاں پروفیسر صاحب کی تحریر من وعن نقل کرنا چاہتا ہوں:

اردو نعت اور جدید اسالیب کے تحت شعرا کے اچھے اشعار پیش کیے گئے ہیں لیکن کہیں جدید اسلوب سے جدیدیت کی طرف مائل ہو جانے کے سبب، بیان میں لغزشیں بھی نظر آتی ہیں۔

عارف عبدالمتین نے جہاں بہت اچھے اشعار جدید اسلوب میں کہے ہیں وہیں ان کا یہ شعر ان کے لغزشِ قلم کو ظاہر کرتا ہے۔

میں کروں تیری طرح تسخیر یہ ارض و سما
یوں شبِ معراج کے سانچے میں خود کو ڈھال لوں

اس شعر کے لہجہ (لہجے) سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس میں التجا ہے یا ادّعا۔ مصنف (عزیز احسن) نے یہی ایک شعر نقل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے پہلے کے اشعار سے یہ عقدہ کھلتا ہو۔ اگر صرف التجا ہے تو اس سے رشک کا پہلو نکلتا ہے اور جس کے ناگوار پہلو کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور اگر ادعا ہے تو اور زیادہ قابلِ مذمت۔''

اس ضمن میں یہ ناچیز (عزیز احسن) بھی کچھ عرض کرنے کی جسارت کے لیے معذرت خواہ ہے... خاکسار نے اپنے مضمون ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' کی تمہیدی سطور میں اقبالؔ کے اس شعر کو نعتیہ افق پر جدیدیت کا پہلا ستارہ قرار دیا تھا۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور اسی تسلسل میں عارفؔ عبدالمتین کا مذکورہ شعر نقل کرنے سے پہلے یہ سطور ہدیۂ قارئین کی تھیں...

''اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے ذریعے تسخیرِ کائنات کا حکم دیا ہے اور معجزۂ معراج، تسخیرِ کائنات کا

عملی اظہار ہے۔ عارف عبدالمتین نے معراجِ نبویؐ کے حوالے سے تسخیرِ کائنات کی تمنا کی ہے۔“ ☆۱۵۷

سو عرض ہے کہ ناچیز نے اس شعر کو تمنائی سمجھ کر ہی نقل کیا تھا اس شعر میں (اے کاش) کے الفاظ حذف ہیں۔ اس صورت میں التجا اور ادّعا کا سوال پیدا ہی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال شعر کی لفظیات سے پرت پرت معنی کھلتے ہیں اور تفہیمِ شعر کے حوالے سے دو یا دو سے زیادہ آرا بھی ہوسکتی ہیں۔

پروفیسر صاحب نے حفیظ تائب کے اس مصرعے کو ”ذکر اذکار کا تمسخر“ جانا ہے اور ذکر کی اہمیت پر قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ کرام سے استدلال فرمایا ہے۔ پروفیسر صاحب کے فرمودات سے اختلاف کی جرأت تو کوئی بھی نہیں کرسکتا، میری تو حیثیت ہی کیا ہے؟...لیکن اس مصرعے کی پسندیدگی کے لیے جو دلائل اس خاکسار کے ذہن میں آئے تھے ان کی وضاحت اس موقع پر ضروری ہے۔ پہلے مکمل شعر ملاحظہ ہو:

کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منھ دکھائیں گے کیسے تجھے ہم سے ناکردہ کار امتی یا نبیؐ

اس شعر کو نقل کرنے سے پہلے درجِ ذیل سطور زیبِ قرطاس کی تھیں:

”حفیظ تائب تعلیم رسول ﷺ کو اسلامی معاشرے میں جاری و ساری دیکھنے کے متمنی ہیں اور جب وہ مسلمانوں کو صرف گفتار کا غازی دیکھتے ہیں تو تڑپ جاتے ہیں۔ دیکھیے وہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں کس سوز و گداز سے اپنی عرض داشت پیش کرتے ہیں“۔ ان سطور کے بعد ناچیز نے حفیظ تائب کے چار شعر نقل کیے تھے۔ میرے خیال میں مذکورہ شعر میں لفظ ”صرف“ کی طرف پروفیسر صاحب کی توجہ مبذول نہیں ہوسکی۔ یہاں شاعر نے مسلمانوں کی سہل پسندی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ”ذکر“ کو آسان جان کر اپنا لیا گیا اور زندگی کے بہت سارے عملی تقاضوں کو (جو دین کا جزولاینفک ہیں) نظرانداز کردیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی فرمایا گیا ہے (تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب اللہ کے ایک حصے پر اور کفر کرتے ہو دوسرے حصے کے ساتھ؟)

(آیت نمبر ۸۵، بقرہ: ۲، پ ۱)

اقبال نے بھی امت کے قول و فعل کے اس عدم اعتدال کے ادراک کے بعد ہی یہ اشعار کہے تھے:

یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خرد نے کہہ بھی دیا لآ اِلٰہ تو کیا حاصل　　　دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں ☆۱۵۸

لہٰذا یہ خاکسار اب بھی حفیظ تائب کے شعر کو اسی تناظر میں دیکھنے کی درخواست کرنا چاہتا ہے۔

حضرت پروفیسر وحید اشرف کچھوچھوی نے حنیف اسعدی صاحب کے یہ اشعار بھی قابلِ گرفت قرار دیے ہیں:

سوچیں تو روحِ عصر کے ادراک کے بغیر　　　معراج کیسے آئے کسی کے گمان میں

کسی ایسی ذات کا نام لو جو امیں بھی ہو جو اماں بھی ہو
یہ مرے یقیں کا ہے فیصلہ نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

پہلے شعر کے حوالے سے پروفیسر موصوف نے فیصلہ فرماتے ہوئے لکھا ہے (نبی کیا ہوتا ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کر دیا ہے... تو مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اس خدائی فیصلہ کو بے چون و چرا قبول کر لے نہ کہ خود فیصلہ کرنے لگے)۔ میری رائے بھی پروفیسر صاحب کی رائے کے ساتھ ہے لیکن میں کسی معجزے کو روحِ عصر کی روشنی میں سمجھنے اور اس تفہیم کو عام کرنے کے عمل کو ایک تبلیغی فعل تصور کرتا ہوں۔ اس لیے شعر کو اس پہلو سے بھی دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے صرف ایک سطر (دیکھیے معراج کے حوالے سے حنیف اسعدی نے کیا نادر بات کہی ہے) لکھ کر مذکورہ شعر نقل کیا تھا۔☆۱۵۹ یہاں بھی لفظوں اور خیال کے مختلف لونی عکس (Shades) مختلف زاویوں سے دیکھنے کے باعث گفتگو کا دروازہ کھل گیا۔

دوسرے شعر کے ضمن میں پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں: ''یہاں ایک اور بات قابلِ ذکر ہے۔ جب کسی امر کی واقعیت کو کوئی شخص اپنے ذاتی فیصلہ پر منحصر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اس سے اختلاف کی گنجایش ہے۔'' اس موقع پر یہ ناچیز معترف ہے کہ شعر کا یہ پہلو اس وقت اس کے ذہن میں نہیں آسکا۔ اس شعر میں تاریخِ انسانیت کا حوالہ آجاتا تو شعر زیادہ بڑے Canvas میں دیکھا جاتا۔ موجودہ صورت میں، اس شعر میں، صرف مسلمان معاشرے ہی کو حضور ﷺ کی عظمتوں کا قائل دکھایا گیا ہے۔

پروفیسر عنایت علی خاں کا شعر:

یہ مری عقیدتِ بے بصر یہ مری ارادتِ بے ثمر
مجھے میرے دعوئ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

اس شعر پر تبصرہ فرماتے ہوئے حضرتِ کچھوچھوی نے لکھا ہے، ''اس شعر سے پروفیسر عنایت علی خاں کا مدعا جو بھی ہو مگر شعر میں ایسی لچک ضرور ہے کہ پڑھنے والا اپنے وجدان کے مطابق اس کا مفہوم ایسا نکال سکتا ہے جو لفظ و معنی میں مطابقت رکھتا ہو۔ عاشق ہوتے ہوئے عشق کا دعویٰ نہ کرنا اظہارِ عجز ہے اور مدعی بننا دلیلِ محرومی ہے۔ بعض لوگوں نے ماضی میں ضرور دعویٰ کیا ہے لیکن اس دعوے کی دلیل بھی اپنی زندگی سے پیش کر دی ہے مثلاً صحابہ کرام اور اولیاے عظام۔''

پروفیسر صاحب کے اس بیان سے بھی مجھے سو فی صد اتفاق ہے۔

نعیم صدیقی کا یہ شعر:

ممکن ہو تو اک نظر ادھر بھی ۔۔۔ اے روشنیاں لٹانے والے

ملاحظہ فرما کر پروفیسر صاحب نے اصلاح تجویز کی ''رحمت کی ہو اک نظر ادھر بھی''...

میں اس اصلاح کے حق میں اپنا ووٹ دیتا ہوں اور اپنے تسامح پر نادم ہوں کہ شعر کا معنوی سقم دمِ تحریر میرے ذہن کی گرفت میں نہ آسکا۔

عارف عبد المتین کا شعر ہے:

بن گئی ایک حقیقت یہ حکایت تجھ سے ۔۔۔ ماہ و انجم ہیں غبارِ رہِ ابنِ آدم

پروفیسر صاحب نے تبصرہ فرمایا ہے، ''اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ایک حکایت ہے اور حکایت تو اکثر من گھڑت ہی ہوا کرتی ہے لیکن مادی فتوحات نے اس کو قابلِ یقین بنا دیا۔''☆۱۶۰

مذکورہ شعر بھی میں نے اقبال کے معرکۃ الآرا شعر کے معنوی تسلسل کے طور پر اس شعر کے ساتھ پیش کیا تھا:

جادۂ وقت سے آگے ترا جادہ دیکھا ۔۔۔ مرحلے تیرے سفر کے تھے ازل اور ابد ☆۱۶۱

میں اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ شاعر نے ''حکایت کو نبیِ کریم ﷺ کی برکت سے حقیقت بنتے دیکھا اور دکھایا ہے... تاہم لفظوں کے استعمال میں ہونے والی تعقید اور حکایت کی وضاحت نہ ہو سکنے کے باعث جو مفہوم حضرت وحید اشرف نے سمجھا ہے وہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے مذکورہ کتاب کے (موضوع سے متعلق) انیس صفحات سے صرف چند صفحات کے کچھ مندرجات نقل کیے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے ''استدراک'' کے عنوان سے ایک پورا باب میری کتاب ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' کے لیے وقف فرمایا ہے۔

اس مضمون میں پروفیسر صاحب کی گراں قدر رائے اقتباس کرنے سے میرا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ تفہیمِ شعر کے ضمن میں مختلف قارئین کی رائے مختلف بھی ہوسکتی ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلے گا کہ شعر کا پرت پرت جہانِ معانی ذرا کم کم ہی، بہ یک وقت کسی کی ذہنی گرفت میں آتا ہے۔ شعر اور اس میں برتے جانے والے الفاظ کی مثال ترشے ہوئے ہیرے کی سی ہوتی ہے، جس کی شعاعیں مختلف زاویوں سے مختلف نظر آتی ہیں۔

شعرا کی بے احتیاطیوں کے حوالے دیکر ان کو سخن گوئی کے ہنگام (بلکہ اشعار کی اشاعت کے وقت) خصوصی تنقیدی بصیرت سے شعروں کو پرکھنے کی طرف راغب کرنا اس لیے ناگزیر ہے کہ نعت گو شعرا کا موضوع بڑا مقدس، مقصدِ نعت گوئی بڑا ارفع اور وظیفۂ سخن گستری بڑا پسندیدہ ہے۔ ظاہر ہے جتنا بڑا مقصد ہوتا ہے اتنی ہی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ نعت گوئی میں اس بات کا احساس قدم قدم پہ رکھنا پڑتا ہے کہ یہ نعت محبوبِ ربّ العالمینؐ کے حضور پیش کی جارہی ہے جن کا خود ہی فرمان ہے کہ ''میں عربوں میں سب سے فصیح زبان بولتا ہوں''۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں سے زیادہ فصیح ہے۔ آجکل استادی شاگردی کا ادارہ تقریباً معدوم ہو چکا ہے، بساطِ سخن سے سخن فہم افراد تیزی سے اٹھتے جارہے ہیں:

ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

اس لیے رہنما اصولوں کا اعادہ چھوٹے چھوٹے مضامین کی صورت میں بھی ہوتا رہا تو ان شاء اللہ تعالیٰ، نو واردانِ بساطِ شعر کو عموماً اور نعت نگاروں کو بالخصوص فائدہ ہوگا۔ شعرا کے کلام کے حوالے اس لیے بھی دینے پڑے ہیں کہ انھوں نے اپنے کلام کو کتابی شکل دے کر عوام و خواص کے ملاحظے کے لیے پیش کیا ہے، اور کتاب میں شامل کلام عموماً معیاری تصور کیا جاتا ہے... اس لیے اگر کتابی کلام کے شعری، فکری، متنی اور لغوی اسقام کا محاکمہ نہیں ہوا تو اغلاط بڑھتے بڑھتے سمندر کی صورت اختیار کرلیں گی، اور پھر یہی اغلاط معیارِ سخن ٹھہریں گی جو عام شاعری کے معاملے میں اتنی خطرناک ثابت نہیں ہوں گی جتنی نعتیہ شاعری کے لیے ہوں گی... اس لیے ایک بار پھر عرض کردوں کہ سخن گسترانہ بات کہنے کے باوجود مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے جن شعرا کے کلام میں کچھ اسقام کی نشان دہی کی گئی ہے، انصاف کا تقاضا ہے کہ انھی شعرا کے کچھ اچھے اشعار بھی پیش کردیے جائیں، سو اشعار حاضر ہیں:

رہنے والے آسماں کے ہوں کہ فرشِ خاک کے
سب کے سب ممنونِ احساں ہیں شہہ لولاک کے (افسر صدیقی امروہوی)

عرش کے کچھ نہیں فقط قائمۂ جلیل پر لوح، جبینِ مہر پر چشمۂ سلسبیل پر
ثبت یہی نقوش ہیں عدن کی ہر فصیل پر ہے خطِ نسخ سے لکھا شہ پرِ جبرئیل پر
(انشاء اللہ خاں انشاء دہلوی ثم لکھنوی)

صلِّ علیٰ نبیّنا صلِّ علیٰ محمدٍ

میرا منشور، میرا پیمانہ
آپ کی بات بات، آپ کی ذات

(مظفر وارثی)

مصحفِ روئے نبیؐ پیشِ نظر رکھیے شریفؔ
دیکھ کر قرآں کو تفسیرِ قرآں کیجیے

(شریف امروہوی)

آپؐ کا قول و عمل، تفسیرِ قرآنِ مبیں گفتۂ باری تعالیٰ ہے کلامِ مصطفیٰؐ
(اکبرؔ حمزئی)

مہکی ہے کائنات مدینے کے پھول سے
یہ بزم مشک بار ہے لطفِ رسولؐ سے
(اخترؔ ہوشیارپوری)

تو بحرِ سخا، موجِ کرم، کانِ عطا ہے تپتے ہوئے صحراؤں پہ رحمت کی گھٹا ہے
(رشیدؔ وارثی)

جتنی گناہگار کو عصیاں کی شرم تھی اُتنا ہی مہربان وہ شاہِ امَمؐ رہا
(ادیبؔ رائے پوری)

آئی نسیمِ کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھکنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
(بیدمؔ وارثی)

عبد اور معبود کے ٹوٹے ہوئے رشتے جڑے ذوقِ سجدہ کو جبینوں میں کوئی تڑپا گیا
(خلیق قریشی)

مشتاق انبیاء و رسل بھی گواہ ہیں
ہے مستند ازل سے سیادت حضورؐ کی
(محمد مشتاق قادری)

بھٹکنے کا کوئی امکاں نہیں ہے
نبیؐ کے نقشِ پا تک آگیا ہوں
(اعجاز رحمانی)

نعتِ رسولؐ جب سے ہمارا شعار ہے
توقیر بڑھ گئی ہے ہمارے کلام کی
(قاری سید حبیب اللہ حبیب)

حوالہ جات

☆۱۔ کرم ونجات کا سلسلہ۔ عزیز احسن۔ اقلیم نعت، ۱۱۱۱ اے، ناظم آباد (sic) نارتھ کراچی، کراچی (سن ۲۰۰۵) ص ۱۲
☆۲۔ نور العرفان، مفتی احمد یار خاں نعیمیؒ، پیر بھائی کمپنی، ۴۰۔ اردو بازار، لاہور (کنزالایمان، ترجمہ قرآن کریم، اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی) سورہ ۲۶، پ ۱۹، آیات ۲۲۴۔ ۲۲۷
☆۳۔ تفسیرِ مظہری (اردو) حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی، مجددی، پانی پتی۔ خزینہ علم و ادب، لاہور، جلد ہشتم، ص ۳۸۵
☆۴۔ کمالین شرح جلالین، مترجم و شارح محمد انظر شاہ۔ مکتبہ شرکت علمیہ، بیرون بوہڑگیٹ ملتان، جلد۴، ص ۳۶۶
☆۵۔ تفسیرِ ماجدی، مولانا عبدالماجد دریابادی، تاج کمپنی، کراچی، ص ۷۶۲
☆۶۔ ''نعت رنگ'' ۱۸، ص ۳۵۸ (بحوالہ الملفوظ حصہ دوم ص ۴۴)
☆۷۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات، ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، نظر ثانی ڈاکٹر آفتاب احمد خاں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد
☆۸۔ تفسیرِ مظہری ص ۳۶۸ جلد پنجم
☆۹۔ ایضاً جلد دہم، ص ۴۸۸
☆۱۰۔ نورِ ازل، مظفر وارثی ص ۴۵
☆۱۱۔ ایضاً ص ۵۰
☆۱۲۔ قندیلِ عرش، شریف اموہوی، کراچی، ص ۵۸
☆۱۳۔ ایضاً ص ۱۳۵
☆۱۴۔ ایضاً ص ۱۴۸
☆۱۵۔ ثنائے حبیبؐ از قاری حبیب اللہ ص ۱۹۲
☆۱۶۔ ایضاً ص ۱۹۴
☆۱۷۔ ایضاً ص ۱۹۴
☆۱۸۔ نگارِ گنبدِ خضرا، اکبر حمزئی، ناز کو آرٹ پریس راولپنڈی، (سن ۲۰۰۴)، ص ۵۶
☆۱۹۔ ایضاً، ص ۵۷
☆۲۰۔ ایضاً ص ۸۵
☆۲۱۔ ایضاً ص ۲۰۳
☆۲۲۔ ایضاً ص ۴۳
☆۲۳۔ ایضاً ص ۲۵
☆۲۴۔ ایضاً ص ۳۰
☆۲۵۔ ایضاً ص ۵۹
☆۲۶۔ ایضاً ص ۱۰۶
☆۲۷۔ ایضاً ۱۳۶
☆۲۸۔ ایضاً ص ۸۸
☆۲۹۔ تفسیرِ مظہری ص ۸، جلد ہفتم
☆۳۰۔ خاتم المرسلین، اختر ہوشیار پوری، کتاب ساز پبلی کیشنز، دریا آباد، راول پنڈی (سن ۲۰۰۳ء)، ص ۹۹
☆۳۱۔ ایضاً ص ۱۵۰
☆۳۲۔ ایضاً ص ۱۱۳
☆۳۳۔ ایضاً ص ۱۲۴
☆۳۴۔ ایضاً ص ۱۳۵
☆۳۵۔ ایضاً ص ۱۲۸
☆۳۶۔ ایضاً ص ۱۴۴
☆۳۷۔ ایضاً ص ۱۳۳

☆۳۸۔ خوشبوئے التفات، رشید وارثی، بزمِ وارث، شاہ فیصل کالونی، کراچی، (۲۰۰۴ء)، ص ۵۹
☆۳۹۔ ایضاً ص ۴۷ ☆۴۰۔ ایضاً ص ۴۷
☆۴۱۔ ایضاً، ص ۸۲ ☆۴۲۔ ایضاً ص ۸۲
☆۴۳۔ ایضاً، ص ۸۵ ☆۴۴۔ ایضاً، ص ۸۷
☆۴۵۔ ایضاً، ص ۱۱۴ ☆۴۶۔ ایضاً، ص ۸۸
☆۴۷۔ ایضاً، ص ۸۸ ☆۴۸۔ ایضاً، ص ۱۱۴
☆۴۹۔ ایضاً، ص ۸۶ ☆۵۰۔ ایضاً، ص ۱۱۴
☆۵۱۔ ایضاً، ص ۹۴ ☆۵۲۔ ایضاً، ص ۸۷
☆۵۳۔ نکاتِ سخن، سید فیض الحسن حسرت موہانی، غضنفر پاکستان، کراچی، (سن ۱۹۸۷ء)، ص ۱۳۶
☆۵۴۔ ایضاً، ص ۱۵۴ ☆۵۵۔ خوشبوئے التفات، ص ۸۶
☆۵۶۔ ایضاً، ص ۸۶ ☆۵۷۔ ایضاً، ص ۱۰۳
☆۵۸۔ ایضاً، ص ۱۱۴ ☆۵۹۔ ایضاً، ص ۱۱۴
☆۶۰۔ ایضاً، ص ۱۰۹ ☆۶۱۔ ایضاً، ص ۱۲۸
☆۶۲۔ تفسیرِ مظہری، جلد اوّل، ص ۱۸۸ ☆۶۳۔ ایضاً، ص، جلد ہفتم، ص ۶۵
☆۶۴۔ ایضاً، جلد دہم، ص ۲۹۹
☆۶۵۔ تاریخ الخلفاء، حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطیؒ، نفیس اکیڈمی، کراچی (سن ۱۹۸۳ء)، ص ۲۴
☆۶۶۔ تفسیرِ مظہری، جلد سوم، ص ۹۲
☆۶۷۔ کشف المحجوب (اردو) حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ، محمد سعید تاجران کتب، کراچی، (صفحات ۱۱۸ اور ۱۲۱، متعلقہ سطور)
☆۶۸۔ ایضاً، ص ۴۱۲، ۴۱۳ ☆۶۹۔ خوشبوئے التفات، ص ۶۴
☆۷۰۔ مقصودِ کائنات، ادیب رائے پوری، مدحت پبلشرز، کراچی، (سن ۱۹۹۸ء)
☆۷۱۔ ایضاً، ص ۵۲ ☆۷۲۔ ایضاً، ص ۵۲
☆۷۳۔ ایضاً، ص ۵۲ ☆۷۴۔ ایضاً، ص ۵۸
☆۷۵۔ ایضاً، ص ۷۴ ☆۷۶۔ ایضاً، ص ۷۷
☆۷۷۔ ایضاً، ص ۷۷ ☆۷۸۔ ایضاً، ص ۷۹
☆۷۹۔ ایضاً، ص ۸۰ ☆۸۰۔ ایضاً، ص ۸۰
☆۸۱۔ ایضاً، ص ۸۴ ☆۸۲۔ ایضاً، ص ۹۲
☆۸۳۔ ایضاً، ص ۱۷۵ ☆۸۴۔ ایضاً، ص ۱۰۰
☆۸۵۔ ایضاً، ص ۱۰۸ ☆۸۶۔ تفسیرِ مظہری، جلد ۶، ص ۲۴۵
☆۸۷۔ مقصودِ کائنات، ص ۲۶۱ ☆۸۸۔ ایضاً، ص ۲۶۶
☆۸۹۔ ایضاً، ص ۲۶۹۔ ☆۹۰۔ ایضاً، ص ۲۷۵
☆۹۱۔ ایضاً، ص ۲۸۵ ☆۹۲۔ ایضاً، ص ۲۸۶
☆۹۳۔ ایضاً ☆۹۴۔ ایضاً، ص ۲۸۷
☆۹۵۔ ایضاً، ص ۲۸۸ ☆۹۶۔ ایضاً، ص ۳۳۷
☆۹۷۔ ایضاً، ص ۳۴۳ ☆۹۸۔ ایضاً، ص ۲۱۴
☆۹۹۔ تفسیرِ مظہری، ص ۳۵۸، جلد ۸
☆۱۰۰۔ سیرتِ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ، مولانا محمد نافع، تخلیقات، لاہور، (سن ۲۰۰۱ء)

اصح السیر ، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف قادری، داناپوری، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، کراچی
امیرالمومنین سیدنا علیؓ شخصیت و کردار، حکیم محمود احمد ظفر، تخلیقات، لاہور، (سن ۲۰۰۳ء)
الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، المکتبۃ السلفیہ، لاہور
تاریخ الاسلام والمسلمین، مسعود احمد، جمعیت المسلمین، عزیز آباد، کراچی، (سن ۱۹۷۶ء)

☆۱۰۱۔ مشکوٰۃ شریف، امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، جلد دوم، ص ۴۷
☆۱۰۲۔ تفسیرِ مظہری، جلد گیارہ، ص ۲۴۱، ۲۴۳
☆۱۰۳۔ ایضاً، جلد چہارم، ص ۱۲۷
☆۱۰۴۔ جاوید نامہ (فارسی و اردو ترجمہ) شرح، ڈاکٹر الفاداحسیم، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، ص ۱۷۷
☆۱۰۵۔ ''نعت رنگ'' ۱۸، ص ۱۸۷
☆۱۰۶۔ ''نعت رنگ'' ۱۸، ص ۵۷۲، بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد یاز دہم، ص ۴۷
☆۱۰۷۔ اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ، کراچی نیز دیکھیے سبزۂ دلبراں حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ، محفل ذوقیہ، ناظم کراچی، (۱۳۱۸ھ)
☆۱۰۸۔ خاتم المرسلین، ص ۱۵۸
☆۱۰۹۔ برگ سدرہ، خلیق قریشی، ص
☆۱۱۰۔ ایضاً، ص
☆۱۱۱۔ ایضاً، ص ۶۱
☆۱۱۲۔ ایضاً، ص ۴۷
☆۱۱۳۔ ایضاً، ص ۹۰
☆۱۱۴۔ ایضاً، ص ۸۴
☆۱۱۵۔ خواب مکرم کے محمد مشتاق قادری، حافظ عبدالکریم سمیع، باغبان پورہ، لاہور، (سن ۲۰۰۳)، ص ۴۳
☆۱۱۶۔ ایضاً، ص ۵۲
☆۱۱۷۔ ایضاً، ص ۵۵
☆۱۱۸۔ ایضاً
☆۱۱۹۔ ایضاً، ص ۶۲
☆۱۲۰۔ ایضاً، ص ۸۷
☆۱۲۱۔ ایضاً، ص ۸۴
☆۱۲۲۔ ایضاً، ۹۱
☆۱۲۳۔ ایضاً، ص ۹۵
☆۱۲۴۔ ایضاً، صفحات ۱۱۵ تا ۱۲۴ بس
☆۱۲۵۔ چراغ حرا، اعجاز رحمانی، قومی ادبی سوسائٹی، پاکستان، کراچی، (سن ۱۹۹۶ء)، ص ۹۲
☆۱۲۶۔ ایضاً، ص ۱۱۹
☆۱۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۸
☆۱۲۸۔ ایضاً، ص ۲۱۵
☆۱۲۹۔ ایضاً، ص ۱۱۸
☆۱۳۰۔ قندیلِ عرش، ص ۵۲
☆۱۳۱۔ ایضاً، ص ۸۷
☆۱۳۲۔ ایضاً، ۱۰۵
☆۱۳۳۔ ایضاً، ص ۱۰۶
☆۱۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۸
☆۱۳۵۔ ایضاً، ص ۵۴
☆۱۳۶۔ ایضاً، ۵۶
☆۱۳۷۔ ایضاً، ۵۷
☆۱۳۸۔ ایضاً، ص ۵۸
☆۱۳۹۔ ایضاً
☆۱۴۰۔ ایضاً، ص ۴۷
☆۱۴۱۔ ایضاً، ص ۷۶
☆۱۴۲۔ ایضاً
☆۱۴۳۔ ایضاً، ۷۷
☆۱۴۴۔ مشکوٰۃ شریف، جلد سوم، ص ۱۵۳
☆۱۴۵۔ قندیلِ عرش، ص ۱۴۱
☆۱۴۶۔ ثنائے حبیبؐ، قاری حبیب اللہ حبیبؔ، کراچی، ص ۵۶
☆۱۴۷۔ ایضاً، ص ۷۷
☆۱۴۸۔ ایضاً، ص ۱۱۴
☆۱۴۹۔ ایضاً، ص ۱۳۶
☆۱۵۰۔ ایضاً، ص ۱۳۷
☆۱۵۱۔ ایضاً، ص ۱۴۸

☆۱۵۲۔ ایضاً، ص۱۸۲
☆۱۵۳۔ ایضاً، ص۱۹۲
☆۱۵۴۔ ایضاً
☆۱۵۵۔ ایضاً، ص۱۵۲
☆۱۵۶۔ کرم ونجات کا سلسلہ، ص۱۲۷
☆۱۵۷۔ اردو نعت اور جدید اسالیب، فضلی سنز، اردو بازار، کراچی، (سن ۱۹۹۸ء) ص۸۱
☆۱۵۸۔ ضربِ کلیم، ص۳۴، کلیاتِ اقبال اردو، سرو سز بک کلب، لاہور، (سن ۱۹۹۵ء)، ص۴۹۶
☆۱۵۹۔ ایضاً، کتاب حوالہ ۱۵۷، ص۹۳
☆۱۶۰۔ اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات، سیّد وحید اشرف کچھوچھوی، خطیب کتاب گھر اینڈ پرنٹرس، خاص بازار، احمد آباد، بھارت، صفحات ۱۰۹ تا ۱۱۲
☆۱۶۱۔ ایضاً، کتاب حوالہ ۱۵۷، ص۸۰

دیگر کتب: ترجمہ قرآنِ کریم، از مولانا سیّد شبیر احمدؒ، تفسیری حاشیہ کنز الایمان از مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی، نوراللغات، مؤلفہ مولوی نور الحسن نیر مرحوم، ولائے رسول ﷺ مجموعہ نعت حضرت علامہ قمر رعینی، ارمغان نعت، مرتبہ شفیق بریلوی، جواہر النعت، نعتیہ انتخاب مرتبہ عزیز صابری (عزیز احسن)

☆

ڈاکٹر سراج احمد قادری۔ بھارت

نعت گوئی کا تقدس اور اس کی تنقیدی قدریں

کسی بھی ادبی صنف کو تنقید سے اس کے حسنِ ظاہری اور باطنی میں کمال پیدا ہوتا ہے اور اس عمل سے اس صنفِ سخن کو ارتقا کی آخری منزل سے ہم کنار کیا جاسکتا ہے۔ منکرین کا اپنا نقطۂ نظر پیش کر کے ادب کی اس صنف کے لیے نئے نئے گوشوں کو اُجاگر کرنا ہوتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی پر اہلِ نقد ونظر نے قلم اُٹھا کر ان کو عروج و ارتقا کی آخری سرحد پر پہنچانے کی کوشش کی ہے اور ان کے اس عمل سے فکر وفن، شعور و آگہی کی اَن گنت نقوش منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ہیں۔

نعتیہ ادب پر بھی تنقیدی مقالے اور مضامین قلم بند کیے جا رہے ہیں۔ لوگوں کی توجہ اس جانب مائل ہو رہی ہے۔ لوگ چاہ رہے ہیں، نعتیہ ادب پر تنقیدی مضامین لکھ کر اس عظیم فن کو بھی دیگر اصناف ادب کے ہم سر یا ان سے بالاتر بنا سکیں۔ مگر جتنے بھی لوگ تنقید نعت پر لکھ رہے ہیں ان کے قلم میں ارتعاش اور فکر میں خوف ہے۔ اسی لیے لوگ اپنی بات بہت ہی محتاط انداز میں لکھ کر اپنا فرض پورا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر میرے اپنے خیال میں صرف فرضِ کفایہ پورا کردینے سے نعت کی تنقید کا کام پورا نہیں ہوجائے گا جب تک مستعدی سے اس میدان میں نیک نیتی اور دل جمعی سے قدم نہیں جمایا جائے گا۔

نعتیہ ادب کی تنقیدی قدریں متعین کرنے کے لیے ہمیں بہت ہی سنجیدگی سے اس موضوع پر غور کرنا ہوگا۔ اگر ہم اس کی تنقیدی قدریں اپنی ذہنی اپج یا عقائد کی روشنی میں متعین کرنے کی کوشش کریں تو میرے اپنے خیال میں نعتیہ ادب کی تنقید کا کام کم اور اختلافِ عقاید کی باتیں زیادہ ہوں گی جس سے تنقید نعت کی قدریں یقیناً مجروح ہوں گی۔ اگرچہ عقائد کے بارے

میں بعض دانش وروں کا خیال ہے کہ ادب میں عقیدے یا نقطۂ نظر کے بغیر ادب وجود میں نہیں آسکتا مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں عقاید کو اپنا عقیدہ قرار دیا جائے جو قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہیں۔

میں نے اپنے ایک مضمون ''آدابِ نعت گوئی کے اساسی پہلو'' میں واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ نعت گوئی کا تعلق براہِ راست ایمان و کفر سے ہے۔ اگر شریعت کی روشنی میں اس کے معیار پر نعتیہ اشعار کہے گئے ہیں تو یقیناً وہ سعادت و نیک نیتی اور صدہا پزیرائی کے لائق ہیں۔ لیکن اگر شریعت کے خلاف اور بارگاہِ نبوی ﷺ کے آداب کے منافی فکر وفن کو استعمال کیا گیا ہے تو نعت گوئی کا عمل نعت کو سیدھے جہنم میں لے جائے گا۔

فارسی زبان و ادب کے ماہر جناب نظامی عروضی سمرقندی نے اپنی عظیم ادبی شاہ کار ''چہار مقالہ'' میں شعر و شاعری سے متعلق بنیادی احکام بیان کیے ہیں اور واضح انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ شاعر کو کن کن خوبیوں سے متصف ہونا چاہیے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

> اما شاعر باید سلیم الفطرۃ، عظیم الفکر، صحیح الطبع، جید الروایہ، دقیق النظر اشد در انواع علوم متنوع باشد و در اطراف وسوم مستطرف زیرکی چناں کہ شعر و دہر علم بکار، ہمی شود و ہر علمے در شعر بکاری شود۔
>
> ترجمہ: لیکن شاعر کو چاہیے کہ سلیم الفطرت، بلند فکر، صحیح طبیعت، عمدہ خیال اور دقیق نظر ہو اور تمام طرح کے علوم کا جان کار ہو اور علاقائی محاوروں اور کہاوتوں سے آشنا ہو کیوں کہ جس طرح شعر کا تمامی علوم میں کام پڑتا ہے اس طرح شعرگوئی میں عام علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ بھی نظامی عروضی سمرقندی نے اپنی اسی شاہ کار میں تحریر فرمایا ہے کہ شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اس میدان میں قدم رکھنے سے پہلے متقدمین اور معاصرین شعرا کے صدہا اشعار، محاورے، کہاوتیں یاد ہونی چاہیے تا کہ جب وہ شعر کہنے کے لیے کسی موضوع پر فکر کریں تو ان کی فکر متقدمین اور معاصرین شعرا کی فکر سے جلا حاصل کر سکے جس سے کہ وہ بے راہ روی کے شکار نہ ہوں۔

میرے اپنے خیال میں اگر نعت گو شعرا عربی کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ اور اس کے زیادہ سے زیادہ اشعار مستحضر کرنے کے بعد آقائے محترم ﷺ کی نعت کہنے کے لیے فکر کریں تو وہ

یقیناً شانِ رسالت کے منافی پہلوؤں کے در آنے سے اپنے کلام کو محفوظ رکھ سکتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی نعت ان کی بزرگی اور ان کی بارگاہِ عالی جاہ کے ادب و احترام کی مناسبت سے نعت گوئی یا نعت نگاری کا حق ادا کرسکتے ہیں۔ میں نے عربی کی نعتیہ شاعری کے مطالعے کی جو بات عرض کی ہے صرف اس وجہ سے کہ عربی نعتیہ شاعری ہی کو براہِ راست بارگاہِ رسول اکرم ﷺ میں قبولیت کا شرف اور اعتبار کا درجہ حاصل ہے اور دنیا کی تمام زبانوں میں پائے جانے والے نعتیہ ادب کے سرمائے کا ماخذ و منبع عربی نعتیہ شاعری ہی ہے۔☆[۱]

ان سب چیزوں کے علاوہ نعت گوئی کے لیے میرے رسول اکرم ﷺ سے واقفیت لازمی ہے۔ اس لیے کہ اس فن میں حضور رحمت ﷺ کے عادات و اطوار، خصائل و فضائل کا ذکر ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک ان کے اسوۂ حسنہ، فضائل و خصائل وغیرہ کی معلومات کے لیے قرآن و حدیث کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اگر نبی اکرم ﷺ سے نعت گو واقف نہیں ہے، قرآن و حدیث کے مطالعے سے بے بہرہ ہے جس واقعے کو وہ نظم کرنا چاہتا ہے اس سے اس کی پوری واقفیت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس سے لغزش کا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔
چناں چہ جناب عاصی کرنالی صاحب اپنی ایک نعت پاک میں رقم طراز ہیں:

ہم نے بڑھ کر جالیوں کو چھو لیا
بے بسی سے پاسباں دیکھا کیے☆[۲]

محترم کرنالی صاحب! اپنی نعت پاک کے مذکورہ شعر سے تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے حضور نبی اکرم کے روضۂ مبارک کی جالیوں کو چھو کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کیوں کہ روضۂ رسول ﷺ پر متعین نگراں کی موجودگی میں ہم نے کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے جب کہ ان کی ڈیوٹی ہے کہ وہ روضۂ رسول ﷺ کی جالیوں کو چھونے یا بوسہ دینے سے لوگوں کو روکیں۔ محترم! کرنالی صاحب نے اگر رسول اکرم ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت کے آداب کا مطالعہ کیا ہوتا تو میرے خیال میں اس طرح کا شعر ان کی فکر کا موضوع نہ بنتا۔
چناں چہ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کے روضۂ پاک کی زیارت کے آداب مولانا احمد رضا بریلویؒ کی کتاب ''انوار البشارۃ فی مسائل الحج الزیارۃ'' سے ایک اقتباس۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ یہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ ان کی رحمت کیا کم ہے

کہ تم کو اپنے حضور بلایا ہے اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمھاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمدللہ۔

الحمدللہ اب دل کی طرف تمھارا منھ بھی اس پاک جالی کی طرف ہوگیا۔ جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان ﷺ کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب و وقار کے ساتھ، آواز حزیں وصورت درد آگیں و دل شرم ناک وجگر چاک چاک معتدل آواز سے، سخت و بلند (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہوجاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سنت کے خلاف ہے)۔ اگرچہ وہ تمھارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحات سے گزرا۔☆۳

یہاں پر علامہ ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر پیش کیا جارہا ہے۔ ان کے سامنے بھی حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کی جالیاں ہیں مگر وہ اسے چھونے یا بوسہ دینے کے بجائے انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کھڑے ہوکر بارگاہِ رسول اکرم ﷺ میں صلوٰۃ والسلام کا نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں اور شریعت کا بھی یہی حکم ہے۔ چناں چہ حضور سیّدی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کرکے تھوڑا ٹھہرو جیسے سرکار سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو۔ بسم اللہ کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ کر ہمہ تن ادب ہوکر داخل ہو۔

اب ملاحظہ ہو علامہ ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ شعر جو سراپا شریعت کی روشنی میں کہا گیا ہے:

سنہری جالیاں پیشِ نظر ہیں
سلاموں کی صدائیں یاد آئیں

اس وقت میرے پیشِ نظر مجلّہ ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۱۴، ص۲۱۷ پر شائع رشیدہ عیاں (نیوجرسی۔امریکا) کی ایک نعت پاک ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کے روضۂ مقدس کی جالی مبارک کو اپنی فکر کا موضوع بنایا گیا ہے۔ مگر اس پوری نعت پاک میں کس قدر شریعت کی پاس داری کی گئی ہے۔ وہ بہ ذاتِ خود عیاں ہے، ملاحظہ ہوں:

کروں آقا، چراغاں مَیں ترے روضے کی جالی پر
کہ آنکھوں کے دیے رکھ دوں ترے روضے کی جالی پر

اگر بادِ حوادث ریزہ ریزہ کرکے بکھرا دے
تو بن کر خاک جم جاؤں ترے روضے کی جالی پر
یہ ہیں تارِ نظر کے درمیاں حائل مگر پھر بھی
میں اشکوں کے گہر واروں ترے روضے کی جالی پر
قفس گر ٹوٹ جائے طائرِ روح مقید کا
اُڑوں اور اُڑ کے جا بیٹھوں ترے روضے کی جالی پر
اگر ہم حلقہ روزن ہو نورِ جلوہ سامانی
تو میں سر رکھ کے مر جاؤں ترے روضے کی جالی پر
ہزاروں بار گر اللہ مجھ کو خلق فرمائے
تو میں ہر بار مٹ جاؤں ترے روضے کی جالی پر
عیاں مل بھی اگر جائے متاعِ قیصر و کسریٰ
تو سب قربان کر ڈالوں ترے روضے کی جالی پر☆۵

نعت گوئی میں عمومی طور سے جہاں تک غیرشرعی امر کے جگہ پانے کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ انھیں میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب نعت گو حضور اکرم ﷺ کی نعت پاک رقم کرتا ہے تو اس وقت وہ محبتِ رسول میں اس قدر مستغرق و سرشار ہوتا ہے کہ اس کی اپنی ساری معلومات پہ اس کی سرشاری غالب آجاتی ہے جب کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ علم اس لیے حاصل کیا جاتا ہے کہ وہ مشکل وقت میں رہ نمائی کرکے اس کو طمانیتِ قلب و روح عطا فرمائے۔ چناں چہ ایک شعر مولانا احمد رضا بریلویؒ کے نعتیہ دیوان ''حدایقِ بخشش'' سے ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں:

پیشِ نظر وہ نو بہار، سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے☆۶

آپ ایک لمحے کے لیے سوچ سکتے ہیں کہ جب اتنے بڑے عالمِ دین کا نعت گوئی میں یہ حال ہوسکتا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے درِ دولت پہ حاضر ہوکر عشقِ رسول میں اس قدر بے خود ہوسکتے ہیں کہ اپنے آپ کو سنبھالنے میں ناکامی محسوس کرتے ہیں تو وہ نعت گو شعرا جو ان کے مقابلے میں کم تر درجے کے ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ مگر اس کا مطلب بالکل یہ نہیں ہوسکتا کہ نعت گو عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر جو کچھ بھی کہہ دے گا اسے قبول ہی کرلیا جائے گا۔ ایسا

ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ اس ہر قول و فعل کا محاسبہ و محاکمہ کیا جائے گا ورنہ تنقیدِ نعت کا کام منجمد ہوکر رہ جائے گا۔ ہماری نگاہوں کے سامنے سیرتِ پاک اکرم ﷺ کے وہ نقوشِ زرّیں آج بھی ہماری رہ نمائی کے لیے کافی ہیں۔ جب مشہور صحابیِ رسول نعت گوئی کے میرِ کارواں حضرت سیّدنا کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کو اپنا قصیدہ ''بانت سعاد'' سنا رہے تھے اور حضورِ کمال ﷺ توجہ کے ساتھ سماعت فرما رہے تھے۔ آپ اک لمحے کے لیے محسوس کرسکتے ہیں کہ جب ہم اور آپ روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہوتے ہیں تو ہمارا کیا حال ہوتا ہے اور جب وہ گنبدِ خضریٰ کے مکیں سراپا حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رہے ہوں گے اور حضرت کعب اپنا قصیدہ سنا رہے ہوں گے تو اس وقت ان کے عشقِ رسول کا کیا عالم رہا ہوگا۔ چناں چہ جب وہ اپنے مذکورہ قصیدہ کے اس اکیانویں شعر پر پہنچے:

ان الرسول لنور يستضاء به
مهند من سيوف الله سلول

تو انھوں نے سیوف اللہ کی جگہ سیوف الہند کا لفظ استعمال کیا۔ اس پر سرکارِ دوعالم ﷺ نے انھیں روکا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے سیوف الہند کی جگہ سیوف اللہ کہو۔ حضرت سیّدنا کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً قبول بھی فرما لیا۔ حضرت سیّدنا کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مقدس عمل سے ہم کو ایک نکتۂ نظر ملتا ہے کہ نعت گوئی کے حوالے سے تنقید نگار یا محاکمہ کرنے والے حضرات جس مقام پر بھی متوجہ کریں ان کی اس بات کو خاطر خواہ قبول کرنا چاہیے مگر تنقید نگار کو بھی ساتھ ہی ساتھ قوی دلائل لازماً پیش کرنا چاہیے۔

نعتیہ ادب کی تنقید کا کام دیگر اصنافِ ادب کے تنقیدی کام سے قدرے مختلف ہے اس لیے کہ نعت پاک کا تعلق ایمانیات سے ہے۔ اگر نعت گو نے خلافِ ایمان کوئی لمبی بات کہی ہے تو فوراً اس سے اس کو آگاہ کرنا ضروری ہے اور کچھ امور تو ایسے ہیں کہ اگر اس کو واقف نہیں کرایا جائے گا تو واقف خود گناہ گار ہوگا۔ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ حضرت سیّدنا کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کو اپنا قصیدہ سنا رہے تھے اور جب سیوف الہند کے مقام پر پہنچے تو آپ نے فوراً ان کو روکا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے سیوف الہند کی جگہ سیوف اللہ کہو اگر آپ چاہتے تو پورا قصیدہ سماعت فرمانے کے بعد بھی حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی اس لغزش سے آگاہ فرما سکتے ہیں۔ مگر نعت گوئی کی نازکیِ فن میں احتیاط کے پیشِ نظر آپ نے فوراً اسی مقام

پر حضرت سیدنا کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روکا اور ان کی اصلاح فرمائی۔

فنِ نعت میں غیر شرعی امور یا بے احتیاطیوں کے جگہ پانے کی جو وجوہات میں نے بیان کی ہیں وہ میرا نقطۂ نظر یا میری اپنی سوچ ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ میرے اس نقطۂ نظر سے اتفاق ہی کریں۔ چناں چہ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی نعت میں بے احتیاطیوں کے حوالے سے اپنے محسوسات یا نقطۂ نظر کو بایں طور پر بیان فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

زبان و بیان سے لاعلمی کی بنا پر غلطی کا امکان تو رہتا ہی ہے لیکن اس زمانے میں جدیدیت کے نام پر زبان میں نہ صرف بناؤ کے مقابلے میں بگاڑ زیادہ پیدا ہو رہا ہے بلکہ اسے دانستہ نعت پر آزما کر شاعر ایسی فاش غلطیوں کا مرتکب ہو رہا ہے کہ اسے بھی احساس نہیں ہوتا کہ شعر سے مدح کا پہلو نکلتا ہے یا ذم کا۔ اگر نعت سے ہٹ کر کوئی عام موضوع ہوتا تو ہم کوئی تعرض نہ کرتے لیکن نعت میں ایسی فاش اغلاط کو دیکھ کر جس میں ذم کا پہلو نمایاں ہے، خاموش رہنا خود جرم کا مرتکب ہونا ہے۔ اس لیے یہاں "ٹوک دو گر غلط کہے کوئی" پر عمل کرنا اپنا فرض بن جاتا ہے۔☆۷

نعتیہ ادب کی تنقید میں زبان و بیان، عروض و معانی کی غلطیوں سے تو صرفِ نظر کیا جاسکتا ہے جو فنِ شاعری کے لوازمات کے ضمن میں ہیں لیکن اگر نعت گو شاعر نے خلافِ ایمان کوئی بات کہی ہے تو اسے قطعاً نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ نعت کے کسی بھی تنقیدی جائزہ لینے سے قبل ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اس کے ہر ہر لفظ کے جتنے بھی ممکنہ معانی و مطالب اہلِ لغت نے متعین کیے ہیں ان کو ذہن میں رکھیں اور پھر پورے شعر کو پڑھ کر اس کا مفہوم متعین کریں۔ اس کے بعد دیکھیں کہ جو ہم نے معانی و مفاہیم متعین کیے ہیں ان میں کون سا ایسا مفہوم ہے جو ایمان کی سلامتی کی نشان دہی کرتا ہے اور کون سا مفہوم ایسا ہے جو کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بعد نعت گو کی نیک نیتی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے مومن ہونے کے پہلو کو مقدم رکھیں۔

نعت گوئی کے فن میں ضروری ہے کہ جو الفاظ استعمال کیے جائیں وہ صریح ہوں موہوم لفظ کا استعمال قطعاً نہ کیا جائے۔ اس فن میں غلطیوں کے در آنے کی جہاں بہت ساری وجوہات ہیں انھیں میں موہوم لفظ کا استعمال بھی ہے۔ اگر نعت گو اپنے کلام میں صریح المعانی لفظ کا استعمال کرے تو کلام میں غلطیوں کے در آنے کا امکان نہیں رہتا۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شعر کے بارے میں شرعی حکم جاننے کے لیے استفسار کیا گیا تو آپ نے اس شعر کا شرعی حکم بیان فرماتے ہوئے اس میں جو تاویل کی گنجائش تھی وہ بھی واضح فرما دی۔ نعتیہ ادب کی تنقید میں

ایک سب سے بڑا پہلو جو ہے وہ کسی بھی شعر یا لفظ کی تاویل کا پہلو ہے۔ اگرچہ اس سے مراعات کی کافی گنجایش رہتی ہے مگر پھر بھی اہلِ علم ایسا لفظ استعمال کرنے سے منع فرماتے ہیں جس میں بے جا تاویل کی ضرورت پڑے۔ ملاحظہ ہو مولانا احمد رضا بریلویؒ کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' سے اقتباس:

> مسئلہ از ناگور واڑ دکان سیّد محمد صدیق، سیّد لعل سوداگراں، رسالہ مذکور میں ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:
>
> مرے سرکار دو عالم کا رُتبہ کوئی کیا جانے
> خدا سے ملنا چاہے تو محمد کو خدا جانے
>
> کیا عام طور پر حضور ﷺ کی میلاد شریف میں پڑھنا درست ہے یا نہیں؟
>
> جواب: اس شعر کا ظاہر صریح کفر ہے اور اس کا پڑھنا حرام ہے اور جو اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہے یقیناً کافر ہے۔ ہاں اگر بہ قرینۂ مصرع اولیٰ یہ تاویل کرے کہ خدا سے ملنا چاہے تو یوں سمجھے محمد ﷺ کے رُتبے کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تو یہ معنی صحیح ہیں، مگر ایسا موہوم لفظ بولنا جائز نہیں۔ ردّالمختار میں ہے: **مجرو ایهام المعنی المحال کاف المنع واللہ تعالی اعلم۔**☆۸

اس نعت میں میرے پیشِ نظر جناب عزیز احسن صاحب کی کتاب ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' ہے۔ جناب عزیز احسن صاحب نے تنقیدِ نعت کا کام جس مستعدی اور بغیر کسی تہمت و لائم کے شروع کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ میں نے ''نعت رنگ'' کے جن شماروں کا اب تک مطالعہ کیا ہے ان میں تقریباً ہر ایک شمارے میں جناب عزیز احسن صاحب کے تنقید و تخلیقی مضامین ضرور دیکھے ہیں جن کا میں نے گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ بھی کیا ہے۔ ان کی ایک خوبی مجھے بہت اچھی لگی وہ یہ کہ جس کسی کے یہاں بھی وہ خلافِ شریعت یا نعت گوئی کے فن کے خلاف کوئی بات دیکھتے ہیں فوراً ہی اس کا محاسبہ فرماتے ہیں اور اس پر تفصیل سے لکھتے ہیں لیکن محاسبہ اور محاکے کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ہم اپنی مرضی سے کسی لفظ کے معانی و مفاہیم متعین کریں۔ ہمیں کسی بھی واقعے کا محاسبہ کرنے سے پہلے اس کے مستند مراجع کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ چناں چہ جناب عزیز احسن صاحب نے جناب شریف امروہوی کے درج ذیل شعر:

حاملانِ عرش کے لب پر تھے نغمات و دُرود
عرش کے وارث نے جب کھولا ہے تالا عرش کا[۹]

کو اپنی کتاب ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' میں دو مقامات پر نقل فرمایا ہے، ص ۳۵، ۳۶ اور ص ۱۴۵ پر اس شعر کا محاسبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اس شعر پر پورا مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔ مختصراً عرض ہے اس شعر کو پڑھ کر ذہن معراج کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ (۱) عرش پر تالا پڑا تھا اور اسے حضورﷺ نے کھولا۔ یہ تصور واقعاتِ معراج کے تو خلاف ہے ہی دینی فراست کے بھی خلاف ہے۔ (۲) ''عرش کا وارث'' اگر اپنی معانی میں استعمال ہوا ہے جن معنی میں ''تخت کا وارث'' یا ''ولی عہد'' ہوتا ہے تو یہ اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔ کیوں کہ وارث کو تو تخت کسی کی موت کے بعد ملتا ہے۔ شاعر موصوف نے یقیناً ایسے نہیں سوچا ہوگا لیکن شعر کا لہجہ یہی ظاہر کرتا ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم کے مطابق ہر شے کا وارث اللہ ہے۔

میں نے ابھی پیچھے عرض کیا ہے کہ نعت گوئی کے لیے سیرتِ رسول اکرمﷺ سے واقفیت لازمی ہے۔ اس لیے کہ اس فن میں حضور رحمتِ عالمﷺ کے عادات و اطوار، فضائل و خصائل کا ذکر ہوتا ہے۔ حضور اکرمﷺ کی سیرتِ پاک ان کے اسوۂ حسنہ فضائل و خصائل کی معلومات کے لیے قرآن و حدیث کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اگر سیرتِ سیّدِعالمﷺ سے نعت گو واقف نہیں، قرآن و حدیث کے مطالعے سے بے بہرہ ہے۔ جس واقع کو وہ نظم کرنا چاہتا ہے اس سے اس کی پوری واقفیت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس سے لغزش کا واقع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جناب شریف امروہوی سے جو اس شعر میں لغزش ہوئی اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انھوں نے واقعاتِ معراج کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مطالعہ نہیں کیا تھا، ورنہ وہ اس طرح کا شعر بالکل ہی نہ رقم فرماتے۔ ان کو معلوم ہی نہیں عرش کے دروازے کس نے کھولے، خود حضور اکرمﷺ یا عرش پر موجود انبیاے کرام نے واقعاتِ معراج کے سلسلے میں متعدد روایات کتبِ احادیث میں مرقوم ہیں۔ چناں چہ ''بخاری شریف'' میں باقاعدہ ایک باب ''باب المعراج'' نام سے ہی ہے۔ اسی حدیث پاک کو محدثین کرام نے واقعاتِ معراج کے سلسلے میں گفتگو کو موضوع بنایا ہے۔ چوں کہ حدیث پاک بہت طویل ہے جس میں عرش کا دروازہ کھلنے یا کھلوانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

فانطلق بی جبریل حتی الی السماء الدنیا فایستفتح فصل. من هذا قال جبریل قیل و من معک قال محمد قیل. وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا به فنعم المجی جاء ففتح۔

ترجمہ: اس کے بعد جبریل مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان تک پہنچے اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ پوچھا گیا ''کون ہیں؟'' انھوں نے بتایا ''محمد ﷺ ہیں۔'' پوچھا گیا کہ ''کیا ان کو بلایا گیا ہے؟'' جبریل نے کہا ''ہاں۔'' کہا گیا ''مرحبا خوش آمدید۔'' پھر دروازہ کھول دیا گیا۔

جناب عزیز احسن صاحب نے جناب شریف امروہوی کا جو محاسبہ فرمایا ہے وہ یہ کہ گویا عرش پر تالا پڑا ہوا تھا اور اسے حضور ﷺ نے کھولا۔ یہ تصور واقعاتِ معراج کے خلاف تو ہے ہی دینی فراست کے بھی خلاف ہے۔ یہاں پر میں جناب عزیز احسن صاحب سے صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہوں گا کہ ان کو جناب شریف امروہوی صاحب کو واضح طور بتانا چاہیے کہ آپ نے جس واقعے کو اپنی فکر کا موضوع بنایا ہے اس میں قرآن و حدیث کا یہ حکم ہے اور خود حضور اکرم ﷺ نے عرش کا دروازہ نہیں کھولا بلکہ عرش پر موجود انبیاے کرام علیہم السلام نے کھولا اور آپ ﷺ کا خیر مقدم فرمایا۔ جہاں تک عرش پر تالا کھولنے کی بات ہے تو اس بات کا ذکر یا ثبوت حدیث پاک میں صراحتاً نہیں فرمایا گیا ہے۔ مگر جہاں تک عرش کے دروازے کے بند ہونے کی بات ہے تو اس سلسلے میں باقاعدہ صراحت کے ساتھ حدیث پاک کے الفاظ موجود ہیں۔ جناب عزیز احسن صاحب کے مطالعے میں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''معراج النبی ﷺ'' آچکی ہے جس میں معراج اور واقعاتِ معراج سے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور معراج مصطفیٰ ﷺ پر کیے گئے تمام طرح کے اعتراضات شکوک و شبہات کے جوابات مدلل انداز میں دیے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس کتاب ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' میں ص ۱۲۱ پر اس کے حوالے قلم بند کیے ہیں۔ جناب عزیز احسن صاحب کو واضح طور پر لکھنا چاہیے تھا کہ عرش پر تالے نہیں بند تھے بلکہ خود عرش کے دروازے بند تھے اور جب جس آسمان پر سرکارِ دوعالم ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا تو باقاعدہ وہاں پر موجود نبی نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ آپ کون اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ اس پر حضرت جبریل نے عرض کیا کہ میں جبریل اور میرے ساتھ حضرت نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں ان کو معراج کے لیے بلایا گیا ہے۔ فوراً

انبیائے کرام علیہم السلام نے دروازہ کھولا اور حضور اکرم ﷺ کو معراج میں بلا لانے پر مبارک باد پیش کی۔

جناب عزیزاحسن صاحب نے اس شعر میں مستعمل فقرہ ''عرش کے وارث'' کی توضیح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں اگر ان ہی معنی میں استعمال ہوا ہے جن معنی میں ''تخت کا وارث'' یا ''ولی عہد'' ہوتا ہے تو یہ اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔ کیوں کہ وارث کو تو تخت کسی کی موت کے بعد ملتا ہے۔ شاعر موصوف نے یقیناً ایسے نہیں سوچا ہوگا لیکن شعر کا لہجہ یہی ظاہر کرتا ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم کے مطابق ہر شے کا وارث اللہ ہے۔ محترم! عزیزاحسن صاحب کی توضیح پڑھ کر مجھے گوناگوں حیرت ہوئی کہ وہ ایک نعت گو شاعر کے کلام کا ناقداً جائزہ لینے بیٹھے ہیں یا کچھ اور کرنے۔ ظاہری بات ہے جب بھی کسی شعر کی توضیح و تشریح کی جاتی ہے اس کا ناقداً جائزہ لیا جاتا ہے تو اس کے ممکنہ معانی و مطالب پر نظر ہوتی ہے اور پھر ان ممکنہ معانی و مطالب سے مفاہیم متعین کیے جاتے ہیں جس سے شعر کی جولانیت کا اندازہ ہو اور اس کی سچی تصویر اُبھر کر سامنے آسکے اگر ہم پر ہر لفظ کو اس کے حقیقی معنی ہی پر محمول و منطبق کریں گے، پھر تو ہم کسی بھی کلام کا ناقدانہ جائزہ لے چکے اور اس کی قدریں متعین کر چکے۔

اگر ہم قرآنِ پاک کی آیتِ کریمہ **یداللّٰہ فوق ایدیھم** کا لفظی ترجمہ کریں تو اس کا ترجمہ بتائے گا ''اللہ جل مجدہ کے لیے ہاتھ ہے جب کہ عقیدۂ اسلامی اس کے برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام طرح کے جسم و جسمانیات سے پاک ہے۔

اسی طرح جناب عزیزاحسن صاحب نے اپنی اسی کتاب ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' ہی میں تقریباً دو مقام پر ایک ہی واقعہ کو نقل فرمایا ہے، چناں چہ ص ۲۷۔۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ اکثر نعت نگاروں نے کیا ہے اور کیوں نہ ہو جب خود رسول اللہ ﷺ نے اس ذکر کو پسند فرمایا ہے۔ ایک شادی کے موقع پر کچھ لڑکیاں دف بجا کر شہدائے بدر کی شجاعت کا نغمہ گا رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے گرہ لگائی کہ ہم میں ایسا نبی موجود ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔ رسولِ گرامی نے فرمایا، ''یہ بات مت کہہ اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔'' اس روایت سے جہاں بعض شرعی نکات مستنبط ہوتے ہیں وہیں صحابہ کرام کے تذکرے سے آپ کی خوشنودی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راست فکر رکھنے والے تمام نعت گو شعرا نے مدحِ مصطفیٰ میں مناقبِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

کو بھی شامل رکھا ہے۔ ص۱۰۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا، ''من سیوف اللّٰہ...'' (بحوالہ حقیقتِ عمرہ۔ زخترِ عالم) اس طرح حضور ﷺ نے اسلامی ادب کو مقامیت سے آفاقیت کی راہ پر ڈال دیا اور شعر وسخن کا قبلہ درست فرما دیا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک جگہ کچھ لڑکیاں دف بجا کر بدر کے کچھ شہدا کی شجاعت بیان کر رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے کہا، ''ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''یہ بات مت کہہ اور جو تو نے پہلے کہی تھی وہی کہہ قالت احدھن و فینا نبی یعلم ما فی غد فقال و نمی ھذا و قولی بالذی کنت تقولین۔'' (مشکوٰۃ جلد دوم، باب اعلان النکاح)[۱۰]

محترم عزیز احسن صاحب نے مذکورہ واقعے کو دونوں مقامات پر خلط مبحث کے طور پر نقل فرمایا ہے جس موضوع پر وہ گفتگو فرما رہے تھے اس سے اس واقعے کا کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے۔ مذکورہ واقعے میں چوں کہ ایک ایسے لفظ کا استعمال فرمایا گیا ہے جس سے علمِ غیب مصطفیٰ پر روشنی پڑتی ہے اور پھر قولِ مصطفیٰ کے ذریعے ہی اس سے مناہی بھی فرمائی گئی ہے۔ جو عصرِ حاضر میں ایک مخصوص گروپ کا عقیدۂ خاص ہے۔ شاید کہ اسی سے جناب عزیز احسن نے شرم سار ہوکر بحث کے طور پر دو دو مقامات پر مذکورہ واقع کو نقل فرمایا ہے اور ص۷۳ پر بڑی ہی احتیاط سے صرف اتنا ہی تحریر فرمایا ہے کہ ''اس روایت سے جہاں بعض شرعی نکات مستنبط ہوتے ہیں وہیں صحابہ کرام کے تذکرے سے آپ کی خوشنودی بھی ظاہر ہوتی ہے۔'' مگر انھوں نے ان شرعی نکات کا خلاصہ نہیں فرمایا۔

محترم! عزیز احسن صاحب سے میں صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہوں گا کہ یعلم مافی غد کا لفظ یا عقیدہ اگر اتنا ہی معیوب ہوتا تو شاعرِ دربارِ رسالت جناب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعاً اپنے نعتیہ کلام میں اس لفظ کا استعمال نہ فرماتے۔ چناں چہ وہ رقم طراز ہیں:

نبی یری مالا یرالناس حوله
و یتلو کتاب اللّٰه فی کل مسجد
و ان قال فی یوم مقالة غائب
فتصد یقها فی الیوم او فی ضحی الغد

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ان تمام چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جن کو عام انسان

اپنے گرد و پیش میں بھی نہیں دیکھ پاتے۔

اگر غیب کے متعلق کسی شخص نے کبھی سوال کیا تو اس کی خبر یا تو اسی دن دے دی یا دوسرے دن صبح کے وقت۔☆۱۴

تاریخِ نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام و مرتبہ ہے وہ جناب عزیز احسن صاحب بھی جانتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے جن کے لیے دعائیں فرمائیں ہوں، جن کی تائید میں حضرت جبریل امین لگے رہے ہوں، جن کے لیے مسجدِ نبوی شریف میں منبر بچھایا گیا ہو، جن کے نعتیہ کلام کو حضرت نبی اکرم ﷺ نے براہِ راست سماعت فرمایا ہو اگر **یعلم ما فی غد** کا عقیدہ اتنا ہی معیوب ہوتا تو جس طرح سے آپ نے حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ کی اصلاح فرمائی تھی۔ اسی طرح یقیناً حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی اصلاح فرماتے۔ شادی کے موقع پر آپ نے کیوں ان لڑکیوں کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ''یہ بات مت کہہ، جو پہلے کہی تھی وہی کہہ۔'' اس کا پس منظر کچھ اور ہی ہے۔ جناب عزیز احسن صاحب کو اس کا پس منظر جاننے کے لیے شارحینِ حدیث کی جانب رجوع کرنا چاہیے نہ کہ غلط توضیح وتشریح اور بے جا تنقید کرنا چاہیے۔

الحاصل جس طرح نعت گوئی کے لیے سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ قرآن واحادیث اور عربی و فارسی کے مستند متقدمین نعت گو شعرا کے کلام کا علم ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح نعتیہ ادب کے تنقید نگار کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ جس شعر کی توضیح وتشریح یا تنقید پر قلم اُٹھانے جارہا ہے اس کے بارے میں قرآن واحادیث، مفسرین ومحدثین، سیرت نگار اور متقدمین نعت گو شعرا کے اقوال وارشاد کو پیشِ نظر رکھ کر ہی اپنا موقف واضح کرے۔ میرے اپنے خیال میں اگر اس طرح تنقیدِ نعت کا کام کیا جائے گا تو یقیناً تنقیدِ نعت کی سمتیں اور جہتیں روشن ہوں گی۔ لیکن اگر من مانی طور پر تنقیدِ نعت کا کام کیا گیا تو لازمی طور پر مشکلات درپیش آئیں گی۔

ماخذ و مراجع

☆۱۔ ماہ نامہ ''کنزالایمان''، شمارہ اپریل ۲۰۰۴ء، جامع مسجد دہلی، ص ۲۹۔۳۰

☆۲۔ مجلّہ ''نعت رنگ''، شمارہ نمبر ۱۳، اقلیمِ نعت، کراچی، ص ۲۲۷

☆۳۔ ''انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ''، مولانا احمد رضا بریلوی، ناشر الحاج احمد عمر ڈوسا بمبئی، ص ۳۵۔۳۹

☆۴۔ مجلّہ ''نعت رنگ''، شمارہ نمبر ۱۴، اقلیمِ نعت، کراچی، ص ۱۱۵

☆۵۔ مجلّہ ''نعت رنگ''، شمارہ نمبر۱۳، اقلیم نعت، کراچی، ص ۲۱۷
☆۶۔ ''حدائقِ بخشش''، حصہ اول، امام احمد رضا بریلوی، رضا اکیڈمی، بمبئی، ص ۱۱۱
☆۷۔ مجلّہ ''نعت رنگ''، شمارہ نمبر۱۳، اقلیم نعت، کراچی، ص ۳۱
☆۸۔ ''فتاویٰ رضویہ''، جلد ششم، امام احمد رضا بریلوی، رضا اکیڈمی، بمبئی، ص ۲۰۸
☆۹۔ ''نعت کی تخلیقی سچائیاں''، عزیز احسن، ادارہ اقلیم نعت، کراچی، ص ۳۶
☆۱۰۔ ''نزہت القاری شرح بخاری''، جلد نمبر۷، حضرت مفتی شریف الحق امجدی، دائرۃ البرکات، گھوسی اعظم گڑھ، ص ۲۱۸
☆۱۱۔ ''نعت کی تخلیقی سچائیاں''، عزیز احسن، ادارہ اقلیم نعت، کراچی، ص ۱۱۰
☆۱۲۔ ''نعتیہ ادب ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ'' جزاول، ڈاکٹر شریف احمد خاں، ریسرچ اسکالر، الہ آبادیونی ورسٹی، الہ آباد، ص ۸۴

☆

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ بریلی شریف، بھارت

نعتیہ ادب پر تنقید یا تنقیص

جناب محمد علی صدیقی کے نعتیہ مجموعے ''الصلوٰۃ والسلام'' پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر قیصر نجفی صاحب لکھتے ہیں:

گزشتہ تین دہائیوں سے جس مقدار اور رفتار سے نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آرہے ہیں اس کی بنا پر ہم یہ پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اُردو شعرا نے اپنا قبلہ درست کرلیا ہے۔ چند استثنائی مثالوں سے قطع نظر اب غزل اور نظم میں حمدیہ، نعتیہ اور رثائی مضامین راہ پانے لگے ہیں۔ ہم تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ جلد ہی نعت سے مذہبی شاعری کی چھاپ ہٹ جائے گی اور عالمِ انسانیت معلمِ انسانیت کے آفاق گیر کردار و عمل کا ادراک کرے گا اور ہر انسان کا سرکار دو عالم ﷺ سے محبت اور اپنائیت کا اٹوٹ رشتہ استوار ہوجائے گا۔

قیصر وہ دن اب دُور نہیں جب یہ کہے گا
ہر دور کا انسان: ہمارے ہیں محمد

(''نعت رنگ''، کراچی، شمارہ ۱۶، ص ۳۱۵)

بقول پروفیسر قیصر نجفی:

آج سے تین دہائی قبل اُردو شعرائے نعت کا قبلہ درست نہیں تھا۔ نماز میں اگر قبلہ درست نہ ہو تو نماز نادرست ہوتی ہے لہٰذا جب تین دہائی قبل کے نعت گویانِ اُردو کا قبلہ نادرست تھا تو ان کی نعت گوئی بھی نادرست قرار

پائی، لہٰذا قیصر صاحب کے اس فتوے کی رُو سے محسن، امیر، رضا، شہیدی،
اقبال، حفیظ جالندھری، ظفر علی خان ظفر نیز تین سال قبل کے تمام شعرا کی
نعت گوئی نادرست قرار پائی۔

اب محترم قیصر صاحب ہی فرمائیں نعت کا درست قبلہ کیا ہے اور کس زاویے تک درست رہ سکتا ہے؟

پروفیسر قیصر صاحب اپنے تصور کی آنکھ سے یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جلد ہی نعت سے مذہبی شاعری کی چھاپ ہٹ جائے گی اور عالمِ انسانیت معلمِ انسانیت کے آفاق گیر کردار وعمل کا ادراک کرلے گا اور ہر انسان کا سرکارِ دوعالم ﷺ سے محبت اور اپنائیت کا اٹوٹ رشتہ استوار ہوجائے گا۔

بہت خوب! نعت کے محققین وناقدین نے نعت کو دینی ادب میں شمار کیا ہے۔ آخری وحیِ الٰہی قرآنِ کریم مذہبی کتاب ہے، یہ اسلامی شریعت کا ماخذ ہے۔ اس مذہبی کتاب کو نعت پاک کا ماخذ اوّل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت منعوت علیہ السلام (جن کی مدحت گری کو نعت کہا جاتا ہے) پیغمبرِ اسلام ہیں، شارع علیہ السلام ہیں۔ ربّ عظیم نے انھیں غلبۂ دین ہی کے لیے مبعوث فرمایا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

هو الذی ارسل رسولهٗ بالهدیٰ و دین الحق یظهره علی الدین كله ولو كره المشركون. (توبہ:۳)

ترجمہ: وہی جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اس کے سب دینوں پر غالب کردے، پڑے برامانیں مشرک انھیں منعوت علیہ السلام پر ربّ تبارک وتعالیٰ نے دین فطرت اسلام کو کامل فرمایا۔

الیوم اكملت لكم دینكم واتممت علیكم نعمتی ورضیت لكم الاسلام دیناً. (مائدہ:۳)

ترجمہ: اور آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا اور تمھیں اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔

یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ نعت گوئی کا آغاز مشرکین کی دریدہ دہنی سے پیغمبرِ اسلام کی عصمت وناموس کے دفاع میں لسانی جہاد کے طور پر ہوا۔

گویا نعت گوئی کا آغاز پیغمبرِ اسلام اور دینِ اسلام کے دفاع میں لسانی جہاد کے طور پر ہوا

لہٰذا نعت پاک پر اس کی ابتدا سے ہی مذہبی چھاپ برقرار ہے۔ اب پروفیسر قیصر صاحب ہی نعت کو مذہبی چھاپ سے ہٹا کر اس پر غیر مذہبی چھاپ یا سیکولرازم کا لیبل لگانا چاہتے ہیں، اور اگر پروفیسر قیصر صاحب مذہبی چھاپ سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ نعت میں حضور نبی کریم ﷺ سے متعلق کسی مذہبی عقیدہ جیسے توسّل و استمداد، شفاعت، علم غیب رسول، خاتمیت نور وغیرہ کے عقیدے کا اظہار نہ کیا جائے تو ایسے جناب کی مذہب اور ادب سے ناواقفیت کی دلیل کے سوا اور کیا کہیں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ واللہ اعلم کس موڈ میں ایسا لکھ گئے ہیں۔ ادب کسی نقطۂ نظر یا عقیدہ کے بغیر وجود میں آ ہی نہیں سکتا کجا نعتیہ ادب جس کی اساس ہی مذہبی عقیدہ ہے لہٰذا اب تک عربی، فارسی اور اُردو کے شعرائے نعت رسولِ کریم ﷺ کے تعلق سے مذہبی عقیدے کا اظہار کرتے چلے آرہے ہیں اور ایک طرح سے اُنھوں نے نعت پاک کے توسط سے عقاید کا تحفظ کیا ہے۔

پروفیسر قیصر صاحب نعت پاک میں حضور ﷺ کو صرف ایک انسان ایک مصلح (ریفارمر) ہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں یا دکھانا چاہتے ہیں۔

لاریب! حضور جانِ نور ﷺ انسان ہیں لیکن انسان کامل ہیں، بشر ہیں لیکن افضل البشر اور خیر البشر اور ان کی بشریت کا یہ عالم ہے:

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ　　　ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں　　　ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

نہ کہ یہ:

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ ہوں اور اس کا میں ایلچی بھی

معاذ اللہ! حضور ﷺ ایلچی نہیں رسول ہیں۔ نبیوں اور رسولوں کے سردار و خاتم ہیں۔ وہ مصلح (ریفارمر) محض نہیں بلکہ آفاقی رسول ہیں۔ اُنھوں نے دین فطرت اسلام عطا کیا۔ اس کی تبلیغ فرمائی اور اللہ عزوجل نے انھیں پر اس دین فطرت اسلام کو کامل فرمایا:

اِنَّ الدین عند اللہ الاسلام. (سورۂ آلِ عمران:۱۹)

ترجمہ: اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

اور فرماتا ہے: الیوم اکملت لکم دینکم. (سورۂ مائدہ:۳)

ترجمہ: ربّ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو سارے انسانوں کا ہادی بنا کر بھیجا۔

قل یا ایھا الناس الی رسول اللہ الیکم جمیعاً. (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: تم فرماؤ، اے لوگو! پس تم لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً. (سورۃ السبا: ۲۸)

ترجمہ: اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔

خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

ارسلت الی الخلق کافۃ و ختم بی النبیون.

ترجمہ: میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے انبیا کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سیّدنا محمد عربی ﷺ کُل انسانیت کے رسول و ہادی ہیں اور سب انھیں کی اُمت میں ہیں۔ البتہ جو ان پر ایمان لائے وہ اُمت اجابت میں شامل ہیں یعنی اُمت مسلمہ۔ بقیہ غیر مسلم تو میں اُمت دعوت میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کو رسول اللہ ﷺ سے اپنا رشتہ استوار کرنے کا حکم دیا ہے مگر سارے کے سارے انسان ان پر ایمان نہیں لائے۔

کتب آسمان کے علاوہ وید، پران اور دوسرے دھرموں کی کتابوں میں بھی ہادیِ عالم سرکار محمد عربی ﷺ کا ذکر جمیل موجود ہے۔ ہر اُمت کے لوگ حضور ﷺ کے آنے سے پہلے آپ کو اس طرح جانتے پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (بقرہ: ۱۴۶، والانعام: ۲) لیکن جب ۷ ویں صدی عیسوی میں رسولِ کائنات ظاہر ہوئے اور اعلان فرمایا:

قل یایھا الناس الیٰ رسول اللہ الیکم جمیعاً. (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: تو بہت سوں نے پیٹھ پھیری بس جو سعادت مند تھے وہی ایمان لائے۔

کتنے غیر مسلمین نے حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کی ہے، ان کی عظمت اور ان کے آفاق گیر کردار و عمل کا اعتراف کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود ان سے اپنا اٹوٹ رشتہ قائم نہیں کیا یعنی ان پر ایمان نہیں لائے۔ حضور ﷺ نے اپنے آفاق گیر کردار و عمل کا اظہار دین فطرت اسلام ہی کے دائرے میں کیا۔ توحید و رسالت کا اقرار کرایا۔ اللہ کی عبادت کا حکم دیا، انسانیت کی تعلیم دی لیکن اس

میں توحید و رسالت ہی کو ہے یعنی عقیدۂ دین کو۔ لہٰذا نعت پاک سے مذہب کی چھاپ کو کیسے ہٹایا جاسکتا ہے؟ اور ان کے آفاق گیر کردار و عمل کا ادراک کر کے ان سے اٹوٹ رشتہ استوار اس وقت ہوسکتا ہے جب ان پر ایمان لایا جائے۔

لہٰذا پروفیسر صاحب کو معلوم ہوا کہ صرف اس طرح کے شعر کہ:

قیصر وہ دن اب دُور نہیں جب یہ کہے گا
ہر دور کا انسان ہمارے ہیں محمد

کہہ دینے سے معلمِ انسانیت سے عالمِ انسانیت کا اٹوٹ رشتہ استوار نہیں ہوجائے گا۔ ہاں سرکار کے اسوۂ حسنہ ان کی تعلیمات وغیرہ کا اظہار بھی کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ عقیدۂ وعقیدت کا اظہار بھی کیا جائے لیکن یہ اظہار دائرہ شریعت میں رہ کر حضور ﷺ کی آفاقی رسالت اور عظمت و رفعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔

اب نعت کے محققین، ناقدین، شعرا اور ''نعت رنگ'' کے قارئین فرمائیں کہ کیا نعت کو دینی ادب سے جدا کیا جاسکتا ہے اور کیا اب سے تیس سال قبل کے شعرا نعت کا قبلہ نادرست تھا۔ پروفیسر قیصر صاحب کے اس قول پر وہ کیا فیصلہ فرماتے ہیں!

پروفیسر صاحب نے کہا شیدا صاحب کے نعتیہ مجموعہ ''الصلوٰۃ والسلام'' میں یہ اشعار نہیں دیکھے جو مذہبی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں:

روزِ محشر یہی ہے صدا
ہیں کہاں مصطفیٰ مصطفیٰ

یارب دلِ شیدا کو اس نور سے چمکا دے جس نور کے صدقے میں عالم کو سجایا ہے

انجامِ قیامت میں جو ملنی ہے مومن کو
بٹتی ہے وہی ہر دم سوغات مدینے میں

راقم عزیزی کے تعلق سے پروفیسر قیصر نجفی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعت گوئی پر جتنا لکھا گیا ہے اتنا شاید ہی اور شاعر کی اُردو نعت گوئی پر لکھا گیا ہو۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت) نے بھی نہایت بالغ نظری سے ان کے فنِ نعت گوئی کا ایک مطالعاتی جائزہ پیش کیا ہے البتہ اس جائزے میں امام صاحب کی نعتیہ شاعری کا کوئی اپنا

پہلو سامنے نہیں آیا ہے۔

("نعت رنگ" کراچی، شمارہ: ۱۵، ص۴۸۳۔۴۸۴)

راقم کی بابت پروفیسر صاحب کا یہ کہہ دینا کہ "ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے بھی نہایت بالغ نظری سے ان کے فنِ نعت گوئی..." بڑی بات ہے اور یہ ہیچ مدان اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ: "کوئی ایسا پہلو سامنے نہیں آیا ہے۔"

آں جناب نے کسی نئے پہلو کی نشان دہی نہیں فرمائی ہے کاش وہ کسی پہلو کی نشان دہی کر کے راقم پر مزید کرم فرماتے۔ ہوسکتا ہے پروفیسر صاحب نے راقم کے بہت سے مقالات مثلاً:

بر رضا کی پیکر تراشی، علامت نگاری، سراپا نگاری، قصیدہ گوئی، ترکیب سازی، منظر نگاری، رباعیات رضا، رضا کی ردیفیں، کلام رضا میں رنگ و روشنی کا تصور، کلام رضا میں ہندی اور ہندوستانی عناصر، کلامِ رضا میں سائنس اور ریاضی۔۔۔ وغیرہ نہیں دیکھے، یا اگر دیکھے اور انھیں ان میں کوئی نیا پن یا نیا پہلو نظر نہیں آیا۔ تو اب بتایئے راقم کیا کرسکتا ہے۔ علاوہ اس کے کچھ مجبوریوں کے تحت راقم کا پی ایچ۔ ڈی مقالہ "فاضل بریلوی اور نعت گوئی" طبع نہیں ہوسکا ورنہ شاید قیصر صاحب کو کوئی نیا پہلو نظر آجاتا۔

جب کسی انسان کو کسی شخصیت سے عقیدہ یا فکر وخیال یا کسی اور سبب سے مخالفت یا اس سے چڑھ ہوجاتی ہے تو اس شخصیت کے نیاز مندوں اور کسی طور سے اس سے وابستہ اشخاص سے بھی چڑھ یا نفرت ہوجاتی ہے اور اگر کہیں اس انسان کی کسی پسندیدہ شخصیت کے کسی اعتراض کو رفع کرنے یا اس کے کسی حملۂ بے جا کا دفاع کرنے کی کوشش کی جائے تو بس آفت آجاتی ہے۔ اور دفاع کرنے والے پر زبان وقلم کے پتھر برسنے لگتے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی صاحب کا بھی یہی عالم ہے۔ امام احمد رضا کے معترضین اور ناقدین سے وہ خوش رہتے ہیں اور ان کی جائز تعریف کرنے والوں سے سخت بے زاری اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں، ادبی دیانت اور اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر ذاتیات پر اُتر آتے ہیں۔

جناب پروفیسر ابوالخیر کشفی شفقت رضوی صاحب کی پسندیدہ شخصیت ہیں۔ اُنھوں نے "نعت رنگ" کراچی، شمارہ: ۶، ص۱۶، پس امام احمد رضا کے اس مصرع:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

پر گرفت کی تھی اور یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "شاعر اس غلو سے اس وقت بچ سکتا ہے جب اسے آقائے

جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا دھیان رہے اور ان عظمتوں کا علم قرآن پاک و احادیث ختم الرسل سے ہوتا ہے۔"

اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امام احمد رضا کو آقائے جان و دل ﷺ کی حقیقی عظمتوں کا دھیان نہیں تھا اور نہ ہی قرآن پاک اور احادیث ختم الرسل کا علم تھا۔

پروفیسر کشفی صاحب کا اعتراض اور حملہ کا جواب میں راقم کا مضمون بعنوان "مصرع رضا اور کشفی صاحب"، "نعت رنگ"، کراچی، شمارہ ۸ میں شائع ہوا تھا۔ پس اس بات سے شفقت صاحب کو اس راقم سے چڑھ بلکہ شدید نفرت ہوگئی اور اپنے قلمی ترکش سے تیر چھوڑ کر راقم کی ذات کو ہر اعتبار سے زخمی کرنے میں کسر نہ باقی رکھی۔

اس فقیر پر شفقت صاحب کو اس لیے بھی غصہ ہے کہ اس نے اپنے ایک مطالعہ میں "امام احمد رضا اور محسن کاکوری" کا موازنہ پیش کیا ہے اور صرف چند مقامات پر محسن صاحب کی شرعی خامیوں کا ذکر کر دیا ہے۔ اس کے بعد راقم کا مقالہ محسن کاکوری کی نعتیہ شاعری پر اتر پردیش اکادمی لکھنؤ سے کتابی شکل میں شائع ہوا جس میں راقم نے محسن کی ادبی وفنی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔

شفقت صاحب کا اس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ:

> اگر واقعی محسن اتنا گیا گزرا شاعر ہے تو امام احمد رضا خاں جیسے بلند مرتبت شاعر سے اس کا موازنہ ہی بے سود تھا۔

ظاہر ہے موازنہ دو ہم عصر قریب قریب برابر درجے ہی کے شعرا کا کیا جاتا ہے تو ایسے موقع پر جس کے ہاں جو خامی یا خوبی ہوتی ہے موازنہ کے طور پر اس کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن جب ان میں سے کسی ایک کی شاعری کی بابت لکھا جاتا ہے تو اس کی خوبیوں کو زیادہ سے زیادہ اُجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لہٰذا راقم نے "محسن کی نعتیہ شاعری" میں محسن کے ادبی وفنی خوبیوں کو اُجاگر کیا ہے۔

بہر کیف شفقت صاحب نے راقم کے تمام مضامین کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے "ہلکا" کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس نے پروفیسر کشفی صاحب کے رضا پر اعتراض بے جا اور ضرب کاری کا جواب کیوں دیا!

اب پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

> ہمیں نہیں معلوم کہ ڈاکٹر کشفی کو ان مصرعوں پر اعتراض کرتے وقت اس بات

کا علم تھا یا نہیں کہ یہ کس شاعر کے لکھے ہوئے ہیں لیکن ہم عام رویہ جانتے ہیں کہ اعتراض مصرعوں اور شعروں پر کیا جاتا ہے۔

(''نعت رنگ'' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ، ص ۳۰۴)

بقول شفقت صاحب:

''اعتراض مصرعوں اور شعروں پہ کیا جاتا ہے۔'' تو جواب یہ ہے کہ بڑے غور وفکر کے بعد اعتراض کیا جانا چاہیے، چاہے یہ معلوم ہو یا نہ معلوم کہ یہ مصرع یا شعر کس کا ہے، اور پھر اعتراض کے ساتھ ساتھ شاعر کو مصطفوی عشق وعقیدت اور علم وفضل سے بے بہرہ نہیں کہا جاتا جیسا کشفی صاحب نے مصرع پر اعتراض کے ساتھ لکھ دیا، دوسری بات: ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ڈاکٹر کشفی کو ان مصرعوں پر اعتراض کرتے وقت اس بات کا علم تھا یا نہیں کہ یہ کس شاعر کے لکھے ہوئے ہیں؟'' گویا کشفی صاحب کو معلوم ہوتا کہ یہ مصرع (کیوں کہ دونوں مصرعوں کو ملا کر اعتراض نہیں کیا تھا) رضا کا ہے تو شاید اعتراض نہ کرتے۔ یہ عجیب بات لکھ ماری ہے۔

راقم کے جواب کو شفقت صاحب نے ڈاکٹر کشفی کی ذات پر حملہ اس کی تحریر کو مہمل اور پُر تعصب لکھا ہے۔ (''نعت رنگ'' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ، ص ۳۰۵)

سبحان اللہ! خود ایک طرف تو اس شمارے کے ص ۵۳ پر لکھتے ہیں کہ:

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے حضور ﷺ کے مالک ہونے کے جواز میں استدلال کیے ہیں اور موضوع کو غیر معمولی طور پر پھیلا دیا ہے'' اور پھر اسی استدلال اور علمی تحریر کو مہمل قرار دیتے ہیں۔

زیادہ کیا لکھوں۔ صرف یہ عرض کروں گا کہ جن حضرات نے ''نعت رنگ''، شمارہ: ۸ میں راقم کا جواب پڑھا ہوگا اور اس سے پہلے شمارہ: ۶ میں کشفی صاحب کا مضمون ''نعت کے موضوعات'' جس میں اُنھوں نے رضا کے مصرع پر گرفت کی ہے، خود فیصلہ کریں کہ کس نے کس پر حملہ کیا ہے اور آیا راقم کا جواب (شمارہ: ۸) مہمل اور پُر تعصب اور ذاتیات پر حملہ ہے یا خود شفقت صاحب نے ذاتیات پر حملہ کیا ہے اور راقم کی تذلیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

کیا یہ تنقید ہے یا تنقیص، جائزہ نگاری ہے یا دل کی بھڑاس اور دبی ہوئی چنگاری؟

پروفیسر شفقت صاحب کو بلاوجہ شعروں پر شرعی گرفت کا شوق ہے، مثلاً سعید وارثی کے اس شعر:

کیسے ممکن ہے کہ نعتِ شہِ والا لکھوں
اس کے معنی ہیں کوئی تازہ صحیفہ لکھوں

پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تازہ صحیفہ'' کیا یہ قابلِ اعتراض نہیں ہے؟ اس کی تعریف کی جائے یا بے ادبی کی مذمت۔ (''نعت رنگ'' کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، ص ۳۰۶)

پروفیسر صاحب نے اس شعر کی گہرائی پر غور نہیں کیا اور شاعر کو بے ادب قرار دے دیا۔ شاعر تو صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ نعت یعنی رسولِ کونین ﷺ کی حقیقی مدح تو کوئی کر ہی نہیں کرسکتا۔ ان کا حقیقی واصف تو صرف اللہ عزوجل ہے۔ اس نے آخری آسمانی کتاب قرآنِ عظیم میں اپنے رسول کی عظمت و رفعت واضح کردی ہے: ورفعنا لک ذکرک. (الم نشرح:۴)

ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی یاایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما فرماکر۔

علمائے تفاسیر کے مطابق قرآن عظیم رسولِ کریم ﷺ کی نعت بھی ہے۔ آیت نمبر۲ سے ثابت ہے کہ خود ربِّ تبارک تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسولِ اکرم ﷺ کی رفعتِ شان کا اہتمام کرتے ہیں اور اہلِ ایمان صلوات بھیجتے ہیں۔ (یعنی ان کی رفعت شان کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے)۔

جب درود پڑھا جاتا ہے (درود کا کوئی بھی صیغہ لے لیجیے) تو اس میں ضرور ضرور ملے گا کہ اے اللہ تو ہمارے نبی یا رسول پر درود بھیج یعنی ان کی رفعت شان کا اہتمام فرما اور ہم تیرے ہی وسیلے سے ان کی رفعت شان کا اہتمام کرتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی بھی رسول مکرم کی رفعت شان کے اہتمام کا حق ادا نہیں کرسکتا لہٰذا ہم تیرے وسیلے سے ان کی رفعت شان کا اہتمام کرتے ہیں پس!

یہاں بندے کی عاجزی اور رسولِ کریم کی بے نظیری کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا شاعر یہی کہنا چاہتا ہے کہ نعت شہِ والا لکھنے کا مطالب ہے کوئی تازہ صحیفہ لکھنا جو ناممکن ہے اور اس طرح رسول کی حقیقی مدح بھی بندے کے بس کی بات نہیں! اس میں تو استفہام کا ایک پہلو ہے اور یہ شاعر کے اسلوب کی ایک خوبی ہے۔

مثال نمبر۲: یہی شفقت صاحب ڈاکٹر صابر سنبھل کے مضمون ''حضرت رضا بریلویؒ کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی'' (۱) پر تبصرہ کرتے ہوئے رضا کے اس مصرع:

''دونوں جہاں میں دھوم تمھاری کمر کی ہے''

کی بابت لکھتے ہیں: ''کیا واقعی یہ اظہار حضورِ اکرم ﷺ کی شان کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہے۔''

(ب) اور اس شعر:

اب تو نہ روک اے غنی عادتِ سگ بگڑ گئی
میرے کریم پہلے ہی لقمہ، تر کھلائے کیوں

کے بارے میں لکھتے ہیں:

غنی کی صفت تو ذاتِ خداوندی کی ہے ہماری دانست میں یہ شعر نعت کا نہیں حمد کا ہے۔

(الف) پورا شعر دیکھیے:

ایسے بندھے نصیب کھلے، مشکلیں کھلیں
دونوں جہاں میں دھوم تمھاری کمر کی ہے

پروفیسر صاحب نے پورے شعر پر غور نہ کر کے مصرع ثانی لکھ کر فرما دیا کہ یہ حضور ﷺ کی شان کو ملحوظ نہ رکھ کر لکھا گیا ہے۔

ہر اردو خواں جانتا ہے کہ ''کمر کسنا'' یا ''کمر بستہ ہونا'' وغیرہ محاورے ہیں جن کے معنی ہیں عزم کرنا، کسی کام پر مستعد ہونا وغیرہ۔

حضور ﷺ شافع محشر بھی ہیں اور دنیوی مشکلات حل کرنے والے، مشکل کشا اور دافع البلا وغیرہ بھی ہیں، لہٰذا شعر کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس امر پر کمر کس رکھا ہے کہ وہ اُمتیوں کی مشکل کشائی کریں گے اور انھیں کے اس عزم اور ان کی مستعدی کے طفیل بندھے نصیب کھلتے ہیں اور مشکلیں کھلتی ہیں یعنی مشکلیں حل ہوتی ہیں۔ پس اس شعر میں رضا نے لکھا ہے کہ:

''دونوں جہاں میں دھوم تمھارے کمر کی ہے''

یعنی تمھاری مشکل کشائی کی ہے۔ لیکن جب رضا سے چڑھ ہے اور اعتراض بے جا کی عادت ہے تو اعتراض کرنا ضروری ہے۔ شفقت صاحب نے وہی کیا۔

آپ نے اپنے تئیں ''کمر'' کو اس کے حقیقی معنی پہنا کر اعتراض جڑ دیا۔ ''کمر'' پر امام احمد رضا کے اور اشعار دیکھیے:

جو کہ عزمِ شفاعت پہ کھنچ کر بندھی اس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام

☆

قافلے نے سُوئے طیبہ کمر آرائی کی مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

(ب) اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی اسما کا اطلاق بندوں کے لیے بھی درست ہے جیسے ''وکیل، حکیم، مالک، ملک'' وغیرہ۔ اسی طرح ''غنی'' بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے لیکن یہ بندوں کے لیے بھی بولنا جائز ہے۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''عثمان غنی'' کہا جاتا ہے۔ ان کی دولت مندی، سخاوت اور شانِ استغنا کی وجہ سے۔ تو کیا معاذ اللہ ''عثمان غنیؓ'' کہہ کر انھیں اللہ بنا دیا گیا؟ غنی کے معنی ہوتے ہیں دولت مند، آسودہ، مطمئن، بے نیاز وغیرہ۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ کو غنی کہا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ''ووجدک عآئلاً فاغنیٰ.'' (والضحیٰ:۸)

ترجمہ: اور تمھیں حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔

لہٰذا پروفیسر شفقت صاحب کو معلوم ہو کہ یہ شعر نعت ہی کا ہے حمد کا نہیں اور حضور ﷺ کی شان کو ملحوظ رکھ کر ہی کہا گیا ہے۔

اب صاحبانِ علم وادب خود دیکھیں کہ شفقت صاحب نے تنقید و جائزہ کا حق ادا کیا ہے یا تنقیص اور اعتراض بے جا کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اسی تنقیص اور اعتراضِ بے جا کی عادت کی بنا پر شفقت صاحب نے راقم کو علمی و ادبی تنقید کے منہ پر تمانچہ مارنے والا بتایا ہے، اس کی تحریر کو پُر تعصب اور مہمل قرار دیا ہے اور امام احمد رضا کے مصرع اور شعر پر زبردستی اعتراض کر کے خود کو امام احمد رضا کے لیے انتہائی جذباتِ احترام رکھنے والا کہا ہے۔

شفقت صاحب دوسروں کی غلطی پکڑنے کے بڑے شوقین ہیں اور دوسروں کو تلقین بھی کرتے ہیں کہ کسی شاعر کے کسی عیب یا خوبی کی نشان دہی کریں تو دلائل کی روشنی میں ثابت کریں لیکن خود اسی بات پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے ہی ناقدین کو ''شیش محل کا فیل مست'' کہا گیا ہے۔

ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر۔ الہ آباد، بھارت

''زبانِ خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق'' کا تنقیدی جائزہ

شاعری خواہ مصنوعاتی ہو یا غیر مصنوعاتی اُسے زبان و بیان کی صحت و صلامتی عروضی ضابطوں، صنعتوں اور محاوروں کے قاعدہ/قانون کے مرحلوں سے بہر حال گزرنا پڑتا ہے۔ یہ قاعدہ/ قانون شاعری کے جملہ لوازم و فرائض کے حق میں وضع کیے گئے کہ پہلے شاعری وجود میں آئی اس کے سمجھنے کے لیے قواعد (صرف ونحو) کی معرفت ضروری ہوتی ہے۔ عروض اور صنایع و بدایع کے تمام علوم اور لفظ و بیان کی جملہ توضیحات زبان عربی سے ہمیں حاصل ہوئیں، مروّجہ اُردو ادب نے ہمیں نہیں دیا جس کی ہم دہائی دیتے رہتے ہیں۔ اردو والوں کی اکثریت تو خود دو صحیح جملے بولنے کے محتاج ہیں، عربی و فارسی الفاظ کو صحبت و مشق اور کثرتِ استعمال کے سبب بولنا تو آسان ہوگیا مگر ان کے نحوی وصرفی اُصول، اعراب کے قانون، ابواب کی شناخت، ان کی گردان کی معرفت، راجعِ ضمائر کا سلیقہ اور لسانی کوائف و احوال سے اچھے اچھے محروم ہوتے ہیں اسی صورت میں عربی متن اور مذہبی خدمات سے دور یہ ادبی پلیٹ فارم، نعتیہ ادب کے معیاری و غیر معیاری ہونے کی بابت کیا عہد دری کرسکتا ہے۔ غیر موضوعاتی فکر و منظر اور لائحۂ عمل کا محاسبہ کیجیے تو خامیوں، غلطیوں اور بداحتیاطیوں کا بہتا ہوا دریا دکھائی دیتا ہے۔ بالخصوص بے شمار کفر نواز اشعار، غیر اخلاقی افسانوں، جنسی ناولوں اور مذہب بیزار ڈراموں پر کوئی بھی منفی رُخ نہیں اختیار کرتا بلکہ اتحاد و اتفاق کے آئینہ میں ادبی کارناموں کا گوشہ تلاش کیا جاتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ ساری چیزیں اردو ادب کا قیمتی حصہ ہیں۔ ان کا مذہب سے کیا لینا دینا ایسے نظریے سے کیا اس نوعیت کے تحول و فعل کو اسلامی گرفت سے بے تعلق سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ نظریہ عرصۂ دراز سے اپنا

کام کرتا آرہا ہے جس نے اسلامی تہذیب اور مذہبی ادب کو ہمیشہ نقصان پہنچایا اس کے برعکس اسلامی فکر وادب میں کسی بھی غلطی و خامی یا بداحتیاطی کو اسلامی دنیا برداشت نہیں کرسکتی۔ حتیٰ المقدور ہمارے علمائے کرام اصلاحی پیش رفت اور فتاویٰ کے ذریعے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

نعت ایک مقدس ومحترم اور پاکیزہ و طاہر صنفِ سخن اور روحانی مشغلے کا نام ہے۔ اس کی فلاح و بقا اور کام یابی صرف یہ ہے کہ قاعدہ و قانون اور اُصول وضوابط کی روشنی میں عشقِ رسول ﷺ اور پیغاماتِ اسلامی کے چراغ جلاتی رہے اور مبارک جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی رہے۔ اس ترجمانی کے دوران کسی بھی شرعی و عروضی غلطی و خامی کے نظر آجانے پر اس کی اصلاح واجب ہے۔ اخلاقی شاعری کا سب سے اہم وصف یہی ہونا چاہیے کہ وہ عیوب و نقائص سے مبرا اور صحت وسلامتی کے دائرے میں رہے اور نعت جیسا مبارک موضوع اپنے ہرمواد و ہیئت کی سلامتی کا ضامن بن سکے۔ نعتیہ شاعری کی بابت میرے نزدیک معیاری وغیرمعیاری ہونے کا کوئی مسئلہ نہیں اس کا موضوع بذاتِ خود اتنا معیاری و باوقار ہے کہ اس کے ازلی حقوق کو ادبی خانوں میں تقسیم کرنے سے کوئی خاطرخواہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ اوصاف ومحاسن کی وظیفہ خوانی، حبِ رسالت مآب ﷺ کی بے ساختگی، حسن و جمال کی پیکرتراشی اور اظہارِ جذبات کی وارفتگی، اس شاعری کا بنیادی جوہر ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر نعتیہ شاعری کے معیاری وغیرمعیاری ہونے کا ادبی دنیا کے پاس کوئی مستند پیمانہ نہیں اور نہ ہی یہ شاعری پیمانہ بازی سے کوئی مطلب رکھتی ہے جو ادبی دنیا خود سال ہا سال سے نئے نئے مسائل واعتراضات اور غیرمحتاط روش کے جال میں پھنسی ہو وہ کسی مذہبی ادب کے حق میں معیاری وغیرمعیاری تعین کا کیا فتویٰ صادر کرسکتی ہے! ایسے بہت سے شعرا کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جو صاحب علم وفضل نہ ہونے کے باوجود ایسے ایسے اشعار کہہ گئے جن کی ترسیلی خوش بو آج بھی فضا کو مہکا رہی ہے۔ جذبات و احساسات کے رنگ میں ڈوبی ہوئی سرعتِ آمد اور وارفتگیِ شوق کے بہاؤ نے بے شمار شعرا کے اشعار کو درجۂ دوام عطا کردیا۔ شوتِ آمد اور ذہنی تیاری وفکری منصوبہ بندی کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فکر وفن کے مختلف معیار کو ذہنی تیاری کی بنیاد پر ظاہر کرنا اتنا اہم نہیں جتنا کہ چلتے پھرتے اور اُٹھتے بیٹھتے خوب صورت اشعار ہوجاتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ شعر و ادب کے اعلیٰ اقدار اور فصاحت و بلاغت کی شمولیت سے قطعی انکارنہیں کیا جاسکتا کہ اِسے بڑی شاعری کا ایک خصوصی عطیہ مانا جاتا ہے۔ تاہم اس نازک پہلو کو ذہن میں رکھے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی کہ فکر وفن اور صنعت نوازی کا جو مظاہرہ

غیر مصنوعاتی شاعری کی بابت کیا جاسکتا ہے، اس نوعیت کے اظہار کے لیے نعتیہ شاعری متحمل نہیں ہوسکتی۔ ایسا نہیں کہ فکری، فنی اور معنوی اظہار میں اس شاعری کا دامن تنگ ہے بلکہ بہت کشادہ و وسیع جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مگر فکر وفن کا ہر قرینہ یا اس کی زور آزمائی نعت کو راس نہیں آتی اگر ایک طرف اس کا دامن وسیع و کشادہ ہے تو دوسری جانب محتاط و پاکیزہ اور نرم و نازک بھی۔ یہی سبب ہے کہ بے پناہ راہوں سے گزرتی اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتی ہوئی فکروں کو دامنِ نعت میں پناہ دینے کے لیے بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ بہت سے شعرا کی طرح حضرت رضا بریلویؒ نے بھی ادبی رنگ و آہنگ کو نعت میں شامل کرتے اور ایک درمیانی فضا قائم کرتے ہوئے مرزا غالب کے پیرایے میں اشعار کہے۔ مقصد یہ ہے کہ لفظ و بیان کے خارجی عناصر کو اسلامی سانچے میں ڈھالتے ہوئے فکروں کو نئے زیورات سے سجایا جاسکے جسے حضرتِ رضا کے عظیم کارناموں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کام یاب کوشش کے باوجود غالب کے غلبۂ افکار کو دبایا نہ جاسکا۔ غالب کی یہ متعلقہ فکریں اس لیے متبادل فکروں پر ممتاز رہیں کہ اس کا موضوع مقید و محدود نہیں ہے اور نعتیہ شاعری آزادی سے دُور ہے۔ اب ہر غیر مقید اندازِ فکر کی شمولیت صنفِ نعت میں بھی نظر آنے لگے یہ نعت کے مخصوص فروغ و ارتقا کے لیے نہ ضروری ہے اور نہ ہی نعت اپنی حد سے آگے جاسکتی ہے، مثلاً غیر موضوعاتی شاعری، ہر شخصیت، ہر شہر اور ہر شے کی مدح آرائی کرسکتی ہے مگر نعتیہ شاعری کا مرکز و مرجع صرف رسالت مآب ﷺ اور مدینہ منورہ ہی ہوا کرتا ہے۔ مدینہ منورہ میں بہت سے ہوٹل، مکانات، دکانیں، بازار، چمکتی ہوئی کاریں اور کشادہ سڑکیں ہیں مگر یہ سب مدینہ میں ہونے کے باوجود ان ساری چیزوں کو نعت کا موضوع بنانے کا کوئی رواج نہیں۔ نعت گو ہمیشہ مدینہ کی گلیوں اور گلیوں کی خاک ہی کی بات کرتا ہے خواہ شہر مدینہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہوجائے اس نوعیت کے رجحان و میلان کو صنفِ نعت سے کبھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔

اولاً میں یہی عرض کررہا تھا مناسبتِ مدحت و وصف کے تحت کسی بھی نعت گو کی شاعری غیر معیاری ہو ہی نہیں سکتی خواہ تخیلات و افکار کی جو بھی کیفیت ظاہر ہو البتہ معیار کے کم ہونے اور معاملاتِ بلاغت کے مسائل سے ضرور دلچسپی لی جاسکتی ہے۔ بار بار ایک ہی سطح کے تخیلی رویے کو ترتیب دیتے رہنے سے فی نفسہٖ وظیفۂ نعت پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر اس کے اصل جوہر کے باوجود فکر وفن کے اعلیٰ معیار اور لسانی پختہ کاری کی ترویج و ارتقا کو غیر ضروری نہیں سمجھا جاسکتا اتنا بھی ضروری نہیں کہ جس کے بغیر نعتیہ شاعری کو ادھورا تصور کیا جائے۔ ہر شاعر اپنی اپنی مختلف

صلاحیتوں اور ذوقِ لطیف کا مالک ہوتا ہے۔ اسی تخلیلی رجحان کے مطابق شاعری کرتا ہے یہی سبب ہے کہ ہر شاعر کی حیثیت مساوی نہیں ہوتی ورنہ کون نہیں چاہتا کہ میری شاعری محسن کاکوروی اور امیر مینائی سے معانقہ کرنے لگے۔ چناں چہ ایسی درمیانی رفتارِ شعری کے باوجود اساتذہ فکر وفن کے معیارِ شاعری نے دنیائے شعر وادب کو ہمیشہ حیرت میں ڈالا ہے۔

سودا کے عہد تک پہنچتے پہنچتے صنفِ نعت کی فکری بلاغتوں اور فنی ارتقا کے اکثر در وا ہو چکے تھے اور یہ شاعری ایک نئی آب وتاب اور مضبوط مستقبل کی ضمانت کے ساتھ سامنے آنے لگی۔ سودا کا نعتیہ قصیدہ اس حقیقت کا روشن ثبوت ہے۔ اگر سودا اس دلچسپی سے کچھ روز اور جڑے رہے ہوتے تو اس بلند سطح کے قصیدوں کا تاریخ ساز اضافہ ہو چکا ہوتا۔ نعت کی اعلیٰ فکروں کو آگے بڑھاتے اور نئی نئی جہتوں کی نشان دہی کرتے ہوئے غلام امام شہید، کرامت علی شہیدی، کافی مرادآبادی، محسن کاکوروی، امیر مینائی اور حضرت رضا بریلوی وغیرہ نے اپنے ادبی و مذہبی کارناموں کے تحت نعتیہ فکر و ادراک کو آسمان پر پہنچا دیا۔ تشہیرِ صنف نعت کی بابت یہ رعایت ہمیشہ برقرار رہے گی کہ عوام الناس تک اسلامی پیغامات اور عشق ومحبت کی روشنی بکھیرنے کے لیے دِقت پسند اور مبہم فن پاروں سے زیادہ آسان وسلیس تخیلی احوال وکوائف کا اظہار کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ وظیفۂ محبت کے لیے متعینہ معیار کی ضرورت نہیں بلکہ محظوظ ہونے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک سامعین وقارئین میں تعلیمی توازن اور تفہیمی صلاحیت کی روشنی اُجاگر نہ ہوگی اعلیٰ فکروں سے مستفیض ہونے کا دائرہ ہمیشہ تنگ رہے گا۔ اب یہ کہا جائے کہ اعلیٰ فکروں کی ترتیب کو عوام الناس کی قلیل صلاحیت کے باعث محدود رکھا جائے تو پھر اعلیٰ جوہروں کے ارتقا کو نعت میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے! یہ اعتراض غیر موضوعاتی شاعری کے لیے تو ممکن ہے مگر فروغ نعت کے حق میں عام افراد کا یقیناً لحاظ رکھنا ہوگا۔ وظیفۂ محبت پر مبنی شاعری کا بیشتر حصہ تدریسی دخل سے آزاد رہ کر خود فہمی کے شاداب ماحول میں رہے تو زیادہ بہتر ہے۔

نعت کی تخلیقی سچائیاں

جناب عزیز احسن کی تصنیف ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ فی الوقت پوری کتاب پر تبصرہ وجائزہ کا کوئی ارادہ نہیں۔ ان کے دیباچے بہ عنوان ''زبانِ خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق'' کے بعض اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی بات ختم کردوں گا۔ موصوف فرماتے ہیں:

دنیائے نعت میں ایسے شعرا کی اکثریت ہے جو تخلیقِ نعت کی کوئی سنجیدہ

ادبی سرگرمی تسلیم ہی نہیں کرتے۔ (ص۱۰)

عملِ صالح اور عبادت کے طور پر نعت گوئی بذاتِ خود سنجیدگی کی علامت ہے۔ اب ادبی سنجیدگی سے یہ مراد کہ ہر نعتیہ شاعری کا فکری معیار محسن کاکوروی اور رضا بریلوی کی شاعری سے وابستہ ہوجائے تو اس نوعیت کی سنجیدگی کسی بھی دنیاے سخن پر صادق نہیں آسکتی ورنہ اس سنجیدہ دعوت کے زیرِاثر ادبی دنیا کا ہر شاعر میر و غالب بن کر ٹہلتا ہوتا۔ اب اس سے بڑھ کر سلیم الطبعی و متانت کا اور کیا مظاہرہ ہوسکتا ہے کہ ایسے بے شمار شعرا تمام غیرموضوعاتی شاعری سے منھ موڑ کر صنف نعت کی خدمات میں مصروف رہتے ہیں۔ اب ایسی صورت میں بڑی شاعری کی عدم شمولیت کے سبب شعرا نعت گوئی ہی چھوڑ دیں تو یہ مشورہ کسی بھی شاعر کو قابلِ قبول نہ ہوگا۔ کیا اس پُرآشوب کفرگری اور زرنواز ماحول میں یہ کم ہے کہ اپنے اظہارِ عقیدت کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے صنفِ نعت کی تحریک و ارتقا کا علم اپنے ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے ہیں۔ شاعری کم درجے کی ہو یا اعلیٰ سطح کی اسی نعتیہ شاعری کے سبب اُردو کی تمام صنفیں زندہ و آباد ہیں ورنہ غیرموضوعاتی معتبر قصیدوں، مثنویوں اور رباعیوں کی رفتارِ اضافہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس سنجیدگی کی دعوت تو پہلے ان شعرائے ادب کو دینی چاہیے جو عرصۂ دراز سے مثنویوں، قصیدوں، رباعیوں، مستزادوں، بارہ ماسوں اور شہرآشوب جیسی صنفوں کی خدمات سے منھ موڑتے ہوئے ادبی دنیا کو کھوکھلا کرتے جارہے ہیں اور ادب کے پلیٹ فارم سے غزلوں اور مرثیوں کے علاوہ ہر صنفِ سخن کا جنازہ نکال کر رکھ دیا گیا حتیٰ کہ ہائیکو اور سانیٹ کی ابتدا کرنے والے بھی الگ بیٹھ گئے اور نعتیہ شعر و ادب کے متوالوں نے باقاعدہ کئی دواوین تک پیش کردیے۔ موصوف فرماتے ہیں:

میں نعت کو تنقید سے بالاصنفِ سخن تسلیم کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوں۔

احسن صاحب ہی کیا کوئی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں بلکہ تقدس مآبی کو مدِنظر رکھتے ہوئے نعتیہ شاعری کی بابت بالخصوص تنقیدی عمل کی ضرورت ہے۔ یہ عمل ہمدردیِ نعت میں روشن ضمانت ہے۔ طویل عرصہ گزرا کہ لحاظ و احترام میں نعتیہ شعر و ادب ہر اصلاحی ذمہ داریاں نبھانے کا ماحول سازگار نہیں تھا مگر اب تنقیدی ضرورت نے خود ہی فضا ہموار کرلی کہ نعتیہ ادب کی خامیوں اور غلطیوں کا بے باکانہ طور پر محاسبہ کرتے ہوئے آیندہ کے لیے اصلاحی مقصد کو مزید تاب ناک بنایا جاسکے۔ ایک اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں:

جذبات میں ڈوبی ہوئی نعتیں سُن کر بسااوقات میں بھی رونے لگتا ہوں۔

لیکن کسی ادبی فورم پر میں ان نعتوں کو معیاری قرار دینے کا ذمہ نہیں لے سکتا، کیوں کہ میرے ذاتی اور لمحاتی احوال سے ادبی حقیقتیں اور لفظوں کی حرمتوں کا اجتماعی نظام بدل نہیں سکتا۔ میں صوفیہ کرام کی روحانی واردات اور نعت گو شعرا کی سچی کیفیات کا قائل تو ہوں لیکن ان کی شاعری کو شعری اور شرعی کسوٹی پر پرکھے بغیر ادبی دنیا میں رواج دینے کو عقیدت اور عقیدے کے لیے مضر جانتا ہوں۔ (ص ۱۱)

شعر و ادب کی مروّجہ اُردو دنیا جو عربی و فارسی تہذیب و تراکیب اور الفاظ و بیان کے آگے دامن پھیلائے رہتی ہے جس کے پلیٹ فارم پر قرآن و احادیث اور فقہی مسائل کا ایک بھی چراغ نہیں جل پایا، اس کی کسوٹی پر مذہبی احتیاط و نزاکت اور دینی تعلیم و تربیت کو پرکھنا یا طہارتِ شعور کو ادبی آئینے میں دیکھنا صنفِ نعت کی سراسر توہین ہے جو ادبی فارم اپنے بے شمار کفر زدہ اشعار، غیر محتاط اندازِ تحریر اور غلیظ جنسی افسانوں کو آج تک اصلاحی روشنی نہ دے سکا اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی تادیبی محاذ قائم ہو سکا۔ ارتقائے نعت کی بابت بار بار ایسے ادب کی دہائی دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ معیار سے متعلق ذمہ نہ لینے کے باوجود نعتیہ کلام سن کر آنسو بہا دینے سے تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہی اس کے مقدس اجتماعی نظام کی کام یابی پر فرازی ہے۔ نعت کے کسی بھی پسندیدہ اور معیاری فن پارے کا مطالعہ کرے دیکھیے کہ معیارِ فن کے زیرِ تاثر آنسو بہتا ہے یا نہیں۔ آنسو نہ بہنے کی صورت میں کیا اس حقیقتِ مسلمہ سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ شعر معیار سے خالی ہے۔ نعتیہ اشعار میں معیار کو کبھی پرکھا جانچا نہیں جاتا بلکہ اس کا ملفوظاتی و صوتی آہنگ اور اس کا تخیلی اظہار کس وقت متاثر کر بیٹھے اور کس وقت آنسو جھلکانے پر مجبور کر دے کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ نعتیہ اشعار کی مناسبت سے یہ وقت ارادی طور پر بہت کم غیر ارادی طور پر اکثر ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ خواہ اشعار اعلیٰ فکر و فن کے نمونے ہوں یا سرقہ و توارد کے شکار ہوں اچانک ہیجان پیدا کر دینے والی شدت کو صرف افکارِ نعت ہی عطا کر سکتے ہیں۔

اقرار کے آئینے میں انکار کے گُر سے سب واقف نہیں ہوتے۔ ایک طرف صوفیہ کرام کی روحانی واردات کے قائل بھی ہوتے ہیں تو دوسری جانب نعت کو شعری و شرعی کسوٹی پر پرکھنے سے بھی نہیں چوکتے۔ شعری و شرعی کسوٹی کا مسئلہ جب پہلے ہی سے درپیش تھا تو پھر سچی کیفیات کے قائل ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس عبارت سے اس اعلان کا بھی پتا چل گیا کہ ادبی دنیا

میں ادب پرکھنے جانچنے کے لیے شرعی کسوٹی کا بھی بندوبست ہوگیا جو عقیدہ و عقیدت کے مضر و غیر مضر جاننے کا فتویٰ جاری کرسکے گی۔ حیرت ہے کہ جو فریضہ مذہبی ادب کا ہے ایسے اُردو ادب سے جوڑ دیا گیا۔ واضح ہو کہ تحریر اُردو کی ہوتی ہے مگر فیصلہ اسلام کے حق میں کیا جاتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

> ایک کتاب دیکھی جس میں محض حضورﷺ کا احترام ظاہر کرنے کے لیے صحابۂ کرامؓ سے ایسے الفاظ منسوب کیے گئے ہیں جو ان مقدس ہستیوں کی صداقت تاب زبانوں سے نہیں نکلے تھے۔ مثلاً لکھتے ہیں: فلاں فلاں صحابی فرماتے ہیں تاج دار مدینہ یا مدنی تاج دارﷺ۔ (ص ۱۱)

یہ کتاب کہاں دیکھی کس کی تصنیف ہے اس کا حوالہ دینا بے حد ضروری تھا کہ دیگر حضرات بھی اصلاح و ہدایت کا فریضہ نبھا سکتے۔ کم سے کم مجھے تو یقین ہی نہیں آتا کہ ایسے لغو بات کسی اپنے قلم کار نے لکھی ہوگی۔ اگر احسن صاحب اس کتاب کا حوالہ پیش کردیں تو میں موصوف سے معافی مانگ لوں گا۔ مزید فرماتے ہیں:

> نعت گو شعرا سے یہ بھی درخواست کی جائے کہ وہ حیاتی، واقعاتی، لمحاتی، کیفیاتی اور وجدانی صداقتوں کو شعری قالب میں ڈھالنے کے عمل کو سہل نہ جانیں کہ نعت نگاری ذاتی احوال کی من مانی طریقے پر کھتونی کے مشغلے سے زیادہ نہیں۔ (ص ۱۲)

سالمیت و ضابطہ کے ساتھ نعت گوئی کا مشغلہ خواہ معمولی ہو یا غیر معمولی اس شغلِ خیر کو کھتونی کے مشغلے سے تعبیر کرتے اور نعت نگاری کے ذاتی احوال و کوائف کو من مانا طریقہ بتاتے ہوئے موصوف جو ذہن دینا چاہتے ہیں، اس طریقۂ اظہار سے ادبی جانب داری اور بغاوت کی بُو آتی ہے۔ ادبی پلیٹ فارم کی قدآوری کی نگہداشت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صنفِ نعت اور نعت نویسوں کی فراخ دلانہ تائید تو کم مگر حوصلہ شکنی میں اُنھوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس ضمن میں دوسرے رخ سے یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ کوئی بھی اچھا بھلا نظریہ صرف نعت نگاروں ہی پر صادق نہیں آتا بلکہ منصفانہ و شرعی نقطۂ نظر سے ان بے شمار شعرائے غیر وابستۂ نعت سے بھی درخواست کرنی چاہیے جنھیں کھتونی کے مشغلہ کے طور پر ہی سہی آج تک ایک بھی نعتیہ شعر کہنے کی توفیق نہیں ہوئی اور نہ ہی اُردو کے ادبی رویہ کے سنگھاسن پر حدیث و فقہ اور نعت گوئی کا کوئی

چراغ روشن ہو پایا۔ غیر موضوعاتی اصنافِ سخن کی چوکھٹ پر سر دُھننے والوں کی جماعتوں نے اب تک نعت کے کتنے مجموعے پیش کیے، اس کی بابت ہمیں کون بتائے گا۔ اُردو کے مروّجہ ادبی پیمانے کے پیشِ نظر نعت گوئی کا درد کس سطح اور اس کا معیار کس طور پر ہونا چاہیے، ادبی پلیٹ فارم سے جاری ہونے والے نعتیہ فکر وفن کے اعلیٰ نمونوں کا ہمیں برسوں سے انتظار ہے تاکہ ہمیں بھی پتا چل سکے جو اساتذہ نعت واضح نہیں کرسکے شعرائے جدید نے واضح کردیا۔ مضمون ''نعت کا مقصدِ تخلیق'' میں احسن صاحب نے مختلف شعرا کے چند اشعار کے حوالے سے تعینِ معیار کا اظہار بھی کیا ہے تاکہ ادبی دنیا کے نقطۂ نظر کو سمجھانے اور مزید مستند بنانے میں کام یابی حاصل ہوسکے مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ جن منتخب اشعار کی بابت خالص معیاری ہونے کی نشان دہی کی گئی ہے ہم احترامِ موضوع کو فوقیت دیتے ہوئے اس کے فکری اسلوب کو بلند پایہ تسلیم کرنے سے تکلف بھی کرسکتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ ایسے اشعار عام طور پر مل جاتے ہیں۔ اگر احسن صاحب کے نزدیک پیمانۂ معیار یہی ہے تو انھیں نعت کی عظیم خدمات کا اعتراف کرلینا چاہیے۔ نعت میں اتنی خوبیاں اور رعنائیاں ہوتی ہیں اتنی کشش و جاذبیت ہوتی ہے کہ حرف حرف سے لطافت و صداقت کی شعاعیں پھوٹی پڑتی ہیں۔ لفظ لفظ کے دامن میں ندامت ومعصیت کے آنسو جذب رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے اشعار کسی مخصوص پیمانے میں مقید نہیں ہوسکتے۔ سب سے اچھا شعر وہی ہے جو دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور جس کا لہجہ کلیجے کو چھلنی کردے۔ یہ تو لاکھوں کروڑوں سامعین و قارئین کے جذبات و رجحان اور وجدانی ہیجان کا معاملہ ہے کہ کس کے دل کو کون سا شعر تڑپا جائے، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ صنفِ نعت کی بابت احسن صاحب کے ایسے غیر مطمئن تجزیہ و تنقید سے کوئی فرق نہ پڑے گا، ایسے مسائل سے صنفِ نعت کو بچائے رہا جائے تو بہتر ہے۔ شاعر معمولی ہو یا غیر معمولی ہم مدتوں کی نعتیہ شاعری کا یکساں استقبال کرتے ہیں۔

تحقیقی مقالات

جو اللہ کو
بھول جاتا ہے
اللہ
بھی اُسے بھول جاتا ہے۔

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

منجانب:

جاوید غوری کراچی

Vanguard

خورشید رضوی۔ لاہور

قصیدہ شمسیہ... ایک نادر نعتیہ دستاویز

گزشتہ کئی برس کی محنت، ساتویں صدی ہجری/ تیرھویں صدی عیسوی کے ثقہ مؤرخ، ابن الشعار کے یادگار تذکرۂ شعرائے معاصرین، ''قلائد الجمان'' کی چھٹی جلد کی تحقیق متن میں صرف ہوئی۔[☆1] اس محنت کے ضمنی فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ تاریخِ نعت کی ایک اہم کڑی کا سراغ ملا۔ ابن الشعار دمشق کے ایک معاصر شاعر محمد بن سعد بن عبداللہ بن سعد السعدی الانصاری کا تذکرہ[☆2] درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ان سے میری ملاقات ذی الحجہ ۶۳۹ھ میں دمشق میں ہوئی۔ میں نے ان کے سال ولادت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے تقریباً ۵۷۷ھ کا اندازہ بتایا۔[☆3] وہ الملک الصالح، ابوالفداء، اسماعیل بن ابی بکر، حاکم دمشق کے دربار میں کاتب انشا (میر منشی) کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے۔ اپنے زمانے کے اچھے فاضلوں میں شمار ہوتے تھے۔ بچپن ہی سے حصول علم و ادب میں مشغول ہوئے۔ فقہ حنبلی میں مشہور فقیہ ابن قدامہ کے شاگرد تھے۔ ابتدا میں بچوں کو پڑھاتے تھے پھر الملک الصالح کے دربار سے منسلک ہوگئے۔ اچھے انشاپرداز، پاکیزہ گفتار اور خوش کلام و پرگو شاعر تھے۔ مجھے ان کا کلام انھی کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے نبی ﷺ کی شان میں ایک طویل قصیدہ کہا ہے جس میں آپ کے مناقب و معجزات کا بیان ہے۔''

آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ نعتیہ قصیدہ... (جسے ہم سہولت حوالہ کی غرض سے آئندہ صفحات میں شاعر کے لقب شمس الدین کی رعایت سے ''قصیدۂ شمسیہ'' کا نام دیں گے)... دمشق کے مضافات میں سہم اعلیٰ کے مقام پر دریائے ثورا کے کنارے ۲۵/ذی الحجہ ۶۳۹ھ کو، بدھ کے روز، خود ابن الشعار کو سنایا۔ قصیدہ ایک سو اڑتیس (۱۳۸) اشعار پر مشتمل ہے اور ابن الشعار

نے سارے کا سارا قلائد الجمان میں محفوظ کر دیا ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا یہ قصیدہ نادر ہے چناں چہ اس کا مکمل عربی متن مع تدوینی حواشی کے، بطور ضمیمہ، اس مضمون کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔

قلائد الجمان کے علاوہ جن جن ماخذ تک ہماری رسائی ہوسکی ہے ان سے مجموعی طور پر یہ معلومات سامنے آتی ہیں کہ شاعر کی بیش تر شہرت شمس الدین المقدسی کے لقب سے ہے اور چوں کہ مفصل شجرۂ نسب (محمد بن سعد بن عبداللہ بن سعد بن مفلح بن حبۃ اللہ[☆۴] بن نمیر الانصاری، الصالحی، الحنبلی) میں ایک جد کا نام ''مفلح'' آتا ہے اس لیے ''ابن مفلح'' کی کنیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ خاندانی تعلق بیت المقدس سے تھا چناں چہ ''مقدسی'' اسی نسبت سے کہلائے۔ خود دمشق میں پیدا ہوئے۔ وہیں کوہ قاسیون کے نواح میں صلاح و تقویٰ کے ماحول میں نشوونما پائی اور بالآخر ماہِ صفر[☆۵] ۶۵۰ھ میں وفات پا کر قاسیون ہی کے دامن میں مدفون ہوئے۔ ان سے بارہ برس پہلے اسی نواح میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ آسودۂ خاک ہو چکے تھے اور چوں کہ شیخ کی زندگی کے آخری اٹھارہ برس کا زمانہ شام، خصوصاً دمشق ہی میں گزرا لہٰذا دونوں کی ملاقات کا امکان نہایت قوی ہے، گو بالوضاحت اس کا ذکر کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ ۶۵۰ھ ہی کے ذی القعدہ میں شمس الدین کے بھائی ابوالعباس احمد بن سعد کی وفات کا ذکر بھی ملتا ہے۔[☆۶]

شمس الدین آغاز ہی سے اپنے زمانے کے مروجہ علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور قرآن پاک، نحو اور عربی زبان کا درس لیا۔ حدیث کے حصول میں خصوصاً بہت وقت صرف کیا۔ ابن صدقہ الحرانی، یحییٰ الثقفی، ابن الموازینی، عبدالرحمن بن علی الخرقی اسماعیل الجنزوی اور ابوطاہر الخشوعی جیسے محدثین سے حدیث سنی۔ علاوہ ازیں ابوطاہر السلفی، ابن شاتیل، ابوموسیٰ المدینی، القزاز اور احمد بن ینال الترک جیسوں سے ان کو اجازت حاصل تھی۔ بعد ازاں خود دمشق کے علاوہ حلب میں بھی درس حدیث دیتے رہے۔ ان سے حدیث روایت کرنے والوں میں خود ان کے فرزند سعد الدین یحییٰ بن محمد کے علاوہ مجد الدین ابن العدیم، شرف الدین الدمیاطی، قاضی تقی الدین سلیمان، الفخر، ابن عساکر اور العفیف، اسحاق وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ الحافظ الضیاء اور ابن الحاجب نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔

حدیث کے علاوہ فقہ حنبلی سے شغف رہا اور، جیسا کہ بیان ہوا، اس میدان میں ابن قدامہ جیسے فقیہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ ادب میں بھی دست گاہ پیدا کی۔ نظم و نثر پر یکساں قدرت

رکھتے تھے۔ اس دور کے اکثر اہلِ علم کی طرح خطاطی میں بھی اچھی مہارت بہم پہنچائی اور علم و فضل، انشا پردازی، شاعری، دینداری، خوش نویسی، خوش کرداری اور خوش گفتاری میں شہرت پائی۔ حاکم دمشق الملک الصالح اسماعیل بن ابی بکر نیز الملک الناصر داود بن عیسیٰ کے ہاں میر منشی کے عہدے پر فائز رہے اور، بعض روایات کے مطابق، ایک زمانے میں قلمدان وزارت بھی سنبھالا۔

آپ کی شاعری کے جو نمونے قلائد الجمان اور دیگر مآخذ میں ملتے ہیں وہ اپنے دور کی اچھی شاعری کے نمائندہ ہیں۔ آپ کے زمانے میں آپ کی ایک نظم☆۷ کا خاص طور پر چرچا ہوا کیوں کہ یہ غیر معمولی جرأت کا مظہر تھی۔ خود ملازم دربار ہونے کے باوجود آپ نے اس نظم میں الملک الصالح کو اس کے دربار کی ناگفتہ بہ حالت بتاتے ہوئے بے باک نصیحت کا فرض ادا کیا اور ایسا کرتے ہوئے، بقول خود، جان کا خطرہ مول لیا۔

یا مالکا لم اجد لی من نصیحته　　　　بُدّا، فیها دمی اخشاه منسفکا

اے حاکم اعلیٰ
جس کو نصیحت کرنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے
حالاں کہ اس نصیحت میں یہ خطرہ بھی ہے
کہ خود میرا خون بہہ جائے گا

مزید کہتے ہیں:

اس شخص کی نصیحت پر کان دھر
جس پر تیرے بڑے احسانات ہیں
چناں چہ وہ یہ سمجھتا ہے
کہ اگر وہ نصیحت میں کوتاہی سے کام لے
تو یہ احسان فراموشی کے مترادف ہوگا

بخدا وہ حکمرانی پھلتی پھولتی نہیں
جس کا مالک اپنی رعیت پر
ظلم کا جال پھیلا دیتا ہے

اس کے بعد نام بہ نام، وزیر ابن غزال اور دو منجموں ثعلب اور فضیل اور بعض دوسرے کارپردازان

حکومت کی ناروا روش پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں
جن کے ہاتھوں آفات عام ہوئیں
شریعت کا خون ہوا
اور اسلام نے دم توڑ دیا

سبط ابن الجوزی نے مرأۃ الزمان میں ذکر کیا ہے کہ یہ نظم شاعر نے خود مجھے سنائی اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی اور یہ اشعار ایسے ہیں کہ اگر سونے کے پانی سے سیاہی چشم پر لکھے جائیں تو بھی ان کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ پھر اشعار نقل کرنے کے بعد مزید لکھا ہے کہ اللہ شاعر پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اس کی نگاہ سے پردہ ہٹ چکا تھا اور یہ توفیق الٰہی کی بات ہے[☆۸] یہ زبردست داد غالباً جرأت اظہار کے سبب سے دی گئی کیوں کہ خالص فنی سطح پر یہ اشعار اتنے غیر معمولی نظر نہیں آتے۔ شاعر نے یہ اشعار سر ہتھیلی پر رکھ کر کہے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ صدق مقال کی قدر کی گئی چناں چہ، جیسا کہ ذکر ہوچکا، بعض روایات کے مطابق انھوں نے ایک زمانے میں خود الملک الصالح کا قلم دانِ وزارت سنبھالا۔[☆۹]

چھبیس اشعار پر مشتمل ایک اور نظم ابن الشعار نے نقل کی ہے[☆۱۰] جس میں دمشق، بالخصوص قاسیون اور اس کے گرد و نواح سے شدید محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ عمر رفتہ کو آواز دی گئی ہے اور اسی علاقے کو روے زمین پر جنت کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ نظم کی فنی سطح بھی لائقِ داد ہے۔ مطلع ہے:

اذا ما بدت من قاسیون قبابه — وبانت لعینیک الغداة لصابه

جب بھی قاسیون کے گنبد جلوہ گر ہوتے ہیں
اور، صبحدم، تیری آنکھوں کے سامنے
اس کی وادیوں کی تنگنائیں رونما ہوتی ہیں…

ایک اور نظم کے آٹھ اشعار قلائد الجمان میں درج ہیں[☆۱۱] جو سچی محبت کے غیر مغلوب جذبے کا زور شور بیان کرتے ہیں۔ آخری شعر ملاحظہ ہو:

وان محبا صدت النار وجهه — او البحر، عن احبابه غیر عاشق

وہ محبت کا دعوے دار
کہ آگ کا الاؤ یا سمندر کا بہاؤ
اس کا منھ اس کے پیاروں کی طرف سے موڑ سکتا ہو
عاشق کہلانے کا مستحق نہیں

دو شعر اور النجوم الزاہرہ میں ابن تغری بردی نے نقل کیے ہیں[١٢] جن میں ممدوح کی آمد پر دوستوں کے دل کی کلی کھلنے اور دشمنوں کی بنیاد زندگی ہلنے کا بیان کرتے ہوئے اس کے قدوم میمنت لزوم کو تپتے ہوئے دیار میں بارانِ رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فنی طور پر یہ دونوں شعر کچھ زیادہ چست نہیں ہیں۔ چناں چہ خود ابن تغری بردی نے ان کو نقل کرکے معاً بعد کسی اور کے دو شعر درج کیے ہیں اور کہا ہے کہ اسی مضمون کو ان دو شعروں میں بہتر طور پر ادا کیا گیا ہے۔

یہ وہ کل سرمایہ ہے جو آج اس عالم فاضل، پرگو شاعر اور اپنے زمانے کی ایک اہم سیاسی و معاشرتی ہر دل عزیز شخصیت کے نتائج قلم سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں سے بیش تر ابن الشعار کی قلائد الجمان ہی میں ملتا ہے، جس میں وہ طویل نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے جسے ہم نے قصیدۂ شمسیہ کا نام دیا ہے اور جو ان سطور کا باعث تحریر ہے۔ جس قدر دیگر ماخذ تک ہماری رسائی ہو سکی ان میں سے کسی میں بھی اس قصیدے کا ذکر یا کوئی شعر موجود نہیں۔ عربی نعت کے مشہور و ضخیم منتخاب ''الجموعة النبهانيه فى المدائح النبوية'' میں بھی یہ قصیدہ شامل نہیں ہے... اس اعتبار سے اسے ایک نادر دستاویز کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے جو قلائد الجمان کے علاوہ شاید کہیں بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔

زمانی اعتبار سے قصیدۂ شمسیہ کا ایک اور امتیاز یہ نظر آتا ہے کہ یہ قصیدۂ بردہ سے متقدم ہے۔ قصیدۂ بردہ کا زمانۂ تصنیف قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں لیکن علامہ فضل احمد عارف صاحب نے اپنی کتاب ''برکاتِ بردہ'' میں اس کا زمانہ متعین کرنے کے لیے، بجا طور پر، الملک الظاہر کے وزیر بہاؤالدین ابن حنا کے عہد وزارت کو حوالہ بنایا ہے[١٣]۔ محمد بن شاکر الکتبی کی روایت کے مطابق امام بوصیریؒ کا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں کئی قصاید کہہ رکھے تھے جن میں سے کچھ وزیر زین الدین یعقوب بن الزبیر نے مجھ سے فرمایش کرکے لکھوائے۔ پھر یوں ہوا کہ مجھے فالج ہو گیا جس سے میرا آدھا جسم بے کار ہو گیا۔ تب مجھے اپنے اس قصیدے ''البردۃ'' کے نظم کرنے کا خیال آیا۔ سو میں نے یہ قصیدہ کہا اور اس وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی

کہ مجھے صحت بخشے اور بار بار اسے پڑھا اور رو رو کر دعا کرتا اور واسطہ دیتا رہا۔ سو یا تو نبی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے میرے چہرے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور مجھے ایک چادر عطا فرمائی۔ آنکھ کھلی تو میں نے خود میں قوت محسوس کی۔ سو میں اٹھا اور گھر سے نکل آیا۔ یہ بات میں نے کسی کو بتائی نہیں تھی۔ (مگر ہوا یہ کہ) فقرا میں سے ایک صاحب مجھے ملے اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ وہ قصیدہ مجھے عطا کریں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں کہا ہے۔ میں نے کہا، ''کون سا؟'' کہا جو آپ نے بیماری کی حالت میں کہا ہے اور اس کا مطلع دہرا دیا۔ پھر کہا کہ بخدا میں نے یہ قصیدہ گزشتہ شب سنا جب کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو جھومتے ہوئے دیکھا اور آپ نے اسے پسند فرمایا اور پڑھنے والے کو ایک چادر عطا فرمائی۔ سو میں نے قصیدہ ان صاحب کو دے دیا۔ انھوں نے اس بات کا (اوروں سے) ذکر کیا اور خواب کا چرچا ہوگیا تا آنکہ وزیر بہاؤالدین، ابنِ حنا تک پہنچا۔ انھوں نے یہ پیغام بھیج کر قصیدہ منگوا لیا اور قسم کھا لی کہ اسے جب سنیں گے کھڑے ہوکر، ننگے پاؤں ننگے سر سنا کریں گے اور وہ اور ان کے اہلِ خانہ اسے سننا پسند کرتے تھے۔☆[۱۴]

وزیر بہاؤالدین مذکور کا پورا نام علی بن محمد بن سلیم ہے اور وہ ''ابن حنا'' کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کا زمانۂ حیات ۶۰۳۔۶۷۷ھ/ ۱۲۰۷۔۱۲۷۹ء ہے۔☆[۱۵] خوش قسمتی سے البدایہ والنہایہ میں قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ الملک الظاہر نے ان کو پیر، ۸/ربیع الاول ۶۵۹ھ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔☆[۱۶] قصیدۂ بردہ کی تصنیف کے بارے میں مندرجہ بالا روایت واضح طور پر یہ تاثر ملتا ہے کہ تصنیف کے بعد جلد ہی اس کی شہرت وزیر ابن حنا تک پہنچ گئی۔ اب، اگر یہ واقعہ وزیر مذکور کی وزارت کے پہلے دن کا بھی ہو تب بھی بردہ کا زمانہ تصنیف ۶۵۹ھ کے اوائل یا ۶۵۸ھ کے اواخر کی بات ہوگئی جب کہ شمس الدین محمد بن سعد ۶۵۰ھ میں وفات پاچکے تھے اور جیسا کہ ذکر ہوا، انھوں نے قصیدۂ شمسیہ ۲۵/ذی الحجہ ۶۳۹ھ کو خود ابن الشعار کو سنایا تھا اور عین ممکن ہے کہ وہ بہت پہلے کا کہا ہوا ہو۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ یہ قصیدہ، قصیدۂ بردہ سے سال ہا سال پہلے کا ہے اور خارج از امکان نہیں کہ امام بوصیریؒ کی نظر سے بھی گزرا ہو اور انھوں نے اس سے، شعوری یا غیر شعوری اثر بھی قبول کیا ہو۔ اس قصیدے کے اولین الفاظ ''تذکر مشتاق'' سے ذہن قصیدۂ بردہ کے ابتدائی کلمات ''امن تذکر جیران'' کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگرچہ لفظ ''تذکر'' دونوں جگہ الگ الگ معنوی پرچھائیں رکھتا ہے لیکن لفظی اشتراک بہرحال توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے

اسی طرح قصیدۂ شمسیہ کے چوتھے اور پانچویں شعر کا مضمون:

جب وہ زخم خوردہ آنکھ کو
گریہ وزاری سے روکتا ہے
تو وہ تھوڑی نہیں
بلکہ زور شور سے بہہ نکلتی ہے
اور اگر وہ سوزِ عشق کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے
تو اس کی اشک آلودہ پلکیں
اس کے غم اور اشک کا راز فاش کر دیتی ہیں

قصیدۂ بردہ کے تیسرے اور چوتھے شعر کی یاد دلاتا ہے:

سو تیری آنکھوں کو کیا ہوگیا ہے
کہ جب تو اس سے کہتا ہے کہ تھمی رہو
تو وہ بہہ نکلتی ہیں
اور تیرے دل کو کیا ہوگیا ہے
کہ جب تو کہتا ہے کہ ہوش میں آ
تو وہ اور سرگشتہ ہو جاتا ہے

کیا عاشق یہ گمان کرتا ہے
کہ چشم گریاں اور دل بریاں کے ہوتے ہوئے
محبت پوشیدہ رہ سکے گی

تاہم مروّج مضامین کے ان لفظی ومعنوی اشتراکات سے کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کیوں کہ ان کی بنیاد توارد محض پر بھی ہوسکتی ہے۔ فنی اعتبار سے قصیدۂ بردہ یقیناً فائق ہے اور جذبے کے وفور، تاثیر اور قبول عام میں تو اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ ہاں قصیدۂ شمسیہ کو تقدم زمانی کا شرف ضرور حاصل ہے اور اپنی جگہ ایک معیاری قصیدہ ہونے کی حیثیت سے یہ تاریخِ نعت میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

قصیدۂ شمسیہ بحرطویل مثمن مقبوض میں ایک طویل رائیہ ہے جس کے اشعار کی تعداد،

جیسا کہ ذکر ہو چکا، ایک سو اڑتیس (۱۳۸) ہے۔ پہلے پندرہ شعر تشبیب کے ذیل میں آتے ہیں جن میں بصیغۂ غائب، خود شاعر کے سوزِ عشق اور اس سے پیدا ہونے والے غم واندوہ اور اشک فشانی کا ذکر ہے۔ بیانِ غم میں، تیسرا شعر، فنی طور پر بہت مضبوط ہے:

وہ غم زدہ ہے
غم واندوہ سے مانوس ہو چکا ہے
اور جو کوئی زمانے کا مزاج آشنا ہو جاتا ہے
غموں کی شکایت نہیں کیا کرتا

آگے چل کر اپنے وطن دمشق کے پرفضا مقام ''نیربین'' میں اپنے چاہنے والوں کے درمیان آسودہ حال ہونے کے باوجود دور کے دیار ''رامہ'' اور ''عقیق'' تک رسائی کی آرزو کا ذکر کیا گیا ہے جو ظاہراً تشبیب کی عمومی فضا میں دیارِ محبوب کی علامت سمجھے جا سکتے ہیں مگر یہاں، براعت استہلال کے انداز میں، قصیدے کے اصل موضوع کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں کیوں کہ ''رامہ'' گو ایک سے زیادہ مقامات کا نام ہے مگر یہاں روئے سخن اس ''رامہ'' کی طرف ہے جو بصرہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستے کا ایک پڑاؤ ہے جب کہ ''عقیق'' مدینہ منورہ کے مضافات میں ایک نخلستان ہے بلکہ اسی نواحِ پاک میں کئی مقام اس نام سے موسوم ہیں۔☆۱۷ اپنے وطن کی ارضِ جنت نظیر کی تعریف کرتے ہوئے، سولھویں شعر میں، گریز کی لطیف تقریب پیدا کی گئی ہے اور اصل موضوع کا آغاز کیا گیا ہے:

اس نے ایسے دل کش مقام سے دور چلے جانے کی تمنا کی
کسی اکتاہٹ کے سبب نہیں
بلکہ اس کا محرک ایک ایسا ارادہ تھا
جو اجر و فخر تھے

یعنی ایک ایسے مزارِ مبارک کی زیارت
کہ ہر دل اور ہر آنکھ کو
شدتِ شوق میں یہ آرزو ہوتی ہے
کہ وہ اسی میں سما جائے

وہاں وہ ہستی بستی ہے
کہ عالمین کے لیے سراپا عصمت ہے
اور رحمت
جو نیک و بد سب کو محیط ہے
یعنی ذاتِ والائے محمد مصطفیٰ
جو خیرالانام ہیں
اور سب سے بڑھ کر لائقِ فخر اور بلند مرتبت

بیسویں شعر سے روئے سخن براہ راست ذات پاک رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوجاتا ہے اور آپ سے مخاطب ہوکر شاعر آپ کی فضیلت اور آپ کی تشریف آوری سے قبل سارے جہاں پر چھائی ہوئی کفر کی ظلمت، توحید سے روگردانی اور شرک و باطل کی حکمرانی کا ذکر کرنے کے بعد یہ بیان کرتا ہے کہ کفر و ضلالت کے اس سیلاب کے سامنے آپ نے "فاصدع بما تومر"[☆☆۱۸] پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، بلا خوفِ لومۂ لائم، دوٹوک انداز میں پیغام حق سنایا اور زمانے بھر کی عداوت کا تن تنہا مقابلہ فرمایا تا آنکہ اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی:

جب گمرہی کا بحرِ زخار امڈ آیا
اور اس کا چڑھاؤ عروج کو پہنچ گیا
تو آپ کی آمد اس کا اتار ثابت ہوئی

اور جب بے راہ روی کی شب تاریک، اور تاریک ہوگئی
تو آپ اس میں مہ کامل بن کر طلوع ہوئے
اور اس کے لیے پیغام سحر لائے

آپ نے خدائے رحمٰن کی راہ میں
جہاد کا حق ادا کردیا
یہاں تک کہ نصرتِ الٰہی
اور اس کے پیچھے پیچھے فتح آ پہنچی

یہ مضامین شعر نمبر ۳۱ تک چلتے ہیں۔ تیسویں شعر میں معجزات کا بیان شروع ہوتا ہے:

آپ کو کھلے کھلے معجزات عطا ہوئے
جو نصف النہار پر چمکتے ہوئے سورج کی طرح
ٹھوس حقیقت ہیں

پھر سب سے بڑے معجزے یعنی قرآن مجید کا ذکر چھ اشعار میں کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں مختلف فاسد تصورات کو رد کیا گیا ہے۔ مثلاً اسے سحر قرار دینا یا مخلوق خیال کرنا یا انسانی ذہن کی اختراع سمجھنا یا اس کی تحریری شکل کا منکر ہونا۔ اس ضمن میں یہ استدلال پیش کیا گیا ہے کہ اگر تحریر کا انکار کیا جائے تو حدیث کا یہ حکم کیا معنی رکھتا ہے کہ دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر نہ جایا جائے مبادا دشمنوں کے ہاتھوں اس کی بے حرمتی ہو۔ یا خود قرآن کا یہ حکم کہ ناپاکی کی حالت میں اسے نہ چھوا جائے۔ وغیرہ

انتالیسویں شعر میں معجزہ معراج کا بیان شروع ہوتا ہے اور چھیالیسویں شعر تک چلتا ہے۔ اس حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آپ کا اسرا اور پھر پشت براق پر سدرۃ المنتہیٰ تک کا معراج، رویتِ الٰہی سے بہرہ یاب ہونا، آیت کبریٰ کا مشاہدہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب بہ سلام، پچاس نمازوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے سے تخفیف کے لیے آپ کا بار بار کوشاں ہونا حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں جن کا ثواب پچاس ہی کے مساوی ہے۔ یہ سب مضامین علمی انداز میں باندھے گئے ہیں جو اس قصیدے کا عمومی اسلوب ہے چناں چہ جابجا آیات و احادیث کا حوالہ ملتا ہے جن کی توضیع عربی متن کے حواشی میں کر دی گئی ہے۔

شعر نمبر ۴۷ سے حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کا بیان شروع ہوتا ہے اور ان روایات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی رو سے روزِ محشر لوگ حالتِ خوف میں انبیاے کرامؑ کی خدمت میں جائیں گے مگر وہ معذرت کریں گے تا آں کہ نبی اکرم ﷺ ''انالھا'' ''میں شفاعت کے لیے تیار ہوں'' فرما کر ان کی شفاعت کے لیے تشریف لائیں گے۔ آپ کو ''لواء الحمد'' عطا کیا جائے گا جس کے نیچے آدمؑ سے لے کر بعد میں آنے والوں تک سب جمع ہوں گے، پھر آپ عرش کے سامنے سجدہ گزار ہو کر شفاعت فرمائیں گے اور آپ سے فرمایا جائے گا کہ سر اٹھایئے، آپ کی دعائیں مسموع اور شفاعت مقبول ہوئی۔ پھر کوثر و حوض آپ کو عطا ہوں گے جس سے تشنگاں اپنی پیاس بجھائیں گے۔

شعر نمبر ۵۵ سے آگے دیگر بہت سے معجزات کا ذکر تسلسل سے چلتا ہے، مثلاً شق القمر، ولادتِ مبارکہ کے موقع پر ایوانِ کسریٰ کا انشقاق، آتش کدۂ مجوس کا سرد پڑ جانا، بحیرۂ ساوہ کا خشک ہونا، موبذان کا خواب اور سطیح کاہن کی تعبیر، بحیریٰ اور نسطورا راہب کا آپ کی ذات میں علاماتِ نبوت شناخت کر کے نشان دہی کرنا، آپ کے دست مبارک سے وضو کے لیے پانی کا جاری ہونا، آپ کی مبارک انگلیوں سے پھوٹنے والے پانی سے ہزار سے زیادہ صحابہ کرامؓ کا سیراب ہونا، رکے ہوئے چشمے کا آپ کی کلی سے رواں ہونا، بہت سوں کی پیاس بجھانے کے باوجود مشکیزے کا بھرا رہنا، چند کھجوروں سے لشکر کو زاد مہیا فرما دینا اور اسی طرح برکت رزق کے دیگر کئی واقعات، حضرت سلمہؓ بن اسلم، حضرت عکاشہؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو آپ کی طرف سے لکڑیاں عطا ہونا، جنھوں نے جنگ میں تلواروں کا کام کیا، حضرت قتادہؓ اور حضرت رفاعہؓ کی آنکھ کا زخمی ہوکر باہر نکل آنا اور حضور ﷺ کے دستِ مبارک سے پھر پیوست ہوجانا، ہاتفوں کا نعت سرائی کرنا، درختوں کا چل کر آپ کی طرف آنا، درخت کے تنے (یعنی حنانہ) کا آپ کی طرف مشتاق ہونا، ہرنی اور پتھر کا سلام عرض کرنا، کنکریوں کا دست مبارک میں تسبیح پڑھنا، اونٹ کا قدم بوسی کرنا، سراقہ کے گھوڑے کا دھنس جانا، مکڑی کا جالا تاننا، کبوتروں کا گھونسلہ بنانا، غزوہ حنین کے موقع پر آپ کا مشت خاک پھینکنا، بوڑھی سوکھی بکری کا آپ کے لمس مبارک سے دودھ اُتارنا، آپ کی رسالت پر گوہ کا گواہی دینا، اور بھیڑیے کا قسم پوری کرنا، بدر میں ملائکہ کا مدد کو اترنا، حضرت علیؓ کو سردی گرمی سے محفوظ کرنا، سم آلود دست گوشت کا خود اظہار سمیت کرنا، مہینہ بھر کی مسافت سے آپ کا رعب طاری ہونا وغیرہ۔ معجزات کے بیان کا یہ حصہ قصیدے کا طویل ترین حصہ ہے یعنی شعر نمبر ۵۵ سے لے کر شعر نمبر ۱۱۲ تک پھیلا ہوا ہے، قصیدۂ بردہ میں معجزات کا بیان اس کے مقابلے میں بہت مختصر ہے لیکن اختصار کے باوجود... (یا شاید اسی سبب سے)... زیادہ موثر محسوس ہوتا ہے۔

شعر نمبر ۱۱۳ سے اصحاب و آل کا ذکر شروع ہوتا ہے اور اس ضمن میں خلفائے راشدین، حضرت حسنین اور حضرت حمزہ و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا بطور خاص اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور حدیث ''اصحابی کالنجوم''☆[۱۹] کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا گیا ہے:

یہ وہ درخشاں ستارے ہیں
جن سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے

ان میں سے جس کی طرف بھی تو رخ کرلے گا

وہ تجھے راہ پر لگا دے گا

پھر صحابہؓ کے مناقب و فضائل کے بارے میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ وہ اَن گنت ہیں اور تمام مخلوق مل کر بھی ان کے بیان و شمار کی طاقت نہیں رکھتی۔

مجھ ایسے کی کیا طاقت کہ انھیں نظم کرسکے

جب کہ ان کے وصف میں آیات

نثر میں آئی ہیں

یہاں تک ۱۲۶ ر شعر ہوتے ہیں اور اس کے بعد اختتامِ قصیدہ تک جذبے کا وفور، علمی اسلوب پر غالب آجاتا ہے اور بارہ شعر کے اسی اختتامیے کو شاید قصیدے کا سب سے موثر حصہ کہا جاسکتا ہے۔

میرا شعر

ہر چند کے سورج اور ستارۂ شعریٰ جیسے

درخشندہ الفاظ سے عبارت ہو

ان فضائل کے آگے

پارۂ ابر کی حیثیت بھی نہیں رکھتا

بس اتنا ہے کہ میں نے

ان کی مدح کرکے خود اپنے شعر کو اعزاز بخشا ہے

اور اس کے وسیلے سے

کارِ خیر کے دفتر میں اپنا نام لکھوا لیا ہے

آپ پر اللہ کا درود

پھر ان سب (آل و اصحاب) پر ایسا سلام

جو اپنی مہک سے

خود مشک کو خوشبو مستعار دیتا ہے

باغوں کی مہکار جیسا سلام
جسے وہ بادِ صبا کے ہاتھ روانہ کرتے ہیں
تاکہ وہ ان کا سپاس
ابر و باراں تک پہنچا دے

آپ کی محبت کے بل پر
حشر کے روز تو میں آپ کی زیارت کا امیدوار ہوں ہی
مگر اس دنیا میں بھی اس کے لیے شفاعت فرما دیجیے

قصیدے کے آخری تین اشعار میں خطاب کا رخ حضرتِ الوہیت کی طرف پھرتا ہے:

الٰہی! گناہوں نے مجھے گھیر لیا
نیکی کا سرمایہ میرے پاس نہیں
جس کے بل پر عفو و مغفرت کی امید کی جا سکے

لے دے کر کچھ ہے تو تیری ذات پر میرا حسن ظن ہے
یا پھر میری یہ گواہی
کہ تو لاشریک ہے
ذات لاشریک کی عبادت کرنے والا
کامیابی سے ضرور ہم کنار ہوگا

یا یہ کہ میں
نبی
اور آپ کے آل و اصحاب سے محبت رکھتا ہوں
بار الٰہا! اسی کو میرے لیے سامانِ نجات بنا دے

حواشی و تعلیقات

☆۱۔ کمال الدین، ابوالبرکات، المبارک بن ابی بکر، ابن الشعار الموصلی (۵۹۵۔۶۵۴ھ/ ۱۱۹۸۔۱۲۵۶ء) نے بڑے پُرآشوب دور میں زندگی بسر کی۔ ان کی وفات کے دو ہی برس بعد سقوطِ بغداد کا المناک سانحہ رونما ہوگیا۔ انھوں نے یہ تذکرہ ''قلائد الجمان فی فرائد شعراء ھذا الزمان'' جو بالعموم ''عقود الجمان'' کے نام سے مشہور ہے، دس ضخیم جلدوں میں ترتیب دیا تھا۔ ناسازگاریٔ حالات کے سبب اس کی مزید نقول تیار نہ ہوسکیں اور دس میں سے دو جلدیں (دوسری اور آٹھویں) دستبردِ زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ باقی آٹھ جلدوں کا منحصر بفرد خطی نسخہ کتب خانہ سلیمانیہ استنبول (ترکی) میں محفوظ ہے۔ کافی عرصہ قبل ابن الشعار کے وطن الموصل (عراق) کی یونیورسٹی جامعۃ الموصل میں اسے شائع کرنے کا منصوبہ بنا اور تحقیق متن کے لیے مختلف جلدیں مختلف محققوں کے سپرد کی گئیں۔ چھٹی جلد کا خستہ حال عکس راقم کے ذمے آیا جس کا متن طے کرنے میں آٹھ برس سے زائد وقت صرف ہوا۔ اس اثنا میں خلیج کی جنگ کے نتیجے میں عراق کے حالات سخت خراب ہوگئے۔ صرف تیسری جلد وہاں سے شائع ہوسکی۔ چھٹی جلد کی اشاعت شیخ زائد اسلامی مرکز، جامعہ پنجاب، لاہور سے ۲۰۰۱ء میں عمل میں آئی۔ پورے تذکرے کی ضخامت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف چھٹی جلد بڑی تقطیع کے ساڑھے آٹھ سو صفحات میں طبع ہوئی ہے۔ اس تذکرے میں فخرالدین رازی جیسے عالم و مفسر، مجدالدین ابن الاثیر جیسے محدث، ابن عربی جیسے صوفی، ابن المستوفی اور ابن خلکان جیسے مورخ، یاقوت الحموی جیسے جغرافیہ دان اور سوانح نگار اور ابن جبیر جیسے سیاح، سب بطور شاعر سامنے آتے ہیں اور اکثر حالات میں براہ راست ملاقات کے نتیجے میں ان کے حالات اور نمونہ کلام کا اندراج کیا گیا ہے۔ چناں چہ بعض ایسی قیمتی معلومات اس تذکرے میں مل جاتی ہیں جو کہیں اور دستیاب نہیں ہوسکی تھیں۔ مثال کے طور پر شیخ اکبر محی الدین، ابن عربی سے براہ راست روایت کے ذریعے، آغاز شباب ہی میں فوجی ملازمت ترک کرکے ان کے راہ طریقت پر گامزن ہو جانے کا جو محرک خود انھی کی زبانی اس تذکرے کی وساطت سے سامنے آیا ہے، ماہرین کو ایک عمر سے اس کی تلاش تھی۔ زیر نظر نعتیہ قصیدہ بھی اس تذکرے سے ہونے والی ایک ایسی ہی نادر یافت ہے۔

☆۲۔ قلائد الجمان، ۹/ ۲۳۲۔۲۵۰، (اوراق مخطوطہ، ۱۶۰/ الف۔ ۱۲۶/ ب)

☆۳۔ اکثر مآخذ میں ان کا سالِ ولادت ۵۷۱ھ بتایا گیا ہے لیکن ابن الشعار نے چونکہ براہ راست پوچھ کر لکھا ہے اور خود شاعر نے قیاساً بتایا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ یقینی تاریخ کا علم کسی کو نہیں اور اندازہ شاعر ہی کا مستند سمجھا جانا چاہیے۔

☆۴۔ ذیل ابن رجب، ۲/ ۲۰۰)، میں ''مفلح بن ھبۃ اللہ'' کے بجائے ''ھبۃ اللہ بن مفلح'' درج ہے جو سہو قلم معلوم ہوتا ہے کیوں کہ تاریخ الاسلام (مخطوطہ)، (ورق ۲۳۹/ الف)، فوات الوفیات، (۳/ ۳۵۸)، الوافی، (۳/ ۹۱)، النجوم الزاھرۃ، (۷/ ۲۶)، اور شذرات الذھب، (۵/ ۲۵۱) سب میں ''مفلح بن ھبۃ اللہ'' ہی ہے۔

☆۵۔ وفات کا مہینہ صفر، سبط ابن الجوزی (۵۸۱۔۶۵۴ھ) کی مرآۃ الزمان، (۸/ ۷۸۸)، میں درج ہے جن کی خود شاعر سے ملاقات رہی اور جو ان کی وفات کے وقت غالباً دمشق ہی میں تھے۔ انھوں نے یہ نشان دہی بھی کی ہے کہ شاعر کی قبر شیخ ابو عمر (؟) کے قریب بنی۔ بعد میں الحسینی نے صلۃ التکملۃ میں اور ذہبی نے اپنی مختلف کتب میں ماہ شوال درج کیا بلکہ شوال کی دوسری تاریخ کی تحدید بھی کردی۔ صلۃ التکملۃ (مخطوطہ) ہماری رسائی میں نہیں اور ذہبی نے اپنی روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ دونوں حضرات کا زمانہ (الحسینی ۶۳۶۔۶۹۵ھ، الذہبی ۶۷۳۔۷۴۸ھ) بھی چوں کہ متاخر ہے اس لیے ہم، کسی یقینی دلیل کی عدم موجودگی میں، معاصر شہادت یعنی سبط ابن الجوزی ہی کے قول (ماہ صفر) کو ترجیح دیتے ہیں۔

☆۶۔ دیکھیے تاریخ الاسلام (مخطوط)، ورق، ۲۳۶/ب، ذیل ابن رجب، ۲/۲۰۱، شذرات الذھب، ۵/۲۵۱

☆۷۔ نظم کے عربی متن کے لیے دیکھیے، مرآۃ الزمان، ۸/ ۸۷۔۸۸۷، فوات الوفیات، ۳/ ۳۵۸، الوافی، ۳/۹۲

☆۸۔ مراۃ الزمان، حوالہ بالا

☆۹۔ ذیل ابن رجب، ۲/۲۰۱، شذرات الذھب، ۵/۲۵۱

☆۱۰۔ قلائد الجمان، ۶/ ۴۴۷۔۴۴۹

☆۱۱۔ ایضاً، ۶/ ۴۴۹۔۴۵۰

☆۱۲۔ النجوم الزاھرۃ، ۷/ ۴۷

☆۱۳۔ برکات بردہ، ۴۶۔۴۷

☆۱۴۔ فوات الوفیات، ۳/ ۳۶۸۔۳۶۹۔ یہی روایت تھوڑے تھوڑے فرق سے الوافی، (۳/۱۱۲)، اور کشف الظنون (۱۳۳۱)، میں بھی ملتی ہے۔

☆۱۵۔ الاعلام، ۴/۳۳۳

☆۱۶۔ البدایۃ والنھایۃ، ۱۳/ ۲۳۰

☆۱۷۔ دیکھیے معجم البلدان، بذیل "رامۃ" و "عقیق"

☆۱۸۔ القرآن، ۱۵/۹۴

☆۱۹۔ المشکاۃ، باب مناقب الصحابۃ، تیسری فصل (۲۰۰۱ء)

مصادر و مآخذ

نوٹ: عربی متن کے حواشی میں (ن م) سے مراد "نفس المصدر" (ماخذ مذکور) ہے۔

ابن ماجہ

ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، مصر، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء

الاعلام

الزرکلی، خیرالدین بن محمود، (م ۱۳۹۶ھ)، الاعلام، قاموس تراجم، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، نویں اشاعت، ۱۹۹۰ء

البدایۃ والنھایۃ

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء، (م ۷۷۴ھ)، البدایہ والنھایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت/ مکتبۃ النصر، الریاض، پہلی اشاعت ۱۹۶۶ء

برکات بردہ

فضل احمد عارف علامہ، برکاتِ بردہ، نذیر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، تاریخ ندارد

التاج

الزبیدی، محمد مرتضی (م ۱۲۰۵ھ)، تاج العروس من جواھر القاموس، مصر، ۱۳۰۶۔۱۳۰۷ھ

تاریخ الاسلام (مخطوطہ)

الذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد (م ۷۴۸ھ)، تاریخ الاسلام، (جز نمبر ۱۱)، مخطوطہ نمبر ۳۰۵ Laud or، بودلین لائبریری، آکسفورڈ

الخصائص الکبریٰ

السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن ابی بکر (م ۹۱۱ھ)، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب المعروف بالخصائص الکبریٰ، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۰ھ

ذیل ابن رجب

ابن رجب، عبدالرحمٰن بن احمد (م ۷۹۵ھ)، الذیل علی طبقات الحنابلۃ، تخریج وتحشیہ ابو حازم اسامہ ابوالزھراء، حازم، بیروت ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء

سیر اعلام النبلاء

الذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد (م ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱۔۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۱ء۔۱۹۸۵ء

السیرۃ

ابن ھشام، عبدالملک، المعافری (م ۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ، تحقیق مصطفیٰ السقا وغیرہ، مصر، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء

شذرات الذھب

ابن العماد، الحنبلی، عبدالحی (م ۱۰۸۹ھ)، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، مکتبہ القدسی، القاھرۃ، ۱۳۵۰۔۱۳۵۱ء

الشفا

القاضی عیاض بن موسیٰ (م ۵۴۴ھ)، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، تحقیق علی محمد البجاوی، القاھرۃ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۷ء

صحیح البخاری

البخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح

العبر

الذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد (م ۷۴۸ھ)، العبر فی خبر من غبر، تحقیق صلاح الدین المنجد، الکویت، ۱۹۶۰ء۔۱۹۶۶ء

فوات الوفیات

الکتبی، محمد بن شاکر بن احمد(م ۷۶۴ھ)، فوات الوفیات والذیل علیھا، تحقیق ڈاکٹر احسان عباس، دار الثقافہ، بیروت، ۱۹۷۳ء۔۱۹۷۴ء

القاموس

الفیروزآبادی، مجدالدین، محمد بن یعقوب، (م ۸۱۷ھ)، القاموس المحیط والقابوس الوسیط، المطبعۃ المیمنیۃ، مصر، ۱۳۱۹ھ

قلائد الجمان

ابن الشعار، المبارک بن ابی بکر(م ۶۵۴ھ)، قلائد الجمان فی فرائد شعراء ھذا الزمان(المشہور بعقود الجمان فی شعراء ھذا الزمان، چھٹی جلد، تحقیق خورشید رضوی، شیخ زاید، اسلامی مرکز، جامعہ پنجاب، لاہور، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء مخطوطہ قلائد الجمان، نمبر ۲۳۲۳۔۲۳۳۰، ذخیرہ اسعد افندی، کتب خانہ سلیمانیہ، استنبول(ترکی)

کشف الظنون

حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ(م ۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، استنبول، ۱۹۴۱ء

اللسان

ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم(م ۷۱۱ھ)، لسان العرب، تحقیق علی شیری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

مرآۃ الزمان

سبط ابن الجوزی، یوسف بن قزاوغلی(م ۶۵۴ھ)، مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان، (القسم الثانی من الجزء الثامن)، حیدرآباد، دکن ۱۳۷۱ھ/۱۹۱۲ء

مسند احمد

احمد بن محمد بن حنبل(م ۲۴۱ھ) مسند الامام احمد بن حنبل، تحقیق محمد الزہری، الغمراوی، المطبعۃالمیمنیۃ، مصر، ۱۳۱۳ھ

المشکاۃ

الخطیب التبریزی، ولی الدین، محمد بن عبداللہ، (م ۷۴۱ھ) مشکاۃ المصابیح، لاہور، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

معجم البلدان

یاقوت بن عبداللہ الحموی الرومی (م ۶۲۶ ھ) کتاب معجم البلدان، تحقیق فرڈی ننڈ وسٹفلڈ، لیپزک، ۱۸۶۶ء

النجوم الزاھرۃ

ابن تغری بردی، یوسف بن تغری بردی بن عبداللہ (م ۸۷۴ھ)، النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرۃ، ۱۳۴۸۔۱۳۷۵ھ/۱۹۲۹۔۱۹۵۶ء

الوافی

الصفدی، صلاح الدین، خلیل بن ایبک (م ۷۶۴ھ) الوافی بالوفیات، ویسبادن، آغاز اشاعت اجزاء، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء

الوفا

ابن الجوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن (م ۵۹۷ھ)، الوفا باحوال المصطفیٰ، تحقیق مصطفیٰ عبدالواحد، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

☆

متن القصيدة

تَذكّرَ مشتاقٌ وأنّى لهُ الذّكرى — ولمْ يستطعِ للوجدِ صَرْفاً وَلا أمْراً[1]
أخُولوعةٍ ما فارقَ الشّوقُ قلبَهُ — ولا واصلَ السُّلْوانُ يوماً ولا الصّبْرا
كئيبٌ غدا للهمّ والحُزنِ آلفاً — وما أنكرَ الأحزانَ مَن عرفَ الدّهْرا
إذا نَهْنَهَ الطَّرفَ القريحَ عن البُكا — جرَى مُستهِلاً، لابَكِيّاً[2] ولا نَزْرا
وإنْ رامَ كتمانَ الصّبابةِ عبّرَتْ — عنِ الوجْدِ والأشواقِ أجفانُه العَبْرَى[3]
كأنّ عليهِ الدّمْعَ ضربةَ لازبٍ — إذا شامَ بَرْقاً أو رآى منزلاً قَفْرا
تخالُ بهِ، ممّا جنَى الوجْدُ جِنّةً — وتحسبُ من مَيْدَى[4] الغرامِ به سُكرا
يرومُ بُلُوغَ الوَصْلِ من أهلِ رامَةٍ — ولم يَنْوِ أهلُ النّيْرَبَيْنِ له هَجْرا
ويَهْوَى مَقَرّاً بالعقيقِ[5] و دارُه — على طَيْبِها[5] بالسّهْمِ بالقُربِ من مَقْرا[5]
مَحَلٌّ إذا أقْسَمْتَ أنْ لَيسَ مثلُهُ — علىَ الأرضِ حُسْناً كُنتَ فى القَسَمِ البَرّا
إذا ذُكِرَتْ جنّاتُ عدنٍ وطِيبُها — وكُنتَ بهِ حِلاً، حَسِبتَ له الذّكرى
تنافَسَ فيهِ الحسنُ مَرْآىً ومَنْظَراً — ولَمّ تبلُغِ الأخبارُ عن طيبهِ الخُبْرا

---

(۱) "صرفا ولا أمرا" مطموس وكأنّه كذا.

(۲) كذا يظهر فى الأصل مشدّدا ومعناه الكثير البكاء والأنسب "بكيئاً" بالهمز من بكأتْ عينى إذا قلّ دمعها. (راجع التاج "بكى" و "بكأ").

(۳) مطموس، نراه كذا.

(٤) رسم الأصل "ميدا". يقال فعله ميدىَ ذلك أى من أجله. والذى فى اللسان ميد ذلك قال ولم يُسمع من ميدىَ ذلك (التاج).

(٥) راجع معجم البلدان.

لسُكّانِهِ ما فِي الجِنانِ سوىَ البَقا فطُوبَى لِمَنْ أفْنَى مُطيفاً به العُمرا
مُنى الدِّين والدُّنيا ميسّرةٌ به فبِالْيسْرِ يحظى مُتّقِيهِم[١] وباليسرى
تُعَجَّلُ في الدُّنيا بسُكناهُ جنّةٌ ويُنقل في الأُخرىَ إلى الجنّة الأُخرى
تمنّي النّوى عن ذاكَ، لا عن ملالةٍ ولكن نَوىَ ما يُوجِبُ الأجرَ والفخرا
زيارةَ قبْرٍ، كُلُّ قلبٍ وناظرٍ يَودُّ اشتياقاً أن يكون له قبرا
به عِصمةٌ للعالمين ورحمةٌ تعمُّهمُ، مَن ساء منهم ومَن سَرّا
به المُصطفىَ، خيرُ الأنامِ، مُحمّدٌ وأكبرُ[هم][٢] فخراً وأشرفُهم قدرا
أسيّدَ أهلِ الأرضِ طُرًّا، وصادقاً أقولُ، وخيرَ الخلقِ كُلّهِم طُرّا
هدانا بكَ الرّحمٰنُ بعد ضلالةٍ وكُفْرٍ على الدّين القويم أتى كَفْرا[٣]
وقد طَبّقَ الأرضَ الضّلالُ فلَمْ يَدَعْ من الجهلِ، من أقطارِها، حالِبا قُطرا
وقد هُجِر التّوحيدُ واغتِيلَ أهلُهُ وأصبح قولُ الحقّ عند الورى هُجْرا
ومال عمودُ[٤] الدّين إذْ ثُلَّ عرشُه وصال عدُوُّ اللهِ في الأرضِ واستضرى[٥]
وبَثَّ بها أشراكَ شِرْكٍ وباطلٍ وجِبْتٍ وطاغوتٍ تصيدُ النُّهى قهرا
وذلك للغِرِّ الأغرِّ[٦] سفاهةٌ وما هجر الأدنى يعوق ولانسرا

---

(١) غير واضح نراه كذا.

(٢) سقط من الأصل

(٣) الكفر بالفتح، ويكسر، ظلمة الليل واسوداده (راجع القاموس).

(٤) يظهر في الأصل "عموذ" بالذال المعجمة.

(٥) استضريت للصّيد إذا ختلته من حيث لايعلم (اللسان).

(٦) كذا يظهر. ويحتمل "للعزّ الأعزّ". وفي هذا البيت والبيت السابق تلميح إلى ما ورد في القرآن، ٤/٥١، و ٧١/٢٣.

فقُمتَ بـأمر اللهِ بالـحقّ صادعـاً[(١)] ولـمّا تَهبْ فيه الوعيـدَ ولا الزّجـرا[(٢)]

وعـاديتَ أهـلَ الأرضِ طوعـاً لأمـره وأنـتَ الوحيـدُ الفـردُ ....[(٣)]

ولـمّا طَمَى بـحرٌ من الغيِّ زاخـرٌ ومُـدَّ لـهُ مَـدًّا أتيـتَ لَـهُ جـزْرا

وحين دَجَى ليلُ الضّلالـةِ حالكـاً طلعتَ لـهُ بدراً[(٤)] وكنتَ له الفجْرا

وجاهدتَ فـي الرّحـمن حقَّ جهاده إلَى أن أتـاكَ الفتحُ يتبعُ النّصـرا[(٥)]

لكَ الـمُعجزاتُ البيّناتُ الّتي غـدَتْ[(٦)] مُحقّقَةً كالشّمسِ طالعـةً [ظُهـرا][(٧)]

فمِنهـا كـلامُ اللهِ جـاءكَ، مُـنْزلاً، بـه جبْرَئيلُ، ضَلَّ مَن ظنّهُ سِـحْرا

ومَن قـال مـخلوقٌ ومَـن قـالَ مُفترىً ومَن قال لَمْ يُكتَبْ بِرَقٍّ ولَـمْ يُقْرا

ولـو كانَ ما قالُـوه مـا كـانَ مُنْـزلاً ولاجاءَ عنهُ النّهيُ أنْ يَصْحَبَ السّفْرا[(٨)]

ولـمّا يَقُلْ "هـذا"[(٩)] إليـه إشـارةً ولامنعُوا مِنْ مسّـهِ عازمـاً طُهْـرا

ولـمّـا تـحـدّاهُـم بـإتيـانِ مثلِـهِ وأسْمَعَ مَن في أُذنه جعل الوقرا[(١٠)]

---

(١) تلميح إلى القرآن، ٩٤/١٥.

(٢) مطموس ولعلّه كذا.

(٣) كلام مطموس غير واضح.

(٤) مطموس نُراه كذا.

(٥) في البيتِ تلميح إلى القرآن، ٧٨/٢٢ و ١/١١٠.

(٦) "التي غدت" مطموس ونراه كذا.

(٧) "كالشمس طالعة" مطموس ولعلّه كذا و "ظهرا" مطموس بالكلّية قُسناه قياسا.

(٨) يشير إلى ما رُوى عن ابن عمر أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم نهى أن يُسافر بالقرآن إلى أرض العدوّ مخافة أن يناله العدوّ (راجع مسند أحمد، ٢/٧، ٥٥، ٦٣، ٨٦، ١٠٦، ١٢٨).

(٩) لعلّه يشير إلى قوله تعالى "هذا القرآن" وتكرّر مرارًا. انظر، مثلاً، القرآن، ١٧/٤١، ٨٨، ٨٩.

(١٠) في البيت إشارة إلى القرآن، ٢/٢٣، ١٠/٣٨، ١١/١٣، ١٧/٨٨، ٣١/٧، ٤١/٥.

"إذا قُرِئَ القرآنُ فاستَمِعُوا لَهُ"(۱)　　غدتْ مِن أمانيهِمْ أكُفُّهُمْ صِفْرا
لكَ المُرتقَى الأعلى الّذي عنهُ هيبَةً　　تأخّرَ جبْرِيلُ، وحسْبُكَ ذا فخرا
ولَيلاً مِنَ البيتِ الحرامِ بمكّةٍ　　إلى المسجدِ الأقصَى بكَ اللّهُ قد أسرى(۲)
ركبتَ على ظهرِ البُراقِ مُحلّقاً　　إلى سِدْرةِ للمُنتهَى(۲) فاقتِ السِّدرا
رأيتَ، كما خبّرتَ، ربّكَ، مالَهُ　　شبيهٌ، ومِن آياتِهِ الآيةَ الكُبرى(۲)
وحيّاكَ منهُ بالسّلامِ ولم يَنَلْ　　سِواكَ نبيٌّ هذهِ اللّيلةَ الغَرّا
ومِن ثَمَّ تخفيفُ الصّلاةِ على الورى(۳)　　وخمسينَ كانتْ تلزمُ العبدَ والحُرّا
فمازلتَ في تخفيفِها مُتردّداً(۴)　　إليهِ فأبقَى الفرضَ مِن ذلكَ العُشرا
وذلكَ عن رأيِ الكليمِ وإنّها　　لَساقِطةٌ فعلاً ومحسُوبةٌ أجرا(۵)
وأنتَ شفيعُ الخلقِ في يومِ عرضِهِم　　وقد أُبلِسُوا(۶) رُعباً وقد أُبلِسُوا ذُعرا(۷)
أنلْتَهُمْ أمْناً وقُلتَ "أنا لَها"(۸)　　وكلُّ نبيٍّ منهُمْ طلبَ العُذرا

---

(۱) القرآن، ۷/۲۰۴.

(۲) يشير إلى القرآن، ۱/۱۷ و ۵۳/۱۴، ۱۸ وقصّة الإسراء والمعراج معروفة. انظر السّيرة، ۱/۳۹۶ والشفا، ۲۳۱.

(۳) "على الورى" مطموس ولعلّه كذا.

(۴) "تخفيفها متردّداً" مطموس ولعلّه كذا.

(۵) حديث تخفيف الصّلاة عن رأي موسى عليه السلام معروف (راجع الشفا، ۲۳۴).

(۶) كذا يظهر، ويجانس "أبلسوا". ويحتمل "أيسوا" و يوافق لفظ رواية "وأنا مبشّرهم إذا أيسوا" (ن.م، ۲۷۴).

(۷) "أبلسوا ذعرا" مطموس ولعلّه كذا.

(۸) انظر مسند احمد، ۱/۲۹۵، ۳/۱۴۴ حيث الحديث بتفاصيله وفيه ذكر قول صلّى الله عليه وسلّم "أنا لها" واعتذار الأنبياء وسجدته عليه الصلاة والسلام وإعطاء الله سؤله إيّاه إلى غير ذلك ممّا ورد في هذا البيت والأبيات التالية. وانظر أيضا الشفا، ۲۹۴-۲۹۷.

فتُعطَى لواءَ الحمدِ آدمُ تحتَهُ ... ومَن دُونَهُ(١) يَرجُون من فضلكَ البِرّا(٢)

وتدنُو أمامَ العرشِ للهِ ساجدًا ... لتشرحَ للرّاجي شفاعتكَ الصَّدْرا

فيُوليكَ فخرًا يجمعُ السُّؤْلَ والرِّضا ... ويؤتيكَ حَمْدًا يجمعُ الحمدَ والشُّكرا

يقولُ لكَ ارفعْ رأسَكَ اليومَ راضيًا ... فأنتَ لها أهلٌ وأنتَ بها أحْرَى

وقُلْ يُستَمَعْ، واشفَعْ تُشفَّعْ، وسَلْ تنَلْ ... فيومُكَ هذا، مُشْبِهٌ ليلةَ الإسْرا(٣)

لكَ الكوثرُ المورُودُ والحوضُ مَن يَرِدْ ... زُلالَهما لَمْ يَعْرِفِ الخِمْسَ والعِشْرا(٤)

وشُقَّ لكَ البدرُ المُنيرُ كرامةً ... وقد قال قومٌ لن نشُقّ لكَ البدرا(٥)

وإيوانُ كِسْرَى انشقَّ ليلةَ بُشِّرَتْ ... بكَ الأرضُ مولودًا فأعْظِمْ بهِ بُشْرَى

وفيها خَبَتْ نارُ المجوسِ ولم تكُنْ ... خَبَتْ ألفَ عامٍ قبلُ سِرًّا ولاجَهْرا(٦)

وأيضًا بها غارتْ بُحيرةُ ساوةٍ ... وقد كانَ رائيها يُساوِي [بهابحرا](٧)

---

(١) في الأصل: "دونهم"، سبقة قلم. راجع مسند أحمد، ١/٢٨١ "... وبيدي لواء الحمد ولا فخر ... آدم فمن دونه تحت لوائي ولا فخر".

(٢) مطموس وكأنّه كذا.

(٣) هذا البيت تأخّر عن البيت التالي في الأصل خطأً وأشير إلى ذلك بالهامش بكلمة "مقدّم" بخطٍّ دقيق، أي من حقّ البيت أن يُقدّم.

(٤) هذا البيت في الأصل تقدّم خطأً ونبّه على ذلك بالهامش بكلمة "مؤخّر" أي من حقّه أن يؤخّر. والخِمس والعِشر بالكسر من أظماء الإبل وهو أن ترد الماء اليوم الخامس والعاشر (راجع اللسان) يشير إلى ما رُوي من حديث الحوض أنّه "من شرب منه لم يظمأ أبدًا". (الشفا، ٢٧٨) فكيف يحتاج إلى الورد، بعد ذلك.

(٥) معجزة انشقاق القمر معروفة. (راجع الشفا، ٣٥٣ والوفا، ٢٧٢).

(٦) "سرًّا ولاجهرا" غير واضح وكأنّه كذا.

(٧) "يساوي" مطموس نراه كذا و "بها بحرا" مطموس بالكلّيّة فسنّاه قياسا. وحديث إيوان كسرى ونار فارس وبحيرة ساوة مشهور (راجع، مثلاً، الوفا، ٩٧).

وفی تلك رُؤیـا الـمُوبَذانِ وقد غدا ‏ سَـطِيْـحُ بتعْبِــيرِ ... ...(۱)
ولـمّا لـمستَ الأرضَ أُلقيتَ ساجداً(۲) ‏ وبانت قُصورٌ عمَّها النُّورُ من بُصری(۳)
ویوم بَحِیْرَی إذ أتاكَ مُسلِمًــا(٤) ‏ ومُستخبِرًا عمّا أحاط بـه خُبْرا
رأی منكَ آیاتِ النُّبوّةِ قَدْ [أتَـی](۵) ‏ بها رُسُلُ الآفاقِ یتلو[نها] تَتْرَی/ذكرًا(۵)
فأثْبَتَها(٦) فی الـحالِ مَرأیً ومَسْمَعًا ‏ وطابَ بها نفْسًا وعیْنًا بها قَرًّا
فأشـرِبَ إیمانًـا ومـازاغ قلبُـهُ ‏ وآمنَ إیقانًا ولـم یستزد فكـرا
رآك وظِـلٌّ للغمـامـة سـابـغٌ ‏ علیكَ وباقی الركبِ عن ظلّها حسرا(۷)
وقد خرّتِ الأشجارُ فی البرِّ سُجّدًا ‏ لرؤیاكَ لـما شرُقَتْ(۸) ذلكَ البرا
وعـاینَ أیضًـا للنُّبـوّةِ خاتَمًـا ‏ بهِ خُتِمَتْ، فازدادَ فی أمره أمرا
وردّ أنـاسًـا قـد أتـوكَ لغِیْلَـةٍ ‏ وأوسعَهُم نُصحًا وحذّرَهم غدرًا(۹)
ونوبةُ نَسْطُورا ببُصْری(۱۰) وقد أتی ‏ یَؤُمُّهُمُ(۱۱) فیما یُباغ وما یُشری

---

(۱) کلام مطموس ـــ وانظر لقصّة رؤیا الموبذان وسطیح، الوفا، ۹۷-۱۰۰.

(۲) راجع ن.م، ۹۵ حیث وردت روایة سجوده علیه الصلاة والسلام عند ولادته.

(۳) انظر السیرة، ۱/۱۵۸ والوفا، ۹٤، ۹۵.

(٤) "مسلما" مطموس ولعلّه كذا وقصّة بحیری الرّاهب معروفة. (انظر، مثلا، السیرة، ۱/۱۸۰-۱۸۳، والوفا، ۱۳۲-۱۳٤).

(۵) مابین الحاصرتین مطموس للغایة وإنّما قسناه قیاسًا.

(٦) غیر واضح وكأنّه كذا.

(۷) ویحتمل "حسری" جمع "حسیر" وهو المتلهّف علی مافاته.

(۸) كأنّه "شرقت" فی الأصل بالقاف ونری الصّواب بالفاء والفاعل "رؤیاك".

(۹) یشیر إلی ما كان من زریر وصاحبیه (راجع السیرة، ۱/۱۸۳).

(۱۰) "نوبة نسطورا ببصری" غیر واضح فی الأصل ونراه كذا وقصّة نسطورا الرّاهب أیضا معروفة (انظر، مثلاً الوفا، ۱٤۳).

(۱۱) غیر واضح فی الأصل ونراه كذا من أمّه یؤمّه أمّا إذا قصده (اللسان).

رأى منكَ ما قد سطَّرُوه بكُتبهم من الحقِّ والآياتِ ما أعوذتْ سطراً(١)

فأقسمَ باللهِ العظيمِ تيقُّناً لأنتَ الذى جاءتْ بمبعثهِ البُشرى

وأنتَ رسولُ اللهِ تُبعثُ رحمةً إلى أمّةٍ تُدعى محجّلةً غرّا

ونعتُكَ بالأمّيِّ فى الكتبِ عندنا وإنّكَ عنّا، بالهُدَى، تضعُ الإصرا(٢)

وتأمُرُنا بالعُرفِ والعدْلِ والتُّقى وتأبى لنا الفحشاءَ والبغْيَ والنُّكرا

لنا، طيّباتِ الأكلِ، شرعًا، تُحِلُّها(٣) كما هو فى التّوراةِ من قبله يُقرا(٤)

كذلكَ فى الانجيلِ نتلوهُ دائباً(٥) كما هو فى التّوراةِ من قبله يُقرا

وصحبكَ لمّا أعوز الماء واخشوا(٦) بأنّهُمُ لم يدركُوا الوقتَ والعصرا

جعلتَ لهم من كفِّكَ البحر منهلاً فصلُّوا وكُلُّ القومِ قد أسبغَ الطُّهْرا(٧)

وألفًا وبضعَ الألفِ ريًّا سقيتَهم ببنانِكَ من نورٍ جُعِلْنَ به غمْرا(٨)

---

(١) "ما أعوذت سطرا" كأنّه كذا فى الأصل.

(٢) فى هذا البيت والأبيات الثلاثة التى تليها التفات إلى القرآن، ١٥٧/٧.

(٣) الشطر مطموس وكذا نُراه.

(٤) هذا الشطر يتكرّر فى البيت الآتى وقد ورد ههنا خطأ وسقط شطر هذا البيت ولعلّه كان يشتمل على معنى تحريم الخبائث (انظر القرآن، ن.ن).

(٥) غير واضح نراه كذا.

(٦) غير واضح وكأنّه كذا.

(٧) يشير إلى ما رُوى عن أنس، رضى الله عنه، من أنّه حانت صلاة العصر فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوا ... الحديث (انظر مسند أحمد ١٣٢/٣ والشفا، ٤٠٢).

(٨) بالفتح الماء الكثير. يشير إلى ما ورد فى صحيح البخارى عن جابر، رضى الله عنه، يذكر عطش الناس يوم الحديبية (الشفا، ٤٠٤).

وكم ماءِ عينٍ قد مزجتَ بِمَجّةٍ وكانتْ بَكِيًّا(۱) ثمّ عادتْ بها نَهْرا(۲)

ولمّا استقلَّ الحارثُ الماءَ خَفّقَتْ لهُ يدُكَ البَيْضاءُ فى مائه الكُثْرا(۳)

وروَّيتَ من ماءِ المَزادةِ أنفُسًا عطاشًا وأكبادًا نقعتَ به حرًا

ولمْ يُنفِذوا من مائها قدر قطرةٍ وقد أوسقُوا منه الكواهلَ والظَّهْرا(۴)

ومِن تمراتٍ كِلْتَ لِلجيشِ زادَه وأبدلتَه من بعدِ إعساره اليُسْرا(۵)

وأشبعْتَ من أقراصِ خُبزٍ لجابرٍ ومن سَخْلَةٍ أَلفًا وما نقصُوا القِدْرا(۶)

وأوفيتَ عنهُ ثقلَ دَيْنٍ بِصُبْرَةٍ من التَّمرِ فازدادَتْ بتقييضها وَفْرا(۷)

وسبعينَ مِن أقراصِ خُبْزٍ أتى بها أبو طلحةٍ، أشبَعْتَهُمْ مَرّةً أخرى(۸)

منحتَ أباهِرٍ(۹) من التَّمرِ مِزْوَدًا فما زالَ مُمتارًا مُميرًا به دهرا

وجهّزتَ جيشَ الشّامِ منهُ فقد غدَوا وما منهُمُ إلاّ ومنه احتوى وِقْرا

---

(۱) كذا يظهر فى الأصل مشدّدا والأصل فيه الهمز. (راجع ما سبق بالحاشية عن البيت الرابع من هذه القصيدة).

(۲) لعلّه يشير إلى ما جاء عن البراء رضى الله عنه من حديث بئرالحديبية (انظر الوفا، ۲۸۷ وذكر حديثا آخر عن البراء أيضًا مثله).

(۳) لم نهتد إلى معجز تكثير الماء للحارث غير أنه مذكور بالنسبة إلى زياد بن الحارث الصدائى فى الخصائص الكبرى، ۲/۴۱.

(۴) انظر حديث عمران بن حصين، رضى الله عنه، فى الشفا، ۴۰۸، والوفا، ۲۸۴-۲۸۷

(۵) انظر الشفا، ۴۱۳.

(۶) يشير إلى قوله "وإن برمتنا لتغط كما هى" وانظر للتفاصيل الشفا، ۴۱۱ والوفا، ۲۷۴

(۷) انظر الشفا، ۴۱۶ والوفا ۲۷۵.

(۸) انظر الشفا، ۴۱۰ والوفا، ۲۷۷-۲۷۸.

(۹) أراد أبا هريرة، رضى الله عنه. انظر لمعجز تكثير التمر فى مِزْوَده، الشفا، ۴۱۶-۴۱۷، والوفا، ۲۸۲-۲۸۳.

وخمسينَ وسقًا منهُ قد جادَ منعمًا بها [في سبيلِ الله](١) يغتنِمُ الأجرا
ثلاثةَ أعوادٍ منحتَ ثلاثةً فعادَتْ سُيوفًا في أكُفِّهم طُرًّا(٢)
فمنهنَّ في بدرٍ قضيبُ ابنِ أسْلَمٍ(٣) وعُودٌ بهِ أيضًا عُكَاشةُ(٤) قد جرًّا
وفي أُحُدَ أيضًا ابْنُ جحشٍ عَسِيَّةً(٥) غدا مُرهفًا من حدِّهِ(٦) يَحْلِقُ الشَّعْرا
وعينُ ابْنِ نعمانَ(٧) وعينِ رفاعةٍ(٨) رَدَدتَّهما من بعدِ أن بانَتا نَدْرًا(٩)
وكم هاتفٍ أضْحى بنعتِكَ صادِحًا(١٠) يُؤلِّفُهُ نثرًا وينظمُهُ شعْرًا(١١)
وأقبلتِ الأشجارُ لمّا دعوتَها يَشُقُّ لها السُّوقُ السُّهولةَ والوَعْرا(١٢)
ولمّا دعوتَ العِذْقَ من رأسِ نخلةٍ أتاكَ فَقُلتَ ارْجِعْ فما خالفَ الأمرا(١٣)

---

(١) "في سبيل الله" مطموس في الأصل أثبتناه من لفظ الرواية "ولقد جهزت منه خمسين وسقا في سبيل الله"، الوفا ٢٨٣.

(٢) يظهر في الأصل "مرًا" ولعلّ الصّواب ما أثبتناه. ويجوز بمعنى "مرّة". يقال: "جئته مرًّا أو مَرَّيْن" أي مرّة أو مرّتين (راجع اللسان).

(٣) أي سلمة بن أسلم بن حريش. انظر الخصائص الكبرى، ١/٢٠٥.

(٤) الأشهر بتشديد الكاف وقد يُخفّف (راجع اللسان) وانظر لتفصيل المعجز، السيرة، ١/٦٣٧ والشفا، ٤٦٦.

(٥) منع "أُحُد" من الصّرف كما وصل الهمزة في "أيضا" وقطعها في "ابن"، ضرورة. والمعجز مذكور في الشفا، ٤٦٧.

(٦) ويحتمل "جدّة".

(٧) أي قتادة بن النعمان. والمعجز مذكور في الشفا، ٤٥١ والوفا، ٣٣٣.

(٨) أي رفاعة بن رافع بن مالك. انظر الخصائص الكبرى، ١/٢٠٥.

(٩) ندر الشيئُ سقط من جوف شيئ (راجع اللسان والتاج).

(١٠) نراه كذا ويحتمل "صارخا".

(١١) في الأصل "تؤلّفه" و "تنظمه"، سبقة قلم. وانظر لذكر الهواتف، الوفا، ١٥١-١٥٨.

(١٢) انظر الشفا، ٤٢٠-٤٢٧، والوفا، ٢٩٦-٢٩٩.

(١٣) انظر الشفا، ٤٢٦-٤٢٧، والوفا، ٢٩٨.

وحنّ إليكَ الجذعُ(۱) شوقًا وَسلّمَتْ ... عليكَ، جهارًا، ظَبيةٌ(۲) لم ترُمْ نفرا
كما الحجرُ القاسي ابتداكَ مُسلّمًا ... عليكَ ومشتاقًا كانَ به حجرا(۳)
بكفّكَ بحرِ الجُودِ، قد سبّحَ الحصَى(٤) ... وقبّلَ رِجليكَ البعيرُ(٥) لها شكرا
وخلّصتْ، يومَ الغارِ، طِرفَ ابنِ مالكٍ(٦) ... فغرّ لذاكَ المشركينَ وما أغرى
وحافتْ عليكَ العنكبوتُ من العِدى ... فأرختْ، ببابِ الغارِ، مكرًا بهم، سترا
وَوافقَها في الذّبِّ عنكَ حمائمٌ ... أتينَ سريعًا فابتنينَ به وكرا
فلمّا أتى الكفّارُ طرّنَ خديعةً ... فحيّا الحيا تلكَ الخديعةَ والمكرَ(۷)
ويومَ حُنينٍ إذْ أتوكَ بجمعِهِمْ ... يجرّونَ من أبطالِهِمْ عسكرًا مجْرا(۸)
وراموا بُلوغَ الثّارِ منكَ رميتَهُمْ ... بكفِّ ترابٍ فانثنى جرْهُم كسْرا(۹)
وعَجفاءَ، لا نِقْيَ(۱۰) بها قد مسحتَها ... فدرّتْ ولمْ يعرفْ بها ربُّها(۱۱) درّا

---

(۱) انظر الشفا، ٤۲۷-٤۳۰، والوفا، ۳۲۱-۳۲٤.

(۲) انظر الشفا، ٤٤۱-٤٤۲، والوفا، ۳۳٥-۳۳٦

(۳) انظر الشفا، ٤۳۱ والوفا، ۱٦۱.

(٤) انظر الشفا، ٤۳۰ والوفا، ۳۲٤-۳۲٥.

(٥) انظر الشفا، ٤۳۹-٤٤۰ والوفا، ۳۰۱-۳۰۳.

(٦) الطِرف بالكسر من الخيل الكريم العتيق (راجع اللسان) يشير إلى قصة سراقة بن مالك بن جُعشم عندالهجرة وهي معروفة. (انظر، مثلاً، الوفا، ۲٤۰-۲٤۲).

(۷) قصة العنكبوت والحمام معروفة.

(۸) جيشٌ مجْرٌ: كثيرٌ جدًا (اللسان).

(۹) انظر لقصة رمي التراب بحنين، الوفا، ۳۰٤.

(۱۰) النِّقْيُ مخ العظام وشحمها (اللسان).

(۱۱) "ربّها" غير واضح ولعلّه كذا والمراد أبو معبد والتلميح إلى قصة شاة أم معبد (انظر الوفا ۲٤۳).

لكَ الضّبُّ أمسَى بالرِّسالةِ شاهدًا ... كما الذّئبُ أضحَى باليمين به بَرًّا(١)

كما شَهِدَ الكُفّارُ حقًّا وشاهَدُوا ... ملائكةً للنّصرِ إذ حضَرُوا بدرًا(٢)

ولمّا أتَى للبَرْدِ والحرِّ شاكيًا ... إليكَ عليٌّ وُقِيَ البردَ والحرَّا(٣)

وما كتَمَتْ عنكَ الذّراعُ الّذي بها ... من السّمِّ إذْ خافت عليكَ له الضرّا(٤)

وبالرُّعبِ أيضًا قد نُصِرتَ على العِدَى ... مسيرةَ أيّامٍ يعُدُّونها شهرًا(٥)

وأُعطِيتَ أصحابًا كِرامًا أعِزَّةً ... وآلاً يُخالُ(٦) النُّطقُ في ذكرِهم عطرًا

فمنهم رفيقُ الغارِ والصِّدقِ والوفا ... أبو بكرٍ الثّاني أشدُّهُمْ أزرًا(٧)

وصاحبُكَ الفاروقُ ذوالعدلِ والتُّقى ... وعثمانُ ذوالنُّورَيْنِ أكرِمْ به صِهْرًا

وقاتلُ أبطالِ الوغَى عالمُ الورَى ... أخوكَ عليٌّ زوجُ بَضْعتكَ الزّهرا

وريحانتاكَ ابناهُ سِبْطاكَ سيِّدا ... شبابِ جنانِ الخُلدِ أهواهما ...(٨)

وحمزةُ والعبّاسُ جدُّ إمامنا ... أبي جعفرَ المنصورِ لا عدمَ النّصرا(٩)

اولئكَ خيرُ الصَّحبِ حقًّا وكُلُّهم ... أُولُو الخيرِ والمعروفِ لَمْ يعرفوا نُكرا

---

(١) انظر لقصّة الضبّ والذئب الشفا، ٤٣٥-٤٣٧.

(٢) انظر مثلاً حديث الغفاري في السيرة، ١/٦٣٣.

(٣) انظر ابن ماجه، ١/٤٣.

(٤) انظر الوفا، ٧٦٨ حيثُ رُوي حديث الذّراع التي أخبرت النبي صلّى الله عليه وسلّم عن السّمّ.

(٥) يشير إلى ماجاء في الحديث، "نُصرتُ بالرّعب مسيرةَ شهر" (راجع صحيح البخاري، كتاب التيمّم، الحديث ٢).

(٦) غير واضح ويحتمل "تخال".

(٧) أصاب الشطر طمس ونراه كذا.

(٨) مطموس.

(٩) مطموس وكأنّه كذا.

هُمُ الصّادقُونَ القانتونَ، أُولو النُّهَى — أولو الصّبْرِ فی البأساءِ [والبأسِ] والضّرا(۱)
هُمُ الصّائمونَ الحافظونَ فروجَهم — هُمُ الذّاکرونَ اللهَ لم یفتروا ذکرا(۲)
هُمُ الأنجمُ الزُّهرُ الّتی یُهتدَی بها — إلی أیّهم یمّمْتَ، أرشدَکَ المَسْرَی(۳)
غدا قولُهم حقًا وفعلُهُمُ هُدًی — وحُبُّهُمُ قُربَی وبُغضُهُمُ کفرا
فضائلُ لو أنّ الوریَ کُلِّفُوا لها — بیانًا وحَصْرًا ما أطاقُوا لها حصرا
إذا نُثِرَتْ خِلْتَ اللّآلِی وإن غدتْ — منظّمةً، یومًا، تحقّقتَها دُرّا
فما قَدْرُ قَدْرِی(٤) أن أُرَی ناظمًا لها — وقد جاءت الآیاتُ فی وصفِها نثرا
ولا قدرُ شِعْرِی أن یکونَ سحابَها(۵) — ولو کان من ألفاظه الشّمسُ والشِّعرَی
ولکنّنی شرّفتُه بمدیحِهِمْ — وأبقیتُ لی فی الصالحاتِ، به الذکرا
علیکَ صلاةُ اللهِ ثُمّ علیهمِ — سلامٌ یُعیِّرُ المِسْکَ، من طیبه النّشرا
سلامٌ کنشرِ الرّوضِ حمّلَهُ الصَّبا — لتُبلِغَ عنهُ شُکْرَهُ السُّحُبَ والقَطْرا
سلامٌ کُلطفِ اللهِ جاءَ لخائفٍ — فقیرٍ، بأمرٍ یُعْدِمُ الخوفَ والفقرا
فیا خیرَ مأمولٍ ویاخیرَ شافعٍ — ویاملجأَ العاصی المقرَّ الّذی غرّا(٦)

---

(۱) "والبأس" سقط من الأصل و"الضّرا" مطموس للغایة وکذا نری الشطر نظرا إلی القرآن ۲/۱۷۷.

(۲) مطموس ولعلّه کذا.

(۳) تلمیح إلی ما ورد فی الحدیث، "أصحابی کالنّجوم فبأیّهم اقتدیتم اهتدیتم" (المشکاة، باب مناقب الصّحابة، الفصل الثالث).

(٤) القدْر : مبلغ الشی والقدر والقُدرة : القوّة. فمعنی "ما قدر قدری". لیس مبلغ قوّتی أو لیس مدی قدرتی.

(۵) غیر واضح ولعلّه کذا.

(٦) "المقر الذی غرّا" کلام مطموس وکأنّه کذا.

سَـلِ اللهَ يُعطِينـى إلَيْـكَ زيـارةً أشُـدُّ بهـا أزْرًا وأرْمِـى بهـا وِزْرا
وكُـنْ شـافِعِى فيها قريـبًا فـإنّنى بحُبِّكَ أرجُـو أن أفـوزَ بهـا حَشْـرا
لأنّكَ قُلتَ الـمَرْءُ مَعْ مَن أحبَّهُ(١) وإنّـى امرُؤٌ صَـبٌّ بـحُبِّكُمْ ... (٢)
إلاهىْ، أحاطَتْ بِي الذُّنوبُ وليـسَ لى مِنَ الـبِرِّ ما أرجُوبـهِ العَفْوَ والغفْرا
سِوىَ حُسـنِ ظَنٍّ فيكَ ثُمَّ شهادَتِى بـأنّكَ وِترٌ فـازَ مَن عبد الوِتـرا(٣)
وأنّـى مُحِـبٌّ للنبـىِّ وآلِـهِ وأصحابِهِ، فاجعَلْهُ يـارَبِّ لى ذُخـرا

---

(١) تلميح إلى الحديث المعروف. راجع مسند أحمد، ١/٣٩٢.

(٢) غير واضح.

(٣) أشار إلى الحديث المعروف، "إنّ الله عزّوجلّ وتر يحبّ الوتر". انظر ن.م، ١/١٠٠.

ڈاکٹر اسحاق قریشی۔ فیصل آباد

قطعہ ذوقافیتین

ایک معروف قطعہ جو آٹھ اشعار پر مشتمل ہے مدح خوانوں کے ہاں بہت مانوس ہے، اسی شہرت و عمومی پزیرائی کے حوالے سے عموماً اس کا تذکرہ ہوتا ہے، ''نعت رنگ''، شمارہ: ۱۷، ص ۸ پر اس قطعہ کو ایک اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا، امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ کا یہ نعتیہ قطعہ حکیم سرو سہارن پوری کے منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ ''نعت رنگ'' کی زینت بنا، آٹھ اشعار کے اس نعتیہ قطعہ کے اندراج کے بعد آخر میں مرتب ''نعت رنگ'' کی جانب سے ایک ذیلی نوٹ لکھا گیا جس میں تحریر تھا:

> مندرجہ بالا عربی نعتیہ قطعہ دورِ حاضر کا مقبول و معروف قطعہ ہے مگر اس کا انتساب اب تک واضح نہ تھا، اسے کہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منسوب کہا گیا اور کہیں امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے، جب کہ مشہور محقق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے تحقیقی مقالے میں اسے امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ سے منسوب کیا ہے جو بجا طور پر درست معلوم ہوتا ہے، حوالے کے لیے دیکھیے (برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۲۰۲، مطبوعہ ۲۰۰۲ء، ناشر مرکز معارفِ اولیا محکمۂ اوقاف، حکومت پنجاب)...مرتب

یہ ذیلی نوٹ تحقیقی میلان کا غماز بھی ہے اور مرتب کی ہمہ جہت احتیاط کا حوالہ بھی، مختصر سی تحریر میں مکمل حوالہ درج کر دیا گیا تھا، ارباب دانش پر لازم تھا کہ حوالہ مذکورہ کو اپنی آرا کی بنیاد بناتے اور اگر میرے مقالہ میں درج حوالہ میں کوئی سقم محسوس کرتے تو اس کا اظہار کرتے کہ تحقیقی کام ایسے

ہی حزم کا تقاضا کرتا ہے، مقالہ میں اس نعتیہ قطعہ کے انتساب کے حوالہ سے مختلف آرا کا تذکرہ کیا گیا تھا تاکہ قارئین میری رائے کو کسی بے خبری پر محمول نہ فرمائیں، اس احتیاط اور اس اہتمام کے باوجود ''نعت رنگ''، شمارہ: ۱۸ میں موافق اور مخالف آرا کا اظہار کیا گیا۔ اس خصوصی توجہ پر خوشی بھی ہوئی کہ ''نعت رنگ'' کے باخبر قارئین مکمل اعتنا کے ساتھ ''نعت رنگ'' کا مطالعہ کرتے ہیں، انسانی کاوشوں میں خامی یا کوتاہی ممکن ہے اس کی تائید یا اصلاح ضروری ہے، ''نعت رنگ'' کے شمارہ :۱۸ میں جن آرا کا اظہار ہوا ان کا تقاضا ہے کہ ان پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ انتساب کا یہ ابہام بلا غبار سامنے آئے، مکتوب نگار اصحاب علم کی آرا کچھ یوں ہیں:

حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی (لاہور) فرماتے ہیں:

> ''الصبح بدا من طلعة'' کے انتساب کا مسئلہ واقعی اب تک غیرواضح تھا، آپ نے ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے حوالے سے اسے امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ سے منسوب کیا ہے، بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب کے حوالے کا ماخذ بھی بیان کر دیا جاتا، اس سے آپ کی تحقیق پر مزید اعتبار پیدا ہوتا۔ (''نعت رنگ''، شمارہ: ۱۸، ص۷۸۳، ۷۸۴)

حافظ صاحب کا خط انتساب کے حوالے سے تردد کا شکار نہیں، انھیں صرف حوالہ درکار ہے تاکہ تحقیق پر مزید اعتبار پیدا ہو، اگرچہ قطعہ کے ذیلی نوٹ میں حوالہ موجود تھا جس سے مزید اعتبار کے لیے مقالہ دیکھا جا سکتا تھا کہ مختصر نوٹ میں اسی قدر کفایت کرتا تھا مگر پھر بھی بقول حافظ صاحب، مزید اعتبار کے لیے ماخذ کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

> ''نعت رنگ'' کے شمارہ نمبر ۱۸ دو خط خصوصی توجہ کے مستحق ہیں کہ ان میں ذیلی نوٹ کے حوالہ کو رد کیا گیا ہے اور تردید کی اساس بھی نقل کی گئی ہے، بہتر ہوگا کہ ان خطوط کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔

محمد افروز قادری چریاکوٹی (بھارت) لکھتے ہیں۔

> محترم صبیح صاحب! دراصل اس تحریر کے ذریعے آپ کی نرم مداخلت کا پس منظر یہ ہے کہ بالکل شروع کتاب ہی میں ایک فاش غلطی نے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ لکھنے پر مجبور کر دیا ہے، بات صرف حکیم سروسہارن پوری کی ہوتی تو دیکھا جاتا کیوں کہ ذاتی طور پر ہم ان سے واقف اور ان کے

مبلغِ علم اور منہجِ تحقیق سے بے خبر ہیں، ڈاکٹر محمد اسحاق کو بھی کچھ نہ کہیں گے کہ وہ براہِ راست ہمارے مخاطب نہیں، مگر آپ نے دوسروں کی تحقیق پر اعتماد کر کے قصیدہ کے ذیل میں جو ادارتی نوٹ سجایا ہے، اس سے شعر و ادب اور تحقیق و تجسس سے آپ کے تعلق اور لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے، کہیں کہیں تو آپ کی تحقیق صداقتوں کو زبان دیتی اور حقیقتوں کے آفتاب اجالتی ہے اور کبھی تحقیق کا گراف اتنا گر جاتا ہے بس... یہ دیکھیے، ''نعت رنگ'' کے سترھویں شمارہ میں ص:۸ پر مشہور و مقبول قصیدہ ''الصبح بدامن طلعتہ...الخ'' کو امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا گیا ہے حالاں کہ حقیقت کا اس سے دُور کا بھی تعلق نہیں، ہمارے یہاں رائج الوقت درسِ نظامی کے ادب عربی کی معروف ترین کتاب ''المدیح النبوی'' جدید کے ص ۱۶۴ در نسخہ قدیم کے ص ۷۱ پر اس قصیدہ کا انتساب قاضی محمد الحلفی المعصومی کی طرف ہے اور مرتب کتاب مولانا لیٰسین اختر مصباحی ایڈیٹر...

(شک گزرتا ہے کہ کچھ عبارت درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ قریشی) (''نعت رنگ'' شمارہ ۱۸ ص ۸۷)

حافظ محمد افروز قادری کا انداز تحریر تحقیقی نہیں الزامی ہے، فاش غلطی تو تبھی کہی جاسکتی ہے جبکہ اس پر کوئی شاہد عادل ہوتا اور تحقیقی منہج جس کے فقدان کا الزام لگایا گیا ہے، برقرار رکھا جاتا، حکیم سروسہارن پوری کے مبلغ علم اور منہج تحقیق سے حافظ افروز صاحب بے خبر ہیں اس لیے حکیم صاحب، حافظ صاحب بے خبری کے حصار میں ہیں حکیم صاحب نے تو ایک نعتیہ قطعہ کا منظوم اردو ترجمہ ہی کیا ہے، وہ قطعہ کس کا ہے حکیم صاحب اس کے جواب دہ نہیں ہوسکتے مگر تردید کا جوش حکیم صاحب کو بھی زد پر لے آتا ہے حالاں کہ حکیم صاحب کا نام علم و ادب کی دنیا میں معروف ہے مگر کسی کی معلومات کے فقدان پر شک تو نہیں کیا جاسکتا، مجھے خوشی ہے کہ حافظ صاحب نے مجھے بھی معاف کر دیا کہ میں براہِ راست مخاطب نہیں، یا ثبوت تو جناب صبیح رحمانی کی گردن پر ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ثبوت یا شاہد طلب کیا جاتا، معیاری اور لایقِ اعتماد ہوتا تو علمی وقار کے ساتھ قبول کر لیا جاتا اور معیاری نہ ہوتا تو تحقیقی منزلت کے ساتھ رد کر دیا جاتا مگر حافظ صاحب نے تو رسم دنیا نبھانے کی بھی کوشش نہیں کی، بلا توقف حملہ آور ہوگئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ:

اس سے شعر و ادب اور تحقیق و تجسس سے آپ کے تعلق اور لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

حیرت ہے کہ ذیلی نوٹ کی بنیاد پر اتنا بڑا الزام لگا دیا گیا حالاں کہ اس میں حوالہ موجود تھا کہ کتاب حوالہ کو دیکھ لیا جاتا تو شاید ذہنی ساخت میں موافق تبدیلی پیدا ہوجاتی مگر حافظ صاحب نے یہ زحمت گوارا ہی نہیں کی، یک طرفہ فیصلہ سنا دیا اور تحقیق کے گراف کو اس قدر گرتا محسوس کرلیا کہ بس،

حافظ صاحب نے کس ثبوت کو اپنے فتوی کی بنیاد بنایا اس پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا تحقیقی معیار کیا اور ہمارے استشہاد کا مظاہرہ کیا ہیں، فرماتے ہیں:

> ''نعت رنگ'' کے سترھویں شمارہ میں ص ۸ پر مشہور و متداول قصیدہ الصبح بدا من طلعتہ... الخ کو امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا گیا ہے حالاں کہ حقیقت کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

سوچیے یہ فیصلہ کیوں کر ہوا کہ حقیقت کا اس سے دُور کا بھی تعلق نہیں، کیا حقیقت دریافت کر لی گئی تھی؟ کیا لائقِ اعتماد ماخذ تک رسائی ہوگئی تھی؟ حیرت ہے اتنے بڑے دعویٰ کی دلیل جس ماخذ پر رکھی جا رہی ہے اس کی کوئی تحقیقی حیثیت نہیں، درسِ نظامی کے ادب عربی کے لیے ایک تالیفی نگارش یعنی ''المدیح النبوی'' کو سارے تحکم کی اساس بنایا گیا ہے، کتاب کا مؤلف معتبر ہوگا مگر اس طرح کے منتخب مجموعے کسی تحقیقی عمل کے لیے سودمند نہیں ہوتے، طلبہ عربی کے لیے ایک مرتب مجموعہ شعر کو اس قدر اہمیت دے دینا حافظ صاحب ہی کو زیب دیتا ہے، ''محمد الحنفی المعصومی'' کون سے بزرگ ہیں؟ اس بارے میں تو کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، ان کا نام کہاں سے اس قطعہ کے ساتھ منسلک ہوا؟ اسی کا فیصلہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی تحریر سے ہوسکتا ہے جس کا تفصیلی تذکرہ کیا جارہا ہے ڈاکٹر صاحب کا خط بھی ''نعت رنگ'' میں موجود ہے اس لیے اس کا ذکر انھی کے خط کے حوالے سے کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم (جدہ، سعودی عرب) نے اس حوالے سے اپنے خط میں لکھا:

(سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا حال ہی میں انتقال ہوگیا ہے)

> اس شمارے (یعنی سترھویں شمارے) کی ابتدا قصیدہ ذوقافیتین کے منظوم ترجمے سے کی گئی ہے اور ادارہ نے تعارف میں لکھا ہے کہ مشہور محقق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے مقالے میں اسے امام شرف الدین بوصیری (علیہ الرحمۃ) سے منسوب کیا ہے جو بجا طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیوں بجا طور پر درست معلوم ہوگیا جو بالکل خلاف واقعہ ہے، بوصیری (علیہ الرحمۃ) کا پورا دیوان مجموعۃ النبہانیہ (درست مجموعہ نبہانیہ ہے) میں موجود ہے، اس میں کہیں اس قصیدے کا نام ونشاں نہیں ملتا، راقم نے اس قصیدے کو کتب خانہ حرم (قدیم) کے ایک مجموعہ نعت مرتبہ جاراللہ السمنھو دی سے نقل کیا ہے، علامہ محمد حسین مخلوف نے اس کو کسی نامعلوم شاعر کا کلام قرار دیا ہے۔

(''نعت رنگ'' شمارہ: ۱۸، ص ۲۹۷)

یہی بات ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم نے اپنی تالیف ''عربی میں نعتیہ کلام'' میں بھی کہی ہے، یہ کتاب ہندوستان سے بھی شائع ہوئی تھی اور اسے میزانِ ادب کراچی نے بھی جون ۱۹۷۸ء میں شائع کیا تھا، پاکستانی ایڈیشن کے ص ۲۸۷ تا ۲۸۹ پر یہ قصیدہ مع ترجمہ درج کیا گیا ہے، اس پر ڈاکٹر صاحب کا ابتدائی نوٹ یہ ہے۔

> ایک بہت ہی مقبول و معروف قصیدہ نعتیہ، قصیدہ ذوقافیتین ہے جو اپنی مترنم بحر اور سلاست و روانی میں بے مثال ہے، مصر کے سابق مفتی اعظم شیخ حسنین مخلوف نے اس قصیدہ کی شرح میں ایک متوسط درجہ کی کتاب ''الخصائص النبویۃ'' کے نام سے لکھی ہے لیکن اس قصیدہ کے منصف کا نام انھوں نے بھی نہیں لکھا ہے صرف ''بعض اہل العلم والمعرفۃ'' (کسی صاحبِ علم ومعرفت بزرگ) کہہ کر اشارہ کیا ہے، راقم الحروف نے کتب خانہ حرم میں ''المجمۃ الکبری فی قصائد الفخری'' مؤلفہ محمد جار اللہ السمنھو دی، مطبوعہ استنبول ۱۲۴۰ھ میں اس قصیدہ کو پایا جس کا سرنامہ یہ ہے ''ذوقافیتین القاضی محمد الحنفی المعصومی'' ان بزرگ سے متعلق کوئی معلومات نہیں مل سکیں۔

(عربی میں نعتیہ کلام، میزان ادب کراچی، اشاعت جون ۱۹۷۸ء، ص ۲۸۷، ۲۸۸)

ان تمہیدی جملوں کو بار بار پڑھیے کیا ان سے کسی تحقیقی پیش رفت کا اندازہ ہوتا ہے، کسی نے تو ان اشعار کو نامعلوم شاعر کی طرف منسوب کیا تو کسی نے ان کو کسی مجموعہ شعر سے روایت کر دیا، ان روایات پر جزوی اعتماد ہوسکتا تھا اگر حتمی اعتماد کی اساس دستیاب نہ ہوتی، ان حوالوں سے ایک رائے تو قائم کی جا سکتی ہے مگر حتمی رائے قائم کرنا اور اس کی بنیاد پر کسی دوسری رائے کو رد کرنا

مناسب نہیں، یہ زیادہ سے زیادہ ایک رائے ہے، اس لیے اس قدر قوت سے اس پر اعتماد اربابِ تحقیق کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔ 'المدیح النبوی' کا حوالہ ہو یا المجمعۃ الکبری فی قصائد الفخری کا، صرف ایک روایت ہے، ان پر اعتماد بلکہ اعتبار کرنا اور پھر اس کی بنا پر کسی اور رائے کو یوں جھٹک دینا کوئی علمی خدمت نہیں ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس قطعہ کی امام بوصیری علیہ الرحمۃ سے اس کی نسبت کو خلافِ واقعہ کہا اور دلیل یہ دی کہ علامہ النبھانی علیہ الرحمۃ کے مرتبہ مجموعہ ''المجموعۃ النبھانیۃ'' میں اس کا اندراج نہیں بلکہ ذکر نہیں کیا، حیرت ہے کہ یہ کون سی دلیل ہوئی، کسی مرتب مجموعہ میں کسی قصیدہ یا قطعہ کا نہ ہونا یہ دلیل تو نہیں کہ یہ انتساب درست نہیں امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور معروف ومقبول مقطوعۃ جس میں رسول اکرم ﷺ کے اسمِ گرامی کو ہر مصرع کا ابتدائیہ بنایا گیا ہے اور جو اکثر صوفیانہ حلقوں میں بڑے شوق و جذب سے پڑھا جاتا ہے، بھی اسی مجموعہ میں موجود نہیں ہے، اگر یہ قطعہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان میں نہ ہوتا تو پھر بھی کسی حد تک کوئی رائے قائم کی جا سکتی تھی، اس لیے ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ یہ چوں کہ المجموعۃ النبھانیۃ میں موجود نہیں اس لیے لائقِ التفات نہیں، قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

اس قطعہ نعت جیسے بعض تحریروں میں قصیدہ لکھا گیا اگرچہ یہ مناسب نہیں کہ عربوں کے ہاں قصیدہ کے لیے بعض حدود رائج تھیں ان کے ہاں آٹھ دس شعروں پر مشتمل کلام کو قصیدہ نہیں کہتے بلکہ مقطوعۃ کہا جاتا ہے جسے ہم عموماً قطعہ کہتے ہیں، امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنے کے کئی شواہد ہیں، مختصراً ان کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

امام بوصیری علیہ الرحمۃ کا دیوان محمد سیّد کیلانی کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ مصطفیٰ بابی الحلبی قاہرہ سے ۱۹۷۳ء میں طبع ثانی کے طور پر شائع ہوا، اسی محقق دیوان کے ص ۲۷۵ اور ۲۷۶ پر یہ مقطوعۃ نعتیہ درج ہے، اس اندراج پر محقق کو نہ کوئی تردّد ہے اور کوئی ذہنی خلجان، یہی حوالہ انتساب کا محرک بنا اس لیے کسی کمزور یا موہوم اندراج کی بنیاد پر اس پر شک نہیں کیا جا سکتا، اس سلسلے میں ایک پہلو ضرور لائقِ اعتنا ہے کہ یہ قطعہ اور حضور ﷺ کے اسم گرامی، محمد، کی ہر مصرع میں تکرار کا حامل قطعہ امام بوصیری علیہ الرحمۃ کے دیگر مدحیہ قصاید سے اسلوب و آہنگ میں قدرے مختلف ہیں، اس اسلوبی پہلو کو ڈاکٹر مخیمر صالح نے اپنی تحقیقی نگارش میں موضوع گفتگو بنایا، ڈاکٹر مخیمر کو اس انتساب پر تو کوئی شک نہیں اسی لیے وہ اس ذہنی ارتعاش کو رام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان

قطعات میں مختلف اسلوب کی بنا پر پیدا ہوسکتا ہے آیئے اس نگارش کا ذکر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مخیمر صالح نے جامعہ اریموک سے ۱۹۸۶ء میں ایک تحقیقی نگارش مکمل کی، اس تحقیقی مقالہ کا نام ہے، ''المدائح النبویۃ بین الصرصری والبوصیری'' اسی مقالہ کو ''دار و مکتبۃ الحلال'' بیروت اور ''الدار العربیۃ'' عمان نے پہلی مرتبہ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں شائع کیا، اس کتاب کے ص ۱۵۱ پر یہ مقطوعہ جس کے کل آٹھ شعر ہیں درج ہیں، ڈاکٹر مخیمر نے ان مدحیہ اشعار کو امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے صوفیانہ رجحان کا ترجمان اور عمدہ نمونہ قرار دیا ہے۔

الدکتور مخیمر صالح رقمطراز ہیں:

ومن بین ما قاله البوصیری فی المدائح النبویة، ثلاث مقطوعات قصیرة، یحسّ القارئ بانّها ما قبلت الالغرض الغناء الصوفی، لما تحمل من خصائص موسیقیة، من حیث الوزن والا یقاع والبحور الخفیفة، ثمّ لقصر القصیرة ذاتها مقارنة مع باقی القصائد فی حضرا لفن، وعلی هذا فانّ البوصیری، ساهم شعراء فی حلقات الذکر و الغناء الّتی حرص علیها الصوفیة ولنستمع الیٰ مقطوعة من المقطوعات الغنائیة.

ترجمہ: امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ مدائح نبویۃ کے ضمن میں تین چھوٹے چھوٹے مقطوعات بھی کہے ہیں، قاری محسوس کرتا ہے کہ یہ مقطوعات صوفیانہ غنا کی غرض سے کہے گئے ہیں کیوں کہ ان میں وزن آہنگ اور خفیف بحور کے حوالے سے موسیقی کے خصائص موجود ہیں، پھر یہ کر مقطوعات، مدح کے باقی قصاید کے مقابل چھوٹے ہونے کے باوجود ان کے ہم پایہ ہیں، یہ اس لیے کر امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ذکر و غنا کے حلقوں میں شعراء کے مقابل آتے تھے اور یہ ذکر و غنا کے حلقے صوفیا کے ہاں پسندیدہ تھے ان غنائی مقطوعات میں سے ایک مقطوعہ سنتے ہیں۔

اس تمہید اور توجیہہ کے بعد وہی معروف مقبول قطعہ نقل کیا گیا جو اس گفتگو کا موضوع ہے جس کا پہلا شعر ہے۔''الصبح بدامن طلعة۔ واللیل دجا من وفرته''

آٹھ شعر درج کیے گئے، ان کے بعد ایک اور قطعہ کا حوالہ دیا گیا جس کے بارے میں ڈاکٹر شوقی

ضیف نے لکھا۔

وتکرار الاسم العطر فی اول کل شطر یدل بوضوح علی ان القصیدۃ انشودۃ من انا شید حلقات الذکر۔ (شوقی ضیف فصول فی الشعر ونقدہ ص:۲۵۴)۔

یعنی اس مشک آخریں اسم کی ہر مصرع کے شروع میں تکرار اس لیے ہے تاکہ یہ واضح دلیل بن جائے کہ یہ قصیدہ ذکر کے حلقوں کے ترانوں میں سے ایک ترانہ ہے۔

اس کی یہ توجیہہ بھی ڈاکٹر مخیمر صالح نے لکھی کہ صوفیاء یہ خواہش وغنار رکھتے تھے کہ اسم محمد ﷺ ان کی زبانوں پر بار بار آتا رہے جیسا کہ ان کی یہ خواہش بھی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ، کا کلمہ بھی ان کے ذکر کے حلقوں میں بہ تکرار ادا کیا جائے۔ دوسرے قطعہ کے سات شعر بھی نقل کیے گئے ہیں، پہلا شعر ہے:

مُحَمَّدٌ خَیرُ خلق اللہ من حضر۔ مُحَمَّدٌ خَیرُ رُسُلِ اللہِ کُلِّھِم

(دیوان البوصیری، ص ۲۷۰)

یہ ساری بحث ''المدائح النبویۃ بین الصرصری والبوصیری ص ۱۵۱، ۱۵۲ پر لکھی جاسکتی ہے ڈاکٹر مخیمر کو ان وضاحتوں کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ کہیں اسلوب و آہنگ کا یہ تفاوت کسی ذہنی الجھن کا سبب نہ بنے، یہ وضاحت دلیل ہے کہ یہ مقطوعات امام بوصیری علیہ الرحمۃ ہی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم مدح گو وجود روائے رسول ﷺ کی پناہ میں رکھے اور دیگر مدح گو شعرا کو اس حسن ادا اور حسن طلب کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

فروغِ نعت میں نعتیہ صحافت کا کردار

(ایک سرسری جائزہ)

نعت ایک لافانی پیرایۂ اظہار ہے جس کی بدولت اہلِ ایمان کو محبوبِ خدا اور خلقِ خدا حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدحت و توصیف کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ ربِّ کریم نے آپ کے سرِ اقدس پر ''ورفعنا'' کا تاجِ زرنگار سجا کر آپ کو شامِ ابد تک کے لیے بزمِ ہستی کے دلوں کا قرار بنا دیا۔ یہ تو ہماری رسول شناسی کا معاملہ تھا ورنہ توصیفِ رسول ﷺ کا سلسلہ تو انبیاے کرام اور رُسلِ عظام کی تشریف آوری کے ساتھ ہی پھیل چکا تھا۔ یہ تو عین ہماری خوش بختی ہے کہ توصیفِ رسول ﷺ ہمارا مقدر بن گئی۔ نعت ہمارے احساسات کے اظہار کا ذریعہ بن گئی۔ ورنہ خداے کریم نے تو توصیفِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ پھیلائے رکھنا تھا۔ ہم نہ ہوتے کوئی اور ہوتا۔ رسول شناسی کے نام پر اظہار و ابلاغ کے لیے کوئی اور صنفِ ادب وجود میں آجاتی۔

حق تو یہ ہے کہ ربِّ کریم نے ہمیں رسولِ رحمت ﷺ کا اُمتی بنایا۔ پھر خوش بخت دلوں میں شمعِ انوارِ رسالت سے ضوبخشی، جملہ حسیات کو عرفانِ حضور عطا کی۔ لفظوں کو ملبوسِ نور بخشا، قلم کو جنبش عطا ہوئی اور کاغذ پر جو کچھ رقم ہوا وہ اپنے حسنِ ظاہری اور جمالِ باطنی کے لحاظ سے زمانے بھر کے لعل و جوار سے زیادہ بیش قیمت تھا۔ شاعروں نے اسے لغت سمجھا، ادیبوں نے اپنی انشاپردازی کا حاصل قرار دیا، دنیاے خطابت کے شہ سواروں نے اسے اعزازِ گویائی قرار دیا۔ رسائل و جراید اور اخبارات کی اشاعت کے ذمہ داروں نے اسے جمالِ سخن آرائی کا نام دیا اور نام لیے بغیر ہی سب اس حقیقت سے آشنا ہوتے گئے کہ:

میں ترا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

نعت کے فروغ و ارتقا اور نعت کے اظہار و ابلاغ کے ضمن میں کسی بھی محبِ رسول ﷺ کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ تمام نعت گو شاعر، ادیب، خطیب، فقہا، علما اور مفسرین کے پہلو بہ پہلو وہ ادارے، تنظیمیں اور گروہ بھی لایقِ تحسین ہیں جو نعت کے فروغ کا خلوصِ نیت سے بڑے پیمانے پر اہتمام کرتے ہیں۔ ان سب کے پہلو بہ پہلو ارتقاے نعت کے لیے ان رسائل و جراید کے کردار سے بھی اغماض اختیار نہیں کیا جاسکتا جنھوں نے اپنے رسال اور جراید کو مسلسل نعت کے فروغ اور ارتقا کے لیے مخصوص کیا۔ یہ رسائل و جراید کئی لحاظ سے بلندتر مقام اور فضیلت کے حامل ہیں۔

انھوں نے نعت گو شعرا کو مسلسل ایک پلیٹ فارم مہیا کیا جس کی بدولت شعرا اپنے کلام اور ادیب اپنی جاں نواز تحریروں کو زمانے بھر تک پہنچانے کے قابل ہوتے رہے۔ ورنہ جب تک خوش بو کسی پھول میں بند رہتی ہے دنیا والوں کو اس کی روحانی ہمہ گیری کا احساس نہیں ہوتا۔

ان رسائل و جراید نے عشاقِ رسول ﷺ کو نعت گو شعرا کی ایک ایسی بڑی تعداد کے ناموں اور ان کے کلام سے آشنا کیا جو صاحبِ کتاب نہیں تھے اور محض ان جراید کی بدولت اہلِ شوق کے دلوں میں جگہ پا گئے۔ جہاں غلامانِ رسول ﷺ کو ان نعت گو شعرا کے اسما اور ان کی نعتوں سے آشنائی ہوئی وہیں ان نعت گو شعرا کو بھی ایک وسیع ادبی پلیٹ فارم مہیا ہوا جس نے معروف اور غیرمعروف شعرا کو ایک مقام پر کھڑا کردیا۔ اس وساطت سے نعت گو شعرا کی بھرپور حوصلہ افزائی ہوئی، وہ تسلسل سے لکھنے لگے اور پھر نعت نگاری کی اسی وسعتِ فکر نے انھیں بہت جلد صاحبِ دیوان بھی بنا دیا۔

اسی نعتیہ صحافتی ادب نے نعت نگاروں کے ساتھ ساتھ نعت پر تاریخی اور تحقیقی کام کرنے والے اصحابِ تحقیق سے بھی اہلِ ادب کو روشناس کرایا۔ ان میں سے بعض تو پہلے ہی لکھ رہے تھے اور بعض اس میدان میں نووارد تھے اور بعض اپنے فکری کارناموں کی بدولت پہلے ہی شہرتِ عام کے مقام پر فائز ہوچکے تھے۔ نئے اور پرانے ناموں سے قطع نظر ان نعتیہ رسائل و جراید نے نعتیہ ادب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ دنیائے نعت کی نذر کردیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اور پھر عصرِ حاضر میں اس نعتیہ صحافتی ادب کے نقیب بعض رسائل و جراید نے ایک اور ایمان آفریں قدم اُٹھایا۔ وہ تھا نعت میں تنقیدی رویوں کا فروغ۔ اس سے قبل زیادہ تر شخصی مضامین لکھے جاتے تھے یا نعتیہ انتخاب شائع کیے جاتے تھے۔ بلاشبہ ان نعتیہ مضامین سے نعتیہ ادب کی دنیا پر بہار آئی ہوئی تھی۔ مگر تنقیدی رویوں کے فروغ نے نعتیہ ادب کو نئی زندگی بخشی۔ ان تنقیدی رویوں

سے مراد نعت گوئی پر تنقید نہیں تھی۔ نعت گوئی تو سعادتِ عظمیٰ ہے جس پر لب کشائی کی گنجایش ہی نہیں ہے۔ ان تنقیدی رویوں کا مقصد نعت گو شعرا کی نعتیہ بلندیوں کا جائزہ لے کر ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے مبسوط، مربوط اور تحقیقی مضامین کی ضرورت کو پورا کیا جن سے نعت کی تاریخ اور ادبی و لسانی تقاضے اُبھر کر سامنے آنے لگے۔ ان تحقیقی اور تنقیدی مقالات میں ان مضامینِ نعت پر درجنوں تحریریں سامنے آئیں جن کی بدولت نعت گو شعرا کے فکری تسلسل، ادبی رویوں اور عصری افکار کے مختلف زاویے سامنے آنے لگے۔ ان رسائل و جراید نے صرف عصرِ حاضر کی نمائندگی ہی نہیں بلکہ اپنی کاوشوں سے ماضی اور حال کو یک جا کر کے نعت کو دلوں کی دھڑکنوں میں سمو دیا۔

اس نثری نعتیہ ادب کے مدیران اور مرتبین کی کاوشوں کی داد نہ دینا فروغِ نعت کے عظیم مقاصد سے ناانصافی ہوگی۔ ادبی پلیٹ فارم مہیا کرنا، ان رسائل و جراید کو ظاہری اور باطنی محاسن سے آراستہ کرنا، شاعروں اور ادیبوں کی تحریروں کو شایانِ شان طریق سے حسنِ طباعت سے آراستہ کرنا اور پھر ان جراید کو نعت شناسوں اور نظریاتی قارئین تک پہنچانا ایک کارے دارد ہے۔ ان اشاعتی اور تقسیم و ترسیل کی کٹھنائیوں کو ان رسائل و جراید کے مدیرانِ کرام ہی جانتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیائے نعت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی سعیٔ بے بہا کی ممنون رہے گی۔ ان میں سے بعض رسائل و جراید اُفقِ ادب پر بڑی شان سے اُبھرے مگر چند اشاعتوں کے بعد اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکے۔ لیکن اتنا تو ہوا کہ جاتے جاتے آنے والوں کو اشاعت کا حوصلہ دے گئے۔ بعض جراید نے ایسی ادبی اٹھان اور ایسی اشاعتی شان کا مظاہرہ کیا کہ چشمِ ادب آج تک ان کے لیے اپنی آنکھوں میں ممنونیت کی نمی لیے ہوئے ہے۔ بعض رسائل و جراید ماضی کا حصہ بننے کے باوجود عرصے سے اپنے فکری اور اشاعتی اہتمام کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوح و قلم کی آبرو ہیں۔ عہدِ حاضر کا اعزاز ہیں اور یقیناً انھی سے مستقبل کے نعتیہ ادب کو ایک اَن مٹ تسلسل عطا ہوگا۔ اب ہم نعتیہ صحافتی ادب کے حوالے سے چند رسائل و جراید کا تذکرہ قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔ بخدا ہمارے دل میں ہر جریدے اور اس کے مدیرِ محترم کے لیے عقیدت و ارادت کے جذبات موجزن ہیں۔ اگر وہ کہیں اپنے مقام و مرتبہ سے کم تر الفاظ محسوس کریں تو اسے ہماری کوتاہ فکری سمجھ کر معاف فرما دیں ورنہ ہمارے دل میں تو ان سب کے لیے محبتوں اور چاہتوں کا ایک بحرِ بے کراں مواج ہے کہ اگر یہ عظیم لوگ کام نہ کر رہے ہوتے تو شاید راقم اور اس جیسے کتنے ہی ادیبوں کی کتنی

ہی تحریریں گوشۂ گم نامی میں پڑی ہوتیں۔ ان میں سے بعض مدیرانِ ذی وقار تو معاملہ فہم، مقام شناس اور فراخ حوصلہ ہونے کے ساتھ اتنا دبنگ لہجہ اور ایسا روحانی دھانسو مزاج رکھتے ہیں کہ بہت سے پاشکشوں کو قلمی اور تحقیقی لحاظ سے برق رفتار کر دیتے ہیں۔ راقم نے خود بڑی بڑی تحریریں انھی کے مدیرانہ دبنگ لہجے کے سامنے سر جھکا کر لکھی ہیں۔ یہ سخن فہم ہیں غالب کے طرح دار ہیں۔ ہمیں تو ان کے مدیرانہ دبنگ لہجہ اور ادارتی دھونس اسی طرح عزیز ہیں جس طرح جسم کو سانسوں کی آمد و رفت سے پیار ہوتا ہے۔

اسلامی دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا رسالہ، مجلّہ یا اخبار ہو جس نے حصولِ برکت و سعادت کے لیے نعت شائع نہ کی ہو۔ بعض رسائل و جراید نے تو مختلف اوقات میں بڑے اہتمام کے ساتھ نعت نمبروں کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ یہ تمام رسالے، یہ تمام جراید و اخبارات ہمارے لیے باعثِ صدتوقیر ہیں۔ ان میں سے بعض رسائل تو ایسے ہیں جو دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ نعتیہ مضامین کو بھی خصوصی اہتمام کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ یہ تمام جراید ہمارے لیے محترم ہیں کیوں کہ یہ بھی فروغِ نعت کے قافلے کے معزز رکن ہیں۔ مگر بات ہو رہی ہے ان رسائل و جراید کی جنھوں نے نہایت تواتر اور تسلسل کے ساتھ نعت نمبروں کی اشاعت کا پُرنور سلسلہ جاری رکھا۔ بات تقویم و تاخیر کی نہیں کیوں کہ چراغوں سے چراغ جلا ہی کرتے ہیں ہم فروغِ نعت میں نعتیہ صحافت کے کردار کے حوالے سے ان رسائل و جراید کا بطورِ خاص ذکر کرنا چاہیں گے جنھوں نے تواتر کے ساتھ نعتیہ اشاعتیں پیش کر کے نعت گو شعرا کی فکر کو مزید تب و تاب عطا کی اور تحقیقِ نعت کے لیے کام کرنے والوں کی لاشعوری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے اشہبِ قلم کو مزید تیز تر کر دیا۔

فروغِ نعت کے حوالے سے تسلسل کے ساتھ نعت نمبروں کی قندیلیں فروزاں کرنے والوں میں نمایاں نام لاہور سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''شام و سحر'' کا ہے جس کے مدیر معروف نعت گو شاعر اور ادیب جناب خالد شفیق نے اَن تھک محنت اور ادبی ریاضت کی بدولت اس رسالے کے نعت نمبروں کو آنے والے ادوار کے ان مدیرانِ محترم کے لیے جو فروغِ نعت کا علم لے کر چلنے کا عزم رکھتے ہوں، شمعِ راہ بنا دیا۔ خالد شفیق بلاشبہ ستائش کی تمنا اور صلے کی آرزو سے بے نیاز ہو کر اتنا بڑا کام کر گئے۔ انھوں نے ''شام و سحر'' کا پہلا نعت نمبر ۱۹۸۱ء میں، دوسرا ۱۹۸۲ء میں، تیسرا ۱۹۸۳ء میں، چوتھا ۱۹۸۵ء میں، پانچواں ۱۹۸۶ء میں اور چھٹا نعت نمبر ۱۹۸۷ء میں شائع کیا۔ خالد شفیق نے نعت نمبروں کی مسلسل اشاعت کے حوالے سے طرحِ نو ڈالی اور پھر کئی سال اپنے ہی

وضع کردہ جادۂ شوق پر بکمال استقلال سے گامزن رہے۔ ان کا اعزاز دیکھیے کہ اس تمام عرصے کے دوران میں یہ اکیلے ہی یہ عظیم کام انجام دیتے رہے اور پھر تو ان کے بعد ان کے جلائے ہوئے چراغ سے بعض چراغ اس شان کے ساتھ روشن ہوئے کہ بزمِ ہستی جگمگا اٹھی۔ پہلے نعت نمبر سے لے کر چھٹے نعت نمبر تک وہ ان کی ضخامت میں مسلسل اضافہ کرتے گئے۔ ان نعت نمبروں کے مجموعی صفحات ۲۶۸۸ بنتے ہیں۔ خالد شفیق اس رسالے کے مالک نہیں بلکہ مدیر و مرتب تھے۔ اگر وہ مالک ہوتے تو یہ سلسلہ آج تک جاری رہتا اور نہ جانے ان کے عزم و عمل کی داستان کہاں سے کہاں جا پہنچتی۔ اس رسالے کی ادارت سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر سبک دوش ہونے کے بعد انھوں نے ماہ نامہ ''حمایتِ اسلام'' کی ادارت سنبھالی تو اپنے تمام ادارتی دور میں ''حمایتِ اسلام'' کے ہر شمارہ میں نعتوں اور نعتیہ مضامین کی اشاعت کو اولیت دیتے رہے۔ انھوں نے ماہ نامہ ''شام و سحر'' کا سیرت نمبر بھی شائع کیا جو مضامین کی ندرت کے حوالے سے ساتواں نعت نمبر قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اس میں سیرت کا نام دے کر کام نعت اور نعتیہ تنقید و تحقیق کا ہی ہوا تھا۔

خالد شفیق کے نعت نمبروں کا سلسلہ تو ۱۹۸۷ء میں اختتام پذیر ہوگیا۔ وہ جو کام عظیم وہ انجام دے گئے اس کی صدائے بازگشت صدیوں نعت کے ایوانوں میں سنائی دیتی رہے گی۔ ان کے پاس دنیاوی سرمایہ نہیں تھا مگر ان کے زرخیز دماغ میں عشقِ حضور ﷺ کے گل و لالہ مہک رہے تھے۔ اس دور میں (اور آج بھی) نعتیہ تحقیقی مضامین لکھوانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مگر خالد شفیق اصحابِ تحقیق کے تعاون سے یہ جوئے شیر برآمد کرتے رہے اور بار بار کرتے رہے۔ آج جب کہ متعدد رسائل نعت کی مہک لٹا رہے ہیں تو برسوں پیش تر خالد شفیق کی جراتِ رندانہ اور فروغِ نعت کے لیے کی گئی کاوشیں دیکھ کر حیران ہوتی ہے کہ خالد شفیق نے سرمایۂ عشق وارفتگی بہم کر کے خدائے کریم سے کیا مانگ کر نئے راستے کے ضوبار خطوط استوار کیے کہ زمانے کا زمانہ ان کا ہم نوا ہوگیا۔ عام طور پر نعت نمبروں میں نعتوں کی بہتات ہوتی ہے اور ''شام و سحر'' سے پیش تر بعض اوقات ایسے شماروں کو ہی نعت نمبر سمجھ لیا جاتا تھا اور اس دور کے تناظر میں ایسا سوچنا برحق بھی تھا۔ مگر خالد شفیق نے جس طور نعتیہ صحافت کے خطوط استوار کیے ان کی بدولت آنے والوں کے لیے ان خطوط سے راہ نمائی لینا آسان ہوگیا۔ انھوں نے معروف اور غیر معروف محققین، مضمون نگاروں اور ادب پیماؤں کا ایک گروہ ترتیب دیا، شخصیت کو نہیں دیکھا بلکہ اس کے کام کو مدِنظر رکھا۔ ان کی اسی مقصد شناسی نے ان کی کاوشوں کو اہلِ نظر کی نگاہوں میں محبوب تر بنا دیا۔ خالد شفیق بہت اچھے

ادیب اور شاعر ہیں۔ انھوں نے ادارتی صلاحیتوں کا اعلیٰ معیار قائم کر دیا مگر اپنی ذات پر کوئی مضمون تو کجا چند سطور کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ نعت نمبروں میں مضامین کی تکرار نہ ہو اور آج ان کا قاری تمام نعت نمبروں کا مطالعہ کرتے ان کی اس فکر کے خوب صورت نتائج کی بدولت اپنے دامانِ ادب کو بے شمار سیر حاصل تحریروں سے آباد پاتا ہے۔ خالد شفیق نے نعت گو شعرا کو بھی بھرپور جگہ اور نمائندگی دی اور یہاں بھی معروف اور غیر معروف کا فرق مٹا کر دکھا دیا۔ معلوم ہوا ہے کہ ان دنوں خالد شفیق علیل ہیں۔ ربّ کریم نے انھیں بہت سی روحانی سرفرازیوں سے نوازا ہے۔ ان کی علالت انھیں کسی بڑے کام کا بوجھ اُٹھانے نہیں دیتی۔ مگر جو کچھ وہ کر گئے ہیں اس کی جگمگاہٹ سے درجنوں بلند فکر اصحابِ قلم اور مدیرانِ ذی وقار فیض یاب ہو رہے ہیں۔ ہم ان سطور کو ذریعہ اظہار بنا کر ربّ کریم سے ان کی صحت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا گو ہیں کہ انھیں ہمیشہ ہمیشہ سرکار شفیع المذنبین ﷺ کی نوازشات بے بہا سے حصہ وافر عطا ہوتا رہے۔

فروغِ نعت کے حوالے سے نعتیہ صحافت کے کردار کا تعین کرتے ہوئے جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو ممتاز نعت گو شاعر ادیب اور محقق راجا رشید محمود کی ادبی نعتیہ کاوشوں کا مظہر ماہ نامہ ''نعت'' (لاہور) ایک ستارۂ نور بن کر چشمِ شوق کو خیرگی عطا کرنے لگتا ہے۔ جس طرح دہلی کی شعری شمع کے مدھم ہوتے ہی اہلِ لکھنؤ نے اس شمعِ شاعری کی ضو کو تیز تر کر دیا تھا۔ اسی طرح ۱۹۸۷ء میں ''شام و سحر'' کے آخری نعت نمبر کے فوراً ہی بعد ۱۹۸۸ء میں راجا رشید محمود کا ماہ نامہ ''نعت'' ماضی کی عظمتوں کا نقیب بن کر عہد حال کے تمام تر نظریاتی اعزاز کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ماہ نامہ ''نعت'' ۱۹۸۸ء سے تادمِ تحریر (۱۹ برس سے) بغیر کسی تعطل یا تاخیر کے شائع ہو رہا ہے۔ ماہ نامہ ''نعت'' میں مختلف ادوار میں مضامین کا تنوع اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ ہر جریدہ اپنے مدیر کی فکر کا نقیب ہوتا ہے۔ ماہ نامہ ''نعت'' کی بدولت راجا رشید محمود نے فروغِ نعت کے لیے شعری اور نثری طور پر اس باقاعدگی اور تنوع سے کام کیا ہے کہ خوش گوار حیرت ہوتی ہے۔ راجا رشید محمود خوش بخت ہیں کہ ماہ نامہ ''نعت'' کے ادبی اور فکری معیار کو قائم رکھنے کے لیے ان کی صاحب زادی اور صاحب زادگان بھی شریک سفر ہیں۔

ہم نے پہلے بھی ایک مضمون میں عرض کیا تھا کہ دنیائے نعت میں راجا رشید محمود کی تمام خدمات سے قطعِ نظر یہی ایک مثال منفرد حیثیت کی قرار دی جائے گی کہ انھوں نے مستقبل میں

فروغ نعت کے لیے اپنے خاندانِ نعت سے متعلق جگر پاروں کو اپنے فکری اثاثہ اور نظریاتی سرمایہ سونپ دیا ہے تا کہ کاروانِ نعت کی رفتار کو برق رفتار رکھنے والے ان اہلِ شوق کی بدولت ماہ نامہ 'نعت' آئندہ نسلوں کا بھی اعزاز بنا رہے۔

راجا رشید محمود نے ماہ نامہ نعت کی معروف اہلِ علم و ادب کو مضامین اور عنوانات کی رنگارنگی کے حوالے سے بہت بڑا نعتیہ سرمایہ عطا کیا ہے۔ فروغِ نعت کے حوالے سے ماہ نامہ ''نعت'' اور مدیرِ ''نعت'' کی اوّلیات کی فہرست قارئین کو اس نعتیہ جریدہ کے شوقِ جادہ پیائی کا احساس دلاتی ہے۔ ماہ نامہ ''نعت'' کے متعدد شمارے ''نعت کیا ہے؟'' کے عنوان سے شائع ہوئے اور ''نعت کیا ہے؟'' کے موضوع پر بے شمار نعتیں شائع کیں۔ مختلف شہروں کے نعت گو شعرا اور کی عظیم المرتبت نعت گویان کے فکر وفن کے حوالے سے خصوصی شمارے شائع کیے۔ ''نعت ہی نعت'' کے عنوان سے درجن سے زائد شمارے اشاعت پزیر ہوئے۔ راجا رشید محمود نے شہیدانِ ناموسِ رسالت کے عنوان سے دو شمارے اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو اور ''رسول نمبروں کا تعارف'' کے عنوانات کے تحت بھی متعدد اشاعتیں پیش کیں۔ درود وسلام، میلاد النبی ﷺ، معراج النبی ﷺ اور ''غیر مسلموں کی نعت گوئی'' کے حوالے سے درجنوں قابلِ قدر اور وقیع خصوصی شماروں کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔

راجا رشید محمود صاحبِ طرز ادیب، نعت گو شاعر اور دنیائے تحقیق کی نمائندہ شخصیت ہیں۔ اگر ان کی فکری، ادبی اور نظریاتی خدمات کا ذکر کرنے لگیں تو الگ سے ایک دفتر درکار ہے۔ مگر یہاں تذکرہ ماہ نامہ ''نعت'' کا ہے۔ اتنے برسوں سے ماہ نامہ ''نعت'' کی باقاعدہ اشاعت سرکارِ دوعالم ﷺ کی عطائے خاص ہے۔ راجا رشید محمود کے ذہنِ رسا میں مضامین و افکار تیزی سے اُبھرتے ہیں اور ان مضامینِ نو کو تحقیق وجستجو کے انوار سے سجا کر ماہ نامہ ''نعت'' کی زینت بنا دیتے ہیں۔ انھوں نے پرانے لکھنے والوں کے ہمراہ نئے لکھنے والوں کو بھی متعارف کروا دیا ہے۔ ہم خوش بخت ہیں کہ ماہ نامہ ''نعت'' ہی کی بدولت ان کی نعت گوئی کے مجموعوں کی ایک بڑی تعداد ہماری لائبریریوں کی زینت بنتی جا رہی رہے۔ ماہ نامہ ''نعت'' کے درجنوں شمارے راجا رشید محمود کی خداداد صلاحیتوں، نعت سے والہانہ لگاؤ، فروغ نعت کے لیے جاودانہ تڑپ کے مظہر ہیں۔ یہ ایسے چراغ ہیں جن کی روشنی کبھی مدھم نہیں ہوگی۔ یہ وہ گل ہائے تازہ ہیں جن کی مہک سے قلوبِ ہستی مدتوں معنبر ہوتے رہیں گے۔

اسی دوران میں جب ۱۹۹۰ء میں کراچی سے ماہ نامہ ''حمد و نعت'' کا اجرا ہوا تو کراچی کے حوالے سے دل کو غیر معمولی طمانیت کا احساس ہوا کہ پاکستان کا یہ سب سے بڑا شہر فروغِ نعت کے حوالے سے اپنا حصہ ڈال رہا ہے۔ ماہ نامہ ''حمد و نعت'' کے مدیر مشہور ادیب، مرتب اور محقق شہزاد احمد تھے جو ادبی اور شخصیاتی جائزوں کے حوالے سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے نعت کے حوالے سے کئی کتابیں مرتب کیں۔ ''حمد و نعت'' کا اجرا ہوا تو شہزاد احمد کے محبت بار مراسلے تواتر سے ملتے رہے۔

''حمد و نعت'' کی ضخامت اگرچہ زیادہ نہیں تھی مگر تواتر کے ساتھ رسالے کا شائع ہوتے رہنا کوئی کم اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔ ماہ نامہ ''حمد و نعت'' کے بیش تر مضامین میں نعتیہ ہوتے تھے۔ اس میں یہ امر خاص طور پر مدنظر رکھا گیا کہ نعت گو شعرا کی تحریروں کے ساتھ ساتھ نعت خوانوں کے انٹرویوز اور نعتیہ تقاریب کی خبریں بھی شائع کی جائیں۔ بہرحال یہ انداز بھی خوب تھا۔ شہزاد احمد نے ''حمد و نعت'' کے گیارہ شمارے شائع کیے اور پھر اس مجلّہ کی اشاعت کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ معاملہ ضخامت کے زیادہ یا کم ہونے کا نہیں ہے، معاملہ تو نعتیہ صحافت کے علم بردار اس جریدہ کی اشاعت کا تھا۔ چراغ چھوٹا ہو یا بڑا۔ روشنی تو روشنی ہوتی ہے اور چراغ کا کام تو دوسرے چراغوں کو جگمگاہٹ عطا کرنا ہوتا ہے۔

کراچی ہی سے جناب ادیب رائے پوری نے ۱۹۸۷ء میں مجلّہ ''نوائے نعت'' کا اشاعت کا اہتمام کیا۔ ادیب رائے پوری کا نام تحقیق اور ترتیب و تدوین کے حوالے سے معتبر حوالہ ہے۔ ان کی کتب نعتیہ ادب کے حوالے سے قابلِ قدر مقام رکھتی ہے۔ ''نوائے نعت'' کی صورت میں انھوں نے نعت نگاروں اور نعتیہ نثر تخلیق کرنے والے ادیبوں کا حتیٰ المقدور تعاون حاصل کیا۔ اگرچہ وہ کچھ ہی شمارے شائع کر سکے مگر نعتیہ ادب کی تاریخ میں اپنا نام ضرور لکھوا گئے۔ ایسے اعلیٰ سوچ رکھنے والے مدیران کی کاوشوں کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اگر انھیں زندگی مہلت دیتی تو معلوم نہیں کیا سے کیا کر جاتے۔ ادیب رائے پوری کی تحقیقی کاوشوں میں ''مدارج النعت''، ''نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید'' اور ''مشکوٰۃ النعت'' خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ہم نے ان کتب کا ذکر اسلیے کیا ہے کہ یہ بھی فروغِ نعت کی تاریخ کا روشن حوالہ ہیں۔

۱۹۸۷ء میں ہی معروف نعت گو شاعر منیر قصوری نے ایوانِ نعت کے نام سے ادبی رسالہ کا اجرا کیا۔ خوب صورت مضامین، بے لاگ تحریریں، جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں

بکمالِ نعت پر دل کش مضامین کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ چادرِ رحمت، ہوائے مصطفیٰ اور آئینۂ رحمت جیسے خوب صورت مجموعہ ہائے نعت کے شاعر منیر قصوری چوں کہ خود پختہ فکر شاعر ہیں۔ اس لیے انھوں نے ایک مدت تک فروغِ نعت کے لیے تقاریب کے سلسلے کو بھی جاری کیے رکھا۔ اپنی ادب پرور شخصیت کی بدولت لاہور کے ادبی حلقوں بالخصوص نعت نگاروں کے حلقے میں انھیں خصوصی مقام حاصل تھا۔ ان کے بعض شماروں کی ضخامت ایک صد سے زائد صفحات پر مشتمل تھی۔ انھوں نے ایوانِ نعت کو مقبولِ عام بنانے کے لیے قابلِ رشک صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس ضمن میں انھیں نعت کے فن سے محبت کرنے والے ایک بڑے حلقے کی تائید بھی حاصل ہوگئی۔ مگر مصروفیات اور وسائل کی کمی کی بدولت اس بہار آفریں سلسلے کو چھ یا دگار شماروں کے بعد جاری نہ رکھ سکے۔ جتنا کام کیا اچھا کیا۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ان جیسے بلند عزم ادیب آگے نہ بڑھتے تو شاید نعتیہ صحافت کا دامان اس قدر زرنگار نظر نہ آتا۔

اور پھر ۱۹۹۵ء میں کراچی کی نعتیہ صحافت کے مطلعِ تاباں پر ایک ستارہ طلوع ہوا جسے ''نعت رنگ'' کہا جاتا ہے۔ معروف و ممتاز نعت گو شاعر اور ادیب سید صبیح الدین رحمانی اس کے مدیر ہیں۔ اس کے پہلے شمارے نے ہی اپنی ظاہری ضخامت اور تحقیقی قدر و قامت کی بدولت دلدادگانِ کوچۂ نعت کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ وادیٔ صحافت سے دیرینہ راہ و رسم رکھنے والوں نے اس کی اٹھان کو دیکھ کر جہاں سنجیدگی سے حیرت انگیز خوشی کا اظہار کیا وہاں وہ اس کے مستقبل کے بارے میں محبت آمیز شکوک کا شکار ہونے لگے کہ ایسا وقیع اور مقصدیت سے مرصع مجلہ کب تک چلے گا۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ عشاقِ نعت کو شادمانی اور سرشاری عطا کرتا گیا اور انھیں واضح طور پر نظر آنے لگا کہ یہ رسالہ ان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ بہت چھوٹی عمر میں نعت خوانی سے نعت گوئی کی جانب سفر کرنے والے مدیرِ شہیر سید صبیح رحمانی نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو حسنِ مہارت سے استعمال کیا اور پھر اپنی محنتوں، ادبی ریاضتوں اور اہلِ تحقیق کا تعاون حاصل کرنے کے لیے مخلصانہ محبت اور خدمتِ نعت اور فروغِ مقاصدِ نعت کا جال اس مضبوطی سے پھیلایا کہ نعت گو تو ایک طرف برصغیر پاک و ہند کے نام ور محققین اور ایک طویل عرصے سے دنیائے نعت میں اَن مٹ نقوش ثبت کرنے والے اسی دام کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ ہر بڑے ادیب اور محقق کو ایسے ادبی پلیٹ فارم کی ضرورت ہوتی ہے جس کا اشاعتی، صحافتی اور علمی تاثر دیرپا ہو۔ سید صبیح رحمانی کامیاب ٹھہرے کہ بہت سے اہلِ شوق کی ادبی رفاقت ان کا زادِ سفر بن چکی تھی۔

۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۶ء تک ''نعت رنگ'' کا ادبی سفر قابلِ رشک بھی ہے اور باعثِ اعزاز بھی۔ ہم نے آغاز میں ادبی لحاظ سے ڈھنگ اور قلمی و نظریاتی لحاظ سے دھونس جمانے والے مدیران کا ذکر کیا تھا جو نیک عمل کا تہیہ کر کے منتخب اہلِ قلم سے اپنی ہی دی ہوئی مہلت میں اپنے بھی منتخبہ عنوانات پر مضامین لکھوانے میں کامیاب رہتے ہیں، جناب خالد شفیق اور پھر سید صبیح رحمانی کا مدیرانہ دبدبہ ہماری تحریر کا روشن ثبوت ہے۔ سید صبیح رحمانی نے نعت کے ہر شمارے کو کسی نہ کسی حوالے سے خاص نمبر بنانے کی سعی کی ہے، عنوان دیے بغیر۔ جب نام ہی ''نعت رنگ'' ہے تو پھر بار بار نعت کے مختلف عنوان دینے سے کیا حاصل؟ صبیح رحمانی نے ہر دور میں کسی قسم کی تعلّی سے گریز کیا ہے۔ مختصر سے اداریے کے بعد یہ پورے رسالے میں کہیں نظر نہیں آتے۔ چپ چپ، خاموش خاموش، جیسے کسی خلوت گاہ میں محوِ تماشا ہوں۔ مگر خوش بو دُور دُور پھیل کر بھی پھول کا تعارف ہوتی ہے۔ اسی طرح ''نعت رنگ'' کے ظاہری متن سے الگ صبیح رحمانی کی فکری دل آویزی ایک ایک صفحے سے جھلکتی ہے۔

مدیر کی حیثیت ایک راہ نما کی ہوتی ہے جو مسافرانِ خوش خصال کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ سید صبیح رحمانی نے ادارت اور حسنِ ترتیب کا حق یوں ادا کیا کہ برصغیر پاک و ہند کے ان تمام اہلِ قلم کا تعاون حاصل کرلیا جو اپنی ادبی کاوشوں کو ذکر و فکرِ نعت کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ ان میں وہ نثر نگار بھی ہیں جو توصیفِ رسول ﷺ پر قلم کو حرکت دیتے ہیں تو گلابوں کے مہکنے کی چٹک کا احساس ہونے لگتا ہے۔ بالخصوص کثیر تعداد میں وہ اصحابِ تحقیق بھی ہیں جن کی فکرِ رسا نعت نگاروں اور نعت کے لیے ادبی سرمایہ بہم پہنچانے والے ادیبوں پر بھرپور گرفت رکھتی ہے اور وہ افکار و احوالِ نعت پر اپنی مغز نگارشات سے ''نعت رنگ'' کے صفحات کو مسلسل تاریخ کا حوالہ بنائے ہوئے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کا سب سے بڑا اعزاز تنقیداتِ نعت کو فروغ دینا ہے۔ اس سے مراد (نعوذ باللہ) نعت پر تنقید نہیں بلکہ نعت گو شعرا اور ناقدین کا فکری تجزیہ ہے تاکہ اس راہِ نعت میں شعوری تو دُور کی بات ہے لاشعوری طور پر بھی قلمی یا ذہنی لغزش کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ بلاشبہ ''نعت رنگ'' نے صرف ناموں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے محققانہ کام کو مدِنظر رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس قصرِ نعت میں جو خوش بخت جس مسند کے لائق ہے وہی اس کو عطا کی جائے۔ یہ سب کچھ درحقیقت من جانب اللہ ہے، منشائے رسول ﷺ ہے مگر زمانے کی نظروں میں تو ایوان سجانے والے ہی اعزاز کے حق دار قرار پاتے ہیں۔ خواہ ''نعت رنگ'' ہو یا فروغِ نعت کے لیے

کام کرنے والا کوئی اور پُرنور صحیفہ ہو۔

حال ہی میں (۲۰۰۶ء) ''نعت رنگ'' کا امام احمد احمد رضا خاں نمبر اشاعت پزیر ہوا ہے۔ آٹھ سو صفحات پر مشتمل یہ اشاعتِ خاص مدتوں شاہ احمد رضا خاں پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے قندیلِ راہِ تحقیق کا کردار ادا کرتی رہے گی۔ ''نعت رنگ'' نے اس اشاعتِ خاص میں بھی اپنی تحقیقی اور بے لاگ انفرادیت کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ جناب رضا پر لکھنے والے ان کے دیرینہ مقام شناس بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جنھوں نے مختلف تنقیدی عنوانات چُن کرنے نئے زاویوں سے بات کی ہے۔ کہیں کہیں تنقید کے خار اگر کسی طبعِ نازک پہ گراں گزرتے بھی ہوں تو انھی اصحابِ تنقید کے قلم سے بکھرتے ہوئے توصیفی گلابوں کی خوش بو بالآخر احساسات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ہم نے ان محققین اور قلم کاروں کے اسمائے گرامی سے گریز کیا ہے جو ''نعت رنگ'' کے معنوی حسن میں مسلسل اضافہ کا باعث بن رہے ہیں ورنہ ان کے اسما کی فہرست بے جا طوالت کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ ''نعت رنگ'' سیّد صبیح رحمانی کے لیے سب کچھ ہے۔ ان کی فکر کا کمال بھی اور ان کی عقیدتوں کا جمال بھی۔ ہماری اس دعا میں ایک زمانے کی آمین شامل ہے کہ ''نعت رنگ'' کا مستقبل اس کے درخشندہ حال سے بھی زیادہ تابندہ تر ہو جس طرح اس کا حال عہدِ ماضی کی تاب ناکیوں سے کہیں زیادہ رخشندگی کا نقیب نظر آتا ہے۔

اسی حوالے سے کراچی کی ایک اور شخصیت کی مساعی کا تذکرہ بھی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ ہماری مراد جناب طاہر حسین طاہر سلطانی سے ہے جو معروف نعت گو شاعر، نعت خواں اور مشہور رسائل ''جہانِ حمد'' اور ماہ نامہ ''ارمغانِ حمد'' کے مدیر ہیں۔ ''جہانِ حمد'' ایک کتابی سلسلہ ہے جب کہ ''ارمغانِ حمد'' ماہ نامہ ہے جو ۲۰۰۳ء سے شائع ہو رہا ہے۔ بظاہر دیکھیں تو دونوں رسائل حمد سے ہی متعلق نظر آتے ہیں مگر جب ان رسائل کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بدرجۂ اتم واضح نظر آتی ہے کہ طاہر سلطانی نے ان رسائل کی بدولت ترویجِ حمد کے ساتھ ساتھ فروغِ نعت کو بھی اپنی بھرپور توجہ کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ ان رسائل میں جس قدر حمدیہ مضامین شائع ہوتے ہیں اسی قدر مضامینِ نعت کی اشاعت بھی ہوتی ہے۔ چوں کہ طاہر سلطانی اپنے فن اور فکر کے لحاظ سے نعت گو شاعر اور نعت خواں ہیں اس لیے ان رسائل میں ترویج و اشاعتِ نعت کی حیثیت سے ان کی مساعی تعریف کے قابل ہیں۔ انھوں نے باقاعدہ نعت نمبروں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ انھوں نے حال ہی میں ماہ نامہ ''ارمغانِ حمد'' کا امام احمد رضا نمبر شائع کیا ہے جو ۵۴۴ صفحات پر

مشتمل ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے علمی و تحقیقی مضامین کا یادگار مرقع ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے رسائل کے نعت نمبر بھی شائع کیے۔ طاہر سلطانی کا ذہنِ رسا نئے سے نئے خاص نمبر شائع کرنے میں نظریاتی سربلندیوں کا مظہر ہے۔ نعت گوئی ان کا مشن ہے اور حمد کے ساتھ ساتھ فروغِ نعت ان کا مقصودِ حیات ہے۔ طاہر سلطانی جس مستقل مزاجی سے اس سلسلے کو فروغ دے رہے ہیں اس سے اُمید کی جاسکتی ہے کہ ان کے رسائل آنے والے ادوار میں حمد کے ساتھ ساتھ فروغِ نعت کے لیے کہیں زیادہ واضح کردار کریں گے۔

کراچی سے جب حمد و نعت کا آغاز ہوا تو پہلی مرتبہ فروغِ نعت کے حوالے سے کراچی کا تصور خوش گوار انداز سے اُبھرا تھا۔ پھر ''نعت رنگ'' مثالی شان سے طلوع ہوگیا اور بے ساختہ اپنے وجود کا احساس دلا گیا اور یہ نور آفریں سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ خدا کرے اس مجلّہ کی بہارِ نعت جاوداں ہو۔ کراچی سے فروغِ نعت کے لیے متعدد رسائل آب و تاب کے ساتھ اُبھرے اور بعض باقاعدگی کے ساتھ اور بعض قدرے بے قاعدگی کے ساتھ اشاعتِ نعت کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ کتابی سلسلہ ''سفیرِ نعت'' نے اپنے ظاہری اور باطنی حسن کی بدولت اہلِ ذوق کو بہت جلد اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ یہ فقط نعتوں کا حسین مرقع ہی نہیں بلکہ اس میں نعت پر تحقیقی مضامین کی جگمگاہٹ بھی بصد شان دکھائی دیتی ہے۔ ''سفیرِ نعت'' کے مرتب مشہور نعت گو شاعر آفتاب کریمی ہیں جب کہ نگران جناب سیّد صبیح رحمانی ہیں۔ ان دونوں کی کاوشوں نے ''سفیرِ نعت'' کو صحیح معنوں میں اقلیمِ نعت و مدحت کا سفیر بنا دیا ہے کہ جس کا مطالعہ کرتے کرتے مضامین کی یک رنگی نہیں بلکہ ہمہ رنگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اس کے قلم کاروں اور ادبی معاونین میں برصغیر پاک و ہند کے بیش تر ممتاز اہلِ قلم دکھائی دیتے ہیں۔ ''سفیرِ نعت'' کا پہلا شمارہ صبیح رحمانی نمبر تھا جس میں مشاہیرِ ادب نے فروغِ نعت کے لیے اس انتہائی متحرک شخصیت کو مختلف حوالوں سے خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔ اس کے مختلف شماروں میں محسن کا کوروی نمبر نہایت بلند حیثیت کا حامل ہے۔ محسن کاکوروی نعت و نظم کے حوالے سے اردو ادب میں انتہائی معتبر حوالے کی حیثیت رکھتے۔ اس جلیل القدر نعت گو پر جو خصوصی شمارہ پیش کیا گیا بلاشبہ آنے والے دور کے ناقدین کے لیے وہ اہم ماخذ ثابت ہوگا۔

ان رسائل کی فہرست میں کراچی ہی سے شائع ہونے والا ''دنیائے نعت'' ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ''دنیائے نعت'' کے مرتب معروف نعت گو شاعر عزیزالدین خاکی ہیں جن کی متعدد کتبِ نعت اہلِ ذوق سے خراجِ محبت حاصل کرچکی ہیں۔ ''دنیائے ادب'' کے نگران شہزاد احمد

ہیں۔ اس کتابی سلسلے کے بھی متعدد شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ ان شماروں میں بھی برصغیر پاک و ہند کے نعت کے حوالے سے کام کرنے والے ادیبوں اور نثرنگاروں کی تحریریں اپنے جلوے لٹاتی نظر آتی ہیں۔ تمام شمارے فاضل مرتب کی محنت اور نعت سے غیر معمولی لگاؤ کی روشن دلیل ہیں۔ شاعری کے حوالے سے خوب صورت نعتوں کے گل دستے تیار کیے گئے ہیں۔ ''دنیائے نعت'' کی دوسری اشاعت ''سیّد رفیق عزیزی نمبر'' تھی جو اکتوبر ۲۰۰۶ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ سیّد رفیق عزیزی ممتاز شاعر، نثرنگار اور مردِ درویش ہیں جن سے ایک زمانہ فیض یاب ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ کتابی سلسلہ اسی ادبی وقار کے ساتھ شائع ہوتا رہے۔

کراچی ہی سے نعت کے مقاصد کو عام کرنے کے لیے شائع ہونے والا ایک اور کتابی سلسلہ ''راہِ نجات'' بھی اس فہرست کا حصہ ہے۔ اس کے مدیرِ اعلیٰ غلام مجتبیٰ احمدی ہیں۔ اس کی ضخامت کی اوسط ۲۰۰ صفحات تک ہے۔ اس کا پہلا شمارہ مئی ۲۰۰۳ء کو شائع ہوا۔ اس میں ایک حصہ ''مطالعاتِ خصوصی'' کے لیے ہے جب کہ دوسرا حصہ ''شخصیات فکر و فن کے آئینے میں'' ہے۔ دونوں حصوں میں عنوانات کی ترتیب سے نعت کے حوالے سے مضامین اور نعت گو شعرا کے حوالے سے نگارشات شامل ہیں۔ حمد و نعت کا حصہ اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ دل آویز اور تحقیقی مضامین کی بدولت ''راہِ نجات'' کا وجود بھی جگمگاتی ہوئی شمع کی صورت ظلماتِ وقت میں روشنی کا مظہر معلوم ہوتا ہے۔

سرگودھا سے ممتاز شاعر، محقق اور ادیب شاکر کنڈان فروغِ نعت کے دوامی مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر سہ ماہی ''عقیدت'' کی اشاعت کا اہتمام کیے جا رہے ہیں۔ شاکر کنڈان ادبی حلقوں کے لیے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اب تک ان کی متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے ''اردو ادب اور عساکرِ پاکستان'' خاص مقام کی حامل ہے۔ سہ ماہی ''عقیدت'' کے اب تک پانچ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ جب کہ چھٹا شمارہ اشاعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ ''عقیدت'' کے شماروں کی ضخامت کم و بیش ۲۰۰ صفحات ہے۔ سہ ماہی ''عقیدت'' میں نعت کے حوالے سے تحقیقی اور تنقیدی مضامین شائع کیے جاتے ہیں، جن کا مطالعہ نعت شناسی اور مقاصدِ نعت سے آگاہی کا باعث بنتا ہے۔

اس جائزے میں پنجاب سے حال ہی میں شائع ہونے والے دو جراید خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ لاہور سے شائع ہونے والا ''کاروانِ نعت'' اور فیصل آباد سے شائع ہونے والا ''متاعِ امیر''۔ مجلہ ''کاروانِ نعت'' کے مرتب محمد ابرار حنیف مغل ہیں جب کہ اس کے نگرانِ اعلیٰ

سیّد صبیح الدین رحمانی اور مشیرِ اعلیٰ راقم پروفیسر محمد اکرم رضا ہیں۔ اب تک ''کاروانِ نعت'' کے سات شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کی ضخامت ۲۴ صفحات ہے۔ آغاز میں حمد و نعت کے بعد مضامین کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مضامینِ نعت کی اشاعت کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے جب کہ دینی اہمیت کے لحاظ سے بھی مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ ''کاروانِ نعت'' کی ایک اور خصوصیت ہر ماہ کسی معروف نعت گو شاعر یا نعت خواں کا تعارف ہے۔ یہ تعارف انٹرویو اور مکالمے کی صورت میں ہوتا ہے۔ نعت گو شعرا اور ان کے فنِ نعت پر تنقیدی مضامین کی اشاعت الگ سے ہے۔ نعت پر تنقیدی اور تحقیقی مقالات کے ساتھ ساتھ نعتیہ محافل اور نعت خوانی کے جلسوں اور نعتیہ مشاعروں کی روداد بھی شائع کی جاتی ہے۔ اس کے مرتب محمد ابرار حنیف مغل اس مجلّے کو مقبول بنانے کا عزم کیے ہوئے ہیں اسی لیے ان کی آرزو ہے کہ رسالے میں نعتیہ صحافت کے تمام پہلوؤں کو مدِنظر رکھا جائے۔ اس کا پہلا شمارہ بڑے سائز پر شائع ہوا تھا۔ نعت شناس شخصیت شوکت علی نقش بندی پہلی اشاعت کے مرتب تھے بعد میں انھوں نے یہ ذمہ داری محمد ابرار حنیف مغل کے سپرد کر دی۔ محمد ابرار حنیف مغل کا مقاصدِ نعت سے والہانہ لگاؤ اس مجلّہ کی آنے والے ادوار میں تابندگی کی نوید دے رہا ہے۔

فیصل آباد سے اشاعت پذیر ہونے والا جریدہ ''متاعِ امیر'' ہے جس کے اب تک دو شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا شمارہ ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس رسالے کی ضخامت ۲۷۲ صفحات ہے۔ اس کا ہر شمارہ خاص نمبر ہے۔ پہلا شمارہ میلادِ رسول نمبر تھا جب کہ دوسرا شمارہ ''معراجِ مصطفےٰ نمبر'' ہے۔ اس کے مدیرِ اعلیٰ محمد امیر نواز امیر ہیں جو کہ معروف نعت گو شاعر ہیں اور ان کی کئی کتبِ نعت شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے نگران پروفیسر محمد اسحاق قریشی، راجا رشید محمود اور راقم پروفیسر محمد اکرم رضا ہیں۔ ''متاعِ امیر'' میں نعت کے مقاصد کو خصوصی طور پر مدِنظر رکھا جاتا ہے۔ اشاعتِ خاص کے حوالے سے مضامین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نعت پر تحقیق کا علم لہرانے والے اصحابِ ادب کی نگارشات بھی اہتمام سے شائع ہوتی ہیں۔ حصہ نعت میں عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور پنجابی نعتیں بھی شائع کی جاتی ہیں۔ کسی نعت گو شاعر سے انٹرویو کے ساتھ ساتھ فیصل آباد میں منعقد ہونے والے ماہانہ نعتیہ مشاعروں کی روداد اور شعری انتخاب کی اشاعت بھی ہوتی ہے۔ مدیرِ اعلیٰ کا بجا طور پر خیال ہے کہ ہمیں فروغِ نعت کے لیے ہر وہ ذریعہ اختیار کرنا چاہیے جس کی بدولت ہم نعت کے مفاہیم و مقاصد کو صحیح معنوں میں خواص و عوام کے دلوں کی دھڑکنوں

میں اُتار سکتے ہیں۔

اس وقت فروغ نعت کے حوالے سے نعتیہ صحافت کے تقاضوں کی علمی تفسیر مہیا کرتا ہوا ایک اور رسالہ ہمارے روبرو ہے جس کا نام ''نعت نیوز'' ہے۔ بڑے سائز کا یہ رسالہ کراچی سے شائع ہوتا ہے۔اس کے سرپرست سیّد صبیح رحمانی ہیں جب کہ ادارت کے فرائض محمد ذکریا شیخ الاشرفی انجام دے رہے ہیں۔ اس کے دو شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ ۵۶/صفحات پر مشتمل ''نعت نیوز'' باطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن کے جملہ لوازم سے آراستہ ہے۔ خوب صورت ٹائٹل، آفسٹ کاغذ، متعدد رنگین صفحات۔ یہ رسالہ صحیح معنوں میں اسم با مسمّٰی ہے۔ نعت کے حوالے سے چند مضامین اور پھر نعت نگاروں اور نعت خوانوں کا تذکرہ، شخصیاتی مضامین، انٹرویوز، نعت سیمینار کی روداد، وہ خوش بخت لوگ جو فروغِ نعت، ترویج ثنائے مصطفٰی ﷺ کے لیے مصروف عمل ہیں ان کی داستان ہائے شوق۔ غرضے کہ نعت کے فروغ کے حوالے سے نعتیہ صحافت جو کردار ادا کرسکتی ہے ''نعت نیوز'' میں اس کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

ہم نے زیرِنظر مقالے میں ان رسائل و جراید کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے خود کو اوّل سے آخر نعت کے لیے وقف رکھا یا نعت کے فروغ کے لیے اس قدر قابلِ تقلید کام کر گئے کہ آنے والے دور کے مدیران اس راستے کو اختیار کرتے ہوئے فخر محسوس کرنے لگتے۔ ورنہ جہاں تک نعت کا تعلق ہے تو اس سے کسی بھی دور میں شائع ہونے والا کوئی بھی رسول نمبر خالی نہیں۔ رسول نمبر ہوں، یا میلاد نمبر، نور نمبر ہوں یا معراج نمبر، تمام رسائل میں تبرکاً ہی سہی کسی نہ کسی صورت میں کوئی نہ کوئی نعتیہ مضمون ضرور جلوہ گر نظر آتا ہے۔ رسول نمبروں کے حوالے سے جناب راجا رشید محمود ایڈیٹر ''نعت'' لاہور کے متعدد رسول نمبر اور مرتبہ جناب پروفیسر اقبال جاوید کی کتاب ''بیسویں صدی کے رسول نمبر'' بطورِ خاص ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے نعت اور فقط نعت کے لیے وقف رہنے والے رسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ ورنہ ایسے بھی رسائل و جراید ہیں جن میں سے کسی نے اپنی اشاعتی زندگی میں ایک، کسی نے دو اور کسی نے تین نعت نمبروں کا ارمغان پیش کردیا۔ اس ضمن میں ہم تبرکاً چند کا تذکرہ کرنا چاہیں گے۔

ماہ نامہ ''تحریریں'' لاہور نے اپریل ۱۹۸۴ء، جنوری ۱۹۸۵ء، اگست ۱۹۸۵ء اور اکتوبر ۱۹۸۸ء میں چار نعت نمبر پیش کیے۔ ان کی ضخامت چالیس صفحات سے لے کر سو صفحات تک تھی۔ ''تحریریں'' کی مدیر زاہدہ صدیقی نے نعتوں کے انتخاب کے ساتھ ساتھ نعتیہ اصناف پر مضامین بھی

شائع کیے۔ ہمیں اگرچہ یہ چار نمبر میسر ہوئے ہیں مگر نعت ریسرچ سینٹر کی اطلاع کے مطابق اس رسالے نے بارہ نعت نمبر شائع کیے۔ اس سعادت پر جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے۔

اسی طرح گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے ادبی مجلّہ ''اوج'' کا نعت نمبر ادبی حلقوں بالخصوص تعلیمی اداروں کے لیے روشن مثال ہے۔ ''اوج'' کے مدیر و مرتب پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی تھے۔ دو جلدوں پر مشتمل یہ نعت نمبر ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ ضخامت ۱۴۵۶ صفحات تھی۔ اس نعت نمبر کی ترتیب و تدوین میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے نعت سے غیر معمولی لگن، فکری خلوص اور نظریاتی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نعت نمبر میں مختلف عنوانات کے تحت نعتوں کا انتخاب دیا گیا ہے۔ فنِ نعت نگاری کے مختلف پہلوؤں پر درجنوں مضامین ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک سوال نامہ کے ذریعے معروف نعت گو شعرا اور نعت خوانوں کے انٹرویوز اور کوائف جمع کردیے ہیں۔

نعت نمبر کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے ساہیوال سے ماہ نامہ ''الرشید'' نے دو جلدوں پر مشتمل نعت نمبر پیش کیا۔ یہ نعت نمبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس کی ضخامت ۱۴۶۴ صفحات ہے اور اسے عبدالرشید ارشد مدیر مسئول نے مرتب کیا ہے۔ زیرِنظر نعت نمبر انتہائی خوب صورت اور دیدہ زیب ہونے کے ساتھ ساتھ مواد کے اعتبار سے بھی انتہائی وقیع ہے۔ عبدالرشید ارشد نے اس مضامین عربی، اردو اور فارسی سے نعتیہ کلام کا انتخاب شائع کیا ہے۔ معروف محققین کے گراں قدر مقالات شاملِ اشاعت ہیں۔

۱۹۷۸ء میں پروفیسر حمایت علی شاعر نے شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی کے ادبی مجلّہ ''صریرِ خانہ'' کا نعت نمبر شائع کیا اور اس بات پر فخر کا اظہار کیا ہے کہ یہ نعت نمبر اپنے موضوع کے لحاظ سے اوّلیت رکھتا ہے۔ بہر حال اوّلیت الگ سا ایک موضوع ہے جس سے فی الحال ہمیں غرض نہیں۔ کالجوں کی فہرست میں دیکھیں تو ایم اے او کالج لاہور کا ''اقراء'' گورنمنٹ کالج جھنگ کا ''کارواں'' بھی تدریسی اداروں کے حوالے سے منفرد مقام کے حامل ہیں۔ ایک اور قابلِ قدر کاوش معروف ادبی جریدے ''نقوش'' کی ہے جس کے مدیر محمد طفیل نے ۱۹۸۴ء میں ''نقوش'' لاہور کا نعت نمبر شائع کیا۔ یہ نعت نمبر ۷۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نعت نمبر ''نقوش'' کے رسول نمبروں کے سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے جسے انھوں نے بطورِ خاص نعت کے لیے وقف کیا ہے۔ آج محمد طفیل اس دنیائے فانی میں موجود نہیں مگر ان کے مرتبہ رسول نمبر اور یہ نعت نمبر یقیناً ان کے اُخروی درجات کی بلندی کا باعث بنیں گے۔ اس نعت نمبر میں انتخابِ نعت کے علاوہ نعت کے حوالے سے

مقتدر شخصیات کے مضامین شامل اشاعت ہیں۔

گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے سہ ماہی ''مفیض'' کا نعت نمبر (۲۰۰۵ء) میں نعتیہ ادب میں خوب صورت اور قابل قدر حیثیت رکھتا ہے۔ یہ رسالہ اس سے پیش تر کئی خصوصی اشاعتیں پیش کر چکا ہے مگر یہ نعت نمبر مضامین نظم و نثر اور ظاہری و معنوی لحاظ سے بہرطور ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس نعت نمبر کی ضخامت ۶۲۳ صفحات ہے۔ اس میں ایک طرف موضوعات کی روشنی میں مقالات پیش کیے گئے ہیں تو دوسری طرف اصناف ادب کے تناظر میں مضامین شامل اشاعت ہیں۔ سفیران نعت کے حوالے سے شخصیاتی مضامین بھی شامل اشاعت ہیں۔ اس کے مدیر اعلیٰ معروف شاعر اور ادیب محمد اقبال نجمی نے نعت و مدحت کے ساتھ والہانہ لگاؤ کی بدولت اسے ہر لحاظ سے بامقصد اور نظریاتی لحاظ سے اثاثۂ ایمان بنانے کی کامیاب سعی کی ہے۔ دیگر موضوعات پر متعدد کتب کے علاوہ ''خیرات مدحت'' کے نام سے دل آویز نعتیہ مجموعہ بھی محمد اقبال نجمی کے ذوق نعت کا خوب صورت ترجمان ہے۔

اسی طور شاہدرہ سے اقبال زخمی نے لکھاری کے تین نعت نمبر شائع کیے ہیں۔ ان کی کاوش کو پنجابی کے اوّلین نعت نمبروں کی حیثیت حاصل ہے۔ محمد اقبال زخمی نے ۱۹۹۳ء میں لکھاری کے نعت نمبروں کا سلسلہ محدود نہیں ہونے دیا بلکہ اب تک انھوں نے مختلف عنوانات کے حوالے سے پنجابی نعتوں کا انتخاب (تازہ کلام) شائع کیا ہے اور سلسلہ جاری ہے۔ تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے چند جراید کے ناموں پر اکتفا کر رہے ہیں جنھوں نے مختلف اوقات میں نعت نمبر پیش کیے۔ ماہ نامہ ''نور و ظہور'' اور ماہ نامہ ''الحبیب'' لاہور (بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق انھیں اوّلیت کا درجہ حاصل ہے) ''الہام'' بہاول پور، ماہ نامہ ''القول السدید'' لاہور، ''ہلال'' راول پنڈی، ''سیرت طیبہ'' کراچی وغیرہ۔

غرض کس کس کا ذکر کیجیے، کس کس کا نام لیجیے، کس کس کی صلاحیتوں کو ارمغانِ تحسین پیش کیجیے نعت کے شہر نور میں بسنے والے کس کس صاحب قلم کی صلاحیتوں کا تذکرہ کیجیے، کن کن مدیران باتدبیر کی کوششوں سے ترتیب پانے والے رسائل و جراید کا تذکرہ کیجیے۔ اب تو یہ فہرست طویل تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ زندگی کی سانس کی ڈوری اور نبض کی حرکت کی طرح قلم کی نوک اور ذہن کی پرواز نے کہیں تو رُکنا ہی ہوتا ہے۔ لکھنے کا تو محض بہانہ ہوتا ہے تاکہ اس سے روشنی لے کر مزید قلم پیا اپنے دامانِ تحقیق کو دراز کرتے ہوئے آگے بڑھنے کا ہر لمحہ و ہر آن عزم کرتے ہیں۔ ہم

نے فقط ان چند رسائل و جراید کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اوّل و آخر ارتقائے مفاہیمِ نعت کو اپنا مقصودِ نظر بنائے رکھا۔ ورنہ رسولِ کریم ﷺ کی سیرت وصورت کو جلوہ گاہِ شوق سمجھ کر پروانہ وار نثار ہونے والوں کی کسی دور میں بھی کمی نہیں۔ کوئی مضمون یا کوئی مقالہ حرفِ آخر نہیں ہوتا، کوئی تحریر سندِ دوام کی حق دار قرار نہیں پا سکتی۔ کیوں کہ اس وادیٔ ادب و انشا میں تو ایک سے ایک بڑھ کر محقق، قلم کار، ادیب اور اہلِ جستجو موجود ہیں جن کی کاوشوں سے ہر دور فیض یاب ہوتا ہے اور آنے والے ادوار کو نعت کی جمال آفرینی کے لیے زندہ رہنے اور اس کے فروغ و ارتقا کے لیے مصروفِ عمل رہنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ ورنہ عصرِ حاضر میں تو رسائل و جراید کی بات نہیں، اخبارات بھی اپنی خصوصی اشاعتوں میں فروغِ نعت کے لیے شعوری اور لاشعوری طور پر مصروفِ فکر ہیں۔ نعتیہ انتخاب پر مشتمل کتابوں کی ایک بہت بڑی فہرست اس کے علاوہ ہے۔

یہ شانِ "ورفعنا" کی تجلیات کی ہمہ گیری کو کوئی سمجھے۔ نصف صدی پیش تر کون کہہ سکتا تھا کہ نعت کے فروغ اور نعتیہ مضامین کی اشاعت کے لیے اتنی جامعیت کے ساتھ کام ہوگا کہ رسائل و جرائد خود کو مکمل طور پر فروغِ نعت کے لیے وقف کر دیں گے۔ ہم تو ارتقائے نعت کے حوالے سے ان محسنین کو سلام کرتے ہیں، جو اپنی نعتیہ کاوشوں کی ترویج و اشاعت کے خیال سے بھی بے نیاز تھے۔ بس کام کیے گئے کیوں کہ یہ کام ہی کچھ ایسا ہے کہ جس کا صلہ ربِ کریم ہی دیں گے پھر وہ کسی اور سے صلے کی تمنا کیوں کرتے۔ جہاں تک سیرت نگاری کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ ماضی بعید و قریب میں لکھا گیا بہت بڑا ذخیرہ طبع کر لینے کے باوجود ہم ابھی تک تشنہ ہیں۔ آگے بڑھ جائیے، ہو سکتا ہے تاریخوں اور طالع آزماؤں نے کیا کچھ نہیں لکھا؟ مگر سیرتِ رسول ﷺ کا علم اب بھی تاریخ کے اُفق پر بصد شان لہرا رہا ہے۔ فروغِ نعت کے جذبے نے سیرتِ رسول ﷺ کے اسی فلک بوس ذخیرے سے خوشہ چینی کی ہے۔ دورِ حاضر خوش بخت ہے کہ یہی خوشہ چینی اس کا اعزاز بن کر اس کی شناخت کا سنگِ میل بن گئی۔ سلام ان خوش بختوں کو جو اپنے رسائل و جرائد کو توفیقِ خداوندی کے سہارے ثنائے حضور ﷺ کے لیے مکمل طور پر وقف کیے ہوئے ہیں۔ سلام ان محققین اور نعت شناسوں کو جو انشائے لطیف کی بدولت صحافت کے ان شہ پاروں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر سلامِ نیاز اس آقائے عالی مرتبت ﷺ کے حضور کہ جن کے اذن و رحمت سے دورِ حاضر کو فروغِ نعت کا ایک نیا اسلوب عطا ہوا۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری۔ کراچی

مثنوی ظہورِ رحمت: ایک تعارف

قدرت نے بہار کی سرزمین پر شعر و ادب کے بہت سے پھول کھلائے تھے، جن کے رنگ و بو کی دل آویزی و عنبر فشانی نے عظیم آباد کے گلستانِ شعر کو نہ صرف بہار میں امتیاز بخشا تھا بلکہ مشرق و مغرب کے گلستانوں کے لیے بھی اسے قابلِ رشک بنا دیا تھا۔ اس رنگا رنگ و پُر بہار گلستان شعر کا مایۂ ناز شاعر یا اس کے خزانۂ عامرہ کا دُرِ نایاب اور سب سے قیمتی موتی سیّد علی محمد شاد عظیم آبادی (ولادت ۱۹ رمحرم ۱۲۶۲ھ/ ۱۶ رجنوری ۱۸۴۶ء تھا۔ وہ ایک ایسا موتی تھا جس کی آب و تاب بڑے بڑے جوہریوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتی ہے اور ہمیشہ کے لیے ان کے ذہنوں پر اپنا نقش چھوڑ جاتی ہے، جس کا ذکر ایک زمانے تک لایقِ فخر اور موجبِ مسرت ہوتا ہے کہ کبھی ان کے خزانۂ عامرہ میں اس شان کا موتی بھی آیا تھا۔ اگرچہ ان کے انتقال (۷ رجنوری ۱۹۲۷ء) کو اسّی برس ہونے والے ہیں لیکن ان کا ذکر ماضی کی مسرت افزا حکایت ہی نہیں حال کا قابلِ فخر تذکرہ بھی ہے اور جب تک اردو زبان زندہ ہے، اُن کا کلام زندہ رہے گا اور اہلِ ذوق کی محفلوں کو گرماتا رہے گا۔ وہ ایک نادرِ روزگار شخصیت اور بہار کے گلشنِ ادب کے بلبل ہزار داستان تھے۔ وہ غزل اور مرثیے ہی کے صاحبِ فن اور کہنہ مشق شاعر نہ تھے، قصیدہ و مثنویات اور قطعات و رُباعیات کے بھی باکمال شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

مختلف اصنافِ سخن میں ان کا جو کلام موجود ہے، وہ زبان کی صحت و سلاست، بیان کی شگفتگی و دل نشینی، اسلوب کی دل ربائی، مطالب کی رنگینی، خیال کی بلندی، فکر آفرینی اور فن کی پختگی میں بھی ایک مثال اور کسوٹی ہے۔ انھوں نے دہلی کی لسانی اور ادبی روایت اور لکھنؤ کی زبان و اسلوب سے فیض اُٹھایا تھا، اس لیے لسانی اور ادبی ہر دو لحاظ سے ان کا کلام گنجینۂ محاسن بن گیا تھا اور زبان و

ادب کے اساتذہ کے نزدیک ان کا کلام کسوٹی سمجھا جاتا تھا۔ ان کے نقادوں نے ان کے کلام کا جو مطالعہ کیا ہے، اس کے ایک ایک رنگ اور بو نے کسی ایک دماغ کو معطر نہیں کیا بلکہ ان کی زلفِ مشک بیں اور گیسوئے عنبر فشاں سے ہر صاحبِ ذوق نے لطف اُٹھایا اور اپنے مشامِ روح کو اس کی شمیمِ جاں فزاں میں بسایا ہے۔

شاد عظیم آبادی اردو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے لیکن وہ ہندی زبان کے بھی ایک اچھے شاعر تھے۔ بے شمار اشعار ہندی زبان پر ان کے عبور اور شاعرانہ ذوق کا ثبوت ہیں۔ ہندی زبان کی تحصیل انھوں نے ہندوستانی سوسائٹی کی ایک ضرورت سمجھ کر کی تھی اور اس میں اس درجے کمال حاصل ہوگیا تھا کہ ''بھگوت گیتا'' کے کئی حصوں کو انھوں نے نظم کر دیا تھا۔

مذہبی شاعری سے ان کی طبیعت اور ذوق کو خاص مناسبت تھی۔ ''بھگوت گیتا'' کے بعض حصوں کا منظوم ترجمہ ان کے اسی ذوق کا غماز تھا۔ انھوں نے بہت سے اشعار میں قرآنی آیات کے مطالب اور تعلیمات سے استفادہ کیا ہے اور سورۂ مزمل، بعض دوسری سورتوں اور آیات کا ترجمہ کیا ہے۔ سلوک و معرفت کے مضامین میں تو ان کے بہت اشعار ہیں۔ مرثیہ نگاری اور حضرت علیؓ کی منقبت بھی ان کے اسی ذوق کا ثبوت ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذکرِ ولادت کے ضمن میں ان کے کئی میلادناموں کا ذکر آیا ہے لیکن دستیاب ایک ہی ہوا ہے جو ''ظہورِ رحمت'' کے نام سے چھپا ہوا ہے اور خاکسار کے سامنے ہے۔ اس کے ایک ایک بند اور ایک ایک شعر سے ان کے حسنِ عقیدت ہی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ ان کے کمالِ عشق کا پتا چلتا ہے۔ لیکن اُن کے دیوان ''میخانۂ الہام'' اور ان کے کلام کے انتخابات ''زبورِ عرفان'' اور ''بادۂ عرفان'' میرے سامنے ہیں۔ ان میں کوئی نعت نظر نہیں آتی۔ بعض حضرات نے ان کے چند نعتیہ اشعار کی نشان دہی کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ غزل کے عام شعر ہیں۔ نعت سے ان کا تعلق نہیں۔

لیکن اگر شاد مرحوم کے کلام میں ''نعت'' اپنی خاص ہیئت، معروف شکل اور صنف میں اپنی خاص زبان اور اسلوب میں نہیں تو ہم انھیں اس سے ناآشنا ہونے کا الزام نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ ان کا تمام کلام ہمارے سامنے ابھی تک آیا ہی کہاں ہے۔ ان کا دیوان ''میخانۂ الہام'' اپنی تالیف و تدوین میں دوسروں کے تداخل والے کا شکوہ سنج اور فکر و کاوش کا رہینِ منت ہے اور ''بادۂ عرفان'' اور ''زبورِ عرفان'' تو بالاعلان انتخاب ہیں۔ ان کی ترتیب میں ان کے مرتبین کا ذوق کارفرما رہا ہے۔

مثنویاں، قصیدے، مرثیے، رُباعیاں، قطعات وغیرہ ان کے اصنافِ سخن ہیں اور سب

منتشر! اس مضمون کے سلسلے میں تقریباً ایک درجن اہلِ علم ونظر کے مضامین خاکسار کی نظر سے گزرے ہیں۔ معلوم یہ ہوا ہے کہ حضرت شاد کا مکمل کلام کسی کے سامنے نہیں تھا۔ اس صورت میں ان کی آرا بھی ان کے کل کلام اور خصائص پر حاوی نہیں ہوسکتیں اور اہلِ قلم کے مطالعے کے نقص اور کوتاہی کے لیے ہم شاعر مرحوم کو الزام نہیں دے سکتے اور اگر کسی حد تک ان کے دیوان میں نعت کی کمی کا الزام آیا بھی تو ان کے میلادناموں نے اس داغ کو مٹا دیا۔ ان کے کئی میلادناموں کا ان کے حالات اور کارنامۂ شاعری میں ذکر ملتا ہے۔ لیکن دستیاب ابھی تک ''ظہورِ رحمت'' کے سوا دوسرا نہیں ہوا۔ جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آرہا ہے اور اسے قارئین کی ضیافتِ طبع اور تسکینِ ذوق کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔

''ظہورِ رحمت'' کے مطالعے سے نہ صرف نعت گوئی سے ان کے گریز اور ناآشنائی کا الزام دُور ہوجائے گا بلکہ اس کی خصوصیات ان کے ذوقِ دینی، عقیدتِ خاتم المرسلین اور فضیلتِ رسالت مآبی کے اعتقاد اور ان کے کمالِ فن کی دلیل ٹھہریں گی۔

''ظہورِ رحمت'' میلادِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں ایک سو سینتیس بند پر مشتمل ایک مسدس ہے۔ اسے حافظ سیّد ظہیر شمسی نے مرتب کرکے رحمانی پریس پٹنہ سے چھپوا کر شاد بک ڈپو پٹنہ سے ۱۹۲۹ء میں شائع کیا تھا۔ اس کی تقطیع ۵×۶ انچ اور صفحے کا حوض ۱/۲ ۳×۴ ہے۔ ایک خاص ورق پر دو صفحے کا حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی کے قلم سے ''دیباچہ'' اور اختر کاکوی عظیم آبادی کے قلم سے آٹھ صفحات پر مشتمل ''مقدمہ'' کے عنوان سے ایک تحریر یادگار ہے۔ اختر عظیم آبادی ''ظہورِ رحمت'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> حضرت شاد نے نظم میں کئی میلادنامے بھی لکھے تھے۔ حالی نے سنا تو گرویدہ ہوگئے اور سرسیّد کو مشتاق بنایا۔ چناں چہ شاد کو علی گڑھ جا کر ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں پڑھنا پڑا۔ شبلی، مسٹر آرنلڈ وغیرہ بھی موجود تھے۔ تعددِ ازدواج، جہاد بالسیف وغیرہ کے متعلق غیروں کے جو اعتراضات ہیں، ان کے تشفی بخش جواب تھے۔ لوگ سن کر بے حد محظوظ ہوئے۔ یہ بھی ایک میلادِ نبوی ہے۔ شاد صاحب کے صاحب زادے کہتے ہیں کہ علی گڑھ میں یہی پڑھا گیا تھا۔

شاد مرحوم کے پوتے سیّد نقی احمد شاد فاطمی کے مطابق وہ مجلس جس میں یہ میلادنامہ پڑھا گیا تھا ۴ر دسمبر ۱۸۹۷ء کو منعقد ہوئی تھی اور اس میں سرسیّد اور شبلی موجود تھے۔ لکھتے ہیں:

جدِ امجد کا مشہور مولود جس کو آپ نے ۴؍ دسمبر ۱۸۹۷ء کو علی گڑھ میں سر سیّد احمد خاں اور مولانا شبلی نعمانی کی موجودگی میں پڑھا تھا 'ظہورِ رحمت' کے نام سے ۱۳؍ اگست ۱۹۲۹ء کو (حافظ سیّد ظہیر احمد شمسی نے) شائع کیا۔

(''بادۂ عرفان''، ص ۳۲)

اختر عظیم آبادی نے اپنے مقدمے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اصل مسدس دو سو بند کا ہے۔ آخر میں حضرت علیؓ کی ایک جنگ کا مفصل تذکرہ ہے۔ اشاعت میں اسے نکال دیا گیا ہے۔ درمیان میں کچھ بند ایسے بھی تھے جن کے مضمون کا راست تعلق حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی سے یا ولادتِ نبوی کی روایات و واقعات سے نہ تھا۔ لہٰذا انھیں بھی حذف کر دیا۔ مطبوعہ نسخے میں صرف ایک سو سینتیس بند ہیں۔ یہ ایسے بند ہیں جن میں صرف وہی واقعات و روایات ہیں جن کا بلاواسطہ یا کسی قدر بالواسطہ آں حضرت ﷺ کی ذاتِ پاک سے تعلق ہے۔ زبان و بیان کے اعتراف میں بہ طرز گریز کلام کیا ہے۔ اختر صاحب فرماتے ہیں:

> الفاظ کی نشست، زبان کی حلاوت اور طرزِ ادا کی پاکیزگی کے متعلق میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ یہ شاد کی طراوشِ قلم کا نتیجہ ہے۔

اس کے فنی محاسن، صنفی خصوصیات، مضامین کی معنوی خوبیوں، حسنِ ترتیب و مطالب اور ندرتِ بیان کے بارے میں تجزیاتی انداز میں مقدمہ نگار نے خامہ فرسائی نہیں کی۔

جیسا کہ عرض کیا، حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی کے قلم سے اس پر دو صفحے کا دیباچہ ہے۔ حضرت سیّد صاحب نے شاد سے ان کا اہلِ وطن کے عدم اعتنا کا شکوہ کیا ہے اور پھر اُمید کی ہے کہ اب وہ شاید اس کی تلافی اور مداوا پر آمادہ ہوئے ہیں اور اُسی کا اثر ہے کہ شاد کی قلمی تصنیفات کو منظرِ عام پر لانے کی تحریک پیدا ہوگئی ہے، جس کی پہلی جلوہ گری ''ظہورِ رحمت'' ہے۔ اس رسالے کو مدرسہ شمس الہدیٰ کے ایک ہونہار طالب علم عزیزی حافظ سیّد ظہیر احمد صاحب اپنی طالب علمانہ بے بضاعتی کے باوجود اپنے ذوق سے شائع کر رہے ہیں۔ ''ظہورِ رحمت'' کے تعارف میں حضرت سیّد صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

> ''ظہورِ رحمت'' دراصل جناب شاد مرحوم کے قلم سے ایک میلادنامہ ہے، جو مسدس کے طرز میں لکھا گیا ہے، جس میں والہانہ جذبات کے ساتھ

آں حضرت ﷺ کی ولادت، شانِ رسالت، تعلیماتِ اسلامی اور اخلاق و مکارمِ نبوی کو پیش کیا گیا ہے۔

اگر مثنوی کے موضوع اور مضامین کی طرف چند مناسب جملوں میں اشارہ کر دینا ہی اس کی فنی و صنفی خصوصیات کے بیان و تبصرہ ہو تو یقین رکھنا چاہیے کہ سیّد صاحب کے الفاظ سے زیادہ خوب صورت الفاظ میری نظر سے نہیں گزرے۔ جیسا کہ سیّد صاحب نے فرمایا کہ یہ ایک میلادنامہ ہے۔ لیکن اگر اسے بازار میں پائے جانے والے عام میلادناموں میں سے ایک میلادنامہ سمجھ لیا جائے کہ یہ اس کے ساتھ بڑی ناانصافی اور شاد مرحوم کی روح پر بڑا ظلم ہوگا۔ یہ میلادنامے عام طور پر حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے ذکر، اس سلسلے کی بعض مشہور روایات کے بیان، معراج کے تذکرے اور درمیان میں چند نعتوں کی خواندگی اور قیام و سلام اور دعا کے اعمال کے ذکر پر ختم ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ ذکرِ میلاد شریف کا حق ادا ہو گیا۔ زیرِ نظر میلادنامے کے سرسری مطالعے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایک ادبی شاہ کار ہے اور کسی مجلس میں شاعرانہ اسلوب میں اس کی خواندگی تو یقین ہے کہ سامعین کے ذوقِ سماعت کو متاثر کیے اور سامع پر وجد طاری کیے بغیر نہیں رہ سکتی اور خواہ تعلیم و تربیتِ دینی کے فوائد کسی کو حاصل نہ ہوں۔ ذوقِ لطیف کی تسکین کا اس میں وافر سامان موجود ہے۔

اس کے ابتدائی چھ بند ادب کا لاجواب شہ پارہ ہیں۔ ان کے مطالعے ہی سے قلب پر جو تاثر قائم ہو جاتا ہے، اس میں بعد کے بندوں کے مطالعے کا تاثر اور اضافہ کرتا ہے۔ یہ تاثر مطالعے کے اختتام تک بڑھتا رہتا ہے اور جب مسدس ختم ہو جاتا ہے تو دل تڑپ اُٹھتا ہے۔ اگر حضرت خواجہ حالیؔ اس کے گرویدہ ہوئے تھے اور سرسیّد اس کے شائق بنے تھے تو اسے مبالغہ نہ سمجھنا چاہیے۔

ساتویں بند سے وہ گریز کا آغاز کرتے ہیں اور ساقی کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

ہاں ساقیا! شراب حقیقت کا جام دے
کھل جائے جس سے دل وہ مے لالہ فام دے

لیکن شاعر کی یہ درخواست بعد از وقت ثابت ہوتی ہے۔ دل کو تو ابتدائی بندوں کے اشعار ہی نے تڑپا دیا تھا اور وہ کام کیا تھا کہ مے لالہ فام کا رہینِ منّت ہونے کی شرم سے بچا لیا۔ دسویں بند میں جب وہ اس مقام پر پہنچتے ہیں کہ شانِ رسالت اور خصائص و کمالات صاحبِ مقامِ رسالت اور محاسن و محامد صاحبِ مقامِ ختم نبوت کے بیان سے پہلے قومِ عرب کا حال خستہ و زار بیان کیا

جائے تا کہ انتہائے تاریکی طلوعِ صبح کے آثار و کیفیات کو حسین سے حسین تر اور دل رُبا بنا دے تو خیال یہ دل میں آتا ہے کہ شاعر تمہید اور پس منظر کے بیان کو ترک کر کے ظہورِ نبوت کی کیفیات کو بیان کیوں نہیں کرتا۔ لیکن چوں کہ تحریر و بیان کے بھی کچھ اصول و آداب ہوتے ہیں اور ضروری ہوتا ہے کہ انھیں بجا لایا جائے۔ عشق کی آگ میں جلنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے آتشِ شوق کے شعلوں کو خوب بھڑکایا جائے کہ اس کے بغیر جلنے کا مزا نہیں آسکتا۔ شاعر ایک بند سے دوسرے بند تک پہنچنے میں جو وقت صرف کرتا ہے وہ دراصل آتشِ شوق کے شعلوں کو بھڑکانے کی مہلت ہوتی ہے۔ تب وہ اس بند پر پہنچتا ہے:

جب تک بہ شرحِ قومِ عرب کا نہ ہو بیاں — کیوں کر ہو سب پہ شانِ رسولِ خدا عیاں

یہ بھی تھا عین لطفِ خداوندِ دوجہاں — بعثت ہوئی جو آپ کی مکے کے درمیاں

صحت سے دورِ اہلِ عرب کا مزاج تھا

آئے جو آپ اُن کے مرض کا علاج تھا

اس کے بعد کے اشعار میں شاعر نے اہلِ عرب کی جہالت، ضلالت، وحشت، بے دینی، گم راہی، آوارگی، ظلم و ستم، لوٹ مار، قتل و غارت گری اور ان کے خاص اعمالِ قبیحہ کی نشان دہی اور دختر کشی، یتیموں کے مال کے غصب، مسافروں کے تصلبِ مال و جان اور بے حیائی کے اعمال کی قدرے تفصیل بیان کی ہے۔ اس میں ان کے زبان و ادب کے زعم، طلاقت لسانی کے غرور، اپنی شاعری اور کلام پر فخر کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ یہ ان کے فخر و غرور کی کل پونجی تھی۔ پس منظر کے اس تاریک تذکرے میں ہم تقریباً ۲۸ر بندوں کے مضامین دل دوز سے گزر کر اس مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں بعثتِ نبوی کی صبحِ صادق اور تعلیماتِ رسالت کی روشنی کی جھلک دکھائی دینے لگتی ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ سیرتِ نبوی کے خصوصیات بیان کیے جائیں، مسدس کے پانچ بند ساقی سے خطاب اور طلبِ جام کے تذکرے سے معمور ہیں۔ میرے تصور میں یہ بند شاعر کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں، مجلس پر سرور کی کیفیت طاری ہے اور سامعین جھوم رہے ہیں۔ شاعر کی زبان، اس کے طرزِ ادا اور حسنِ خواندگی کا کوئی جواب نہیں۔ مانا کہ آپ کو سماعت کی فرصت نہیں، جس ذوق و کیفیت سے میں سرشار ہوں، وہ میرے بیان کر دینے سے آپ پر طاری نہیں ہو سکتی، لیکن خطاب بہ ساقی کے پانچ نہیں تو دو بند ضرور سن لیجیے، شاید بیان کی تاثیر، طرزِ ادا کی شیرینی اور خوش کلامی کے اعتراف میں آپ میرے ہم ذوق میں شریک ہو کر ہم زبان بن جائیں:

جس شے سے ہو سرور وہ اے غم گُسار لا　　　ساقی کدھر ہے جامِ مئے خوش گوار لا
مشتاق ہیں حریف انھیں بھی پکار لا　　　قربان تجھ پہ طاق سے مینا اُتار لا
سرشار ہم ہیں بادۂ جامِ الست کے
تنہا خوری حرام ہے مشرب میں مست کے

بھولیں گے حشر تک نہ یہ احسان ساقیا!　　　ہم مے کشوں کی تجھ پہ فدا جان ساقیا!
دے بادۂ وِلا ترے قربان ساقیا!　　　شکرِ خدا کہ ہم ہیں مسلمان ساقیا!
بے اس کے غم کدہ ہے جہاں دل اُچاٹ ہے
صہبائے سلسبیل کی مستوں کو چاٹ ہے

بعد کے نو، دس بند سیرتِ نبوی کے خصائص کے تذکرے میں ہیں۔ آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ کتنے پُر تاثیر، دل میں کُھب جانے والے اور سامع و قاری کو مست و بے خود بنا دینے والے ہوں گے۔ آپ ان کی زبان کی شیرینی، مضمون کی تاثیر، بیان کی شگفتگی، طرزِ ادا کی سحر انگیزی، شاعر کی خوش کلامی اور کلام کی دل فریبی کا جو بلند سے بلند اور رنگین تصور کرسکتے ہیں، کیجیے! یہ بند آپ کے ذوق لطیف پر پورے اُتریں گے بلکہ اس سے کچھ سوا ہی ثابت ہوں گے۔

اس کے بعد دو بند ہیں، جن میں پھر ساقی کو مخاطب کیا ہے اور شرابِ نور کی طلب کی ہے تاکہ وہ ذوق و بیاں پیدا ہوجائے جو نورِ مصطفوی (علیٰ صاحبہ السلام) کے ظہور کا جلوہ گاہ بن سکے۔ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی پیدائش کے بیان کو مختلف آثار و روایات کے حوالے سے اور طرح طرح سے اور خوب سے خوب تر انداز میں بیان کیا ہے۔ اس تذکرے میں ان کے شاعرانہ کمال، فکر آفرینی، تخیل کی بلند پروازی، خیال آرائی اور حسنِ بیان کے نئے نئے جوہر کھلے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مقامِ محمدی کے بیان میں وہ جوں جوں حقیقت سے قریب ہوتے جاتے ہیں ان کا فن کارانہ کمال بھی پر پرواز لگا کر اتنا اونچا اُڑنے لگتا ہے کہ ناقد و مبصر کے قلم کی گرفت سے دُور نکل جاتا ہے۔ جہاں تک ولادتِ مبارک کی روایات کا تعلق ہے وہی ہیں جو عام طور پر میلاد کی کتابوں میں نظر آتی ہیں۔ لیکن زیرِ نظر مثنوی ''ظہورِ رحمت'' میں شاعر کے حسنِ بیان کا کوئی جواب نہیں۔ اس مقام پر خطابِ الٰہی بہ نورِ مصطفیٰ (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ)، جوابِ نورِ محمدی، نور سے پانی، عرش، کرسی، قلم کی درجہ بندی، پیدائش، قلم سے اوّل کلمۂ طیبہ کی ترقیم، قلم کے مقام کا ذکر ہے۔ قلم اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے:

بولا قلم کہ بعد مرے ہے یہ کس کا نام
آئی ندا، محمد ذی جاہ و احتشام
محبوب ہے مرا وہ شہنشاہِ خاص و عام
ہوگی اسی سے حجت دین خدا تمام
برتر تمام خلق سے اُمت اسی کی ہے
مقبولِ روزِ حشر شفاعت اسی کی ہے

اس کے بعد پھر رجوع بہ ذکرِ نور ہوئے اور بتایا ہے کہ نورِ نبی مکرم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان پیدا کیے۔ دخان و نہ طاقِ آسمان بنائے اور ماہ و مہر و انجم سے انھیں آراستہ کیا۔ شب و روز کی پیدائش سے کون و مکان کو رونق دی۔ ستر ہزار برس تک نورِ نبی تہِ آسماں تسبیح خواں رہا۔ پھر ایک مدت دراز بہشت میں محوِ حمد و ثنا رہا۔ بعدہ مقامِ سدرہ میں ستر ہزار برس قیام رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے خاک پر نور نے قیام کیا اور جب ہزاروں لاکھوں برس کی گردشِ لیل و نہار کے بعد حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کے صلب میں اس نور کا استقرار فرما دیا گیا۔ حضرت آدم کے مسجودِ ملائکہ بننے کی یہی علت تھی:

احمد کے نورِ پاک سے محمود وہ ہوئے
آخر ملائکہ کے بھی مسجود وہ ہوئے

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد:

اصلابِ طیبہ سے یوں ہی نورِ مصطفیٰ
ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل رہا
جب آمنہ کے بطنِ مبارک میں پائی جا
وقت آگیا ظہورِ جمالِ جناب کا
خوش تھے ملک زمانہ عیش و نشاط تھا
ارواحِ انبیا کو عجب انبساط تھا

اور ماہ ربیع الاوّل کی آمد کے ساتھ حضرت نبی مکرم و معظم کی ولادت کا وقت آ پہنچتا ہے۔ اس وقتِ سعید کے ذکر میں شاعر کا قلم جھوم جھوم اُٹھتا ہے، اس کا قلب مسرت سے بھر جاتا ہے، دماغ عرش پر پہنچ جاتا ہے اور وارفتہ ہو کر زمانے کو، سرزمینِ عرب کو، کعبہ کو، مکہ کے پہاڑوں کو، غاروں کو، دینِ حق کو، خاندانِ بنو ہاشم کو، حضرات عبداللہ و آمنہ کو، عبدالمطلب اور ابوطالب و حمزہؓ کو مبارک باد دیتا ہے اور اپنی اور زمانے کی قسمت پر ناز کرتا ہے۔

ولادتِ نبوی کے وقت کے تذکار میں انبیا علیہم السلام کی حاضری، ان کی مسرت، قیام و سلام اور درود و التجا کا بیان ہے:

اس آفتابِ دیں کا یکایک ہوا ورود		کعبہ میں سارے بت ہوئے خم پئے سجود
حجرے سے اصلِ نور کی جس دم ہوئی نمود		پہنچا زمیں سے عرش تک آوازۂ درود
خم ہوگیا ہے عرش بھی تسلیم کے لیے
تم بھی اُٹھو حضور کی تعظیم کے لیے

اے رازِ دار پردۂ اسرار السلام		اے اعتبارِ رحمتِ غفار السلام
اے آفتابِ مطلعِ انوار السلام		اے ہم سے عاصیوں کے مددگار السلام
ہے التجا کہ دولتِ دارین دیجیے
اے رحمتِ خدا مری تسلیم لیجیے!

یہاں شاعر نے اپنی جولانیٔ طبع اور کمالِ فن ہی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ بعض روایات اور ان کے مضامین سے بھی اپنے کلام کو آراستہ کیا ہے:

القصہ اس طرح سے کتابوں میں ہے لکھا		جس دم ہوئی ولادتِ سلطانِ انبیا
حضرت کی ماں نے گوشِ مبارک سے خود سنا		جاری تھی لب پہ آپ کے توحیدِ کبریا
فرماتی ہیں کہ کان سے ہم خود سُنا کیے
تا دیر آپ حمدِ الٰہی کیا کیے!

اللہ رے ولادتِ مولا کا رُعب داب		آتش کدے خموش ہوئے مے کدے خراب
کعبے میں ایک شخص نے دیکھا یہ بے حجاب		طاقوں سے بت زمیں پہ گرے سب باضطراب
ساحر بھی اپنے ہوش سے اُس دم گزر گئے
کاہن بھی اپنے علم فراموش کر گئے

یہی موقع تھا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن کا تذکرہ کیا جائے۔ شاعر نے حسن وشمائل کے تذکرے میں رنگ، روپ، چہرہ، جبیں، چشم، زُلف، رُخسار، لب، دندان، پنجۂ دست، سینہ، ساعد، ساق، قد، قامت کے لیے نہایت ہی مؤثر اسلوب بیان اور نہایت ہی لطیف استعاروں اور تشبیہوں سے کام لیا ہے۔

شمائلِ نبوی کے تذکرے کے بعد ہی آپ کی سیرتِ طیبہ اور محامدِ اخلاق کا ذکر آ گیا ہے اور اس سلسلے میں آپ کی حیا، شرم، مروّت، مہر، تبسم، جود وسخا، محبت وشفقت، دل داری، ذکرِ الٰہی، عبادت، ریاضت، حصولِ علم کی تاکید، توحید، شرک سے پرہیز کا اور دعا، تعلیمات، اظہارِ حق وغیرہ کا

ذکرلطیف آیا ہے اور اس ذکر سے متصل ہی نزولِ وحی کے آغاز، اعلانِ توحید، دعوتِ عام اور اس پر قوم کے وحشیانہ ردّعمل اور ظلم وستم کا بیان شروع ہوگیا ہے۔ ظلم ووحشت کی اسی تاریکی میں معراج کی روشنی نمودار ہوتی ہے:

اب چشمِ حق سے کیجیے معراج پر نظر ہوتا ہے حال صورت ومعنی کا جلوہ گر
ہو فلسفیِ وقت کہ جاہل ہو سر بہ سر دونوں کو اس کا لطف ملے گا تمام تر
ظاہر پرست کہنہ کو مذہب کی پائے گا
ہے گر حکیمِ وقت تو باطن پہ جائے گا

معراج کے ذکر میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے عرشِ معلیٰ تک کا سفر ہے، براق اور رف رف کی سواری ہے۔ انبیا علیہم السلام سے ملاقاتیں ہیں، ان کی امامت ہے، جنت کی سیر ہے، سدرہ کا سفر ہے، وہاں پر درود ومناجات ہے، عرشِ اعلیٰ تک آپ کا سعود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کلام اور اس کی دید کے شرف کا تذکرہ ہے۔ وہاں کے نزولات وکیفیات کا شاعر بھی کیا ذکر کرسکتا تھا کہ اس کی بلند پردازی اور تخیل آفرینی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس مقام کی حد تک پہنچ کر اس کا فکر وامانده، تخیل درمانده، علم لاچار، حقائق کا ادراک ناممکن اور ان کے بیان میں اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ بھی محض مجبور اور بے بس ہوجاتا ہے۔ شاعر معراج کے بیان کو اس مقام پر ختم کردیتا ہے:

بے واسطہ غرض تھا وہاں وحی کا نزول ایسا کہاں ہوا ہے مقرب کوئی رسول
اس شب فضیلتیں جو ہوئیں آپ کو حصول لکھوں جو مختصر بھی تو ہو انتہا کا طول
ہو آئے اتنی دیر میں طے کرکے عرش کو
گرمی بدن کی باقی تھی دیکھا جو فرش کو

معراج سے واپسی پر قوم سے اس کے بیان اور قوم کے ردّعمل کا ذکر ہے۔ قوم کے لاف وگراف پر حضرت نبی معظم علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ عفو، حلم، درگزر، صبر، شجاعت، سخا وغیرہ کا بیان ہے۔ اگرچہ چند بندوں میں بعض مضامین حضرات علی وحسین رضی اللہ عنہما کی شجاعت وصبر اور خیبر وکربلا کے بھی آگئے ہیں لیکن معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مضامین مثنوی میں دخیل اور موضوع سے جدا اور بے جوڑ ہیں۔ پھر بھی اگر کسی محترم قاری کو کسی حد تک کوئی بند یا کسی شعر کا کوئی مضمون غیر متعلق اور بے جوڑ معلوم ہو تو مقدمہ نگار اختر کاکوی عظیم آبادی کا یہ بیان پیشِ نظر رہے کہ مثنوی کے آخر میں حضرت علیؓ کی ایک جنگ کا تذکرہ بھی تھا، جسے الگ کردیا گیا اور مثنوی کے انھی اشعار کو لیا گیا ہے جو

آں حضرت نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راست اور بلاواسطہ تعلق رکھتے تھے۔ اور اختصار کے خیال سے درمیان سے بھی کچھ بند نکال دیے گئے۔ ظاہر ہے درمیان سے یا آخر سے جو بند بھی نکالے گئے ہوں، وہ مرتب نے اپنی مرضی سے یا ناشر کے ایما سے نکالے ہوں گے۔ اس کے لیے ان حضرات کے پاس علمی، فکری، فنی خواہ کسی قسم کا جواز ہو لیکن خود شاعر کی مرضی اس میں شامل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے یہ مثنوی کا نقص اور اس کے قامتِ زیبا پر ایک داغ ہی سمجھا جائے گا۔ مرتب کا ذوق اور ناشر کا عذر و مصلحت اپنی جگہ لیکن کاش ایسا نہ ہوا ہوتا!

مثنوی ''ظہورِ رحمت'' کے مقدمہ نگار اختر کاکوی عظیم آبادی کا بیان ہے کہ اصل مثنوی دو سو دس (۲۱۰) بند کی تھی۔ اس کے ایک سو سینتیس (۱۳۷) بند چھپوائے گئے ہیں۔ گویا تہتر (۷۳) بند اشاعت میں ترک کر دیے تھے۔ درمیان میں سے کچھ اشعار، اختصار کے خیال سے اور آخر سے حضرت علیؓ کا ایک جنگ نامہ الگ کر دیا گیا تھا۔ نعت اور جنگ نامے کے مقصد، مضمون اور ادبی اور فنی تقاضے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ دونوں کے قارئین کا ذوق بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ اسی لیے نعت کے شائقین کا ذوق جنگ نامے کے مطالعے سے تسکین نہیں پاسکتا تھا۔ اختر کاکوی نے شاید اسی لیے نعتیہ مثنوی کے قارئین کو اس آزمائش میں نہیں ڈالا اور اشاعت کے لیے صرف نعتیہ بند منتخب کیے۔ لیکن انھوں نے جو کچھ انتخاب کیا تھا اس میں بھی بعض بند کے مضامین قابلِ غور ہیں۔

حضرت شاد عظیم آبادی ایک خاص ذوق و فکر کے شاعر تھے۔ ضروری نہیں کہ اس مضمون کے تمام قارئین مرحوم کے ذوق و رجحانات کو قرینِ صواب سمجھیں اور صحتِ فکر کی کسوٹی خیال فرمائیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف اشارہ کر دیا جائے۔ شاعر کی اسی مثنوی کا ایک بند ہے:

تھے دو صفات شاہِ رسالت میں بالقویٰ		مظہر تھی جن کی آلِ شہنشاہِ دوسرا
اک تھی شجاعت اس کے تو مظہر تھے مرتضیٰ		اک صبر جس کا مظہرِ کامل حسین تھا

کیوں دونوں بالقویٰ تھے یہ قصے دراز ہیں
حقا یہ وصفِ شانِ رسالت کے راز ہیں

اس بند میں شجاعت اور صبر کا حضور ﷺ میں بالقویٰ ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔ بالفعل ان کا مظہر حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کو بتایا گیا ہے اور اس کی سند لانے یا تفصیل بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی محض شاعرانہ خیال نہیں ہے۔

۱۔ اس سے مقامِ ختمِ رسالت کی کاملیت میں نقص لازم آتا ہے کہ یہ صفات صاحبِ مقامِ رسالت (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں بالقوئی تھیں، بالفعل ان کا مظہر کوئی اور تھا۔

۲۔ اگر حضور ﷺ کے کسی وصف کے بالقوئی ہونے سے صفت کی مطلق نفی مراد نہ لی جائے تب بھی اس بات سے کیوں کر انکار کیا جاسکے گا کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام (فداہ ابی وامی) میں ان دونوں بزرگوں جیسی شجاعت اور صبر نہ تھا۔ (اللہ تعالیٰ اس عقیدے سے اپنی پناہ میں رکھے۔)

۳۔ پھر آلِ شہنشاہِ دوسرا'' کے دو بزرگوں کے بالفعل ان صفات کے مظہر ہونے کی تخصیص سے تمام اجلہ صحابۂ کرامؓ کی تخفیف ہوتی ہے۔ جنھیں حضرت نبی کریم علیہ السلام سے نہایت قرب حاصل تھا۔ وہ حضور ﷺ کے مزاج شناس تھے، فہمِ قرآن میں ممتاز تھے، ایثار و فدا کاری میں بے مثال تھے۔ احکامِ الٰہی اور وحیِ قرآنی سے ان کی طبیعتوں کو خاص مناسبت تھی۔ روایت حدیث میں انھیں ایک مقام حاصل تھا۔ وہ گوناگوں قرابتوں کی فضیلتیں رکھتے تھے، شوقِ جہاد، اتباعِ نبوی اور عشقِ رسالت میں نام ور تھے۔ انھیں جنت کی بشارت اسی دنیا میں سنا دی گئی تھی۔ وہ صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں کی صفات کے حامل تھے۔ وہ انبیا علیہم السلام کی رفاقت کے اہل بتائے گئے تھے۔ ان کا شمار ان اہلِ مراتب اور اصحابِ رضا میں ہوتا تھا جو اللہ سے راضی ہوگئے تھے اور اللہ نے انھیں اپنی رضا کی بشارت سُنا دی تھی!

۴۔ پھر جو صفات بالفعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس آل میں بتائی گئی تھیں، وہ بھی ایک خاص عقیدے کے مطابق آل تھی۔ وہ عقیدۂ آل بھی مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ نہیں۔ ایک عظیم المرتبت خانوادے کی ایک شاخ کا اِدّعائی عقیدہ ہے۔ اس کا تعلق مسلمانوں کے دینی عقائد سے ہرگز نہیں۔ اس خانوادۂ مبارک کے فروغ مذکورۂ بالا دو بزرگوں تک محدود نہ تھے۔

ہم اگرچہ فیضِ صحبت و تربیت اور جمال ہم نشیں کی تاثیر کے قائل ہیں۔ حکمِ اتباع اسوۂ حسنہ نبوی کا نتیجہ یہی نکلنا چاہیے کہ مسلمان بالفعل اسوۂ حسنہ کا پیکر بن جائے۔ لیکن حلول کے عقیدے کے شائبۂ ادنیٰ سے بھی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

دوسرا قابلِ غور بند یہ ہے:

حضرت خود اپنے ہاتھ سے کرتے اگر قتال — ہوتا ضرور نقصِ نبوت کا احتمال!
لڑتے تھے کافروں سے اُدھر شیرِ ذوالجلال — مصروف تھے دعا میں ادھر شاہِ خوش خصال

ہاتھوں نے حقِ رحم و کرم کو ادا کیا
بازو نے وقتِ جنگ بھی کارِ خدا کیا

سب سے پہلے تو لایعنی سوچ اور توہم ہی ناپسندیدہ فعل ہے۔ پھر صاحبِ مقامِ نبوت ﷺ کے بارے میں کتاب وسنت کی رہنمائی سے دُور ہوکر بے اصل مفروضے قائم کرنا، انھیں کسوٹی بنانا اور یہ فیصلہ کردینا کہ:

حضرت خود اپنے ہاتھ سے......

کتنی بڑی جسارت ہے، جس کا ایک سِرا معصیت سے ملا ہوا ہے!

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کسی شخص کو قتل کرنا یا نہ کرنا تاریخ کا ایک واقعہ ہے۔ نبوت کا اتمام واثبات تاریخ کے کسی موہوم واقعے پر منحصر نہیں ہوسکتا۔ یہ محض ایک مفروضہ ہے اور تاریخ کی شہادت اس کے برعکس ہے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ حضور ﷺ کی تیغ سے اک بدبخت قتل ہوا تھا۔ تاریخ کی اس شہادت سے تو شاعر کے عقیدے کے مطابق نبوت میں نقص کا احتمال ہی نہیں رہا، بلکہ نقص واقع ہوگیا!

آپ ذرا سوچیے کہ کسی غزوے یا مقدمے کے فیصلے میں جو قتل ہوگا وہ اس مقتول کی بداعمالی یا جرم کی تعزیر یا قصاص وغیرہ ہی میں ہوگا۔ اس قتل سے نبوت کے نقص و اتمام کا کیا تعلق؟ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ اگر شاعر کے وہم وتفرض کے عین مطابق حضور علیہ السلام (فداہ ابی وامی) کے ہاتھ سے کوئی قتل نہ ہوا ہوتا، تب بھی اس واقعے کے عدم ظہور سے نبوت کی نقص سے پاکی یا اتمام واثبات کے لیے استدلال ہرگز درست نہ ہوتا۔

دوسرے شعر میں شاعر نے ''جنگ اور دعا'' کو ایک نبی اور اُمتی میں تقسیم کردیا ہے۔ اس سے نبی کے جہاد بالسیف میں بہ نفسِ نفیس حصہ لینے سے انکار اور صفتِ قتال کی بالفعل نفی لازم آتی ہے۔ حال آں کہ آثار واحادیث/ سیرتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور تاریخِ اسلام کا یہ معلوم واقعہ ہے کہ میدانِ جہاد میں حضور علیہ السلام شمشیر بہ کف شرکت فرماتے تھے اور گھمسان کے معرکے میں مشکل ترین مقام پر آپ ﷺ موجود ہوتے تھے۔ حضور ﷺ دعا ضرور فرماتے تھے کہ فتح ونصرت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے لیکن اعمالِ جہاد کی انجام دہی میں بھی سب سے آگے اور سب سے زیادہ مستعد آپ ہوتے تھے۔ نیز قتال میں بھی سب کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔

اب قارئین محترم سے گزارش ہے کہ وہ مثنوی ''ظہورِ رحمت'' کے مطالعے سے لطف اندوز ہوں۔

مثنوی

ظہورِ رحمت

شاد عظیم آبادی

دیباچۂ سخن ہے شہِ انبیا کی مدح محبوب ہے دلوں کو حبیبِ خدا کی مدح
طغرائے لوحِ عشق ہے خیر الورا کی مدح اسلام کا نشاں ہے اسی پیشوا کی مدح
نعتِ رسولِ حق ہے ہماری سرشت میں
اُمت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں

سرتاجِ عرش نعت رسولِ زماں کی ہے آنکھوں کا ہے جو نور تو لذت زباں کی ہے
زیبائشِ کلام ہے زینت بیاں کی ہے شہرت ملائکہ میں اسی داستاں کی ہے
وہ کون ہے جو مدح میں رطب اللساں نہیں
عالم میں ذکر ختم رُسل کا کہاں نہیں

نورِ خدا و باعثِ ایجادِ کائنات اعلیٰ ترین صنعت خلاقِ شش جہات
شمعِ جمالِ لم یزل آئینۂ صفات ہادیِٔ انس و جاں خضرِ جادۂ نجات
بندوں کو اُس کے فضل کی تائید چاہیے
جو آپ نے بتائی وہ توحید چاہیے

ان کے علاوہ کون شفیع الوریٰ ہوا عالم میں نام خواجہ ہر دو سرا ہوا
یہ قرب بھی کسی کو نہ ان کے سوا ہوا گر ہم سخن ہوا تو انھیں سے خدا ہوا
پردہ وہ تھا کہ جس سے عیاں اصل نور تھا
حائل نہ طور تھا نہ کہیں نخل طور تھا

ارفع ہے انبیا سے مراتب کا ان کے بام اعلیٰ ہے قدسیوں سے بھی یہ آسماں مقام
مرآت حسن شاہد مطلق شہِ انام جانے میں عرش کے بھی نہ تھا کوئی اہتمام
خود نردباں تھا شوقِ حضوری حبیب کا
اس نردباں سے پست تھا زینہ صلیب کا

اوصاف ہیں گواہ کہ خیرالبشر ہیں آپ تاباں ہے جس سے بزم قِدم وہ قمر ہیں آپ
ہے جس کی شام روزِ ازل وہ سحر ہیں آپ تھے مبتدا جو حضرت آدمؑ خبر ہیں آپ
ظاہر میں لوگ آپ کو پاتے تھے فرش پر
الحق یہ آفتابِ درخشاں تھا عرش پر

ہاں ساقیا! شرابِ حقیقت کا جام دے کھل جائے جس سے دل وہ مئے لالہ فام دے
کیا اس سے بحث مفت ہمیں دے کہ دام دے احسان ہے اگر یہ سلسبیلِ دوام دے
دے خطِ جام دل کو سبق امتیاز کا
پردہ کھلے حقائقِ اشیا کے راز کا

ساقی تری ولا میں ترا رند مست ہیں سرشارِ کیفِ ساغرِ بزمِ الست ہیں
آنکھیں ہیں بند، دھیان میں ساغر بدست ہیں کیوں ہوں نہ مے پرست کہ سب حق پرست ہیں
مینا و جام و خم کی طرف لَو لگائے ہیں
مجرے کے واسطے ترے مے خوار آئے ہیں

محبوب کبریا کے ہیں اوصاف لاتعد جس طرح سے کہ ریگ بیاباں ہے بے عدد
سمجھے وہ ان کو سمجھی ہے خلقت کی جس نے حد حق ہے کہ اصل مادہ واحد کا ہے احد
پھر کوئی تفرقہ نہ یہاں فرق بین تھا
احمد میں میم فصل نہ کرتا تو عین تھا

کیوں کر ہو سب پہ شانِ رسولِ خدا عیاں جب تک بہ شرح قومِ عرب کا نہ ہو بیاں
بعثت ہوئی جو آپ کی مکے کے درمیاں یہ بھی تھا عین لطفِ خداوندِ دوجہاں
صحت سے دُور اہلِ عرب کا مزاج تھا
آئے جو آپ اُن کے مرض کا علاج تھا

سننے لگا کے کان باجمال ان کا حال ''افضل ہیں سب سے ہم'' یہی ہر دل کو تھا خیال
کیا اس سے اُن کو بحث کہ ہوتا ہے کیا مآل اُس سرزمین پہ جو تھا وہ مستِ مئے ضلال
جاہل تھے اپنے زعم میں فوق اُن کو سب پہ تھا
گم راہیوں پہ فخر تو غرّہ نسب پہ تھا

کعبہ کہ جس کے بانی اوّل ہوئے خلیل ذکر خدائے پاک کی کوئی نہ تھی سبیل
عزیٰ و لات رُتبہ میں دو بت جو تھے جلیل خالق وہی تھے اور وہی ہر بات کے کفیل
بت تھے بہت سے گو کہ اسی اونچ نیچ میں
ان دو کو رکھ دیا تھا مگر سب کے بیچ میں

آ آ کے مانگتے تھے انھیں دو سے سب مراد دم بھر بھی بھولتے تھے نہ جاہل ہبل کی یاد
تھا بس کہ ان بتوں کی خدائی کا اعتقاد ان سب سے بخشواتے تھے کرتے تھے جب فساد
یوں گڑگڑاتے آتے تھے پتھر کے سامنے
مجرم کو جیسے لاتے ہیں افسر کے سامنے

مکے کی سرزمیں میں جو اللہ کا تھا گھر مدت سے مشتہر تھی زمانے میں یہ خبر
میلہ وہاں لگاتے تھے ہر سال اہلِ شر حج اس گروہ کا تھا یہی قصہ مختصر
لیتے تھے بیچتے تھے یہی اُن کو کام تھا
مطلب سے تھی مراد خدا کا تو نام تھا

جاہل تھے بات بات میں لڑنے کی تھی ترنگ کٹتے تھے لڑ کے سب، پہ لڑائی سے تھے نہ تنگ
دل میں ہماہمی کی جو رہتی تھی اک اُمنگ تھے سب زباں دراز و سیہ کار و خانہ جنگ
برپا ذرا سی بات پہ برسوں لڑائی تھی
ہنگامہ تھا قبیلوں میں زور آزمائی تھی

پھر یہ کہاں کہ چند دنوں تک رہے جدال جب تک ہے ان کی نسل رہے گی یوں ہی قتال
مصلح ہو آ کے کوئی کسی کی نہ تھی مجال اکثر یوں ہی قبیلوں پہ آتا رہا زوال
بڑھتے ہوئے جو زور تھے اُن سب کے گھٹ گئے
جتنے قبیلے بیچ میں آئے وہ کٹ گئے

دختر کشی میں سخت تھے ظالم زیادہ تر اس ظلم سے تو اور بھی خوش تھے وہ بد سیر
رکھتی تھی ماں عمیق گڑھے کھود کھود کر بیٹی کو زندہ دفن کیا کرتے تھے پدر
خود ماں نے بیٹیوں کے گلوں کو دبا دیا
یا باپ نے پہاڑ کے نیچے گرا دیا
کد تھی یہی کہ ہو کوئی داماد کیوں مرا تھا بیٹیوں پہ اس لیے یہ ظلم ناروا
افراط جور و جبر کی حد تھی نہ انتہا معدوم ساری قوم میں تھی نیکی و حیا
لیکن اس امر خاص میں بے اختیار تھے
زوجہ اگر تھی ایک تو شوہر ہزار تھے
ہاتھ آگیا تو غیر کا جائز تھا اُن پہ مال عزیٰ سے بخشواتے ہی ہو جاتا تھا حلال
سب سے سوا یتیم کی دولت پہ تھا زوال آفت پسر پہ تھی جو پدر کا ہو انتقال
لے اس یتیم کی خبر اتنا نہ تھا کوئی
جب باپ مر گیا تو اب اُس کا نہ تھا کوئی
روتا ہوا قریب جو آتا کوئی یتیم منہ پر طمانچے مار کے خوش ہوتے تھے لئیم
قربانیِ بشر کی یہی تھی رسم واں قدیم یہ راہ اُن کے زعم میں تھی راہِ مستقیم
کیوں کر قبیح اس کو سمجھتے رواج تھا
تھا کوئی بندوبست نہ اس کا علاج تھا
جب کارواں کا ملک عرب میں ہوا گزر طیار لوٹنے کو ہوئے وہ زبوں سیر
جویا اسی کے تھے یہی لیتے تھے وہ خبر جاتا ہے کون مال لیے ساتھ کس قدر
سنتے ہی اس خبر کے مسافر پہ آ گرے
پھر یوں گرے کہ جیسے کسی پر بلا گرے
جز شاعری کے اور نہ تھا ان میں کوئی فن آوارگی کی باتوں سے مملو تھے وہ سخن
ابلیس جن سے تنگ ہو اس طرح کے چلن غم عاقبت کا ان کو نہ دنیا کا تھا محن
مغرور تھے کوئی نہ سماتا تھا دھیان میں
خود کو خدا سمجھتے تھے اپنے گمان میں

قانون مستقل تھا نہ اُن کا تھا کوئی دیں تنگ ان کے ظلم و جور و شقاوت سے تھی زمیں
دیکھو جسے وہ جاہل و خوں خوار و خشمگیں منصف تھا ان میں کوئی نہ کوئی وہاں امیں
نا اہل تھے ثواب وہاں ہر گناہ تھا
بے ناخدا کے اُن کا سفینہ تباہ تھا

کیوں منصفو! یہ حال ہو جس قوم کا خراب آلودہ جہل و کفر میں ہوں جس کے شیخ و شاب
پھر اُس سے کیا اُمید جز افعالِ ناصواب دو خوب غور کر کے مری بات کا جواب
گم راہیوں کی جب کہ کوئی انتہا نہ تھی
اک پیشوا کی اُن کو ضرورت تھی یا نہ تھی

وحشت میں اُن سے رومی و شامی نہ ہوں مزید دستور یا رواج بھی اُن کے نہ تھے مفید
بے شک اشدِ کفر کے مورد تھے یہ پلید اس جہل پر تھا غیظ و غضب اور بھی شدید
وہ جن چڑھا تھا جو نہ کسی سے اُتر سکے
کیا منہ کوئی حکیم جو اصلاح کر سکے

پھیلی ہوئی تھی اُن میں ضلالت کی جب وبا لازم حکیم کو تھا کہ پیدا کرے دوا
محشر کے دن خدا سے جو کرتے یہ سب گلہ عادل کے پاس اس کا بھلا کیا جواب تھا
کہتا خدا کہ تم ہمیں کیوں مانتے نہ تھے
صاف اس کا تھا جواب کہ پہچانتے نہ تھے

امراضِ روح و جسم میں تھے مبتلا غریب پاس ان کے تھی دوا نہ معالج کوئی نصیب
امراض کا یہ حال کہ تھے مرگ کے قریب بھیجا خدا نے ان کی شفا کے لیے طبیب
اس رحم دل نے آ کے خیالِ خدا کیا
بے مُزد گر علاج کیا کیا بُرا کیا؟

جسمی مرض کو چاہیے ایسی کوئی دوا جانچا ہو اُس کو غیر نے یا خود ہو تجربا
امراضِ باطنی کا مگر حال ہے جدا اس عارضے میں وحی ہے لازم پئے شفا
دیکھے بغیر روح کی کیوں کر دوا کرے
انکل پہ ہو دوا تو معالج خطا کرے

اک فرد اس گروہ کا ہو وہ فلک جناب		اجنب سمجھ کے تا نہ کرے قوم اجتناب
اعلیٰ حسب نسب میں ہو مثلِ دُرِ خوش آب		تا ہو نہ اپنی قوم سے اُس شخص کو حجاب
ہو بہترینِ اہلِ زماں رسم و راہ میں
تا عمر مبتلا نہ ہوا ہو گناہ میں

تم خود کہو کہ یہ صفتیں کس میں تھیں وہاں		تاریخ میں عرب کی بتاؤ مجھے نشاں
کوئی صلاح کار تھا اس کا نہ ہم زباں		ذی علم تھا اگر تو بتاؤ پڑھا کہاں
حقا مآلِ کار پہ اس کی نگاہ تھی
تھا وحی کا سبق تو حرا درس گاہ تھی

مل جائے اس طرح کا جو حاذق کوئی طبیب		اُس ملک کے اور اہلِ مرض کے خوشا نصیب
کن منتوں سے پاس بلاتا تھا وہ غریب		جاتا نہ تھا غرور کے مارے کوئی قریب
ساری تھا بس کہ کبر و تعصب مزاج میں
کرتے تھے آ کے سخت زبانی علاج میں

حاذق تھا وہ طبیب تو اکسیر تھی دوا		جس کا کیا علاج معاً ہوگئی شفا
تا زندگی مرض میں ہوا پھر نہ مبتلا		شربت تھا معرفت کا کہ آبِ حیات تھا
غیروں میں جائیں یہ نہ ہوئی احتیاج تک
نسخہ بندھا ہوا وہی کافی ہے آج تک

ساقی کدھر ہے جامِ مئے خوش گوار لا		جس شے سے ہو سرور وہ اے غم گسار لا
قربان تجھ پہ طاق سے مینا اُتار لا		مشتاق ہیں حریف انھیں بھی پکار لا
سرشار ہم ہیں بادۂ جامِ الست کے
تنہا خوری حرام ہے مشرب میں مست کے

ہم مے کشوں کی تجھ پہ فدا جان ساقیا		بھولیں گے حشر تک نہ یہ احسان ساقیا
شکرِ خدا کہ ہم ہیں مسلمان ساقیا		دے بادۂ وِلا ترے قربان ساقیا
بے اس کے غم کدہ ہے جہاں دل اُچاٹ ہے
صہبائے سلسبیل کی مستوں کو چاٹ ہے

رہبانیت سکھا کے نہ حیرت میں ہم کو ڈال   ساقی غلط ہے بزم نشینوں کا یہ خیال
تو خوب غور کر جو زمانے کی یوں ہو چال   تب اُن قوا کے خلق کا کچھ بھی نہ ہو مآل

دل نیک و بد کے فرق سے ناآشنا رہے
انسانیت میں جب نہ رہے ہم تو کیا رہے

ساقی خطا معاف! ہم اُس مے سے ہیں نفور   کر دے جو عالمِ بشریت سے ہم کو دُور
رحم و کرم ضرور ہے لیکن یہ کیا ضرور   رہ جائیں چپ جو کھائیں طمانچہ بلا قصور

بدلا لیے بغیر کسی کو نہ کل پڑے
ایسا جو ہو تو نظم جہاں میں خلل پڑے

مستی بھی وہ سکھا کہ ہو اخلاق کے قریں   امن واماں جہاں میں بڑھے اس لیے ہے دیں
جتنے قوا بنائے گئے ہم میں بالیقیں   جو ان کا اقتضا ہے وہ منشا بھی ہے کہیں

گرمی کے وقت ہے یہی لازم کہ گرم ہو
نرمی کے وقت صاحبِ اخلاق نرم ہو

موسیٰ نبی کی قوم کو لڑنے کی تھی اُمنگ   عیسیٰ نے آ کے دل سے مٹا دی وہ سب ترنگ
افراط ہوں تو دونوں ہی باتیں کریں گی تنگ   ہو وقتِ صلح صلح تو ہنگامِ جنگ جنگ

اس کے اگر خلاف ہو مستی وبال ہے
اُس مے کدے میں چل کہ جہاں اعتدال ہے

کیا یہ نہیں عجیب کہ اک طفل خرد سال   اُس قوم میں ہو جس کے ہوں بے حد زبوں خصال
حاصل کیے بغیر ہو وہ مجمعِ کمال   ہو اُس کا قدسیوں سے بھی برتر کہیں خیال

ہر اک کے دل کو صدق کا اس کے یقین ہو
مشہور دشمنوں میں بھی اپنے امین ہو

سجدہ نہ کرنے جائے کبھی وہ بتوں کے پاس   کہنے میں امرِ حق کے نہ ہو کچھ اسے ہراس
غیر از خدا مدد کی بھی چاروں طرف سے یاس   قوم اک طرف ہو ایک طرف وہ خدا شناس

ذاتی غرض سے صورتِ آئینہ پاک ہو
کہنے میں امرِ حق کے کسی سے نہ باک ہو

طالب کسی سے کچھ نہ ہو توحید کے سوا سب سے یہ التجا کہ کہو ایک ہے خدا
ترویجِ دینِ حق کے سوا کچھ نہ مدعا راتوں کو قوم کے لیے کرتا رہے بُکا
وہ قوم حد کی بے ادبی سے جو کام لے
یہ جز دعا کے اور نہ کچھ منھ سے نام لے

رسّی گلے میں ڈال کے کھینچیں وہ بے شعور صرف اس لیے کہ میرے بتوں سے ہے کیوں نفور
جب یوں کہے کہ نفس کی تہذیب ہے ضرور تُل جائیں اس کے قتل پہ ناحق وہ پُرغرور
دکھلائے راستہ جنھیں رہ زن وہی بنیں
یہ جن کا خیرخواہ ہو دشمن وہی بنیں

تصدیق مدتوں نہ ہو تکذیب کے سوا پھر بھی نہ اس کے جوش کی ہو کوئی انتہا
دعویٰ عبودیت کا کرے سب سے برملا بیٹا وہ ہو خدا کا نہ باپ اُس کا ہو خدا
اعجاز پر نہ ناز نہ اس کو غرور ہو
دل اُس کا صرف نشۂ وحدت سے چور ہو

سوتے میں جاگتے میں زباں پر ہو اُس کی پند اظہارِ امرِ حق میں نہ رکھے زباں کو بند
ہر اک کلام اُس کا حلاوت میں شہد و قند دل کو سوائے ذکرِ خدا کچھ نہ ہو پسند
سوئے نہ بازپُرس قیامت کے خوف میں
بیٹھا رہے خموش پہاڑوں کے جوف میں

حق بیں کے واسطے نہیں کچھ کم یہی صفات عاقل کرے جو غور تو یہ بھی ہیں معجزات
جن جن صفاتِ نیک کے راوی ہیں سب رواۃ ایسے رُواۃ لغو نہ تھی جن کی کوئی بات
قدسی بھی اس طرح کے نہ اوصاف پا سکیں
لکھوں تو دفتروں کے نہ اندر سما سکیں

ہاں ساقیا کدھر ہے ادھر لا مئے طہور دے جلد جامِ نور میں بھر کر شرابِ نور
اس آفتابِ دیں کا دکھا دے مجھے ظہور ہر گاہ جس کے جلوے سے بن جائے کوہِ طور
ظاہر اُسی کے حسن سے کُل کائنات ہو
عارض سے دن تو زلف کے سائے سے رات ہو

اک بار مے کدے میں کر ایسا تو بندوبست سرشار ہوں رحیق حقیقت سے مے پرست
لے چل وہاں کہ عرش بھی ہو جس جگہ سے پست کر دے دوبارہ مست پلا دے مئے الست
اک مکتبِ شہود کو آباد میں کروں
بھولا ہوا عدم کا سبق یاد میں کروں

یادش بخیر! وہ عدم محض کی فضا جتنی یہ کائنات تھی ہُو کا مقام تھا
عالم میں کوئی چیز نہ تھی اس کے ماسوا اطلاق بود و ہست سے برتر تمام جا
تھی نیستی، وجود فقط اک عدم کا تھا
معدوم تھا حدوث زمانہ قِدم کا تھا

جس وقت تک ہوئی تھی نہ مشہود کائنات لاریب اک خزانۂ مخفی تھی اس کی ذات
پنہاں تھے اس کے پردۂ قدرت میں سب صفات چاہا کہ ہو ظہور کرے خلق شش جہات
جوش آگیا جو قدرت حق کے ظہور کو
پیدا کیا خدا نے محمد کے نور کو

بعد اس کے پھر یہ نورِ مقدس بصد جلال پیشِ نظر خدا کے رہا دس ہزار سال
مشغول حمد و مدح خداوند لایزال ارشاد تھا خدا کا خوشا اے نکو خصال
آئینہ ہے جہاں میں ہمارے صفات کا
تو باعثِ ظہور ہے کُل کائنات کا

اے نور پاک! خلق نہ کرتا تجھے اگر کتم عدم سے کوئی نہ آتا کبھی ادھر
تیرے سبب سے لوح و قلم ہوں گے جلوہ گر افضل ہے سب سے تو، ملک ہوں کہ ہوں بشر
اے نور ذات! حق سے بہت تو قریب ہے
محبوب کیوں نہ ہو کہ ہمارا حبیب ہے!

بارہ حجاب نور سے حضرت کے پھر بنے مشغولِ حمدِ حق میں بصد شوق آپ تھے
پھر بیس بحرِ نور ہوئے خلق نور سے یہ نور غوطہ زن رہا دریا میں نور کے
ہر رجس سے یہ نور غرض صاف ہوگیا
پاکیزہ و معطر و شفاف ہوگیا

اس نور کی طرف یہ کیا حق نے تب خطاب تیرے سبب سے ہوں گے ترے دوست سب مثاب
تیرے عدو پہ ہوگا قیامت کے دن عتاب ہوں گے ترے محبّ تری اُلفت سے کامیاب
تیرا ہر ایک دوست پھل اُلفت کے پائے گا
جب تک نہ تو کہے کوئی بخشا نہ جائے گا

نور آپ کا یہ سنتے ہی سجدہ میں جھک گیا قطرے، جبینِ نور سے ٹپکے ہزار ہا
پیدا ہوئے غرض انھیں قطروں سے انبیا کرنے لگے طواف سب اُس نورِ پاک کا
آئی ندا کہ کان بہ سوئے خطاب دو
میں کون ہوں سمجھ کے تم اس کا جواب دو

ساکت رہے جواب میں کل نورِ پاک جب نورِ محمدی نے دیا یہ جواب تب
خلاقِ کائنات تری ذات، تُو ہے رب تُو واجب الوجود ہے، مخلوق سب کے سب
مالک! ترے صفات کی کچھ انتہا نہیں
معبود کوئی تیرے سوا دوسرا نہیں

اس نور پر بہ مہر جو پھر حق نے کی نظر جوہر ہوا تب اور بھی اک اس سے جلوہ گر
دو حصہ کرکے اس نے نظر کی جو پھر ادھر حصہ وہ نصف آب ہوا قصہ مختصر
شفقت سے دوسرے پہ جو حق نے نگاہ کی
پیدائش اس سے تب ہوئی عرشِ الٰہ کی

ساکن بروئے آب ہوا عرشِ کبریا کرسی کو خلق عرش کی تب نور سے کیا
کرسی سے لوح لوح سے نورِ قلم بنا آئی ندا قلم کو کہ لکھ نام تو مرا
جب یہ صدا قلم نے سنی جوش ہوگیا
آیا خدا کا نام تو بے ہوش ہوگیا

جس دم ہوا ہزار برس بعد جوش کم جھک کر قلم نے کلمۂ طیب کیا رقم
آئی ندا کہ تیرے مراتب بھی اے قلم تا روزِ حشر خلق میں قائم رکھیں گے ہم
عزت جو تجھ کو دیں گے وہ توقیر پائیں گے
اہلِ قلم کو خلق میں اشرف بنائیں گے

ہیں لوح پر ازل سے مدائح ترے رقم حقا ترا شرف بھی فزوں تر ہے اے قلم
تو ہے جہاں میں صاحبِ توقیر و محتشم وہ کور دل ہے تجھ کو جو سمجھے کسی سے کم

گر کوئی بے بصر تجھے ہاتھوں سے کھوئے گا
اپنے لکھے کو دیکھ کے تا حشر روئے گا

آئی ندا محمد ذی جاہ و احتشام بولا قلم کہ بعد ترے ہے یہ کس کا نام
ہوگی اسی سے حجتِ دینِ خدا تمام محبوب ہے مرا وہ شہنشاہِ خاص و عام

برتر تمام خلق سے اُمت اسی کی ہے
مقبول روزِ حشر شفاعت اسی کی ہے

ظاہر ہوا دخان سے نہ طاقِ آسماں پھر نور سے نبی کے ہوا خلق دوجہاں
تب ماہ و مہر و نجم ہوئے اس پہ ضوفشاں حق نے کیا زمیں کو کفِ آب سے عیاں

ظلمت بھی روشنی بھی جہاں میں عیاں ہوئی
پھر روز و شب سے زینتِ کون و مکاں ہوئی

نورِ محمدی (علی صاحبہ الصلوۃ) یوں ہی تسبیح خواں رہا ستر ہزار سال تہِ عرشِ کبریا
عشقِ خدا میں محو رہا نورِ مصطفےٰ (علی صاحبہ الصلوۃ) پھر مدتوں بہشت میں کرتا رہا ثنا

ان سب کے بعد سایۂ سدرۂ مقام تھا
ستر ہزار سال وہاں بھی قیام تھا

پہلے فلک پہ نورِ نبی نے کیا قیام آخر بحکمِ محکمِ خلاق خاص و عام
تب ان کے صلب میں ہوا اس نور کا مقام پیدا ہوئے جو حضرت آدمؑ شہِ انام

احمد کے نور پاک سے محمود وہ ہوئے
آخر ملائکہ کے بھی مسجود وہ ہوئے

ارحام طاہرہ کی طرف منتقل رہا اصلابِ طیبہ سے یوں ہی نورِ مصطفےٰ (علی صاحبہ الصلوۃ)
وقت آگیا ظہورِ جمالِ جناب کا جب آمنہ کے بطن مبارک میں پائی جا

خوش تھے ملک زمانہ عیش و نشاط تھا
ارواحِ انبیا کو عجب انبساط تھا

اے پیرِ دہر پھر نئے سر سے جواں ہو آج　　بطحا کی اے زمیں، شرفِ آسماں ہو آج
اے بوقبیس رونقِ کون و مکاں ہو آج　　اے بیت کعبہ سجدہ گہِ انس و جاں ہو آج
اس راہ میں پہاڑ بھی آئے تو ٹال دے
کفر و نفاق و شرک کو گھر سے نکال دے

اے دینِ حق جہاں کو مبارک ترا رواج　　اے صدقِ معرفت ہوئی اب تیری احتیاج
اے نورِ حق چمکتا ہے تیرا ستارہ آج　　اے جہل عارضے کا ترے اب ہوا علاج
ٹھوکر سے پائے صدق کے اے لات چور ہو
بل کی نہ لے ہُبل سے کہو جلد دُور ہو

اے قدسیو! بہ صدق پڑھو آ کے اب درود　　اے ساکنانِ یثرب و بطحا کرو سجود
اے جذبِ شوقِ دوست مبارک تجھے صعود　　واجب ہے آبرو تری اے ممکن الوجود
قبل اس کے اے جہاں تری ہستی ہی کچھ نہ تھی
اے عالمِ شہود یہ بستی ہی کچھ نہ تھی

اے دینِ حق نشانِ ظفر اب زمیں پہ گاڑ　　اے کفر و معصیت تری بستی ہوئی اُجاڑ
افزوں ہے آج طور سے مکہ کا ہر پہاڑ　　اے حور اپنے بالوں سے کوہِ حرا کو جھاڑ
کعبہ سے کہہ دو دل کو کدورت سے صاف کر
جلد آ کے آمنہ کے مکاں کا طواف کر

لو عبد مطلب تمھیں پیارا پسر ملا　　لو آمنہ نہال شرف کا ثمر ملا
حمزہ کہاں ہو بحرِ عطا کا گہر ملا　　بو طالب آؤ عرشِ خدا کا قمر ملا
پوجو قریش خانۂ عبد مناف کو
خود عرش پاک آئے گا اس کے طواف کو

اے اوّل ربیع اس آمد پہ میں نثار　　اُس کبریا کی دولتِ سرمد پہ میں نثار
الطاف و فیض و رحمت بے حد پہ میں نثار　　دی نعمتِ بہشت محمد پہ میں نثار
دوزخ کا اب نہ خوف نہ دھڑکے عذاب کے
توحید خود بتائے گی رستے ثواب کے

تا عرش ہے ولادتِ مولا کی دھوم دھام ہے قدسیوں کا خانۂ ہاشم میں اژدحام
مملو ملائکہ سے ہے بیتِ خدا تمام خالی نہیں ہے رحمتِ حق سے کوئی مقام
محبوبِ حق عدم سے ہیں تشریف لانے کو
آج آپ سرفراز کریں گے زمانے کو

حاضر ہیں در پہ دیر سے موسیٰؑ لیے عصا عیسیٰؑ جو دم بخود ہیں ادب کا ہے اقتضا
کیوں کر کریں خلیلؑ نہ شکرانۂ خدا دادا کا بھی بڑھا دیا پوتے نے مرتبا
یعقوبؑ خوش ہیں نوحؑ کا دل بھی نہال ہے
یحییٰؑ کا رنگ فرطِ مسرت سے لال ہے

اس آفتابِ دیں کا یکایک ہوا ورود کعبہ میں سارے بت ہوئے خم از پئے سجود
حجرے سے اصل نور کی جس دم ہوئی نمود پہنچا زمین سے عرش تک آوازۂ درود
خم ہوگیا ہے عرش بھی تسلیم کے لیے
تم بھی اُٹھو حضور کی تعظیم کے لیے

اے رازِ دارِ پردۂ اسرار السلام اے اعتبارِ رحمتِ غفار السلام
اے آفتابِ مطلعِ انوار السلام اے ہم سے عاصیوں کے مددگار السلام
ہے التجا کہ دولتِ دارین دیجیے
اے رحمتِ خدا مری تسلیم لیجیے

اُس سنگِ لاخ ارض پہ یا سیّد البشر صدمے اُٹھا اُٹھا کے بہت اپنی جان پر
بویا تھا اپنے ہاتھ سے جو نخلِ تازہ تر مولا اسی شجر کے ہیں یہ سب کے سب ثمر
پانی اب اس شجر میں کوئی سینچتا نہیں
افسوس پھل تو آتے ہیں ویسا مزا نہیں

ذوقِ سلیم بھی نہیں رکھتی کوئی زباں میوے سب اس کے ہوتے ہیں افسوس رائگاں
اگلے سے ذائقے کو جو ڈھونڈیں تو اب کہاں اب بھی اگر ہو چشمِ عنایت ادھر تو ہاں
از بس کہ ہیں دراصل سب اچھی سرشت کے
ہوجائیں ایک دن یہی میوے بہشت کے

اُمت کا اپنی دیکھیے احوال یارسول غفلت ہر ایک بات میں ہر کام میں ڈھول
جو لاجواب آپ نے قائم کیے اصول کرتے ہیں جان بوجھ کے اُس میں غضب کی بھول
اے سر گروہِ مجلسِ وحدت دہائی ہے
ٹولی جدا ہر ایک نے اپنی بنائی ہے

ساقی کدھر ہے جام علیہ السلام دے تر کر دماغ تا کہ زباں منھ میں کام دے
اس سرخ سرخ شے کے لیے حکم عام دے تجھ سے نہ ہوسکے تو مجھے اہتمام دے
دریا جو مے کدے میں بہاؤں شراب کا
چکرا کے ڈوب جائے سفینہ عذاب کا

القصہ اس طرح سے کتابوں میں ہے لکھا جس دم ہوئی ولادتِ سلطانِ انبیا
حضرت کی ماں نے گوش مبارک سے خود سنا جاری تھی لب پہ آپ کے توحیدِ کبریا
فرماتی ہیں کہ کان سے ہم خود سنا کیے
تا دیر آپ حمدِ الٰہی کیا کیے

اللہ رے ولادتِ مولا کا رعب داب آتش کدے خموش ہوئے مے کدے خراب
کعبہ میں ایک شخص نے دیکھا یہ بے حجاب طاقوں سے بت زمیں پہ گرے سب باضطراب
ساحر بھی اپنے ہوش سے اُس دم گزر گئے
کاہن بھی اپنے علم فراموش کر گئے

ہاں اب رسولِ پاک کی تصویر دیکھیے اُس نور کردگار کی تنویر دیکھیے
تاباں وہ رُخ وہ زلف گرہ گیر دیکھیے اُس حسنِ بے مثال کی تاثیر دیکھیے
چہرہ خوشی سے حضرت یوسفؑ کا چاند ہے
اس پر بھی آپ کے رُخِ انور سے ماند ہے

آئینۂ صفاتِ اَحد روئے لاجواب روشن ہے جس سے عرشِ الٰہی وہ آفتاب
صفحہ یہ ہے بیاض حقیقت میں انتخاب آئی اسی کے صدقے میں قرآن سی کتاب
ہر روز دیکھتی ہے جو آ آ کے دُور سے
شرماتی ہے بیاضِ سحر اس کے نور سے

صبح جبیں سے صدق و صفا آشکار ہے رنگت سے نورِ حق کے ضیا آشکار ہے
ماتھے سے صاف مہر و عطا آشکار ہے بے پردہ شانِ حسن جدا آشکار ہے
اک سلسلہ ہے عرشِ الٰہی کے نور تک
جاتی ہے چھوٹ چہرۂ تاباں کی دُور تک

آنکھیں حضور کی ہیں کہ لطف و عطا کا گھر سرچشمۂ مروّت و ہمت سخا کا گھر
عفت کی گوشہ گاہ تو شرم و حیا کا گھر روحانیوں کا کعبۂ برحق خدا کا گھر
بے شک اسی کی دید سے عصیاں معاف ہے
اس پر پڑے نگاہ تو واجب طواف ہے

اس دبدبہ کے ساتھ مروّت خدا کی شان باہم ہیں خلق و مہر و جلالت خدا کی شان
شرم و حیا کے ساتھ یہ ہیبت خدا کی شان اِمرت میں زہر، زہر میں امرت خدا کی شان
آبِ حیات حلق سے گویا اُتر گیا
وہ جی گیا جو دیکھ کے آنکھوں کو مر گیا

لکھتا ہوں وصفِ زلفِ شہنشاہِ کائنات خامہ جو مشک کا ہو تو نافہ کی ہو دوات
حقّا کہ اس کے آگے شبِ قدر بھی ہے مات شاید کہ پھیل کر یہی معراج کی تھی رات
قدرت عیاں ہر اک گرہِ بے بدل سے ہے
رشتہ اسی کے سایہ کو شامِ ازل سے ہے

خوش بو میں عود و مشکِ ختن سے کہیں زیاد حلقوں میں دیکھ لو چمنِ خلد کا سواد
بگرفت از سیاہی زلفش قلم مداد بر لوح کن نوشت و بنائے جہاں نہاد
ہر مو سے اس کے رشتۂ جاں ہے بندھا ہوا
ہے سلسلہ اسی کا ابد سے ملا ہوا

وہ لب کہ جس کو دیکھ کے قالب میں روح آئے رنگ اس طرح کا لعلِ بدخشاں کہاں سے پائے
اعجاز کب یہ عیسیِ گردوں جناب لائے گر دیکھ لے تو رشک سے الماس زہر کھائے
اس لب کی خوبیوں کا بھلا کیا شمار ہے
حقّا کہ ان پہ جان فصاحت نثار ہے

موتی پرولو رات کو دنداں کی ہے یہ تاب		ہے پہلوؤں میں لعل کے سلکِ دُرِ خوش آب
ضو سے انھیں کی نورِ مہ و مہر بہرہ یاب		کیا تاب ہے ملائے جو آنکھ اُن سے آفتاب

موسیٰ نے جو سنا وہ تکلم انھیں کا تھا
چمکی جو برق طور تبسم انھیں کا تھا

پنجہ وہ اور وہ ساعد سیمین و دستِ پاک		رخشاں و نور بخش و ضیا بار و تاب ناک
پشتِ سمک سے جس کی چمک جائے تا سماک		موسیٰ اُٹھا کے ہاتھ کہے روحنا فداک

جو چاہیں دیں کہ فیض و عطا ان کا کام ہے
دستِ خدا حضور کے بازو کا نام ہے

سینے کا نور چھن کے نکلتا ہے بار بار		روشن شعاعِ مہر ہے یا پیرہن کے تار
سینہ یہ وہ ہے مخزنِ اسرارِ کردگار		جس پر خدا کا روزِ ازل سے ہے اعتبار

سارے رموز حق کے ذخیرے اسی میں ہیں
گاہک خدا ہے جن کا وہ ہیرے اسی میں ہیں

دو رکنِ دیں ہیں پائے مبارک حضور کے		شمعیں ہیں دونوں نور کی سانچے میں نور کے
ساقین میں ضیا نہیں جلوے ہیں طور کے		آئے کہاں سے تاب یہ چہرے میں حور کے

عکسِ قدم سے راہ نہ کیوں کہکشاں بنے
یہ پاؤں جس زمیں پہ چلیں آسماں بنے

سروِ جناں بھی ہے اسی قامت سے منفعل		قمری جو ہے خموش تو شمشاد پا بہ گل
قامت سے ساقِ عرش بریں کیوں نہیں خجل		اعلا تو اس قدر ہے جو دیکھو تو معتدل

اس قد کے جاں نثار عبادت پسند ہیں
قد قامت الصلوٰۃ کے نعرے بلند ہیں

دستارِ پاک اور نمدی آپ کی کلاہ		گویا شعاعِ مہر نے گھیرا ہے روئے ماہ
وہ پیرہن کہ یوسفِ مصری کو جس کی چاہ		اس کا پڑے جو عکس تو باغِ جناں ہو راہ

ہیں عطر اور نہ مشک و عبیر اس سرشت کے
رضواں نے پھول اسی سے بسائے بہشت کے

خُلق آپ کا تو خَلق میں مشہور ہے تمام حضرت نے جب کیا بہ تبسم کیا کلام
مسند کا نام تھا نہ کبھی فرش سے تھا کام کرتے تھے سادگی سے بسر سرورِ انام
گو دو جہاں کا شاہ وہ گردوں سریر تھا
تھا فرش خاک یا کبھی فرشِ حصیر تھا

پایا جو راستے میں کسی کو برہنہ پا نعلین خود اُتار کے دے دی یہ تھی سخا
سب سے سوا مریض پہ تھی شفقت و عطا دیکھا جو غیر حال کسی کا تو رو دیا
خُلقی صفت تھی یہ شہِ قدسی خصال کی
تا دیر اُس سے بیٹھ کے پُرشش تھی حال کی

سوتے تھے فرشِ خاک پہ راتوں کو برملا کرتے تھے شرک و کفر پہ اس قوم کے بکا
اُٹھ اُٹھ کے ساری رات یہی کرتے تھے دعا یارب ترے سوا نہیں مطلوب دوسرا
کر فضل و رحم تاکہ برومند ہو یہ قوم
انسانیت کی، خُلق کی پابند ہو یہ قوم

سیتے تھے اپنے ہاتھ سے اپنا پھٹا لباس کرتے نہ تھے برائی کا دشمن پہ بھی قیاس
ہر دم شگفتہ رو تھے نہ رہتے کبھی اُداس سنتے تھے، دیر تک جو کرے کوئی التماس
ملنے کو آگیا جو کوئی مسکرا دیا
گر فرش گھٹ گیا تو عبا کو بچھا دیا

رستے میں کھیلتا کوئی بچہ اگر ملا منہ چوم کر زمین سے فوراً اُٹھا لیا
اکثر تو راستے میں یہ گزرا ہے ماجرا بچوں سے کھیلنے لگے سلطانِ انبیا
رونا نہ دیکھ سکتے تھے دل کا یہ حال تھا
کفار تک کی دل شکنی کا خیال تھا

آ آ کے جاہلوں نے بہ سختی کیے کلام سن سن کے مسکرا دیے شاہنشہِ امام
اس درجہ تھے حلیم رسولِ فلک مقام دشمن پہ بھی نہ ہاتھ بڑھا بہرِ انتقام
ہر دم تھی لب پہ آپ کے تحمید کی صدا
سوتے بھی تھے تو آتی تھی تمجید کی صدا

کرتے تھے روز و شب میں ادا رکعتیں ہزار لیتے تھے نامِ پاک خدا آپ بار بار
بھولو نہ اپنی موت، رہو اس سے ہوشیار تلقین یہ تھی کچھ نہیں دنیا کا اعتبار
پہنچاؤ کارِ خیر کی کوشش کو حد تلک
سمجھو یہ اُس گھڑی کہ رہیں گے ابد تلک

ہر وقت گھیرے رہتے تھے مولا کو مرد و زن دُکھ جائیں جن سے دل نہ کہا وہ کبھی سخن
حد ہے کہ اہلِ شرک سمجھتے تھے موتمن آلودہ حرفِ لغو سے ہوتا نہ تھا دہن
کفار کس خلوص سے خدمت میں آتے تھے
جھگڑوں میں اپنے آپ کو ثالث بناتے تھے

کی اس میں کوتہی تو یہ ہے اک بڑا قصور ارشاد تھا کہ قوم کو تعلیم دو ضرور
اس سے رہے جو دُور وہ ہے دینِ حق سے دُور سمجھیں اسی کو افضلِ طاعات ذی شعور
جو راہِ راست قوم کو اپنی دکھائے گا
عابد سے پہلے گلشنِ جنت میں جائے گا

اُٹھ اُٹھ کے آپ شب کو کیا کرتے تھے بکا از بس کہ قوم بھر کی جہالت کا رنج تھا
کرتے تھے عرض ہاتھ اُٹھا کرکے ''اے خدا! کوہِ حرا میں جا کے عبادت تھی یا دُعا
دے اب تو جلد دامنِ رحمت میں جا انھیں
اپنے کرم سے اپنا شناسا بنا انھیں''

آتا ہے دل کو خوف کہ ہوتا ہے کیا مآل شرمندہ ہوں کہ زشت ہیں اس قوم کے خصال
کر دُور ان کے شرک کو اے ربِ ذوالجلال واحد ہے تیری ذات خداوند لایزال
نا فہم ہیں ضلالت بے حد انھی میں ہے
کیوں کر نہ خوف ہو کہ محمد انھی میں ہے

یعنی ہوا جنابِ الٰہی سے یوں خطاب لکھا ہے یوں کہ جب ہوئے مبعوث وہ جناب
گم راہ ہے یہ قوم دکھا جادۂ صواب ''اب تو ہوا ہماری رسالت سے بہرہ یاب
اظہارِ حق میں بند نہ اپنی زبان کر
ہوں لاشریک سب سے یہ کلمہ بیان کر

تصدیقِ دل کے ساتھ کہے گا جو لاالٰہ توحید میں مری نہ کرے گا جو اشتباہ
ہے بعد مرگ قصرِ جناں اُس کی خواب گاہ رحم و کرم سے اس پہ کروں گا میں خود نگاہ
دیکھو کرو نہ شرک کہ عینِ خطا ہے یہ
جادہ وہ کفر کا ہے تو راہِ خدا ہے یہ"

آئی جو یہ صدائے خداوند دوجہاں ہیبت سے کانپنے لگے پیغمبرِ زماں
زوجہ سے حال آپ نے آکر کیا عیاں بولیں وہ رو کے یوں کہ بجا ہے یہ سب بیاں
میں ہوں مطیع حکم بہ تحقیق آپ کی
کرتی ہوں صدقِ قلب سے تصدیق آپ کی

دی حکم کی خدا کے جب اُس قوم کو خبر حضرت سے منحرف ہوئے فی الفور اہلِ شر
وہ وہ جفائیں قوم نے پھر کیں کہ الحذر کیا کیا نہ دُکھ نبی نے سہے اپنی جان پر
کرتے رہے ستم پہ ستم سب اسی طرح
حضرت نے وعظ و پند نہ چھوڑا کسی طرح

خواہاں ہوا زراہِ کرم تب وہ کارساز اس سے زیادہ ہو درِ عرفاں نبی پہ باز
کُل انبیا سے ہوں یہی ممتاز و سرفراز مخفی جو خلق پر تھے وہ کھولے خدا نے راز
یوں تند و تیز کون گیا لامکاں تلک
پہنچے یہ معرفت میں کہاں سے کہاں تلک

اب چشمِ حق سے کیجیے معراج پر نظر ہوتا ہے حال صورت و معنی کا جلوہ گر
ہو فلسفی وقت کہ جاہل ہو سربسر دونوں کو اس کا لطف ملے گا تمام تر
ظاہر پرست کہنہ کو مذہب کی پائے گا
ہے گر حکیم وقت تو باطن پہ جائے گا

الفاظِ ظاہری کے سوا صاحبانِ حال ہر امر پر بچشمِ حقیقت کریں خیال
ہرگز کسی کے فہم میں آئے نہ یہ مقال جب تک کہ معرفت میں بھی اس کو نہ ہو کمال
جاہل کی طرح بحث، نہ ادلال چاہیے
عامی کو اعتقاد بہ اجمال چاہیے

حضرت کا تھا فلک پہ بتدریج کیوں گزر روشن ہوں تا کہ آپ پہ حالاتِ خیر و شر
جتنے عجائب آپ کو آئے وہاں نظر جس کی بشرح اہلِ سیر نے لکھی خبر
ممکن نہیں ہے کشفِ حقیقت کے راز کا
کیوں کر نہ اس بیاں میں ہو پہلو مجاز کا

ہاں اے زباں! مرقعِ قدرت دکھا مجھے اے ذہن! ارتفاعِ نبوت دکھا مجھے
اے طبع! آج نور کی صورت دکھا مجھے اے اعتقاد! بزمِ حقیقت دکھا مجھے
روشن کرے جو عقل کو وہ بدر دیکھ لیں
آنکھیں مری جمالِ شبِ قدر دیکھ لیں

جاتے ہیں سوئے عرشِ بریں خاتمِ رُسل لٹتے ہیں راستہ میں ستاروں کے آج گُل
حاضر ہیں انبیائے سلف آستاں پہ کُل ہے قدسیوں میں صلِ علیٰ المصطفیٰ کا غُل
مہتاب، رُخ سوئے درِ دولت کیے ہوئے
استادہ کس ادب سے ہے مشعل لیے ہوئے

ہر دم فلک پکار رہا ہے زہے شرف روحانیوں نے آپ جمائی ہے آ کے صف
خود کہکشاں نے راہ بنا دی ہے اک طرف زہرہ لیے کھڑی ہے بجانے کو چنگ و دف
رکھا ہے زین روحِ امیں نے براق پر
جائیں گے آپ گنبدِ نیلی رواق پر

آیا حضور میں جو براقِ صبا شتاب پکڑی ادب سے حضرتِ جبریل نے رکاب
پشتِ براق پر ہوئے جب جلوہ گر جناب راہی وہ سوئے شام ہوا مثلِ آفتاب
مرکب کے ساتھ ساتھ تمام انبیا ہوئے
اک پل میں آپ واردِ بیتِ خدا ہوئے

آگے پئے نماز ہوا جب وہ پیشوا کی آپ کی تمام رسولوں نے اقتدا
جب کر چکے نماز بھی ختمِ رُسل ادا اک نردباں لگائی فرشتوں نے تا سما
زینے تمام قدرتِ وضعِ خدا کے تھے
پائے سب اُس کے گوہر و لعل و طلا کے تھے

افلاک سے بڑھا جو دوعالم کا مقتدا سدرہ تلک وہ صدرِ رسالت پہنچ گیا
بے انتہا جہاں ہیں فرشتے یہ ہے وہ جا کیسا ہے وہ درخت خود آگاہ ہے خدا
صرف اُن پر منکشف ہے کہ جو پاک باز ہیں
کیوں کر کھلیں کسی پہ کہ خالق کے راز ہیں

لکھا ہے یوں کہ ہے یہ مقدس وہی مقام جبریل کا ہے شاخ پہ جس نخل کی قیام
میووں سے ہیں بھری ہوئی یہ ڈالیاں تمام خوش بو وہاں وہ ہے کہ معطر رہیں مشام
المختصر نمونۂ وضعِ خدا ہے وہ
خود علم اُس کو ہے کہ حقیقت میں کیا ہے وہ

اس نخل کے جوار میں ہے گلشنِ جناں داخل ہوئے جناں میں شہنشاہِ دوجہاں
حضرت کو مومنوں کے دکھائے گئے مکاں حقا کہ ان کے وصف میں مجبور ہے زباں
الحق نزولِ رحمتِ حق کا مقام ہے
المختصر کہ باغِ بہشت اس کا نام ہے

آگے بڑھے وہاں سے بھی شاہنشہہ اُمم روح الامیں بڑھا نہ سکے بال بھر قدم
پہنچے حجاب تک جو پیمبر بصد حشم کانپا براق چڑھنے لگا ڈر سے اُس کا دم
کھینچا کسی نے آپ کو آخر حجاب میں
گویا کہ آفتاب در آیا سحاب میں

ستر حجاب نور کے بھی کر چکا جو طے عاجز ہوا کمال براق خجستہ پے
سمجھو نہ تم مسافتِ عدم و عراق رَے ہے انبیا کو علم کہ کیسی یہ راہ ہے
سمجھیں کب اس کے راز کہ ظاہر پرست ہیں
عقلیں ہماری عاجز و مجبور و بست ہیں

رہ رہ گیا براق بھی چلنے سے جب وہاں ناگہ خدا کے حکم سے رف رف ہوا عیاں
حضرت ہوئے سوار چلا وہ بہ عز و شاں پہنچے مقامِ عرش تلک سرورِ زماں
دُوری تھی راہ کی نہ زمیں آسماں کا فرق
باقی تھا قربِ حق میں فقط دو کماں کا فرق

بے واسطہ غرض تھا وہاں وحی کا نزول ایسا کہاں ہوا ہے مقرب کوئی رسول
اس شب فضیلتیں جو ہوئیں آپ کو حصول لکھوں جو مختصر بھی تو ہو انتہا کا طول
ہو آئے اتنی دیر میں طے کرکے عرش کو
گرمی بدن کی باقی تھی دیکھا جو فرش کو

کیا ہے یہ عرش و کرسی و سدرا و نہ طبق عارف اسے سمجھتے ہیں تکمیل قربِ حق
عاجز یہیں ہیں سارے رسولانِ ماسبق اس جا ملائکہ کا بھی ہوتا ہے رنگ فق
معنی کسی سے حل نہ ہوئے اس حجاب کے
ہقا کے خبر ہے بجز اس جناب کے

معراج کا بیان کیا قوم سے جو حال کاذب سمجھ کے ہنسنے لگے سب زبوں خصال
ہنسنے پہ اُن کے کچھ نہ ہوا آپ کو ملال ہر حال میں ان ہی کی بھلائی کا تھا خیال
کرتے تھے آپ صبر شقاوت پہ قوم کی
روتے تھے زار زار جہالت پہ قوم کی

از بس کہ تھے وہ دینِ الٰہی کے برخلاف کرتے نہ تھے لحاظ سناتے تھے صاف صاف
تھا سب کو خوبیوں کا بھی حضرت کی اعتراف بکتے تھے اُس پہ لاف کبھی اور کبھی گزاف
برسوں جفا و جور کے درپے مضل رہے
ہر طرح سے جناب مگر مستقل رہے

افضل ترینِ خلق تھے شاہنشہِ اُمم سارے صفات آپ میں تھے اکمل و اتم
اس کو سمجھیے یوں مثلاً حلم یا کرم اقسام اس کے جتنے ہیں، تھے آپ میں بہم
ہو منقصت یہ بات نبی میں روا نہ تھی
حد حلم کی، کرم کی کوئی انتہا نہ تھی

دنیا میں یا کہ ہے مثلاً اک صفت سخا کامل تھے اس صفت میں بھی شاہنشہ ہدا
پھر یہ نہیں کہ سارے فضائل ہوں بالقویٰ بالفعل بھی ہر ایک کا کامل ظہور تھا
مظہر ہر اک کی ذاتِ تقدس نشاں ہوئی
چاہا جسے بوجہِ اتم وہ عیاں ہوئی

تھے دو صفات شاہِ رسالت میں بالقویٰ مظہر تھی جن کی آلِ شہنشاہِ دو سرا
اک تھی شجاعت اس کے تو مظہر تھے مرتضیٰؓ اک صبر جس کا مظہرِ کامل حسینؓ تھا

کیوں دونوں بالقویٰ تھے یہ قصے دراز ہیں
حقا یہ وصف شانِ رسالت کے راز ہیں

حضرت خود اپنے ہاتھ سے کرتے اگر قتال ہوتا ضرور نقصِ نبوت کا احتمال
لڑتے تھے کافروں سے اِدھر شیر ذوالجلال مصروف تھے دعا میں اُدھر شاہِ خوش خصال

ہاتھوں نے حقِ رحم و کرم کو ادا کیا
بازو نے وقتِ جنگ بھی کارِ خدا کیا

مثلِ حسینؓ آپ بھی ہوتے اگر شہید مٹ جاتا اس کا نقش کہ اسلام تھا جدید
صبرِ حسینؓ صبرِ نبی سے نہ تھا مزید لیکن ظہورِ صبر کی حاجت تھی واں شدید

جز مصطفیٰ کسی میں نہ تھا انتہا کا صبر
صبرِ حسین بھی تھا رسولِ خدا کا صبر

روشن ہے سب پہ بدر و اُحد کا بھی ماجرا ہے سب پہ حال قصۂ خیبر کا بھی کُھلا
غزوہ رسولِ پاک کا ایسا کوئی نہ تھا جس میں ہوئی ہو جنگ کی حضرت سے ابتدا

اعدا نے دُکھ دیے ہیں بہت جب جناب کو
آیا ہے کچھ جلال تب اُس آفتاب کو

جو چاہتا ہے خلق کی ہر طرح سے رفاہ پیدا بہت سے ہوتے ہیں ایسوں کے کینہ خواہ
انساں کرے شریعتِ موسیٰؑ پہ گر نگاہ اس باب میں رہے گا نہ پھر کوئی اشتباہ

تسکیں نہ ہو تو علمِ تمدن کو دیکھیے
جن جن کو اس سے بحث رہی اُن کو دیکھیے

مثلِ کلیم آپ نے گر کی کہیں قتال عیسیٰؑ کی طرح صبر بھی دکھلا دیا کمال
تاریخ میں بہ غور پڑھو انبیا کا حال اسلام کو ہر ایک صفت میں ہے اعتدال

دنیا و دیں میں کیا ہے تعلق بتا دیا
اُمت کو انتہا کا تمدن سکھا دیا

بس شادؔ بس کہ ضعف سے پہنچا ہے اب یہ حال　　پھندے گلے میں پڑتے ہیں دل ہے شکستہ حال
سب ہیچ ہے نگاہ میں عزت ہو یا کہ مال　　جز مرگ مجھ سے پیر کو اب اور کیا خیال

ہوں زار، اور پیش مسافت عدم کی ہے
مضمون وداع ہوتے ہیں رخصت قلم کی ہے

پروفیسر شفقت رضوی۔ امریکا

مسدس در حال جناب رسولِ خدا

(تصنیف روپ کنوار شاگرد نجم آفندی و فضلِ رسول)

یہ قول بہت مشہور ہے لیکن اس کا اطلاق صحیح معنوں میں روپ کنوار پر کیا جاسکتا ہے کہ ''وہ شہاب ثاقب کی طرح روشن ہوئی، اپنی جھلک دکھائی اور پل بھر میں خلا کی وسعتوں میں گم ہوگئی۔ چند سال اس کی شاعری کی دھوم رہی اور پھر وہ گوشہ گم نامی میں کھوگئی۔ اس کا وجود ایک لاینحل معمہ بن کر رہ گیا ہے۔ لوگ جو تحقیق کی جان کاہی سے جانی چھڑاتے ہیں سہل انگاری میں کہہ سکتے ہیں کہ روپ کنوار کا کبھی کوئی وجود نہ تھا، وہ تو فضلِ رسول پھرسری کا سایہ تھا انھوں نے اس نسوانی نام سے شاعری کی اور دنیا کو دھوکے میں رکھا۔ کیا یہ قرین قیاس ہے کہ کوئی نہایت درجہ پسندیدہ دو ہزار اشعار کو اپنی عزت اور شہرت کا ذریعہ بنانے کے بجائے انھیں ایک فرضی نام پر قربان کردے۔ لوگوں کی اس ترش خیالی پر ڈاکٹر تقی عابدی نے اوس پھیر دی جب انھوں نے ٹورنٹو (کینیڈا) میں رہتے ہوئے روپ کے قلم سے لکھا ہوا، ان کا کلام اور اس پر فضلِ رسول شاگرد مونس کے قلم سے اصلاح برآمد کرلی ہے۔ اب یہ مسلّمہ حقیقت ثابت ہوچکی ہے۔ روپ کنوار کا وجود تھا وہ فضلِ رسول کی شاعرانہ تخلیق نہیں تھی۔

روپ کنوار کے کوائف سے اب بھی دنیا واقف نہیں۔ ہماری معلومات کی بنیاد اس کا کلام ہے۔ وہ بتلاتی ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے وہ ہندو تھی۔ اسلام کی طرف اس کی رغبت فطری تھی جیسے اس کی گھٹی میں اسلام پڑا ہو۔ جب انھوں نے ہوش سنبھالا تو اپنی مرضی اور دل و جان سے، اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، ذات برادری والوں کی مخالفت کے باوجود اسلام کو قبول کیا۔ وہ کہتی ہیں:

بحر وحدت کی شناور ہے طبیعت میری　　گو ہوئی مشرکوں کے گھر میں ولادت میری
کفر اور شرک سے ہے پاک جو طینت میری　　ہوش آتے ہی بڑھی کفر سے نفرت میری
مئے توحید تھی گھٹی میں جو شامل ساقی
اس لیے طبع ہے اسلام پہ مائل ساقی

آنکھ کھلتے ہی جو اس مئے کی طلب گار ہوئی　　ہوش قائم رہے اس طرح سے سرشار ہوئی
سولھویں سال کی آمد تھی کہ بیدار ہوئی　　نشہ جب حد سے سوا ہوگیا ہوشیار ہوئی
کفر اور شرک کی آغوش میں پالا اس نے
ڈوبی گنگا میں تو کوثر پہ نکالا اس نے

حق کی صورت نظر آئی تو نہ باطل ٹھہرا　　قافلہ ہوش و خرد کا سرِ منزل ٹھہرا
کلمہ پڑھتے ہی وہ تسکیں ہوئی دل ٹھہرا　　میرے مقصد کا سفینہ لب ساحل ٹھہرا
راہ پُرخارِ معاصی سے کہاں تک پہنچی
درِ محبوب الٰہی سے جناں تک پہنچی

کردیا ہے مجھے مدّاحِ سرور نے نہال　　بدر کی طرح سے پایا میری قسمت نے کمال
ہر سحر یاد بتوں کی جو تھی جنجال　　شکر معبود کا وہ دل سے گئی مثل خیال
لے برہمن تیرے زنار کو توڑا میں نے
تیرے پتھر کے خداؤں کو بھی چھوڑا میں نے

جب سے مداحوں میں سرور کے جگہ ہے پائی　　میں ہوں اور طعن عزیزوں کی ہے اور تنہائی
بارہا یہ دل مردہ سے ہے آواز آئی　　بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
کیا غرض ان کو بہن ہوئے کہ مادر ہوئے
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہوئے

کوئی جل بھن کے حسد سے یہی کرتا ہے سخن　　رام ایسا ہو کٹے اس کی زبان اس کا دہن
کم سنی میں تو یہ ہرگز بھی نہ تھا اس کا چلن　　جب جواں ہونے کو آیا ہے تو سیکھا ہے یہ فن
ہوش آیا ہے تو مدہوشی کی یہ صورت ہے
دیوتا دیکھ کے کہتا ہے کہ یہ مورت ہے

کوئی کہتا ہے یہ انسان نہیں، ہے شیطان کوئی کہتا ہے کہ غارت کرے اس کو بھگوان
کوئی کہتا ہے کہ دھرتی سے مٹے اس کا نشان کوئی کہتا ہے کہ اسلام پہ ہے یہ قربان
رنج پہنچے کسی صورت مجھے، یہ سوچتے ہیں
پانی پی پی کے غرض شام و سحر کوستے ہیں

گاہ دنیا کی ہوا اپنی طرف کھینچتی ہے کبھی باطل کی بلا اپنی طرف کھینچتی ہے
اور محمد کی ولا اپنی طرف کھینچتی ہے کش مکش میں ہوں فنا اپنی طرف کھینچتی ہے
بت کدہ کو کوئی باجور لیے جاتا ہے
لطف ایشور کا کہیں اور لیے جاتا ہے

تو ہے اب فاطمہ زہرا کی کنیز مقبول آئی اتنے میں یہ ہاتف کی صدا نہ ہو ملول
تیرے آزار کی کوشش میں ہیں دشمن فضول اب تو ہے سایہ فگن سر پہ ترے فضلِ رسول
تیری پشتی پہ شہنشاہ ہدیٰ آئیں گے
تیری امداد کو اب شہر خدا آئیں گے

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کو قبول کرنے اور حبِ رسولِ خدا ﷺ کو جاں گزیں کرنے کی وجہ سے اس کو اس طرح کئی افتاد کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے میں فضلِ رسول نے نہ صرف ان کی شاعری پر اصلاح دی بلکہ ان کی پشت پناہی اور ہمت افزائی کی۔ انھوں نے ہی روپ کنوار کا رکھا ہوا نام بدل کر انھیں کنیز فاطمہ زہرا کا نام دیا جسے انھوں نے قبول کرتے ہوئے کہا:

کیا جو روپ نے کایا پلٹ بہ فضل رسول
کنیز فاطمہ زہرا اسے خطاب ملا

روپ کے معاصرین میں معروف شخصیت منوہر لال زتشی کی تھی۔ انھوں نے روپ کو اکبرآباد کی رہنے والی ظاہر کیا ہے اور مسعود حسن ادیب کو ایک خط میں لکھا کہ آگرہ میں پندرہ بیس ہی کشمیری پنڈتوں کے خاندان رہتے ہیں۔ معلوم کیا جائے کہ روپ کا کس خاندان سے تعلق تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے زمانے ہی میں لوگ ان کو کشمیری پنڈتوں کے خاندان سے سمجھتے تھے۔ دستیاب مسودات سے معلوم ہوا کہ فضلِ رسول سے انھوں نے کلام پر اصلاح لی تھی جب کہ مسدس ''بادہ عرفاں'' کے سرورق پر ان کے تعارف میں لکھا گیا، ''محترمہ عالمہ و فاضلہ مس روپ کمار صاحبہ تلمیذ نجم آفندی'' نجم آفندی آگرہ ہی کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ انھوں نے اپنے نام

کی اس نسبت کا کبھی اعلان نہیں کیا البتہ ان کے والد عاشق حسین ہمیشہ بزم اکبرآبادی کہلائے۔ نجم آفندی ۱۹۴۱ء تک آگرہ میں رہے اس کے بعد ترکِ وطن کر کے حیدرآباد دکن چلے گئے تھے۔ روپ کے دورِ شاعری میں وہ آگرہ ہی میں قیام پزیر تھے۔ اس لیے یہ بیان غلط نہیں ہوسکتا کہ وہ تلمیذ نجم آفندی تھیں۔ ان سے روپ کا رابطہ کم رہا ان کا زیادہ تر رجحان فضلِ رسول کی طرف تھا۔

روپ نے اپنے کلام میں ایک ہی نام یا تخلص استعمال نہیں کیا ہے وہ کہیں روپ ہیں کہیں روپ وش، کہیں روپ کنوار ہیں کہیں کنوار، کہیں روپ کمار کہیں روپ کماری، ایک ہی شخصیت کے یہ مختلف عکس ہیں۔

روپ کی آٹھ تصانیف بازیافت کرنے کا سہرا ڈاکٹر تقی عابدی کے سر ہے۔ ان کا تعارفی احوال یہ ہے:

۱۔ مسدس در حال جناب رسولِ خدا	تصنیف	۱۳۳۰ھ/ ۱۹۲۷ء
۲۔ مسدس بادہ عرفانی	تصنیف	جولائی ۱۹۳۱ء
۳۔ مسدس در حال فاطمہ زہرا	تصنیف	اکتوبر ۱۹۳۱ء
۴۔ مسدس در حال امام حسن	تصنیف	تاریخ درج نہیں
۵۔ مسدس در حال ابوالفضل عباس	تصنیف	جنوری ۱۹۳۳ء
۶۔ مخمس تائید ایزدی	تصنیف	تاریخ درج نہیں
۷۔ قطعات حسب فرمائش سماچار عیسیٰ		۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۰ء
۸۔ ساقی گلفام سے (مسدس)		تاریخ درج نہیں
نظم (۱)	تصنیف	اپریل ۱۹۳۵ء
نظم (۲)	تصنیف	تاریخ درج نہیں

ان کی تاریخ تصنیف دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ روپ کا دورِ شاعری بہت مختصر یعنی ۸،۷ سال سے زائد نہ تھا۔ دستیاب شواہد کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصے میں شاعری کی وہ جن نامساعد حالات کی شکار رہیں غالباً انھیں کی وجہ سے وہ آسمانِ شاعری پر جلوہ گر نہ رہ سکیں۔ یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ ان کی جان پر کیا بیتی ہوگی کہ ان کی زبان ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔

روپ کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھی لکھی اور صاحبِ استعداد

تھیں۔ وہ اردو کے علاوہ فارسی اور عربی سے واقف تھیں، مطالبِ قرآنی کو سمجھتیں، قلمات قرآنی کو بے تکلفی سے اشعار میں جائز طور پر استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ مذہب اسلام سے ان کی رغبت انھیں حبِ رسول ﷺ کی ذات کے ذریعے ہوئے وہ حبِ رسول اللہ سے سرشار تھیں اور ہر تصنیف میں ایسے اشعار شامل کیے ہیں جو ان کی تعریف و توصیف میں ہیں۔ ان کے کلام میں المکت لکم، لم یولد، لو لاک لما، لااستکم، انفسنا، ایدیھم وغیرہ جیسے عربی الفاظ اس روانی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ ان سے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ انھیں کے ساتھ ہندی الفاظ بھی کثرت سے ملتے ہیں جیسے ایشور، بھگوان، مہاراج، دیوتا، اوتار، پوتر، ناؤ، رام، ارجن، پرماتما، ماتا، شانتی، جنم، کتھا، سکھ، مکش، بھجن، کھیویا، بچار، دھرم، بھگت، دھرتی، پوجا، سنسار، کھیون ہار، دوارکاشی، گنگا وغیرہ۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ انبیاے سلف ان کی تعلیمات اور ان کے مرتبے کو بھی خوب جانتی ہیں اور ان کو تلمیحات کے طور پر استعمال کر کے اشعار کی معنویت میں اضافہ کرتی ہیں۔

زیرِ نظر مسدس ''در حال جناب رسولِ خدا'' ۱۳۶ر بند پر مشتمل ہے جس کے موضوعات کی تفصیل یہ ہے:

حمد اور ساقی نامہ (مئے توحید) ۲۴ر بند، نعت ۸۴ بند، در حال خود ۱۹ بند، ذکرِ کربلا ۹ر بند چوں کہ روپ کا رجحان اہلِ تشریح کی جانب ظاہر ہوتا ہے انھوں نے مراثی بھی لکھے ہیں اور زیرِ نظر مسدس میں ذکرِ کربلا کے بھی چند بند شامل ہیں اس لیے ڈاکٹر تقی عابدی اس مسدس کو بھی مرثیہ ہی قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ اس میں رثائی کلام بہت کم ہے۔ مسدس کے شاعرانہ عنصر میں غالب کیفیت انبساطی ہے۔ ہمارے خیال میں موضوعات کے تنوع کے مدنظر اسے صرف ''مسدس'' ہی سے کیا جائے تو مناسب ہوگا۔

مسدس میں حمدیہ اشعار کی نوعیت بلاواسطہ نہیں ہے بلکہ مئے توحید کی طلب کے پردے میں خدا کی تعریف کا اظہار ہے۔ اس حصے کو ''ساقی نامہ'' کہا جاسکتا ہے۔ قدیم اساتذۂ سخن نے ساقی نامہ کو قصیدہ کے لازمی جزو کے طور پر استعمال کیا تھا اس میں دل خوش کن مضامین بیان کرنے اور حسنِ بیان کو ظاہر کرنے کے بڑے امکانات ہوتے ہیں۔ یہی کیفیت بہاریہ اشعار کی ہوتی تاکہ ممدوح پر تعریف سننے سے قبل حالتِ نشاط طاری ہوجائے۔ ساقی نامہ اور مغمونی بہار کو لکھنؤ کے مرثیہ گو شاعروں نے اپنے رثائی کلام میں شامل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے

مراثی میں کمال کے ساقی نامے اور بہاریہ اشعار ملتے ہیں لیکن وہ رثائی ادب کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ روپ چوں کہ لکھنؤ کے شاعروں سے متاثر معلوم ہوتی ہیں اور دبستانِ لکھنؤ کے شاعر فضلِ رسول کی شاگرد ہی نہیں بلکہ ان کے مذہبی مسلک سے متاثر بھی ہیں۔ اس لیے انھوں نے ''ساقی نامہ'' ایک سے زائد مسدسوں میں شامل کیے ہیں۔ روپ کے کلام کے اس حصے میں تخیل کی بلندی، مضامین کی ندرت، زبان اور فن پر قدرت کے واضح آثار موجود ہیں۔ وہ توحید کو شراب قرار دے کر اس کی تعریف میں کہتی ہیں:

اس میخانۂ قرآن سے چلا نام شراب تیس خم اس میں ہیں اللہ رے اکرام شراب
سورے شیشے ہیں تو آیت کے نشاں جام شراب سطریں ہیں کشتیِ مئے وقت لیے کام شراب
بعد محشر بھی یہ میخانہ سدا باقی ہے
اسی میخانہ کا ہم نام خدا ساقی ہے

اس کا ہر جام ہے میرے لیے خالص ایماں شیشہ قرآن ہے پیمانہ حروفِ قرآن
تن جو فرقان کو کہیے تو یہ ہے روحِ رواں یہی مئے پی کے بنے حضرت آدم انسان
جس کا ہر گھونٹ نیا لطف دکھلاتا ہے
اس کے پیتے ہی خدا ایک نظر آتا ہے

جس کے چھینٹے سے بنے خلق میں آدم انساں جس کے نشہ میں ملی نوح کو طوفاں سے اماں
جس کی برکت سے سلیماں کو ملا تختِ رواں جس کی تاثیر سے عیسیٰ تھے مسیح دوراں
اس کے اوصافِ جلیلہ کو کہاں تک لکھوں
ختم ہوں گے نہ کبھی ان کو جہاں تک لکھوں

قطرہ جس بادہ کا ہے مظہرِ قدرت وہ شراب رنگ جس پھول کا ہے عین طریقت وہ شراب
ہے جو خم خانہ توحید کی زینت وہ شراب جس کے پینے کی ہے قرآن میں ہدایت وہ شراب
کاسۂ بادۂ توحید ہے ساغر جس کا
ہاں وہی مئے ہو کہ اک قطرہ ہے کوثر جس کا

جس کا پیمانہ ہے پیمانۂ تائیدِ خدا نشہ جس بادہ کا ہے مظہر تحمید خدا
بوندیاں جس کی بنیں گوہر تمجید جس کی قل قل سے نکلنے لگی توحیدِ خدا
پانچ ارکان ہیں اس بادۂ یکتائی میں
میرے ایشور نے پیا ہے جسے تنہائی میں

طلب مئے توحید کی شدت کے اظہار کے بعد روپ نے چند بند واضح طور پر حمد کے بیان کیے ہیں ان میں ایمان کی جامعیت اور بیان کی قدرت پوری طرح آشکار ہے۔

صنعت صانعِ قدرت کا بیاں مشکل ہے — راز قدرت کرے انساں عیاں، مشکل ہے
کس طرح پہنچے وہاں وہم و گماں مشکل ہے — جب تلک ہو نہ پیمبر کی زباں، مشکل ہے
مجھ سے اس وقت بیاں ہوسکے اس کی توحید
یا خدا یا کہ ہو ہم نام خدا کی تائید

دیکھ کر گلشنِ ایجاد کا نقشہ پیہم — متحیر میں ہوئی ہوں صفت نقشِ قدم
نت نئی شان جو یہ پیشِ نظر ہے ہر دم — کیا کہوں میں میرے خالق تری قدرت کی قسم
بس یہی منہ سے نکل جاتا ہے لاچاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

روپ کا ایمان ہے کہ جو معشوق پردۂ زنگاری میں ہے اسی کے نور کا جزو وہ نور ہے جن کا نام پاک محمد ﷺ:

اسی معشوق کے بے نور کا جزو ان کا نور — عالم علم خدا آیت خلاق و غفور
جن کی ہر حال میں ایشور کو ہے خاطر منظور — نام پاک ان کا محمد ہے جہاں میں مشہور
میں نے محبوب خدا خلق میں وہ پایا ہے
شان میں جس کی کہ لولاک لما آیا ہے

اسی کے ساتھ مسدس کے مطلع ثانی کے بعد وہ ذات والا صفات کی ثنا میں رطب اللسان ہوجاتی ہے تو سلاست کے ساتھ جذبات عقیدت و احترام کا سیلاب اُمنڈ آتا ہے۔ سلسلہ کلام اس طرح جاری رہتا ہے گویا شاعرہ کے اظہار کا سیلِ رواں رکنے پر آمادہ نہیں۔ ہر تازہ خیال اور تازہ بند کے بعد گویا وہ صدائے العطش بلند کرتی اور ہل من مزید کہتی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ خوب جانتی ہیں کہ یہ ان کے فرائض میں شامل ہے۔ حضور ﷺ کی ثنا کر کے وہ ان ہی کو خوش نہیں کرتی بلکہ خدا کو بھی راضی کرتی ہے کیوں کہ خدا کو بھی محبوب ہی پسند نہیں بلکہ ذکرِ محبوب بھی پسند ہے۔ اسی لیے وہ کہتی ہیں:

یہ ثنا وہ ہے جو ہے بام سعادت کی کنور — اوج میں عرشِ معلی سے نہیں کم وہ بلند

کھل کے در اس کا در قہرِ خدا کرتا ہے بند   یہ ثنا وہ ہے جو آئی مرے ایشور کو پسند
تجربہ عشق و محبت کا یہ بتلاتا ہے
ذکرِ محبوب سے عاشق کو قرار آتا ہے

روپ کا ایمان ہے کہ حضورﷺ کی ذات وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ آپ کی خاطر دنیا بنائی گئی اور ہر مظہرِ فطرت آپ کی اسی طرح ثناخوانی میں مصروف ہے جس طرح حمدِ خدا کا فرض ادا کر رہا ہے۔

یہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا کبھی قدرت کا ظہور   یہ نہ ہوتے تو زمانہ میں نہ ظلمت تھی نہ نور
یہ نہ ہوتے تو جبل تھے نہ بیاباں نہ بحور   یہ نہ ہوتے تو معطل تھے غرض جملہ امور
یہ نہ ہوتے تو سزاوار ثنا کوئی نہ تھا
گر نہ یہ ہوتے تو محبوبِ خدا کوئی نہ تھا

الغرض فخرِ رسولانِ سلف ہیں احمد   آدم و نوح و سلیماں کے شرف ہیں احمد
جس میں پاکیزہ گہر ہیں وہ صدف ہیں احمد   ناز ہے جس پہ سلف کو وہ خلف ہیں احمد
ناخدا ہیں سببِ خلقِ خدائی ہیں یہی
کل خدائی کی غرض علت نمائی ہیں یہی

آپ بھگوان کے طالب بھی ہیں مطلوب بھی ہیں   اس کے عاشق بھی ہیں معشوق بھی محبوب بھی ہیں
واہ کیا شان ہے راغب بھی ہیں مرغوب بھی ہیں   حسن ہیں عشق ہیں یوسف بھی ہیں یعقوب بھی ہیں
اس نے بے مثل حسینوں میں جو پایا ان کو
اپنا محبوب زمانہ میں بنایا ان کو

نعت متقاضی ہوتی ہے عقیدت اور احترام کے جذبات کی اور عموماً نعت میں انھیں کے اذکار ہوتے ہیں۔ مضامین حسن و عشقِ مجازی شاعری میں زیب دیتے ہیں لیکن روپ کے نعت میں ان کی رنگارنگی ملتی ہے جو احترام کے منافی نہیں معلوم ہوتی۔ اللہ اور رسول اللہ کے درمیان جو رشتہ تھا اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے روپ نے حسن اور عشق کی روایات کا سہارا لیا ہے پھر بھی خدا اور رسول کی عظمت میں فرق نہ آنے دیا۔ عشق کے پہلوؤں پر اظہار کرتے ہوئے جب وہ معراج کے واقعے کا ذکر کرتی ہیں تو اس کو ہجر کا متقاضی بنا کر مضمون آفرینی کرتی ہیں۔ اس بند کو پڑھ کر ان کے ذہنِ رسا کی داد دیجیے:

یا نبی آپ کے اونچے ہوئے کس درجہ نصیب بات پردہ کی ہے معراج کا قصہ ہے عجیب
جو نہ جانے وہ نہ جانے کہ ہے کیا ہجر عجیب فرقتِ دوست میں ہوتا نہیں آرام نصیب
بے ملائے ہوئے محبوب کے چارہ نہ ہوا
ہجر وہ شے ہے خدا کو بھی گوارا نہ ہوا

بلاشبہ آخری مصرع حضرت بزم اکبرآبادی کا ہے۔ روپ نے دیکھیے کس قدر حسین طریقے سے استفادہ کیا ہے کہ مسدس کی انگوٹھی میں نگینہ بن کر رہ گیا ہے۔ حضرت بزم کا شعر ہے:

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

ان مضامین حسن و عشق پر ہلکا سا پرتو ہندی شاعری کا نظر آتا ہے کہ وہ بھی دیوتاؤں کے ساتھ بالخصوص کرشن جی کے ساتھ اسی نوعیت کے جذبات کا اظہار ملتا ہے کہ کرشن جی تو حسن و عشق کی نمائندہ ہستی Symbole مانے جاتے ہیں۔ روپ کے کلام میں ان کا پایا جانا ان کے ماحول کے اثرات کا لازمی حصہ ہوسکتا ہے۔

روپ کے نعتیہ اشعار میں حضورﷺ کا سراپا نہیں ملتا لیکن وہ ان کے حسن کے بیان کو موضوعِ سخن بنا کر نت نئی رنگینیاں پیدا کرتی ہیں جیسے:

ان پہ قربان جہاں سے ہے سو رعنائی جز خدا غیر سے ملنے کی قسم ہے کھائی
اپنے عاشق کے ہیں عاشق سے سوا شیدائی جب تو یہ رُتبہ، توقیر، یہ عزت پائی
حق کی جانب سے حسینوں کے سر آمد ٹھہرے
بلکہ محمود کے ممدوح محمد ٹھہرے

مہ جبینوں کی طرح آپ میں نخوت بھی نہیں اور حسینوں کی سی باتیں نہیں، خصلت بھی نہیں
اپنے عاشق سے کھنچیں آپ، یہ عادت بھی نہیں دل وہ پاکیزہ کہ جس دل میں کدورت بھی نہیں
دل سے ہر ایک سے سلطانِ اُمم ملتے ہیں
حد ہے دشمن سے بھی بالطف و کرم ملتے ہیں

محولہ بالا بند معلوم حقیقتوں کی نفی سے مثبت تاثر ابھارنے کی نادر مثال ہے اس میں براہِ راست حضور کی صفات بیان کرنے کے بجائے نیا طرزِ اظہار ایجاد کیا ہے۔ اسی طرح شاعری کا ایک طریقِ بیان یہ بھی ہے کہ عاشق اور معشوق کے درمیان ایک ناگوار کردار رقیب کا ہوتا ہے

لیکن یہاں صورتِ حال مختلف ہے خداوند تعالیٰ عاشقِ رسول ﷺ ہے اسے وہ لوگ پسند ہیں وہ اسی کی طرح عشقِ رسول ﷺ میں مبتلا ہیں گویا اللہ کی رقابت سے انسانی مرتبہ بلند ہو جاتے ہیں اس مضمون آفرینی کے اندازِ بیان کو ملاحظہ کیجیے:

چاہے محبوبِ خدا کو کوئی، کس کا ہے نصیب　　　حسن اور عشق کے دفتر میں یہ قصہ ہے عجیب
غیر محبوب کو چاہے تو ہے دشمن کے قریب　　　ان کے عاشق کو مگر بھاتے ہیں خود اپنے رقیب
جب یہ حالت ہے تو ایشور کے رقیب اچھے ہیں
اس بنا پر تو کنواری کے نصیب اچھے ہیں

شاعری میں حضرت یوسف کو حسن کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ روپ اس کے برخلاف حضور کے حسن کو حسنِ یوسف پر ترجیح دیتی ہیں تو اس کے لیے شاعرانہ دلیل سے ہی کام نہیں لیتیں بلکہ اس دلیل پر ایمان کی مہر بھی لگا دیتی ہیں:

سنتی ہوں سارے حسینوں میں تھے یوسف یکتا　　　پر میں کہتی ہوں کجا حضرت، یوسف کجا
وہ تھے مطلوب زلیخا، تو یہ محبوبِ خدا　　　اے زہے حسنِ نبی صلی علیٰ صل علیٰ
اشرف الخلق ہیں یہ مالک تقدیر ہیں یہ
حق کے محبوب جو ہیں نور کی تصویر ہیں یہ

مسدس کا ہر بند خیال اور بیان کی ندرت لیے ہوئے ہے ان کی تشریح و توضیح کے لیے دفتر چاہیے اور استحسان کے لیے ذوق وشوق۔

مضمون آفرینی، پروازِ خیال اور قدرتِ بیان کے لیے ایک مضمون حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونا بھی ہے۔ اکثر شاعروں نے اس مضمون پر طبع آزمائی کی ہے اور ایسے عقلی اور شاعرانہ دلائل سے کام لیا ہے۔ قاری محوِ حیرت رہ جاتا ہے۔ روپ نے اس مسدس میں کئی بند نئے نئے دلائل اور توجیہات کے ساتھ پیش کر کے حسنِ تعلیل کی مثالیں قائم کی ہیں۔ ملاحظہ ہوں چند بند:

لوگ کہتے ہیں کہ ہے آپ کا سایہ معدوم　　　پر میں اب کھولتی ہوں رازِ خدائے قیوم
چارسُو خلق میں سایہ کے نہ ہونے کی ہے دھوم　　　لو بتاتی ہوں تمھیں میں جو ہے مجھ کو معلوم
قولِ قرآں کا یہ ظلِ الٰہی ہیں حضور
اب تو ثابت ہوا یہ نور کا سایہ بھی ہے نور

مسدس در حال جناب رسول خدا

سایہ کے ساتھ جو سایہ کی طرح ذہن گیا جستجو کرنے میں تب سایہ کی پردہ یہ کھلا
آپ کے سایہ کو وحدت سے جو تھا حسن ولا اس لیے ہجر تھا مشکل، ہوا دم بھر نہ جدا
جاسکا نور الٰہی سے نہ ہٹ کر سایہ
رہ گیا جسم منور سے لپٹ کر سایہ

پشت خورشید کی اس سمت ہے سنتی ہوں یہی جب یہ صورت ہے تو ظاہر ہے کہ تھی گستاخی
اس لیے ابر تھا حائل نہ ہو بے ادبی مرحبا سیّد مکی، مدنی العربی
فرق انور پہ جو رحمت کا تھا بادل چھایا
یہ سبب تھا جو کسی نے بھی نہ پایا سایا

ایک سبب اور یہ سایہ کے نہ ہونے کا کھلا یعنی جب حق نے انھیں خلق کی جانب بھیجا
درد تھا دل میں جو اُمت کے گنہ گاروں کا خود یہاں آگئے سایہ کو وہاں چھوڑ دیا
اُمتی حشر میں جب گرمی سے گھبرائیں گے
دیکھ لینا اسی سایہ میں اماں پائیں گے

یہی سایہ دلِ مومن کا ہے یقیناً سرور اس کو سایہ کہوں یا آنکھ کے پردہ کا ہے نور
ماشاء اللہ کہوں کیوں نہ میں چشم بدور غور کرتی ہوں تو کہتا ہے یہی صاف شعور
آمنہ بی بی کی قسمت کا ستارہ کہیے
ان کو نورِ نظر، مریم و سارا کہیے

پایا سایہ کو زمینوں میں نہ بالائے فلک ڈھونڈتا پھرتا ہے خورشید اسے آج تلک
چشمِ مردم سے ہمیشہ رہی اس کو چشمک ہوتا سایہ تو تعجب کا محل تھا بے شک
نور جس ماہ کا تا عرش بریں چھایا ہو
اس کا کیا سایہ جو بھگوان کا خود سایا ہے

اور اب نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے چند منتخب بند ملاحظہ فرمایئے:

معدن خلق و کرم مطلع الطاف و عطا گہر قلزم رحمت ہیں دُر بحرِ سخا
افتخارِ دوجہاں، زیب دہ عرش علا حامل وحیِ خدا، ہادیٔ دین، رہ نما
مرتبہ آپ کا بھگوان سے پوچھے کوئی
آپ کی شان کو قرآن سے پوچھے کوئی

فخرِ آدم، سببِ نازشِ عیسیٰ و کلیم　　باعث زینتِ کعبہ، شرفِ ابراہیم
بعد ایشور کے ہے ذات آپ کی ہر شے سے قدیم　　کردیا آپ کو بھگوان نے سب کچھ تعلیم
دلبری دے کے صباحت دی ملاحت بخشی
آپ شیدا ہوا وہ چاند سی صورت بخشی

آپ ایشور کے ہیں ایشور کی مشیت ان کی　　ہادیوں سے کہیں افضل ہے ہدایت ان کی
بڑھ گئی سارے رسولوں سے رسالت ان کی　　ختم آخر ہوئی خود ان پہ نبوت ان کی
ان سے بہتر کوئی دنیا میں شریعت نہ رہی
آپ کے بعد نبوت کی ضرورت نہ رہی

یہ عقیدہ میرا بچپن سے ہے ایشور کی قسم　　باعثِ خلقتِ آدم ہیں محمد کے قدم
ان کے آگے تو مسیحا بھی نہیں مارتے دم　　ان کا وہ گھر ہے جو گھر نہیں فردوس سے کم
منزلت آپ کی کونین میں سب کرتے ہیں
ان کا وہ در ہے ملک جس کا ادب کرتے ہیں

ان پر مر جانے کو سمجھی ہوں حیاتِ ابدی　　یہی ہادی، یہی رہبر ہیں دلا فہمیدی
وہ کیا کہہ گیا حضرت کی ولا میں قدسیؔ　　مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں تم پہ ہو قربان مدینہ والے
اہلِ دل بادۂ الفت کے ہیں پینے والے

نیک خو، صاف زبان، پاک بیان، خوش اوقات　　حرف حرف ان کے ہیں قرآن مبین کی آیات
سارے بھگوان کے بندوں میں رفیع الدرجات　　ان کے آگے ہو کبھی یوسف مصری سے نہ بات
ان کی باتوں میں بھی اعجاز مسیحائی ہے
رام بھگوان ہوا ہے وہ زباں پائی ہے

یہی اخلاق کے بانی ہیں مروت سے ہیں پُر　　معرفت حق کی ہے کیا ان سے سمجھ لے کوئی گر
قلزم رحمت خلاق کے پاکیزہ ہیں دُر　　کس قدر ان کی ثنا کرتا ہے خود پرمیشور
بخش دیں خلد بریں آپ کو ہم ایسے ہیں
ان پہ رحمٰن کو ہے ناز رحیم ایسے ہیں

مثل بھگوان کے مشکل ہے غرض ان کی ثنا مصدر وحیِ خدا، ہادیِ دیں، راہ نما
صاحبِ خلق و کرم، فخرِ رسولانِ ہدا مالکِ ہر دوسرا، تابع احکامِ خدا
طالبِ حسنِ ازل سے تھے تو مطلوب ہوئے
انتہا ہوگئی بھگوان کے محبوب ہوئے

دستِ قدرت نے انھیں نور کا پیکر بخشا خود جو مفرد تھا تو محبوب بھی بس فرد ہوا
بے بدل دیکھ کے تصویرِ نبی کا نقشا اپنے مصنوع پہ خود ہوگیا صانع شیدا
صدر ایجاد کی محفل کا بنایا ان کو
تاج بخشش کا دوعالم کی پہنایا ان کو

جس طرح رُباعی کا آخری مصرع اس کی جان ہوتا ہے اسی طرح مسدس کے پانچویں اور چھٹے مصرعے جاندار ہونا چاہیے۔ پورے بند کی معنویت اور بیان کا حسن ان مصرعوں کی وجہ سے دل نشین ہوجاتا ہے۔ اسے ڈراما کے فن سے مماثلت دی جاسکتی ہے۔ ڈرامے میں نکتۂ عروج کے بعد یک لخت مخالف نکتۂ عروج ظاہر ہوکر ڈراما کی مقصدیت کو پورا کرتا ہے اسی طرح مسدس میں پہلے چار مصرعے ڈرامے کے پلاٹ کی طرح ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے عروج اور مخالف عروج کا کام کرکے بند کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔ روپ اس تکنیک کو چابک دستی سے استعمال کرنے پر بند کی مقصدیت ظاہر کردیتی ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

خالی وحدت سے شریعت میں مزا کچھ بھی نہ تھا یہ نہ ہوتے تو حقیقت میں مزا کچھ بھی نہ تھا
کبھی بے وحی یہ غنچہ نہ زباں کھولتا تھا
گویا محبوب کے پردے میں خدا بولتا تھا

گم نہ میں مجمع محشر میں کہیں ہوجاؤں ڈھونڈ لینا مرے سرکار جو میں کھو جاؤں
جلوہ مہر کو ضو ان کی چھپا دیتی ہے
چاندنی آپ کے بچھ بچھ کے قدم لیتی ہے

کیا ثنا اس کی کوئی خلق میں کرسکتا ہے جس کا منھ دیکھ کر آئینہ بھی منھ تکتا ہے
تجربہ عشق و محبت کا یہ بتلاتا ہے
ذکر محبوب سے عاشق کو قرار آتا ہے

صبح سب طاعتِ خلاق ادا کرتے ہیں　　غنچے کھل کھل کے محمد کی ثنا کرتے ہیں
اب زباں رُکتی ہے میری نہ قلم رُکتا ہے
چپ رہوں وصف محمد میں تو دم رُکتا ہے

(یہ مضمون روپ کنوار اور ان کے نعتیہ کلام کے تعارف کے طور پر لکھا گیا ہے اسے موضوع کے لحاظ سے تکمیل کی صورت نہیں کہہ سکتے۔ شاعرہ کے احوال اور کلام ہنوز بازیافت کی منزل میں ہے۔ اس سلسلے میں اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ ہماری معلومات میں اضافہ اور ادب کی خدمت کی خاطر اس میں وہ اضافہ ہوسکتا ہے اس سے دریغ نہ کریں اور ضروری معلومات سے بذریعہ مدیر "نعت رنگ" ڈاکٹر تقی عابدی (ٹورنٹو) یا راقم الحروف (ڈیلاس) کو مطلع فرمائیں)

☆

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

غیر مسلم نعت گو شعرا کا قبولیتِ اسلام سے گریز

اخفائے حق، مصلحت، مجبوری یا محض جذبۂ حصولِ شہرت

سلطانِ دو عالم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ محسنِ انسانیت ہیں۔ آپ کے احسانات کے سامنے بزمِ عالم کی جبیں خم ہے۔ ایشیا کی عبادت گاہوں میں، افریقا کی مساجد میں، یورپ ے فکری مراکز میں آپ کا اسمِ گرامی تاریخِ عالم کے سب سے بڑے نجات دہندہ کی حیثیت سے گونجتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے تو اپنے اغیار بھی آپ کی شان میں رطب اللسان ہیں۔ اسلام سے انتہائی متعصبانہ رویہ رکھنے والوں کو بانیِ اسلام کی لافانی عظمتوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنا ہی پڑتا ہے۔ آج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی واحد شخصیت ہے جس پر نثر نگاروں کے علاوہ مختلف مذاہب کے پیروکار شاعروں نے بھی شعری اسلوب میں حسنِ عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ بعض مقامات پر تو ان غیر مسلم نعت گو شعرا کا جذبۂ عقیدت اور ذوقِ نعت گوئی مسلم شعرا سے بھی بلندتر نظر آتا ہے۔ یہ بلاشبہ رحمتِ خداوندی ہے جو مقاماتِ مصطفیٰ کو ہر آن سربلندیاں عطا فرما رہی ہے۔

اغیار کی زبانی حضور ﷺ کی تعریف و توصیف عصرِ حاضر کا ہی افتخار نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ ظاہری میں بھی کفار اپنی تمام تر دشمنی اور معاندانہ سرگرمیوں کے باوجود آپ کی امانت و دیانت اور صدق گوئی کے قائل تھے بلکہ بعض تو حضور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور نظر چرا کر گزر جاتے تھے کہ اگر جناب محمد مصطفیٰ کی نگاہِ کریمانہ ان پر پڑ گئی تو ان کے لیے اسلام قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہے گا۔ ابوسفیان کا قیصرِ روم کے دربار میں مکالمہ اس کی ایک روشن مثال ہے۔ یہ طرفہ تماشا تھا کہ کفار ایک طرف تو نبی کریم پر عرصۂ حیات تنگ کر رہے تھے اور دوسری طرف دل کی گہرائیوں سے آپ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی نہیں

شرماتے تھے۔ دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص کسی کے بس کی بات نہیں۔ قدرت نے جس کے سر پر ''ورفعنا لک ذکرک'' کا تاج رکھ دیا ہو اس کی توصیف کیے بغیر زندگی کا قافلہ دو گام بھی نہیں چل سکتا۔ اور یہ ربِ دو عالم ہی کا کرم ہے کہ:

مدحتِ شافعِ محشر پہ مقرر رکھا
میرے مالک نے مرے بخت کو یاور رکھا
جس کسی نے بھی کبھی شان میں گستاخی کی
ابد آباد تک اس شخص کو ابتر رکھا

غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی اور انتہائے عقیدت کے ساتھ مدحتِ حضور دیکھ کر ایک صاحبِ ایمان کے دل میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ اگر یہ غیر مسلم شعرا خلوصِ نیت سے مدحتِ مصطفیٰ کر رہے تھے اور حضور نبی کریم کی تعریف و توصیف ان کے دلوں کی گہرائیوں سے ابھر رہی تھی تو پھر انھوں نے اسلام قبول کیوں نہ کرلیا؟ نعت جب محبتِ رسول کے آداب سکھاتی ہے تو پھر حضور کے دامانِ اسلام میں پناہ لیے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہوتا، اس لیے ان غیر مسلم نعت گو شعرا کی نعتیہ شاعری حقیقت پر مبنی تھی یا ان کا مقصود فقط ادبی و شعری بڑائی کا اظہار تھا؟... اور اسلام قبول نہ کرکے یہ غیر مسلم نعت گو منافقت اور ریاکاری کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

غیر مسلم نعت گو شعرا کی نعت گوئی اور ان کے اسلام نہ قبول کرنے کو دوعملی اور منافقت قرار دینے والے ان شعرا سے انصاف نہیں کر رہے۔ اگر آپ ان کے اسلام قبول نہ کرنے کا خیال چند لمحوں کے لیے دل سے نکال دیں اور یہی سوچیں کہ اگر غیر مسلم شعرا ہمارے نبی کریم کی صفت و ثنا بیان کر رہے ہیں تو اس سے ہمارے آقا و مولا کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں ہم تو رام چندر، بدھ یا گورو نانک کی توصیف کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ ان غیر مسلم شعرا کے پیشِ نظر بھی کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ تو میرے حضور کی جامع الصفات جلوہ گری ہے کہ جو دیکھتا ہے، بے اختیار آپ کی توصیف میں رطب اللسان ہو جاتا ہے۔ غیر مسلم نعت گو شعرا کو دوعملی یا منافقت کا طعنہ دے کر ہم صفت و ثنائے حضور کا دامن تنگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

چند برس پیشتر امریکا کے ایک متعصب مصنف ڈبلیو ایچ ہارٹ نے ''دی ہنڈرڈس'' کے نام سے ان سو عظیم شخصیات کے خصائص قلم بند کیے جنھوں نے ابتدائے آفرینش سے اب

تک زمانے کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ اس فہرست میں اس نے سب سے پہلا نام پیغمبرِ اسلام ﷺ کا رکھا ہے۔ اسے ہم دو عملی یا منافقت نہیں کہہ سکتے۔ دنیا بھر کے مسلم پریس نے اسے مصنف کی حق شناسی، حق گوئی اور صداقت شعاری کے ساتھ ساتھ آقائے دو عالم ﷺ کی لازوال شخصیت کی تاثر انگیزی سے تعبیر کیا۔ غیر مسلم شاعروں، ادیبوں اور دانش وروں کی طرف سے پیغمبرِ اسلام کی مدحت سرائی دراصل اعترافِ عظمت ہے۔ اور اعترافِ عظمت کا سب سے حسین نمونہ یہی ہے کہ اغیار کی زبانیں اور ان کے قلم بے اختیار ثنائے مصطفیٰ کے لیے مچلنے لگیں۔

کوئی بھی غیر مسلم شاعر جب نعتِ مصطفیٰ کے گلاب بکھیرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر جمالِ مصطفیٰ کی رعنائیاں اور سیرتِ حضور کی تابانیاں ہوتی ہیں۔ تاریخ اس کے سامنے اپنے حقایق بے نقاب کردیتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ محمد ﷺ کیسے بے مثال انسان تھے کہ ان کے مخالفین اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ان کی ذات میں معمولی سا عیب اور نقص بھی تلاش نہ کرسکے۔ ان کی سیرت ہر قسم کے عیوب سے مبرا اور جملہ انسانی خصائص و کمالات کا منبع تھی۔ اتنا سوچتے ہی اس کی شعری صلاحیتیں بارگاہِ سرورِ کونین میں نچھاور ہونے لگتی ہیں۔ جب وہ نعت لکھتا ہے تو اس کے دل پر حضور سلطانِ دو عالم کی صورت و سیرت کی جلوہ گری پوری شدت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب وہ نعت لکھ کر اپنے گرد و پیش پر ایک نگاہ دوڑتا ہے تو اسے یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوتی ہے کہ وہ مسلمان جو بات بات پر محبتِ رسولِ خدا کا دعویٰ کرتے ہیں، اسوۂ حضور ﷺ سے کس قدر دُور ہٹ گئے ہیں! وہ دیکھتا ہے کہ یہ اس قوم کے فرزند ہیں جس نے قیصر و کسریٰ کے تخت کو پارہ پارہ کردیا تھا۔ ہماری زبوں حالی، بے عملی، ریاکاری، تصنع اور مذہبی دکھاوا اسے سخت مایوس کرتا ہے اور وہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ کہیں اسلام قبول کرکے میں بھی ان نام نہاد عشاقِ مصطفیٰ کی طرح ریاکار مسلمان نہ بن جاؤں۔ ہم اس کی منافقت کا ڈھنڈورا کیوں پیٹیں، الٹا ہماری منافقت اس غیر مسلم شاعر کے اسلام کی جانب بڑھتے ہوئے قدم روک دیتی ہے اور وہ سوچتا ہے کہ ان حالات میں، میں اسلام قبول کرکے دنیائے اسلام میں ایک اور ریاکار مسلمان کا اضافہ کرنے کا موجب بنوں گا۔

ہم اپنی زبان سے اسلامی مساوات و اخوت کے دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر ہمارا عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ جب کوئی غیر مسلم دامانِ اسلام میں پناہ لیتا ہے تو ہم تمام زندگی اسے تو ''دین دار'' اور ''نومسلم'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسلام کے دامن میں آنے والا اپنا خاندان،

حسب نسب، جائیداد سب کچھ چھوڑ کر آتا ہے مگر ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی نہ تو ہم اسے معاشرتی زندگی میں اپنا ہم پلہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی کوئی مسلمان اس نومسلم کے ساتھ خاندانی مراسم قائم کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ نومسلم بعض حالتوں میں اپنے بیوی بچے چھوڑ کر آتا ہے، مگر نام نہاد مسلمانوں میں سے نہ تو کوئی اسے رشتہ دیتا ہے اور نہ ہی رشتہ لیتا ہے۔ ہم حضور نبی کریم ﷺ کے اس قائم کردہ بھائی چارے کو فراموش کردیتے ہیں جب آپ نے مدینہ تشریف لاتے ہی انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ اب غیر مسلم نعت گو کس امید پر ہماری معاشرتی زندگی کا حصہ بنے گا۔ کیا ہم اسے اچھوتوں سے بدتر نہیں سمجھیں گے۔ ہماری یہی اسلام دشمن روش ہے جس کی بدولت بہت سے غیر مسلم اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اپنے سابقہ مذہب میں واپس لوٹ جاتے ہیں۔ غیر مسلم شعرا میں دلو رام کوثری کا نام بہت ممتاز حیثیت رکھتا ہے جو زندگی کے آخری دور میں مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے مگر ان کا ہم نے کیا حشر کیا۔ ہمارے معاشرے نے انھیں ذہنی طور پر قبول نہ کیا۔ اپنے مذہب اور سوسائٹی سے وہ کٹ چکے تھے جب کہ ہماری سوسائٹی انھیں اپنا حصہ سمجھنے پر تیار نہ تھی۔ شاعری کی حد تک تو مسلمانوں نے داد دینے میں بخل سے کام نہ لیا مگر جب عملی معاشرتی زندگی میں اس محترم نعت گو شاعر کو اپنانے کا وقت آیا تو ہم ہچکچاہٹ اور تردّد کا شکار ہوگئے۔ کیا کوثریؔ اسلامی رشتے سے ہم جیسا نہیں تھا؟ وہ تو ہم سے بہت بہتر تھا کہ اس نے اپنی مرضی سے اسلام کا انتخاب کیا تھا۔ مگر ہم نے اسے کیا دیا؟ اکیلا پن، محرومیاں، گوشہ نشینی۔ کوثریؔ کی زندگی کے آخری ایام اس حسرت ناک جذبے کی تفسیر بن کر بسر ہوئے کہ:

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

جب ہم نے اسلامی عالم گیر مساوات و اخوت کو عملی زندگی سے یکسر خارج کردیا ہے اور اپنی کوتاہ فکری کے سبب اسلامی تبلیغ کی یلغار کو خود ہی روک دیا ہے تو پھر غیر مسلم نعت گو شعرا سے گلہ کیوں؟ کہ وہ نعت تو کہتے ہیں مسلمان کیوں نہیں ہوتے! وہ کس امید پر مسلمان ہوں؟ کیا ہماری نظروں میں ''شودر'' جیسا درجہ اختیار کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ وہ جس مقام پر ہیں، اسی مقام سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں۔ حضور نبی کریم کو ان کا خراجِ عقیدت نہ تو ہم پر احسان ہے اور نہ ہی قرض ہے کہ جس کی ادائگی ہم سے

نہ ہو سکے۔ یہ تو میرے آقا و مولا ﷺ کا کرمِ خاص ہے کہ جسے چاہا اپنا بنا لیا اور جسے چاہا اذنِ نعت گوئی عطا کر دیا۔ اگر میرے آقا غیر مسلموں کی زبان سے اپنی توصیف سن کر خوش ہوتے ہیں یا خدائے محمد غیر مسلموں کو نعت گوئی کی توفیق عطا کر کے اپنے محبوب کی عظمت و سربلندی کا حصار مستحکم سے مستحکم تر کر رہا ہے تو اس میں ہمارے لیے تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ تو جنابِ مصطفیٰ اور خدائے مصطفیٰ کا فیصلہ ہے کہ:

جسے چاہا در پہ بلا لیا، جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسان جس سے متاثر ہوتا ہے اسی کی ثنا گوئی کرتا ہے۔ میرے آقا کی شخصیت اتنی ہمہ گیر، جامع الصفات اور مجمع الخصائل ہے کہ جب کوئی صاحبِ فکر تعصب کی گرد سے پاک ہو کر آپ کی سیرت اور شخصیت کے فکری خدوخال کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا غیر معمولی حد تک متاثر ہونا ایک فطری امر ہے۔ میرے حضور ﷺ کی یہی جامعیت اور ہمہ گیری غیر مسلموں کو متاثر کر گئی۔ آپ کی مساوات، اخوت، صلۂ رحمی، خون کے پیاسوں کو بخششِ عام، انسانی خون کی حرمت، بین الاقوامی اخوت کا پیام۔ جب ذات پات کی تفریق کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے غیر مسلم شعرا کو پیغمبرِ اسلام کی صورت میں پیغمبرِ انقلاب کی جلوہ گری نظر آتی تو ان کا قلم بے اختیار ثنائے حضور پر مجبور ہو گیا۔ مگر متاثر ہونا اور بات ہے اور ایمان لانا اور بات ہے۔ عشقِ مصطفیٰ وہ دولت ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ غیر مسلم شعرا نے جس قدر آگے بڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لکھا ہے اس پر ہمیں ان کا ممنون ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ ان نام نہاد مسلم دانش وروں سے اچھے ہوں جو فقط نام کی حد تک مسلمان ہیں اور جنھوں نے زندگی میں بھول کر بھی سیرتِ مصطفیٰ کا مطالعہ نہ کیا اور جنھیں قرآنِ مجید سے کارل مارکس کا فلسفہ زیادہ عزیز ہو۔

آبا و اجداد کا مذہب چھوڑنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ اس کے لیے جانی، مالی، بدنی، مادی اور روحانی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ تمام رشتے منقطع کرنے پڑتے ہیں۔ ایک نئی ان دیکھی دنیا کی جانب سفر کرنا معمولی بات نہیں ہوتی۔ ہندومت کا عفریت اس قدر ہول ناک ہے کہ آج کے جمہوری اور آزاد فکر ماحول میں بھی یہ کسی کو اپنے چنگل سے نکلنے نہیں دیتا۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان غیر مسلم نعت گو شعرا نے اس عفریت کے چنگل سے نکلنا چاہا ہو مگر اس کی تباہی و ہول ناکی نے ان کے حوصلے پست کر دیے ہوں۔ ہر آدمی سیّدنا بلالؓ جتنا اولوالعزم، بہادر اور مستقل مزاج تو

نہیں ہوتا کہ زمانے بھر کے شداید برداشت کر کے بھی دامانِ مصطفیٰ سے وابستگی کا دعویٰ کرے۔ ہم حسنِ ظن سے کام لے کر کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے ان غیر مسلم اصحابِ شوق نے بھی اسلام کے دامن میں آنا چاہا ہو مگر اپنے مذہبی اور سیاسی پنڈتوں کے خون آشام عزائم دیکھ کر ان کی ہمت جواب دے گئی ہو۔

اور پھر ان شعرا میں بعض ایسے تھے جو زندگی بھر نعتِ رسول لکھتے رہے۔ انھوں نے اپنے اپنے مذاہب کے بارے میں بھی نظم میں بھی کچھ لکھا مگر نعتِ مصطفیٰ سے اپنا ناتا نوٹنے نہ دیا۔ جبکہ بعض ایسے غیر مسلم شعرا بھی تھے اور ہیں جنھوں نے چند نعتیں ہی کہی ہیں۔ وہ غیر مسلم نعت گو شعرا جو زندگی بھر نعتِ رسول ﷺ رقم کرتے رہے، ان شعرا کے مقابلے میں عشقِ حضور کی دولت سے زیادہ بہرہ ور تھے جنھوں نے دو چار نعتیں ہی کہیں اور وہ بھی دیکھا دیکھی یا ادبی ذوق کی تسکین کے لیے۔ ہمارے پاس دلوں کے گداز کو ماپنے والا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زندگی بھر نعتِ رسول کا پرچم لہرانے والے اسلام کے نہایت قریب آگئے ہوں۔ جب تک سینے کے اندر عشقِ مصطفیٰ اپنی پوری شدت کے ساتھ موجزن نہ ہو نعت کا حق ادا نہیں ہوتا اور پھر ان غیر مسلم شعرا میں سے بعض نے تو اس قدر گداز آفریں نعتیں کہی ہیں کہ محبتِ رسول کو سرمایۂ حیات سمجھنے والے مسلم شعرا بھی تڑپ اٹھتے ہوں۔ کیا معلوم کہ ان غیر مسلم نعت گو شعرا کے سینوں میں شمعِ عشقِ رسالت توحید کا نور پھیلا چکی ہو اور وہ اس کے اظہار سے ڈرتے ہوں یا جھجکتے ہوں۔ اور یہی جھجک ان کے اعلانِ حق کی پردہ پوش بنی رہی ہو۔ ہم ہر غیر مسلم نعت گو کو اس معیار تک نہیں لے جاسکتے لیکن بعض شعرا کا قلم جس شانِ عقیدت سے عشقِ مصطفیٰ کے جواہر لٹاتا رہا، اسے دیکھ کر ایسا سوچنا محض حسنِ ظن نہیں بلکہ حقیقت کے کسی حد تک قریب بھی ہے کیوں کہ بعض اوقات خوب صورت حقائق حسنِ ظن کی کوکھ ہی سے جنم لیتے ہیں۔

یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ غیر مسلم شعرا اس کثرت اور تیزی کے ساتھ نعت گوئی کی طرف کیوں کر مائل ہوئے! اس ضمن میں پہلا حوالہ خود سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جس کے کردار کی سربلندیوں نے اپنوں کے ساتھ ساتھ اغیار کو بھی اسی شدت کے ساتھ متاثر کیا۔ تاریخِ انسانیت سب کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ جب غیر مسلم دانش ور اور محققین تعصب سے پاک ہوکر بانیِ اسلام ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس معاملے میں انھیں اور کوئی شخصیت آپ کے برابر کھڑی نظر نہیں آتی، حتیٰ کہ انھیں اپنے آئیڈیلز بھی نبی کریم کی ذاتِ

گرامی سے ہیچ نظر آنے لگتے ہیں اور ان کے ذہن و ضمیر بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسوۂ محمدی ہی وہ منارۂ نور ہے جس سے پھوٹنے والی روشنی اقوامِ عالم کو ابد تک متاثر کرتی رہے گی۔ اس مقام پر پہنچ کر ان شعرا کا قلم بے اختیار مدحتِ مصطفیٰ کے آداب اختیار کر لیتا ہے۔ یہ غیر مسلم اسلام قبول کریں یا نہ کریں ان کے ذہن و فکر کا نبی کریم ﷺ سے متاثر ہونا اور اسلام اور بانیِ اسلام کی مدحت کیے جانا، دراصل اسوۂ حضور سے تاثر انگیزی کی روشن ترین مثال ہے۔ قدرت غیر مسلموں کے قلم سے مدحتِ مصطفیٰ کے انوار لٹا کر دراصل اہلِ ایمان کو حقیقتِ محمدی سے آشنا کرنا چاہتی ہے کہ محبوبِ دو جہاں کی توصیف فقط اہلِ اسلام تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اسی ضمن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ غیر مسلم شعرا نبی کریم ﷺ کی مدحت نگاری کی طرف مائل کیوں کر ہوئے! اس کے کئی اسباب ہیں: تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں اسلام صوفیاے کرام کی تبلیغی اور اصلاحی کاوشوں کی بدولت پھیلا ہے۔ ان صوفیاے کرام کی تعلیم: محبت، خلوص اور شفقت و عنایت پر مبنی تھی۔ یہ بے سرو سامان اللہ والے فقط رحمتِ ایزدی کے سہارے دُور دراز کے علاقوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بناتے تھے۔ ان کے کردار میں اس قدر محبت کی چاشنی ہوتی تھی کہ عصیاں شعار ان کے دامانِ کرم سے وابستگی پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ان حجرہ نشینوں اور خرقہ پوشوں کے دربار میں ہر مذہب و ملت کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ اگر یہ اپنے دامانِ کرم کو محدود کر لیتے تو تبلیغِ اسلام کا تیزی سے پھیلتا ہوا دھارا محدود تر ہو جاتا۔ ان صوفیا و مشائخ کی بارگاہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی حاضر ہوتے۔ بعض تو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے اور جو اسلام قبول نہ کرتے وہ بھی ان صوفیائے کرام کی عقیدت میں اس حد تک آگے چلے جاتے کہ انھیں ان صوفیا کے ملجا و ماویٰ حضور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات بے حد محترم و محتشم نظر آتی اور ان کا قلم بے اختیار صفت و ثناے حضور کے جواہر لٹانے لگتا۔

صوفیاے کرام سے غیر مسلموں کی عقیدت بھی تاریخِ تصوف کا روشن باب ہے، ان صوفیاے کرام کا دل سب کے لیے کشادہ تھا۔ اس لیے اہلِ اسلام کے پہلو بہ پہلو، ہندو سکھ وغیرہ بھی ان مشائخ کی بارگاہ میں حاضری دیتے اور ان کے کردار سے اثر پذیر ہوتے رہے۔ اس ضمن میں ان غیر مسلم شعرا کے مسلم صوفیا کی شان میں کہے ہوئے مناقب بھی انفرادی شان رکھتے ہیں۔

ان صوفیائے کرام سے غیر مسلم حضرات کی قلبی وابستگی صرف ان کی زندگی تک ہی محدود نہ رہی بلکہ جب یہ صوفیا و مشائخ آسودۂ لحد ہو گئے تو یہ غیر مسلم اسی طرح ان کے اعراس کی تقاریب میں شامل ہوتے رہے جس طرح مسلمان شمولیت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ تقسیم برصغیر سے قبل تک جاری رہا۔ اب بھی ہندوستان میں حضراتِ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاؒ، خواجہ سلیم چشتیؒ، امیر خسروؒ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ سمیت بے شمار مسلم صوفیائے کرام کے مزارات پر غیر مسلم بھی پورے ذوقِ عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ ان کی حاضری کے اسی تواتر نے انھیں نعت گوئی کا سلیقہ عطا کیا، انھیں یہ امر نہایت مرغوب تھا کہ جس محترم درویش کی بارگاہ میں حاضر ہوں، اس کے ممدوحِ اعظم ﷺ کی مدحت کریں کیوں کہ انھیں پختہ یقین تھا کہ ان کی نعت گوئی ان محترم صوفیائے کرام کے نزدیک مستحسن تر اور محبوب تر ٹھہرے گی۔

پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ جب شاعر فنِ شاعری میں اپنی صلاحیتوں کا جادو جگاتا ہے تو وہ اپنے دور کی مروّجہ جملہ اصنافِ سخن کا جائزہ لیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ تمام اصنافِ سخن میں اپنی حیثیت کو مستند بنانے کی سعی کرے۔ اسی لیے جب غیر مسلم شاعر شاعری کے میدان میں آگے بڑھتا ہے تو تمام اسالیبِ سخن کے حوالے سے اپنے فن کا ظہور چاہتا ہے۔ تاریخِ ادب میں ایسے بے شمار نام محفوظ ہیں جنھوں نے غزل، نظم، مسدس وغیرہ کے ساتھ ساتھ نعت، مرثیہ اور منقبت میں بھی طبع آزمائی کی۔ ہم ان تمام غیر مسلم شعرا کی ترجمانی تو نہیں کر رہے ہیں لیکن ان میں سے ایک بہت بڑا گروہ ایسا تھا جو دوسروں کی دیکھا دیکھی نعت میں اس لیے طبع آزمائی کر رہا تھا کہ نعت صنفِ شاعری کے طور پر ایک تحریک بن چکی تھی اور شاعر اسی کو سمجھا جاتا تھا جو کسی بھی صنفِ سخن میں پیچھے نہ ہٹے۔

یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ اگرچہ اردو پورے ہندوستان کی زبان ہے اور اس میں مسلم یا غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے۔ مگر ہندوؤں نے جس طرح ہندی زبان کو قومی درجہ دینے کے لیے اردو کے ساتھ ظالمانہ سلوک روا رکھا اس کی بنا پر یہ زبان ایک لحاظ سے مسلمانوں کی زبان بن کر رہ گئی۔ اس لیے اردو زبان میں مسلمان شعرا اور ادبا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اردو نثر ہو یا شاعری اس پر مسلمان ادیبوں اور شاعروں کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اس لیے جب کوئی غیر مسلم شاعر اردو زبان کو وسیلۂ اظہار بناتا تھا تو وہ غالب تعداد میں مسلم شعرا کے اندازِ فکر

سے ضرور متاثر ہوتا تھا۔ جب وہ دیکھتا تھا کہ مسلم شعرا کے لیے نعت محض اظہارِ فن ہی نہیں بلکہ ذریعۂ عقیدت بھی ہے اور اس کوچے سے شناسائی رکھے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تو وہ لاشعوری یا شعوری طور پر نعت گوئی کی طرف مائل ہوجاتا۔ مسلم شعرا کی اکثریت اور ان کا جذبۂ نعت گوئی اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتا۔ اردو شاعری کو اپنانے والا غیر مسلم شاعر عام طور پر ہندی زبان اور اس کے اثرات سے کٹ جاتا تھا۔ اس خلا کو مسلم شعرا کا قرب پورا کرتا اور وہ بھی مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کی قندیل فروزاں کرکے اردو شاعری میں نقوشِ جاوداں ثبت کرنے کی کوشش کرتا کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ اردو، مسلم شعرا اور اسلام پسندی لازم و ملزوم نہیں۔ اردو کی محبت اسے مسلمان شعرا کے قریب لاتی اور یہی اسلام پسندی کا جذبہ اسے بانیِ اسلام ﷺ کی مدحت سرائی کی توفیق عطا کردیتا۔ وہ اسلام تو قبول نہ کرتا مگر اردو کی محبت میں دیوانہ ہوکر مسلم شعرا کی ادبی رفاقت کو سرمایۂ اعزاز سمجھ کر نعت کہنا اپنے لیے وجہِ صد افتخار تصور کرتا۔

ہمارے خیال میں غیر مسلم شعرا کے نعت کی طرف مائل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اردو شاعری کی طرف راغب ہوتے تھے تو انھیں اصلاحِ سخن کے لیے کہنہ مشق شعرا کی تلاش ہوتی تھی۔ اردو شاعری میں بیشتر استاد شاعر مسلمان ہوتے تھے۔ جب غیر مسلم شعرا ان مسلم شعرا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے تو پھر ''جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد'' کے مصداق اپنے مسلم اساتذہ کی پسند اور ناپسند کو اپنی پسند اور ناپسند بنالیتے۔ آہستہ آہستہ مسلم کلچر اور اسلامی روایات ان کی ادبی و شعری زندگی میں اپنا مقام بنانے لگتے اور وہ خود بخود ہی اپنے اساتذہ کی تقلید میں نعت گوئی کی طرف مائل ہوجاتے۔ اس سلسلے میں پنڈت ہری چند اخترؔ کا نام لیا جاسکتا ہے جو ابوالاثر حفیظ جالندھری خالقِ ''شاہنامۂ اسلام'' کے مایۂ ناز شاگرد تھے اور جن کی یہ نعت دلوں کو عقیدت کے آداب عطا کرتی رہے گی:

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کردیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا
آدمیّت کا، غرض ساماں مہیا کردیا
اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

اسی طرح پنڈت بال مکند عرش ملسیانی کہ جن کے والد جوش ملسیانی کو مرزا داغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، خود مسلم شعرا کے نہایت قریب تھے۔ منشی تلوک چند محرومؔ اور ان

کے بیٹے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے مسلم شعرا سے تعلقات اور بالخصوص ان کی اقبال شناسی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ علامہ محمد اقبال کے کلام کو عقیدت کے آئینے میں دیکھنے والا جذبۂ عشقِ مصطفیٰ سے محروم رہے۔ مہاراجا سر کشن پرشاد شاد جو کہ سلطنتِ حیدرآباد کے معین المہام تھے، خالص اسلامی طرز کے مدرسۂ عالیہ حیدرآباد میں تعلیم پائی اور جن مسلم شعرا سے ان کے خصوصی تعلقات رہے، ان میں امیر مینائی، فانی، جلیل وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ شاد ان میں سے بزرگ اساتذہ کو اپنا کلام دکھاتے بھی تھے۔ دو چار کے تذکرے سے بات نہیں بنتی، یہاں تو بیشتر غیر مسلم شعرا نعت گوئی اور مدحت نگاری کے معاملے میں یا تو مسلم شعرا کے شاگرد ہوں گے یا معاصرانہ تاثر پذیری کی بدولت ان کا اندازِ فکر اپنا چکے ہوں گے۔

اس دور میں جس قدر بھی ادبی و شعری مجالس منعقد ہوتی تھیں، ان میں سے بیشتر کا اہتمام مسلمان رؤسا، حکام یا مسلم شعرا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی مجالس پر لازماً اسلامی کلچر کی چھاپ ہوتی ہوگی، اس لیے جب غیر مسلم شعرا ان ادبی و شعری مجالس میں شریک ہوتے ہوں گے، تو وہ دانستہ کوشش کرتے ہوں گے کہ ان مجالس میں ایسا ادبی سرمایہ لے کر جائیں جو ان کے میزبانوں کے لیے نامانوس نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا سرمایہ نعتِ محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے شروع شروع میں انھوں نے مقبولیت کے خیال سے نعت کہی ہو اور بعد میں صنفِ نعت نے مستقل طور پر ان کے دل میں گھر کرلیا ہو۔

بہرحال غیر مسلم نعت گو شعرا کے فنِ نعت گوئی کی طرف راغب ہونے کے سلسلے میں درجنوں دلائل دیے جاسکتے ہیں لیکن محض یہ کہہ کر ان کے خلوص اور عقیدت کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان کیوں نہ ہوئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ برصغیر میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ صوفیاے کرام، مشائخ عظام، مبلغینِ اسلام اور مجاہدینِ حق کے بے مثال کردار اور سیرت کی روشنی سے پھیلا ہے۔ ہمارے اسلاف بت شکن تھے مگر ہم نے سینوں میں پھر سے نسلی، قبائلی اور لسانی تعصبات کے ہبل و منات زندہ کرلیے ہیں اور ہمارے کردار کی شکستگی کا یہ نوحہ ہے:

وضع میں ہم ہیں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

لات و منات اور سومنات کو ٹھکرانے والے ہماری طرف کیوں آئیں۔ ہم نے تو ان سے بھی بڑے بت اپنے دلوں کے صنم کدوں میں سجا لیے ہیں۔ ہم عظمتِ اسلاف کا نعرہ لگاتے

ہیں مگر ہمارا ہر عمل ان کے برعکس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کی حیرت انگیز یلغار کا دھارا رک گیا ہے۔ ہماری تبلیغ صرف اپنوں کو کلمہ طیبہ پڑھانے تک محدود ہوگئی ہے۔ ہم ژولیدہ فکری اور ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ اس پس منظر میں غیر مسلم نعت گو اسی میں عافیت تصور کرتا ہے کہ اپنے مقام پر رہ کر ہی محسنِ انسانیت کے حضور ہدیۂ نعت پیش کرتا رہے۔ اس طور پر ہم غیر مسلم نعت گو شعرا کی وکالت نہیں کر رہے بلکہ اپنے اخلاقی و تمدنی نکبت و ادبار اور اسلامی مساوات سمیت اسلامی اصولوں سے دوری اور منافقت کی الم ناک داستان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

غیر مسلم نعت گو شعرا اسلام کے دامانِ رحمت میں آئیں یا اپنی صفوں میں بیٹھ کر ہمارے آقا و مولا ﷺ کی مدحت و ثنا کا علم لہراتے رہیں، سرورِ کائنات کی شان ہر لحاظ سے بلند سے بلندتر نظر آئے گی بلکہ جب ہم مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ اعتبار کے حوالے سے چھیڑتے ہیں تو ثنائے حضور کی داستان اور بھی دل آویز اور مؤثر ہوجاتی ہے کہ ہمارا نبی کس قدر عظیم و جلیل اور برتر و بالا ہے کہ ہر زبان پر اسی کی توصیف کے زمزمے ہیں۔ اس طور عظمت و شانِ مصطفیٰ کے سلسلے میں غیر مسلم نعت گو شعرا کی گواہی معتبر تر ٹھہرتی ہے۔ اور ذہن سوچنے لگتا ہے کہ آخر یہ اعزاز کسی اور نبی، رسول، پیغمبر، مصلح، اوتار، ریفارمر، یا راہبر و راہنما کے حصے میں کیوں نہیں آیا؟... اور پھر جزا و سزا کا مالک تو خدا ہے۔ وہ خدا جسے اپنے حبیب ﷺ کی توصیف سے بڑھ کر کوئی اور امر محبوب نہیں ہے۔ جس کی مرضی کے بغیر نعت کی توفیق بھی ودیعت نہیں ہوتی۔ وہ کل داتاؤں کا داتا اور ہر سخی سے بڑھ کر سخی ہے۔ اس کی عنایات و بخشش، جود و کرم، لطف و عطا، عفو و رحمت، بندہ نوازی اور خطا پوشی کا نہ کوئی پیمانہ ہے اور نہ حد۔ اس کی نوازشیں مورِ بے مایہ کو ہم دوشِ ثریا کرسکتی ہیں اور اس کی تقدیر دیر نشینوں کو ایک آن میں حلقہ بگوشِ اسلام کرسکتی ہے۔ وہ قضا و قدر کا مالک اور مالکِ یومِ حساب ہے۔ ہم نے اس کی خدائی کی نیابت کا منصب تو نہیں سنبھال رکھا کہ مداحینِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک کثیر تعداد کی ثناخوانی کے گلستانِ سدابہار سے اُمڈنے والی خوش بو سے اپنے مشامِ جان کو معطر کرنے کے بجائے اس لیے دل و دماغ کے دریچے بند کرلیں کہ جس گلستان سے یہ خوشبو آرہی ہے اس کی آبیاری غیر مسلم شعرا نے کی ہے۔ کیا ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں حضور نبی کریم ﷺ کے اوصافِ حسنہ کے بارے میں سچ نہیں بولا تھا۔ کیا صلحِ حدیبیہ کے موقع پر کفار کے نمائندے نے واپس جاکر مجمع کفار میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی عظمت اور مقبولیت کا نقشہ نہیں کھینچا تھا۔ اگر ان کی صداقت عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار اور اسلام کی حقانیت کا

معیار بن سکتی ہے تو پھر ان غیر مسلم نعت گو شعرا کی عقیدت آفرینی کو قبول کرنے سے عار کیوں؟

اس وقت سن ہجری کے لحاظ سے ۱۴۲۵ھ کا سورج چمک رہا ہے۔ صدیوں کی اوٹ میں پوشیدہ گنبدِ خضریٰ کی چھاؤں میں آرام فرما سیّد العرب والعجم محمد رسول اللہ ﷺ کے رُخِ انور کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے عقیدت کے راہوار پر سفر کرنے والے تخیل کا سہارا لیتا ہوں۔ میں ادنیٰ سا ثناخوانِ حضور ہوں، میری فکر کم تر عاجز و درماندہ ہوجاتی ہے تو معا منشی پیارے لال رونق کی آواز حدی خوانی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے میرے راہوارِ عقیدت کی رفتار کو تیز تر کردیتی ہے:

تعظیم مری حشر میں کرتے ہیں ملائک
وہ مرتبہ بخشا ہے مجھے نعتِ نبی نے

اے محترم غیر مسلم مدحت نگارو! تم اسلام کے دامن میں کھل کر پناہ نہ لینے کے باوجود بھی مجھے بے حد عزیز ہو۔ ان نام نہاد مسلمانوں سے کہیں زیادہ محترم اور مسعود ہو جو صدیاں گزرنے کے باوجود ابھی تک تاریخِ انسانیت کے اس سب سے بڑے محسن (ﷺ) کے مقاماتِ قدسیہ کی عظمتوں کا تعین کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ جس کی خاطر دو عالم تخلیق ہوئے اور جس کی ظہور کی بدولت رب نے اپنا رب ہونا ظاہر کیا۔ ان غیر مسلم مدحت نگاروں کو ہمارا ہدیہ سلام قبول ہو جنھوں نے اس محسنِ عظیم کے آفاقی و ابدی احسانات کے اعتراف میں کسی بخل یا مصلحت سے کام نہیں لیا۔

☆

نور احمد میرٹھی۔ کراچی

ماہ نامہ "کیلاش" ہوشیار پور کا نعت نمبر

"بہر زماں بہر زباں ﷺ" کے سلسلے میں تلاش و جستجو کا سفر جاری تھا کہ محترم پیرزادہ عاشق کیرانوی کے ذاتی کتب خانے سے استفادہ کا موقع ملا۔ ان کے پاس قدیم رسائل کی بھی خاصی تعداد موجود ہے۔ مطالعہ کے دوران ایک رسالے پر نظر ٹھیری، جس نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ ماہ نامہ "کیلاش" ہوشیار پور کا جلد ۳: شمارہ ۵ تھا جو نعت نمبر کے طور پر شائع ہوا۔ یہ اشاعت ۶۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ حیرت کا سبب یہ تھا کہ اس کے ادارۂ تحریر میں اوم پرکاش ساحر ہوشیار پوری اور غلام امر چند قیس جالندھری کے نام تھے اور مدیر ایم پی چورسیا۔

میں یہ سوچتے ہوئے کہ ان حضرات کی نعت سے دلچسپی کا سبب کیا ہوسکتا ہے! اس رسالے کے مطالعے میں کھو گیا۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ حق نمایاں ہو کر رہتا ہے۔

ماہ نامہ "کیلاش" ہوشیار پور نے اپنا یہ نعت نمبر اگست ۱۹۴۰ء میں پیش کیا۔ رسالے کے سرورق پر گنبدِ خضرا کے اوپر علامہ قیس جالندھری کا شعر عظمتِ نبی الخاتم ﷺ کی ترجمانی کر رہا ہے:

اللہ رے یہ رتبۂ عرفانِ مصطفےٰ
قرآنِ پاک مطلعِ دیوانِ مصطفےٰ

نعت نمبر کا آغاز "ایک التماس... پیغمبرِ اسلام سے" (برادرانِ اسلام سے معذرت کے ساتھ) شائع ہوئی ہے، جس کے خالق علامہ قیس جالندھری ہیں۔ اپنی اس تخلیق میں موصوف نے مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی موجودہ زبوں حالی کو بیان کیا ہے۔ یہ نظم اپنے موضوع کے اعتبار سے شاہ کار کہی جانی چاہیے۔ فرماتے ہیں:

جس کو دیکھا تھا مؤقر آج اس کو خوار دیکھ
اے پیمبر! دیکھ اب اُمت کا حالِ زار دیکھ

مضحکہ جس نے اُڑایا تھا ہمیشہ موت کا
اب اسی مسلم کو اپنی جان سے بیزار دیکھا

اپنے ہمسایوں سے جس ملت کو بے حد پیار تھا
اب اسی ملت کو ان کا دشمنِ خوں خوار دیکھ

زندگی کے جو پیمبر تھے زمانے کے لیے
زندگی کے اب نہیں ان میں کوئی آثار دیکھ

جن کو تلواروں کی چھاؤں میں میسر تھا سکوں
اب انھیں تو لرزہ بر تن، دیکھ کر تلوار، دیکھ

مانتا تھا جن کی آزادی کا لوہا اک جہاں
اب انھیں پابند، قیدی، بے بس و ناچار دیکھ

جن کی روحیں بادۂ توحید سے سرشار تھیں
اب انھیں مستِ مےِ نخوت، ذلیل و خوار دیکھ

تیرے پیرو جو مجسم خُلق تھے، ایثار تھے
اب انھیں تو خُلق سے ایثار سے بیزار دیکھ

جن جواں مردوں کے آگے کوہ بھی تھا کاہ سا
ان جواں مردوں کو اب خود نقش بر دیوار دیکھ

جن کی ہمت عرش کو بھی دیکھتی تھی سرنگوں
اب انھیں کاہل، تغافل کیش اور بے کار دیکھ

جو زمانے کے لیے عیسیٰ نفس مشہور تھے
اب انھیں مردہ، فسردہ، جاں بہ لب بیمار دیکھ

دیکھ اب تو ہوگئی ہے پستیوں کی انتہا
پھونک کر مردہ تنوں میں روحِ نو، اُن کو اُٹھا

۶۵ سال پہلے تخلیق ہونے والی یہ نظم آج بھی اُمتِ مسلمہ کے حالات کی عکاسی کر رہی ہے۔ اس کے اگلے ہی صفحہ پر معروف شاعر بشیشر پرشاد منور لکھنوی (۱۸۹۷ء۔ ۱۹۷۰ء) تلمیذ اُفق، تمنا اور نوبت رائے نظر کا کلام ''ایک نیا پیغام'' کے عنوان سے موجود ہے۔ اپنے کلام میں منور لکھنوی نے نبیِ مکرم ﷺ کی آفاقی شخصیت کے اوصافِ حسنہ اور اپنے عجز کا اظہار کیا ہے۔ علامہ قیس جالندھری کی طرح مسلمانوں کو متوجہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام حیوانی جذبات اور شیطانی افعال کا مظہر نہیں ہے اور وہ آدمی میں انسانی جوہر پیدا کرتا ہے۔ ان کے سوز و درد میں ڈوبے ہوئے جذبات جب شعری زبان میں ڈھلے تو پیغام کی شکل میں مرتب ہوئے، فرماتے ہیں:

بانیِ اسلام اے خورشیدِ تابانِ عرب اے محمد مصطفےٰ جانِ عرب، شانِ عرب
ظلِ اقدس میں پھلا پھولا گلستانِ عرب جگمگایا نورِ وحدت سے بیابانِ عرب
آپ کے پیغام کی بنیاد تھی الہام پر
اک نئی دنیا بسا ڈالی خدا کے نام پر

اپنے مسلک کے محافظ اپنی اُمت کے کفیل سینۂ شفاف کی خاکِ مدینہ ہے دلیل
آپ نے کردی نجاتِ روح کی پیدا سبیل حشر میں اہلِ صفا کے آپ ہی ہوں گے وکیل
لاکھ کعبے ضوفشاں تھے دیدۂ پُرنور میں
روشنی پیدا ہوئی ایسی چراغِ طور میں

آپ پر نازل خدائے پاک نے قرآں کیا سرمۂ توحید سے وا دیدۂ عرفاں کیا
آشکارا زندگی کا جوہرِ پنہاں کیا پیکرِ اقدس کو رشکِ کعبۂ ایماں کیا
جو نہ سمجھیں آپ کا رُتبہ، وہ اہلِ دل نہیں
اور کوئی جادۂ تسلیم کی منزل نہیں

وانہ ہے چشم ضمیر اب تک، نہ صاحب دل ہوں میں دُور ہے کوسوں جو بیداری سے، وہ غافل ہوں میں
ناشناسِ رازِ پنہانِ حق و باطل ہوں میں کیسے پھر اسلام کی تفہیم کے قابل ہوں میں
گو مسلماں میں نہیں پر قائلِ اسلام ہوں
کیوں کہ مردانِ خدا کا بندۂ بے دام ہوں

بانیِ اسلام! خوں اسلام کا ہوتا ہے آج خندہ زن حالت پہ دینِ پاک کی دنیا ہے آج
پھر دلوں میں گم رہی کی کیفیت پیدا ہے آج رازداں اسلام کا اسلام میں عنقا ہے آج

بے خبر قرآن کے معنی سے کچھ میں ہی نہیں
عظمتِ اسلام سے واقف مسلماں بھی نہیں

جانتے ہیں راز مردانِ خدا اسلام کا ہیں سمجھتے مرتبہ اہلِ صفا اسلام کا
ہے فقط عشقِ الٰہی مدعا اسلام کا اور کچھ مقصد نہیں اس کے سوا اسلام کا

ہو بِنا نفرت پہ جس کی یہ وہ مذہب ہی نہیں
دوسروں سے ترکِ اُلفت اس کا مطلب ہی نہیں

سرزنش کافر کی اور اسلام، ناممکن ہے یہ ہو دل آزاری سے اس کو کام، ناممکن ہے یہ
دے کسی کو موت کا پیغام، ناممکن ہے یہ ہاتھ میں لے تیغِ خوں آشام، ناممکن ہے یہ

اور جو کرتے ہیں ایسا آڑ میں اسلام کی
دھجیاں اُڑتی ہیں ان کے جامۂ احرام کی

مذہبی دیوانگی اسلام کا عنصر نہیں عقل پر صیقل یہ کرتا ہے جنوں پرور نہیں
قلب کے جذباتِ حیوانی کا یہ مظہر نہیں نفس کے افعالِ شیطانی کا یہ مصدر نہیں

اور جو قائل ہے اس کا وہ مسلماں ہی نہیں
بندۂ اسلام ہو کیسے جو انساں ہی نہیں

خونِ کافر پر نہیں حصر و قیام اسلام کا اس سے مستحکم نہیں ہرگز نظام اسلام کا
حبِّ عالم گیر ہے، چمکا ہے نام اسلام کا ورنہ میں کرتا نہ ہرگز احترام اسلام کا

وید میں تعلیم جو کچھ ہے وہی قرآں میں ہے
نقص اگر کچھ ہے تو فہم و دانشِ انساں میں ہے

کھیل کیوں سمجھا ہے اک، اہلِ شریعت نے اسے طاق پر رکھا ہے کیوں اہلِ عبادت نے اسے
کرلیا قبضے میں ارکانِ حکومت نے اسے کردیا بدنام اربابِ سیاست نے اسے

جس کا بانی آپ سا ہادی ہے، یہ وہ دین ہے
اس کی پابندی نہ کرنا آپ کی توہین ہے

کیوں ہیں تاویلیں یہ اُلٹی آپ کے احکام کی صبحِ نورانی میں کیوں شامل ہے ظلمت شام کی
پھر ہو عظمت آشکارا آپ کے پیغام کی لیجیے آکر خبر پھر عالمِ اسلام کی

نام پر مذہب کے ظلم و جور کی بدعت نہ ہو
راہ سے بے راہ یعنی آپ کی اُمت نہ ہو

اس کے فوری بعد پنڈت بام دیورشی پٹیالوی (پ:۱۹۱۷ء) تلمیذ نسیم نورمحلی و پنڈت لبھورام جوش ملسیانی کی نظم ''دعا'' ہے۔ اس نظم میں شاعر کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ رشی پٹیالوی نے خدائے بزرگ و برتر کی حمد وثنا کرتے ہوئے مظاہرِ قدرت بیان کیے ہیں اور نظم کے آخری پانچ اشعار میں بین المذاہب یک جہتی کے لیے دعا کی ہے۔ یہ اشعار بھی شاعر کے سوزِ دروں سے عبارت ہیں:

اے خدائے دوجہاں اے مالکِ کون و مکاں
تیرے پروردہ ہیں سب جن و ملک کرّوبیاں
چاند میں ہے تیری ضو، سورج میں تیرا نور ہے
چاروں جانب تو عیاں ہونے پہ بھی مستور ہے
رنگ و بو بن کر گلوں میں رونما تو ہی تو ہے
سازِ فطرت میں نوائے جاں فزا تُو ہی تو ہے
تیرے نظاروں سے ہے گلزارِ دنیا کی بہار
سازِ قدرت، حسنِ فطرت تیرے قدموں پر نثار
مانگنے والا ترے در سے نہ خالی جا سکا
جس نے جو چاہا اسے وہ بے تکلف مل گیا
روشنی بخشی ترے جلوے نے کوہِ طور کو
آس تھی تیرے کرم کی دار پر منصور کو
نوحؑ کا تُو ہی بنا تھا ناخدا طوفان میں
تیری رحمت پر تھا اس کو آسرا طوفان میں
خضرؑ نے پائی تجھی سے زندگیِ جاوداں
سب کا داتا ہے تُو ہی اے مالکِ کون و مکاں
تجھ پہ جو ایمان لے آیا وہ تیرا ہوگیا
درحقیقت پا گیا تجھ کو، جو تجھ میں کھو گیا
میں بھی طالب ہوں تری بخشش کا، تیرے رحم کا
میں بھی بندہ ہوں ترا یارب، بھلا ہوں یا بُرا
تجھ پہ ہے ایمان میرا تُو مرا ایمان ہے
اک تری رحمت نشاطِ دوجہاں کی جان ہے
میں بھی ہوں تیری نگاہِ فضل کا امیدوار
میری بھی اک التجا ہے اے مرے پروردگار
ہندو مسلم کے دلوں کی رنجشوں کو دُور کر
بادۂ شوقِ محبت سے انھیں مخمور کر
خلق کر دے ان کی فطرت ہی میں ذوقِ اتحاد
ان کے دل میں خود بہ خود پیدا ہو شوقِ اتحاد
پیش یہ اک دوسرے سے آئیں بھائی کی طرح
سب کی نیت میں صفائی ہو صفائی کی طرح
نیست و نابود کر دے اختلافاتِ بہم
دیکھتی آنکھیں نہ دیکھیں یہ خرافاتِ بہم
قدر ہر مذہب کا جذبہ ہو ہر اک انسان میں
رہ نہ جائے فرق باقی رام میں رحمان میں

''کیلاش'' کے نمبر کے صفحہ ۷ پر ''کیلاش سبھا'' کے عنوان سے علامہ قیس جالندھری کا تحریر کردہ اداریہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

مدت سے اس سلسلے میں ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے۔ لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جس قدر زیادہ توجہ اس طرف منعطف کی جا رہی ہے، دونوں قوموں میں اسی قدر زیادہ کشیدگی رونما ہوتی جاتی ہے۔ محبت کی جگہ نفرت لے رہی ہے اور یگانگت کی جگہ بغض و کینہ دلوں میں پرورش پانے لگے ہیں۔ اتحاد کے اس فقدان اور اختلاف کی اس شدت کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ دونوں فرقے اپنے مذاہب سے سراسر بے خبر ہیں اور اپنی مذہبی کتب کے مطالعے سے کچھ استفادہ نہیں کرتے۔ اگر ہندو، ہندو دھرم پر چل کر اور مسلم اسلام کے اصولوں کے پابند رہ کر ایک دوسری قوم کے پیغمبروں اور رشیوں کو عقیدت کی نظروں سے دیکھیں اور مذہبی پیشواؤں کا احترام کریں تو ہندو مسلم اتحاد کی بنیادیں مختصر سے وقفہ میں مضبوط ہو سکتی ہیں اور تفرقات معدوم ہو سکتے ہیں۔

علامہ قیس جالندھری نے اپنی تحریر کے تیسرے پیراگراف میں تجویز پیش کی:

اندریں حالات اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ ہندو مسلم اپنے اپنے مذاہب اور بزرگانِ دین کی زندگیوں کا مطالعہ نہایت سنجیدگی اور متانت سے کریں اور اس کے نتائج کی اشاعت میں انتہائی محبت اور تقدیس سے کام لیں۔ ہمارے خیال سے بہترین طریقِ کار یہ ہے کہ ان مقدس دلوں میں جن سے مذہبی پیشواؤں کی کوئی نہ کوئی یادگار وابستہ ہے، جلسے منعقد کر کے، ایک دوسرے کو دعوتِ شمولیت دی جائے۔ رسالوں میں دوسری قوم کے افراد سے مضامین لکھنے کی درخواست کی جائے۔ یہ تدبیر یقیناً کارگر ثابت ہوگی اور اسی خیال کے زیرِ اثر آج ہم ''نعت نمبر'' اہلِ وطن کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اس اداریہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ نعت نمبر انھیں کوششوں کا حصہ ہے۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان اپنے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کر چکے تھے۔ برصغیر کے مسلمان یہ تہیہ کر چکے

تھے کہ ان کے لیے ایک ایسا خطۂ زمین ضروری ہے جہاں وہ اپنے نظریات کے مطابق رہ سکیں۔

''کیلاش'' کے زیرِ نظر نعت نمبر میں ۵۶ نعتیں شامل ہیں۔ جن شعرا کا نعتیہ کلام اس شمارے کی زینت ہے ان میں مسلمان اور ہندو دونوں شامل ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

منشی پیارے لال رونق دہلوی، مفتی غلام سرور لاہوری، غریب سہارن پوری، مولانا محمد علی آذر جالندھری، خلیق برہان پوری، ارشد تھانوی، حاجی نبی احمد بریلوی، عاشق ڈھول پوری، اوم پرکاش ساحر، پروفیسر تپش، علامہ عیش فیروزپوری، معراج ہوشیارپوری، علامہ عبدالحکیم بسمل ہوشیارپوری، حضرت مذاق العیش فیروزپوری، علامہ امرچند قیس جالندھری، بلونت کمار ساگر نکودری، عطاء الرحمٰن ممتاز جالندھری، محمد شفیع، سالک رام سالک، منوہر لال دل، علامہ عیش امروہوی، ازل، خلیق فیض آبادی، شاطر حکیمی، احسن مارہروی، پنڈت چورنجی لال فانی، پنڈت ہربنس لال مجرم دسوہہ، عاشق ہوشیارپوری، پنڈت بہار لال صابر، آغا محمد زمان خان غزنوی، فیض محمد فضا جالندھری، مہرلال ضیا فتح آبادی، سکھدیو پرشاد بسمل الٰہ آبادی، پیارے لال شیدا سیوہاروی، مدن لال ساحر دہلوی، غلام محمد حاجی الٰہ آبادی، لالہ دھرم پال عاقل، منشی چندر بھان کیفی دہلوی، جگن ناتھ خار امرتسری، محمود، مولانا احمر رنگونی، سردار گوربخش سنگھ مخمور جالندھری، منشی چنڈی پرشاد شیدا دہلوی اور سیّد فیض جالندھری۔ چند شعرا کی کئی نعتیں اس اشاعت میں موجود ہیں جن میں علامہ قیس جالندھری شامل ہیں۔ ان تمام نعتوں کو پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ صرف نمونۂ کلام پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

منشی پیارے لال رونق دہلوی:

حاصل شرف ہے کس کو خدا کی جناب کا
ہم سر ہے کون شانِ رسالت مآب کا

دے جائے لطف دل کو مرے کیف سرمدی
کر دیں جو مست دے کے وہ ساغر شراب کا

رونق سخن کو میرے نہ حاصل ہو کیوں شرف
مداح ہوں جنابِ رسالت مآب کا

مفتی غلام سرور، سرور لاہوری:

مسیحا آ گیا مردہ دلوں کے زندہ کرنے کو
کلامِ حق کے سمجھانے کی خاطر یہ کلیم آیا

ہر اک موتی کی قیمت گھٹ گئی بازارِ عالم میں
مقابل ان کے جب وہ بے بہا درِّ یتیم آیا

غریب سہارن پوری:

مدد اے شوق! کہ احباب سے پہنچوں آگے
رحم اے ضعف! کہ میں پیچھے رہا جاتا ہوں

صدمۂ ہجر سے حضرت ہوں چراغِ سحری
لو خبر ورنہ کوئی دم میں بجھا جاتا ہوں

مولانا محمد علی آذر جالندھری:

جب پریشاں تھا مذاہب کا جہاں میں تار و پود	سر بہ سر گم راہ تھے سب، کیا نصارا کیا یہود
جب وجودِ حق سے غافل ہو چکا تھا ہر وجود	شاہدِ رحمت کا کعبے میں ہوا اس دم ورود

چاند فاراں پر چمک کر نور برسانے لگا
حسن کا دریا عرب میں بہ کے لہرانے لگا

فخرِ آدمؑ رحمتِ للعالمیں پیدا ہوئے	گھر میں عبداللہ کے ختم المرسلیں پیدا ہوئے
انبیا کی بزم کے کرسی نشیں پیدا ہوئے	شاہدِ حق مالکِ دنیا و دیں پیدا ہوئے

وہ ہوئے پیدا جہاں جن کے لیے پیدا ہوا
یہ زمیں یہ آسماں جن کے لیے پیدا ہوئے

خلیق برہان پوری:

چار جانب جب گھٹا تھی کفر کی چھائی ہوئی	سارا عالم تھا نمونہ پردۂ ظلمات کا
بت پرستی بت پرستوں کی تھی پھیلائی ہوئی	ذرّے ذرّے میں نظر آتا تھا منظر رات کا

دین و ایماں کی ضیا انساں سے کوسوں دُور تھی
کیا نظر آتا کہ ہر چشمِ خرد بے نور تھی

دفعتاً چمکا، ہُوا مہرِ نبوت جلوہ گر	مشرقی پہلو عرب کا رونقِ صد طور تھا
اس کے جلووں نے کیا نظروں کو فردوسِ نظر	ہر بشر کا قصرِ ہستی نور سے معمور تھا

اس کی ضو سے بارشِ انوار تھی چاروں طرف
تیرگی دوشِ زمیں پر بار تھی چاروں طرف

ارشد تھانوی:

یہ وہ انسانِ کامل تھے، یہ وہ انسانِ اعظم تھے	جو عالم کے لیے رحمت تھے، اکرامِ مجسم تھے
وہ آئے تھے، خدا کا لے کے یہ پیغام دنیا میں	کہ ہیں تخلیق میں یکساں ہی خاص و عام دنیا میں
نہ ان میں کوئی اعلیٰ ہے، نہ افضل ہے نہ برتر ہے	بنی آدم کا ہر ہر فرد رُتبے میں برابر ہے

حاجی نبی احمد بریلوی:

مسلسل اس نے دنیا کو دیے پیغام رفعت کے	طریقے کر دیے بالکل نئے جاری، عبادت کے
بدل کر رکھ دیا بت خانۂ آزر کو کعبے سے	اُجالے ساری دنیا میں ہوئے انوارِ وحدت کے

عاشق دھول پوری:

ہر طرف سے غل اُٹھا فخرِ رسالت ہے یہی — ہادیِ حق مانعِ کفر و ضلالت ہے یہی
مخبرِ صادق یہی، مختارِ جنت ہے یہی — کل جہاں کے واسطے لاریب رحمت ہے یہی

باعثِ تکوینِ دو عالم یہی انسان ہے
ناز ہے جس پر خدا کو وہ اسی کی شان ہے

اس کی آمد سے گھٹا رحمت کی ہرسُو چھا گئی — وہ جو آیا باغ میں فصلِ بہاری آ گئی
اس کی ہیبت سے شرارت کی فضا مرجھا گئی — دیکھ کر اس کو عروسِ معصیت شرما گئی

درس ہر اک شخص کو دینے لگا اسلام کا
جا بجا اُڑنے لگا پرچم خدا کے نام کا

ساحر ہوشیار پوری:

جامِ صہبائے حقیقت پی کے پھر مستانہ بن — تو محمد مصطفےٰ کی یاد میں دیوانہ بن
روضۂ انور پہ ساحرؔ ناصیہ فرسا ہو یوں — خود فنا ہوکر مجسم سجدۂ شکرانہ بن

پروفیسر تپش:

سیاہی آبِ کوثر ہو قلم جبریل کے پر کا — قصیدہ لکھ رہا ہوں شوق ہے نعتِ پیغمبر کا
الٰہی عشق دے دل کو شفیعِ روزِ محشر کا — مری آنکھوں کو ہو ارمان دیدارِ پیمبر کا

عیش فیروز پوری:

نگاہوں میں ہے خاکِ رہ گزارِ شاہ کا جلوہ — مقابل جس کی ہے بے کیف مہر و ماہ کا جلوہ
چمک اُٹھا ہر اک ذرہ ضیائے حسنِ دل کش سے — نہ ایسا مہر کا جلوہ، نہ ایسا ماہ کا جلوہ

معراج ہوشیار پوری:

انقلاب ایسا عرب والے نے برپا کر دیا — زیر دستوں کو زمانے بھر کا آقا کر دیا
میں تو اس اعجاز کا قائل ہوں جس نے ہم نشیں — بدویوں کو وارثانِ قصرِ کسریٰ کر دیا

عبدالحکیم بسمل ہوشیار پوری:

خدا کی رحمتوں کا ارضِ بطحا پر سحاب آیا — کہ آیا وقت پر ''ابرِ کرم'' اور بے حساب آیا
خدا کے ہاتھ میں تعبیر ہے اب اس کی اے بسمل — جو مکے اور مدینے کا مجھے میٹھا سا خواب آیا

مذاق العیشی فیروز پوری:

گنہ گاروں کو گویا جانِ تازہ بخش دی تُو نے　　ترے قربان بخشش کا سہارا بخشنے والے
ستارا اس کی قسمت کا بھی تو اے کاش چمکا دے　　کلامِ عیشؔ کو اوجِ ثریا بخشنے والے

آغا محمد زمان خان غزنوی:

خدائی نصیب آشنا ہو رہی ہے　　کہ یادِ حبیبِ خدا ہو رہی ہے

فیض محمد فدا جالندھری:

کس کی مجال کر سکے حسن کی تیرے ہم سری　　سامنے تیرے آ سکیں شمس و قمر نہ مشتری

مہر لال ضیا فتح آبادی:

سبق توحید کا ہر روح کو ازبر ہوا آخر　　ترے ہم راہ دنیا ہوگئی تیری صداقت سے

قیس جالندھری:

فسوں بتوں کے فسانہ بنا دیے تُو نے　　دلوں پہ سکّے خدا کے جما دیے تُو نے
جہاں کے خود سر و سرکش جہاں کے ہرجائی　　حضورِ ربِّ دوعالم جھکا دیے تُو نے

سکھ دیو پرشاد بسمل الہ آبادی:

میں نہ بھولوں گا نہ بھولوں گا میں ان کو ہرگز　　جو مرے سر پہ ہیں احسان، رسولِ عربی
یہی بسملؔ کی تمنا ہے مدینے جا کر　　آپ کے در کا ہو دربان، رسولِ عربی

شیدا سیوہاروی:

تُو نے انسان کی وہ عقدہ کشائی کی ہے　　مشکلیں ہوگئیں آسان رسولِ عربی

مدن لال ساحر دہلوی:

بیاں کیا ہو جنابِ مصطفےٰ کا　　یہاں دم بند ہے عقلِ رسا کا

احسن مارہروی:

پیارا ہے جو دیدارِ رسولِ عربی کا　　کیا خوف قیامت میں اسے تشنہ لبی کا
تو احمد و محمود و محمد ہے بلاشک　　کونین میں شہرہ ہے تری خوش لقبی کا

غلام محمد حاجی:

دل ہے روشن مصطفےٰ کے عارضِ پُرنور سے　　کیا غرض موسیٰ سے، کیا مطلب چراغِ طور سے

دھرم پال وفا:

ترے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے

چندر بھان کیفی دہلوی:

آئینہ ہو رہے ہیں جو اسرارِ معرفت نکتہ ورانِ دہر کو حیراں بنا دیا

جگن ناتھ خار امرتسری:

محمد مصطفےٰ واقف ہیں انوارِ الٰہی سے ارے توبہ کہیں بت بھی خدا معلوم ہوتے ہیں

مولانا احمر رنگونی:

ہے ماحصلِ ہر دو جہاں ذاتِ مقدس تم فخرِ رسل بھی ہو، شہِ جن و بشر بھی
محبوبِ خدا کے رُخِ روشن کی ضیا سے ضو پاش ہیں خورشید بھی، انجم بھی، قمر بھی
زلف و رُخِ حضرت ہی کے صدقے سے ہے ظاہر یہ شب کی سیاہی بھی، تجلّیِ سحر بھی
یہ کہہ کے گنہ گار کو دی تم نے تسلی اُمید بھی رکھ عفو کی، اللہ سے ڈر بھی

سردار گوربخش سنگھ مخمور جالندھری:

دی تُو نے کفر زار میں توحید کی اذاں بدلا ہے تُو نے رنگ، جہانِ خراب کا
وحدت کا اک مغنیِ آتش نوا ہے تُو ہر نغمہ کفر سوز ہے تیرے رباب کا

اس نعت نمبر کے آخر میں سیّد فیض جالندھری اور منشی چنڈی پرشاد شیدا دہلوی کی ایک ہی زمین میں نعتیں ایک ہی صفحے پر شائع ہوئی ہیں۔ دونوں حضرات کی نعتوں کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

سیّد فیض جالندھری:

دیارِ بطحا کا ایک اُمی، زمیں پہ گردوں رکاب بھی ہے
وہ ایک قطرہ برنگِ دریا ہے، ذرّہ بھی آفتاب بھی ہے

رحیم بھی ہے کریم بھی ہے، قسیمِ خلد و نعیم بھی ہے
وہ ایک دُرِّ یتیم بھی ہے، بشر فرشتہ جناب بھی ہے

ریاضِ عرفاں کا پاک منظر، وہ نورِ حقانیت کا پیکر
وہ دہر کا آخری پیمبر ہے، راز دانِ کتاب بھی ہے

وہ اس کا لبریزِ صدق سینہ، رموز و اسرار کا دفینہ
جہانِ دانش کا ہے خزینہ، جو بحر بھی ہے حباب بھی ہے

چنڈی پرشاد شیدا دہلوی:

وہ لطفِ رنگِ سحاب بھی ہے، نسیم رحمت مآب بھی ہے
رسولوں میں انتخاب بھی ہے، زمیں پہ گردوں رکاب بھی ہے

رفیق بھی ہے، خلیق بھی، آشنائے رمزِ طریق بھی ہے
وہ ایک بحرِ عمیق بھی ہے، بشر فرشتہ جناب بھی ہے

رحیم بھی ہے، کریم بھی ہے، نعیم بھی ہے، حکیم بھی ہے
جہاں میں فضلِ عظیم بھی ہے، علیمِ راہِ ثواب بھی ہے

وہ سینہ اس کا فلک فضا ہے، وہ قلب اس کا رہِ صفا ہے
وہاں وہ بیدار رہ نما ہے، خضر جہاں محوِ خواب بھی ہے

نعیم کوثر۔ بھارت

۱۸۸۵ء کا 'منشورِ شفاعت' بمبئی

کتابی شکل کا 'منشورِ شفاعت' ہر ماہ بمبئی سے شائع ہوتا تھا۔ اس نعتیہ گل دستے کے مہتمم سیّد فقیر محمد فدؔا بخاری چشتی تھے اور مدیر حاجی محمد صدیق اخلاص بن حاجی ہاشم تھے اور رسالے کا پتا شہر بندر بمبئی زکریا بازار تھا اور مطبع دت پرشاد میں اس کی طباعت ہوتی تھی۔

گل دستے کے ضوابط میں یہ تحریر ہوتا کہ ''ہر غرۂ ماہ قمر کو شائع ہوکر نور بخش نظارہ ناظرین ہوتا ہے۔ غزلیات نعتیہ مصرع مطروحہ کے بس انتخاب گیارہ شعر تک درج ہوں گے اور انتخاب کا اختیار کمیٹی کو ہے۔ کلام غیرطرح فی شعرایک آنہ قیمت پر مطبوع ہوگا۔ قیمت عام سے سالانہ (ایک روپیہ) اور امرا و رؤسائے استطاعت سے جو کچھ بہ خیال استعانت نعت مرحمت ہو، ہم سے حد بندی نہ ہوگی۔ پرچہ نمونہ کے لیے ۳ آنہ مقرر ہیں۔ اجرتی اشتہار ایک دو وقت کے لیے فی سطر۲ آنہ پر مطبوع ہوگا مگر زیادہ کے لیے بہ ذریعہ خط فیصلہ ہوسکتا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۵ رسال پہلے بمبئی میں صحافتی تحریر اور اسلوب یوں ہوا کرتا تھا:

نعتیہ گل دستہ کا شمارہ اوّل محرم ۱۳۰۶ھ یعنی ۱۸۸۵ء کو منظرعام پر آیا۔

اس میں ایک اعلان اور اظہارِ تشکر قابلِ ذکر ہے:

—''اطلاع''—

مصرع مطروحہ کا مشاعرہ ۱۶ محرم شب کو بھنڈی بازار متصل اصطبل مکان جیتیکر صاحب ہوگا۔ شعرا بعد عشا تشریف لاکر مہتمم کو ممنون فرمائیں۔!

—''شکریہ''— —''اخلاص''—

الحمد و شکر کہ آج مالک گل دستہ ہذا فقیر محمد فدؔا کو موقع ادائے شکر شیدائے

نعت رسول کا ہاتھ آیا آج تک بھی اُمتانِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں عشق حضرت و لولائے مدحت مسکن پزیر ہے۔ علی الخصوص جناب عمدۃ التجار اخلاق شعار، محب ذوی الاختصاص حاجی محمد صدیق تخلص اخلاصؔ مہتمم گل دستۂ ہٰذا باوجود کثرتِ کاروبار تجارت اہتمام گل دستۂ ہٰذا کا اپنے ذمہ لیا اور پچیس ۲۵ روپے بطور معاونت گل دستے میں دیا۔ خداوند کریم ترقی عشق توڈ فرمائے آمین۔

میرے خیال سے حاجی محمد صدیق وہی معزز اور قابلِ احترام تاجر بمبئی تھے جنھوں نے صابو صدیق مسافر خانہ کی تعمیر کی تھی۔ اُن کے نام سے کئی ادارے سال ہا سال سے شہر بمبئی میں قائم ہیں اور قوم و ملت کی فلاح کی قیمتی میراث ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اُس وقت عروس البلاد بمبئی میں مذہبِ اسلام اور رسولِ خدا سے گہری فریفتگی کا جنون تھا جو شعر و سخن کی نعتیہ محفلوں اور ''منشورِ شفاعت'' کے مطبوعہ کلام میں جھلکتا ہے۔

رسالہ کے پہلے شمارے میں آیندہ کئی شماروں کے لیے اطلاع ''طرح'' بھی دی گئی ہے جن میں ''بزمِ میلاد پہ جنت کا گماں ہوتا ہے'' اور ''ہو قدم بوسِ نبی گوشۂ داماں جھک کر'' خاصی دل کش و اثر انگیز ہے۔ راقم الحروف کو ''منشورِ شفاعت'' کے تیسری جلد تک کے مجلد شمارے دست یاب ہوئے ہیں اور مختلف شماروں کے شعرائے کرام کے چنیدہ اشعار قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش کرتا ہوں۔ حضرت امیر مینائی کا تقریباً ہر شمارے میں نعتیہ کلام موجود ہے۔

منشی امیر احمد صاحب لکھنوی استادِ والیِ رام پور

الف آدم میں ہے ممدود، احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا مد کا
الٰہی لے چلے شوقِ زیارت جب مدینے کو
خضر ہوجائے بڑھ کر ولولہ عشقِ محمد کا

حاجی محمد صدیق اخلاصؔ

دکھا دے مجھ کو یارب گنبدِ خضرا محمد کا
کہ میں طالب نہیں جنت کا ایوان زبرجد کا

سیّد نور اللہ شاہ حسینی اورنگ آبادی

خدا پوچھے وسیلہ کس کا لائے ہو تو کہ دوں گا
محمد کا، محمد کا، محمد کا، محمد کا

منشی عبدالغنی رافتؔ، ساکن بمبئی

سکندرؔ اور داراؔ کیا معزز ہیں بھلا رافتؔ
سوا ہے مرتبہ اُن سے غلامانِ محمد کا

متذکرہ پہلے شمارے میں ۴۹ رشعرا کا کلام ہے۔ اس کے علاوہ منشی محمد یعقوب صادرؔ کا جو جنرل پوسٹ آفس بمبئی میں کلرک تھے، ایک دل پزیر تقریظ آخر میں ہے۔ زبان فورٹ ولیم کالج سے پہلے کی نثری اردو کی ہے۔ صادرؔ نے رسالہ کی تاریخ اس طرح نکالی ہے:

دید منشورِ شفاعت را چو عاشق طبع گفت	ہست ایں گل دستۂ با ہدیۂ نعتِ حبیب
در دلِ صادرؔ پے تاریخ اوآمد خیال	شداند برخوان گرامی تحفۂ نعتِ حبیب

۱۳۰۶ھ

صادرؔ نے مزید لکھا ہے، ''بمبئی جیسے ملک میں یہ نعتِ غیر مترقبہ یعنی اجرائے نعتیہ گل دستہ کے آپ ہی سرکردہ ہیں۔ نعتیہ گل دستہ تو کیا کسی اور قسم کا بھی گل دستہ بمبئی والوں میں سے آج تک کسی نے نکالا نہیں، یہ حصہ پایا نہیں۔ اگر آپ کو اس کام کا موجد کہا جاوے تو بجا ہے اور جو کچھ تعریف کریں رَوا ہے ہاں ''گل دستہ برق'' گو یہاں سے شائع ہوتا ہے مگر اس کے مالک و مہتمم اہلِ بمبئی سے نہیں۔ بسرزمین ہند و راجستھان کے رہنے والے ہیں۔''

غورطلب ہے کہ نواب علی حسرتؔ بمبئی سے ہر ماہ ''گل دستہ برق'' نکالتے تھے جس میں شعراءِ نامی کا تازہ و منتخب کلام ہوتا تھا۔ چہ خوب صادرؔ صاحب شعر و سخن کو تعصّبانہ انداز میں جغرافیائی پیمانے سے دیکھتے تھے۔

میں تفصیلی مضمون اس لیے نہیں لکھ رہا کہ بمبئی کے کوئی معزز محقق اور ناقد اس سمت دلچسپی لیں تو راقم انھیں متذکرہ شمارے پیش کردے گا۔

سیّد حسن محمود جعفری۔ کراچی

نعت خوانی میں ذکر کی موسیقیت

ابتدا ہی میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ زیرِنظر تحریر نہ تو کوئی باضابطہ مضمون ہے اور نہ ہی کوئی تحقیقی مقالہ بلکہ عصرِحاضر میں نعت خوانی کے انداز میں پیدا ہونے والے رجحانات کا ایک اجمالی جائزہ ہے۔

زبان کے تخلیقی سفر میں لغت کو مردہ استعاروں کی سرزمین کہا گیا ہے۔ لغت اپنے ذخیرہ کردہ الفاظ کی معرفت اور معانی کی جس انداز سے نشان دہی کرتی ہے مناسب ہوگا کہ ایسی نشان دہی کے دوران اُن معنوی ارتعاشات کا تجسس کیا جائے جن کے ریشے زندگی کے عمل میں پیوست ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ صرف لغت نہیں بلکہ زندگی اور ذہن کا باہمی عمل ہے جسے معانی کا حقیقی سرچشمہ خیال کیا جاسکتا ہے۔

کسی اصطلاح کے عمومی استعمال سے اُس کے معنی متعین ہوتے ہیں جب کہ اُس کے استعمال کا اختلاف معنی کی مختلف سطحوں کو دریافت کرتا ہے۔ نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ صفت کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے لغوی معنی تعریف یا وصف بیان کرنے کے ہیں۔

ڈاکٹر ریاض مجید نعت کے لغوی مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> عربی نعت نگاروں کے خیالات کے مطالعے سے لفظ نعت کے مفہوم کے بارے میں جو نمایاں تاثرات اُبھرتے ہیں وہ اُسے اپنے قبیل کے دوسرے الفاظ مثلاً وصف، صفت، تعریف، ثنا، حمد اور منقبت وغیرہ سے منفرد اور ممتاز ٹھہراتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تو یہ لفظ خاص طور پر

تعریف میں یعنی اوصافِ حسنہ یا وصفِ محمود کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی اُس شخص کے لیے جو پیدائشی طور پر خوب صورت ہو، عمدہ خصلتوں اور اچھے اخلاق والا ہو، چوتھے یہ کہ یہ لفظ اوصاف کے انتہائی درجے کے مفہوم میں آتا ہے۔ (''نقوش'' رسول نمبر، جلد۔۱۰)

عربی زبان میں نعت گوئی کا آغاز رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ہوا۔ لفظ نعت کا استعمال سب سے پہلے آپ ہی کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا اور شاعری کی ایک مستقل صنف قرار پایا۔ مشکوۃ شریف میں ایک حدیثِ مبارکہ کا مفہوم اس طرح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا جو حضور ﷺ کی خدمت کا شرف رکھتا تھا، بیمار ہوگیا۔ نبی ﷺ عیادت کے لیے اُس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے لڑکے کے سرہانے اُس کے باپ کو تورات پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا، ''اے یہودی! میں تجھے اُس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کہ کیا تورات میں میری نعت، میری صفت اور میرے مخرج کا تذکرہ پاتا ہے۔'' اُس یہودی نے جواباً انکار کیا تو لڑکا بول اُٹھا کہ اللہ کی قسم میں تورات میں آپ ﷺ کی نعت، آپ ﷺ کی صفت اور آپ ﷺ کا مخرج پاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

(مشکوہ، مکتبہ تھانوی، دیوبند۔ ۵۱۸)

آج یہ بات ایک حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ نعت ایک قائم بالذات صنفِ شاعری ہے جس کا محور و مرکز صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضور اکرم ﷺ کی ہر مدحت جو کسی بھی صنفِ سخن میں پیش کی گئی ہو کیا نعت کا درجہ پاسکتی ہے؟ کیا نبی اکرم ﷺ کی شان میں کہا ہوا ہر قصیدہ، ہر مثنوی، ہر نظم، ہر رُباعی اور ہر قطعہ نعت کہلانے کا شرف حاصل کرسکتا ہے؟ اور بالکل ایسی ہی بات نعت خوانی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ نعت خوانی کے بارے میں بھی یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا ہر نعت خواں، نعت کی ادائیگی اور ترتیل کے لوازمات پورے کررہا ہے؟ کیا محافلِ نعت میں ادب و آداب کے وہ تمام قرینے پیشِ نظر ہیں

جو اُس ﷺ برتر و اعلیٰ ہستی کی مدحت اور تعریف و توصیف کے لیے لازم ہیں؟ کیا وہ تعریف جو توقیر و تعظیم اور رکھ رکھاؤ کی لازمی شرائط کو پورا نہ کر رہی ہو تعریف کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فالذین امنوا به و عزروه و نصروه و اتبعوا النور الذی انزل معه اولٓئک هم المفلحون ○

پس جو لوگ ایمان لائے اُن پر اور جنھوں نے اُن کی توقیر و تعظیم کی اور جنھوں نے اُن کی مدد اور حمایت کی اور جنھوں نے اُس نور کا اتباع کیا جو اُن کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ایمان کا پہلا تقاضا توقیر و تعظیم ہے۔ ایمان انسان کے اندر محبت اور عقیدت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور اُس محبت و عقیدت کی شرطِ اوّل عزت و احترام ہے۔

سورۃ الحجرات کی آیت ۲ میں اُس ادب و احترام اور توقیر و تعظیم کی شرح بیان فرمائی گئی ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے اور جس کے بغیر ایمان کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

یایها الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون○

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمھیں اس کا شعور تک نہ ہو۔

شعور و احساس تو اُسی وقت ہوتا ہے جب انسان یہ سمجھے کہ وہ حضور ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ غور کیجیے کہ یہاں رسول ﷺ کی نافرمانی اور معصیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا بلکہ مجرد سوئے ادب کی وجہ سے سارے نیک اعمال اکارت ہونے کی وعید سنائی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور حکم عدولی اور حضور ﷺ کی رائے کو پسِ پشت ڈال دینا تو بڑی دُور کی بات ہے، جس کے معصیت ہونے میں کوئی کلام نہیں، محض یہ سوئے ادب کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر دیا جائے تو اس پر کیسی دھمکی دی گئی ہے اور کیسی زبردست تنبیہ کی گئی

ہے کہ حضورﷺ کے معاملے میں ایسی بے احتیاطی برتنے کے سبب سے اب تک کے تمام کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا تمھاری سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی اور تمھیں معلوم تک نہ ہوگا کہ تم نے بے ادبی اور بے احتیاطی سے کیا کچھ کھو دیا اور تم کیسے عظیم نقصان اور خسارے سے دوچار ہوگئے۔ اس لیے کہ تم اس مغالطے میں رہو گے کہ ہم نے حضورﷺ کی حکم عدولی تو نہیں کی اور ہم سے کسی معصیتِ صریحہ کا ارتکاب تو نہیں ہوا۔

یہ ادب اگرچہ نبیﷺ کی مجلس کے لیے سکھایا گیا تھا اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضورﷺ کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جب آپﷺ کا ذکر ہو رہا ہو، یا آپﷺ کا کوئی حکم سنایا جائے، آپﷺ کی حدیث بیان کی جائے یا آپﷺ کے لیے محفلِ نعت کا اہتمام کیا جائے۔

نعتِ رسولِ مقبولﷺ کے بارے میں جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ یہ ایک با قاعدہ صنفِ شاعری ہے، لہٰذا نعت خوانی میں لحن، غنا، نغمگی یا موسیقی کے عناصر کا استعمال اور اُس کی معنویت تو اپنے طور پر ہمارا موضوعِ سخن ہے ہی مگر ہم تھوڑی بہت گفتگو مذہب اور موسیقی کے باہمی رشتے کے متعلق کرنا چاہیں گے۔

مذہب اور موسیقی کا رشتہ ایک عالم گیر نوعیت کا بہت وسیع موضوع ہے۔ اُن مذاہب میں جو وحی پر مبنی نہیں ہیں موسیقی اور مذہب کا رشتہ اس قدر گنجلک، پیچ دار، متنوع اور مختلف النوع ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ کر دینے کے بعد مذہب اور موسیقی کی الگ الگ تعریف ممکن نہیں رہتی۔

مذہب میں موسیقی سے متعلق دو قسم کے اور باہم متضاد رویے نظر آتے ہیں۔ ایک انتہا تو یہ ہے کہ موسیقی کو دیوتاؤں کی آواز قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ مذہب اُسے شیطان کی پکار بھی قرار دیتا ہے۔ موسیقی کو روحانیت کا حامل بھی سمجھا جاتا ہے اور اُسے روح کی غذا کہا جاتا ہے، عبادت کا اہم جزو تصور کیا جاتا ہے اور دوسری طرف اُسے دینی اور دنیوی زندگی سے مکمل طور پر خارج کرنے پر شدید اصرار کیا جاتا ہے۔

بیش تر مذہبی صحیفے لکھے اور پڑھے جانے کے لیے نہیں بلکہ ترتیل یعنی گائے جانے کے لیے وجود میں آئے۔ مذہبی رویوں نے بھی اپنا اظہار لحن، غنا یا موسیقی کے ذریعے ہی کیا۔ بیشتر مذاہب میں آج بھی یہ رویے موجود ہیں۔

مذہبی موسیقی کے ایک عالم گیر روایت ہونے کے علاوہ اس کی دوسری صفت اس کا

تنوع ہے۔ یہ تنوع بین الثقافتی مذہبی موسیقی کی عظیم روایات میں بھی نظر آتا ہے۔ اس امر کی عمدہ ترین مثال مسیحی مذہبی موسیقی ہے جس میں جارجین موسیقی، پروٹسٹنٹ مناجاتیں، باخ کے اوریٹوریو، روسی چرچ کے کوائیر اور یونانی آرتھوڈاکس چرچ کے نغمات کے علاوہ کئی دوسری غنائی روایات کے عناصر بھی شامل ہیں۔

موسیقی کی طرح مذہبی موسیقی کی کوئی تعریف وضع کرنا بھی ایک مشکل کام ہے اور ماہرین اس میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوسکے لیکن اتنا ضرور واضح ہے کہ مذہب میں موسیقی بطور ایک فن کے نہیں بلکہ بطور ٹیکنیک کے شامل ہوتی ہے۔ موسیقی کو بطور ٹیکنیک استعمال کرنے کا مقصد اور غایت دعاؤں، مناجاتوں، منتروں، تنتروں، وظائف اور مذہبی رسومات کی ادائگی کے وقت پڑھے جانے والے متنوں کے الفاظ کو موثر بنا کر اُن سے عملی نتائج کا حصول ہے۔

وحی پر مبنی مذاہب میں بھی لفظ کی تقدیس کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو اکثر اوقات بڑھ کر مابعدالطبیعیاتی طرزِفکر اختیار کرلیتی ہے۔ اسلام نے بھی لفظ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ کائنات صرف لفظ ''کُن'' سے تخلیق ہوئی۔ لفظ کی اندرونی طاقت کو ویدک مذہب اپنا منبع و مخرج مانتا ہے۔ ''رگ وید'' کا رشی یا پجاری ''رگ وید'' کے صحیح استعمال کے ذریعے انسانوں پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے اور دیوتاؤں کو بھی اپنے قابو میں کرلیتا ہے۔ لفظ کی صحت اور اُس کی درست ادائگی کے لیے ویدک مذہب کا ایک پورا شعبہ اور فکر میں ممانسا درشن (اشیا پر آوازوں کے اثرات کی تحقیق) وجود میں آئے جس کے مطابق لفظ اپنی طاقت اور غلبے سے تمام عالم پر حکمرانی کرتا ہے۔ لفظ اور لفظ کا درست تلفظ کس قدر اہم ہوتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالی نے صحابہ اکرام کو یہ تلقین فرمائی کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، راعنا نہ کہا کرو بلکہ اُنظرنا کہو (البقرہ۔۱۰۴)۔ یہودی جب آں حضرت ﷺ کی مجلس میں آتے تو اپنے سلام اور کلام میں ہر ممکن طریقے سے اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ذومعنی الفاظ بولتے، زور سے کچھ کہتے اور زیرِلب کچھ اور کہہ دیتے۔ ظاہری ادب و آداب برقرار رکھتے ہوئے درپردہ آپ کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے تھے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اس امر کی نشان دہی کی گئی ہے یہاں جس خاص لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے وہ ایک ذومعنی لفظ تھا۔ جب حضور ﷺ کی گفتگو کے دوران میں یہودیوں کو کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھہریے، ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجیے، تو وہ راعنا کہتے تھے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری

رعایت کیجیے یا ہماری بات سن لیجیے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے، مثلاً عبرانی زبان میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا جس کے معنی تھے ''سن، تو بہرہ ہو جائے'' اور خود عربی میں اس کے ایک معنی صاحبِ رعونت اور جاہل و احمق کے بھی تھے اور عام گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بھی بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو تو ہم تمھاری سنیں گے اور ذرا زبان کو لچکا دے کر راعینا بھی بنا لیا جاتا تھا جس کے معنی ''اے ہمارے چرواہے'' کے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرو اور اس کے بجائے انظرنا کہا کرو یعنی ہماری طرف توجہ فرمایئے یا ذرا ہمیں سمجھ لینے دیجیے۔

موسیقی کے مذہبی پہلو کی طرح اس کا علامتی پہلو بھی گنجلک اور پیچ در پیچ ہے اور یہ ہر قسم کی حادثی صوت، مزامیر، سُر، سُروں کے مجموعوں، سکیل، ترنم، غنا، ہارمنی اور موسیقی کی مختلف اوضاع میں نظر آتا ہے۔

موسیقی کے اس علامتی مظہر کو دو مختلف تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے:

اوّل: قدیم لوگوں کی طرح جن میں میگالتھک (Megalithic) اور اسٹروبیالوجیکل (Astrobiological) ثقافتیں شامل ہیں، ہم اُسے کائنات کا ایک منظم نمونہ خیال کر سکتے ہیں۔ اس تناظر میں موسیقی کو چینیوں، ہندوؤں اور یونانیوں نے دیکھا اور پھر سامی روایت کے حامیوں نے بھی یعنی عربوں نے بھی یونانیوں کے ذریعے اسلام کے بعد اُسے بڑی حد تک اپنایا۔

دوم: اسے اظہار اور ابلاغ کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کسی معاشرے میں پیدا ہونا اور تخلیقی عمل سرانجام دینا ہماری مجبوریاں ہیں۔ نہ ہمیں اس پر اختیار ہے کہ جہاں چاہیں پیدا ہو جائیں اور نہ اس پر کہ جب چاہیں تخلیق کریں۔ البتہ ہمیں یہ اختیار ضرور ہے کہ ان دو مجبوریوں کے تعلق پر کچھ باتیں کریں۔

سب سے اہم بات یہ سمجھنے کی ہے کہ سماجی عمل اور تخلیقی عمل میں ایک بنیادی فرق ہے۔ سماجی عمل عموماً برسرِعام اور تخلیقی عمل تنہائی میں ہوتا ہے۔ سماجی عمل کا تعلق خارجی دنیا سے ہوتا ہے جب کہ تخلیقی عمل کا تعلق انسان کے اندر کی دنیا سے ہوتا ہے۔ سماجی عمل اپنے اثرات کے حوالے سے پورے معاشرے پر محیط ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ ہو سکتا ہے جب کہ تخلیقی عمل انفرادی سطح پر فرد کے حوالے سے معاشرے کے آہنگ اور توازن کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سماجی عمل اپنی مخصوص نوعیت کی وجہ سے معاشرے کے تمام تر افراد کی مشترکہ احتیاجات

اور ضروریات کے تابع ہوتا ہے اور انفرادی طور پر تنہا ایک فرد کے روحانی کرب، باطنی احساسات، اُس کے خوابوں، وجدان و تخیل کے تقاضوں سے سماجی عمل کا کوئی براہِ راست واسطہ نہیں ہوتا۔
تخلیقی عمل بنیادی طور پر انفرادی وجدان و تخیل کے ذریعے موجود صورتِ حال سے ماورا ہونے اور ناموجود کو موجود بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ وجدان و تخیل کا یہ عمل اس معنی میں انقلابی ہوتا ہے کہ وہ موجود کو تبدیل کر کے نئے عالم کی تخلیق پر مُصر ہوتا ہے اور بنیادی طور پر یہی وہ صورتِ حال ہے جس میں تخلیقی عمل سماج کے اُن مقتدر عناصر کے لیے جو موجود کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں چیلنج بن جاتا ہے۔ سماج کی تخلیق دشمنی اور تخلیقی عمل سے خوف زدگی کا یہی بنیادی سبب ہے۔

ہر عمل کے پسِ پردہ میلانات، رجحانات اور اُن سے پیدا شدہ رویے کارفرما ہوتے ہیں۔ اب اگر سماجی میلانات اور رویے موجود کو برقرار رکھنے اور اُسے تبدیل نہ ہونے دینے کے ہوں تو تخلیق سے خوف زدگی اور ایک بالکل فطری بات ہوگی۔

تخلیقی عمل محض شعر و ادب یا فنونِ لطیفہ کی تخلیق تک محدود نہیں ہوتا تخلیقی رویوں کی کارفرمائی زندگی کے ہر شعبے اور عمل میں ہوسکتی ہے۔ آپ کے چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی کاموں میں بھی یہ رویے محسوس کیے جاسکتے ہیں بشرطے کہ وہ موجود کو بہتر اور خوب صورت بنا کر اُس کی قلبِ ماہیت کرنے اور زندگی کو خوب صورتی اور توانائی بخشنے کے لیے ہوں نیز یہ کہ زندگی کے فطری آہنگ کے مطابق ہوں۔ اس تخلیقی عمل کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ آپ جس قدر حسن، توازن اور آہنگ باہر کی دنیا میں پیدا کریں گے اسی قدر حسن، توازن اور آہنگ آپ کی ذات میں، آپ کے باطن میں پیدا ہوگا۔ تخلیقی عمل کا بنیادی اصول یہی ہے اور اگر آپ اپنی ذات میں حسن، توازن اور آہنگ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اُسے زندگی کے عام کاموں میں بھی برتیے۔ لہٰذا تخلیقی عمل کے پیچھے جو رویے کارفرما ہوں گے وہ موجود صورتِ حال کو تبدیل کرنے والے، اُس کی قلبِ ماہیت کرنے والے ہوں گے۔

آپ کے تخلیقی عمل سے اشیا اور معروض (جن میں انسان بھی شامل ہیں) موجود صورت کو چھوڑ کر اعلیٰ تر صورت اختیار کرلیں گے اور زندگی کے حسن اور اُس کی توانائی میں اضافہ کریں گے۔ یوں ہم سماجی اور تخلیقی عمل میں ایک فرق اس طرح بھی کرسکتے ہیں کہ سماجی عمل کی جہت، اگر اُس میں تخلیقی رویے شامل نہ ہوں تو ہمیشہ اُفقی ہوگی جب کہ تخلیقی عمل کی جہت اگر اُس میں سماجی رویے بھی شامل ہوں تو بھی ہمیشہ عمودی ہوگی۔ افقی سطح کے کاموں میں اگر اشیا میں

ترمیم و اضافہ ہو تب بھی حقیقت کا وہی درجہ برقرار رہتا ہے جب کہ عمودی سطح پر اشیا نچلے درجے سے بلند ہو کر اعلیٰ تر درجات کی حامل ہو جاتی ہیں۔

یہی عمودی جہت اعلیٰ اقدار کو جنم دیتی ہے۔ معاشرے میں قدری رویوں کی اہمیت ختم ہو جائے تو اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ معاشرتی زوال کی سب سے بڑی نشانی یہی ہے۔

ایمان اور ایقان میں کمی ہو تو آہنگ ضرورت سے زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔ نغمگی شور میں ڈھل جاتی ہے۔ اندر کا کھوکھلا پن باہر کی سوجن کو جنم دیتا ہے۔ منفی اقدار معاشرے میں زندگی کی علامات بن جاتی ہیں۔

تقدس سے وابستہ روایات عامیانہ پسندیدگی کی سندِ قبولیت کے حصول کی خاطر لچر پن کی آخری حدود تک تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ آج ہم بالکل ایسی ہی صورتِ حال کا شکار ہیں۔ عام موسیقی کا سوقیانہ پن مقبولِ عام ہو کر اب ہمارے نعت خوانوں کے لحن میں بھی در آیا ہے۔ مگر اس کی سب سے زیادہ تشویش ناک شکل ''ذکرِ الٰہی'' کا نعت کے لحن میں مزامیر کی موسیقی کے بدل کے طور پر استعمال ہے۔ ذکرِ الٰہی کے تقدس کو جس طریقے سے پائمال کیا جا رہا ہے۔ وہ سراسر عذابِ الٰہی کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف یہ کہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کی بے حرمتی ہوتی ہے بلکہ ذکرِ الٰہی کا احترام بھی مجروح ہوتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ ایک لفظ ''راعنا'' کی ادائیگی میں تصرف کے لیے اللہ تعالیٰ آیتِ مبارکہ نازل فرماتے ہیں اور لفظ کے استعمال کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور جہاں ہم خود اللہ کے ذکر کو ایک غلط مقصد کے لیے استعمال کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں وہاں ہم اُس سے کس قسم کے صلے کی اُمید رکھ سکتے ہیں؟

آیئے ذکرِ الٰہی کے متعلق چند آیاتِ مبارکہ کو پڑھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

یایہا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیراo

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہو۔ (احزاب۔۴۱)

الذین امنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ. الا بذکر اللہ تطمئن القلوبo

جنھوں نے (اُس نبی ﷺ کی دعوت) کو مان لیا ہے اور اُن کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ بے شک اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے

جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔ (الرعد۔۲۸)

انما المومنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم...

سچے اہلِ ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں... (الانفال۔۲)

و من یعش عن ذکر الرحمن... فی العذاب مشترکونo

جو شخص رحمٰن کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اُس کا رفیق بن جاتا ہے۔ یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔ آخرکار جب یہ شخص ہمارے ہاں پہنچے گا تو اپنے شیطان سے کہے گا ''کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا بُعد ہوتا، تُو تو بدترین ساتھی نکلا'' اُس وقت اُن لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم ظلم کر چکے تو آج یہ بات تمھارے لیے کچھ بھی نافع نہیں ہے کہ تم اور تمھارے شیاطین عذاب میں مشترک ہیں۔ (الزخرف۔۳۹۔۳۶)

و للّٰہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا و ذرو الذین یلحدون فی اسمائہ سیجزون ما کانوا یعملونo

اور اللہ کے سب نام ہی اچھے ہیں تو اُس کو اُس کے ناموں سے پکارا کرو۔ اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے۔

(الاعراف۔۱۸۰)

واذکرربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجھرمن القول بالغدو و الاصال و لاتکن من الغفلینo

اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

ان آیاتِ مبارکہ میں ذکر کی نوعیت، ذکر کے آداب، ذکرِ الٰہی کے مقصد، ذکر کے وقت

کی کیفیات اور ذکر کے احترام و تقدس کے بارے میں اس قدر وضاحت موجود ہے کہ ان پر کسی قسم کے تبصرے کی گنجائش نہیں۔

آج میڈیا نے ہمیں جہاں ایک طرف عالم گیریت کی لپیٹ میں لے کر دنیا کی آگہی دی ہے وہاں دوسری طرف منفی اقدار کے فروغ اور ہمارے تہذیبی کھوکھلے پن نے ہمیں سماجی طور پر نہ صرف یہ کہ تضادات سے بھر دیا ہے بلکہ انفرادی سطح پر بھی ایک فکری خلا کا شکار بنا دیا ہے۔ اس وقت ہم زوال پزیر معاشرے کی تمام تر علامات کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ہمارے اکثر نعت خواں وکٹورین اداکاروں کی طرح ظاہری نمود و نمایش کے پیکروں میں ڈھل گئے ہیں۔ صرف اندازِ نعت خوانی ہی نہیں بلکہ نعت خوانوں کے لباس بھی نعت کی تقدیس کے منافی ہوتے ہیں۔

مشہور ماہرِ عمرانیات پیٹرم سوروکن (Pitirim Sorokin) نے دنیا کے زوال پزیر معاشروں کے گہرے مطالعے کے بعد ایک جگہ لکھا ہے:

> منفی قدریں جلد یا بدیر خود اُن کو فنا کر دیتی ہیں جنھوں نے انھیں سینے سے لگا رکھا ہوتا ہے۔ ثقافت یا کلچر اُسی وقت انسانیت کا اثاثہ بن سکتی ہے جب اُس کی قدریں مثبت ہوں۔ مثبت قدریں زندگی کو آگے بڑھاتی ہیں۔ منفی قدریں خود زندگی کو تباہ کر دیتی ہیں۔ خود اُس کے وجود کو کھا جاتی ہیں۔

کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اُس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت اُن پر گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔

☆

فکروفن

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی۔ بھارت

علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی عربی نعتیہ شاعری

عربی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ہندوستان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ہندوستان کے عربی نعت گوشعرا، اسالیب، زبان و بیان، رنگ و آہنگ، ندرتِ خیال اور جدتِ تراکیب کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ہندوستانی شعرا نے آں حضورﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور افکارِ مطہرہ کا کیا ہی خوب صورت مرقع پیش کیا ہے۔ مثلاً: غلام علی آزاد بلگرامی، شاہ رفیع الدین، ضیاء الدین مدراسی، نصیرالدین دہلوی، محمد یعقوب نانوتوی، فیض الحسن سہارن پوری، احمد رضاخاں بریلوی، ابومحمد طاہر سیف الدین، ظفراحمد تھانوی اور محمد سعید المجددی نے عربی نعتیہ شاعری کے توسط سے اپنے اپنے انداز میں اسوۂ رسول کی چمن بندی کی ہے۔

ہندوستان کے عربی نعت گوشعرا میں فضلِ حق خیرآبادی کی شخصیت سرخیل کے مانند ہے۔ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محترم علامہ فضل امام خیرآبادی کا نام ورعلما میں شمار ہوتا تھا۔ فضلِ حق خیرآبادی نے اپنے والد محترم سے بہت کچھ سیکھا۔ آپ کی عظمت و رفعت کی ایک بین مثال یہ ہے کہ مفتی صدرالدین آزردہ آپ کے ہم سبق تھے اور مرزا غالب آپ کے دوستوں میں سے تھے۔ دیوانِ غالب آپ کا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔ مرزا غالب آپ سے اکثر اصلاحات لیا کرتے تھے۔ فضلِ حق خیرآبادی کی شخصیت کا ایک ممتاز پہلو یہ ہے کہ ہندوستان کو انگریزوں کے ظلم وتشدد اور قہر و جبر سے آزادی دلانے اور سلاسلِ غلامی کو توڑنے میں قابلِ ستائش فکری اقدامات کیے۔ آپ کے فکری اور علمی قد کو دیکھتے ہوئے اَودھ کے صدرالصدور کے منصب پر آپ کو فائز کیا گیا۔ شاعری کے علاوہ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ مثلاً (۱) الجنس الغالی شرح جواہرالعالی (۲) حاشیہ افق المبین (۳) حاشیہ تلخیص الشفا (۴) حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک

(۵) الهدیہ سعیدیہ (۶) رسالہ تشکیک ماہیات (۷) رسالہ کلی طبعی (۸) رسالہ علم و معلوم (۹) روض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود (۱۰) رسالہ تحقیق حقیقۃ الاجسام (۱۱) رسالہ الثورۃ الہندیہ (۱۲) قصاید فتنۃ الہند (۱۳) مجموعۃ القصاید (۱۴) امتناع النظیر (۱۵) تحقیق الفتوی۔ مذکورہ بالا تصانیف کی روشنی میں یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ علامہ علم و فضل کے آخری زینے پر فائز تھے۔ قرآنیات، اسلامیات اور فقہ پر آپ کی دست رس اور کامل عبور کا اعتراف کیا گیا۔

اس مضمون میں آپ کی نعتیہ شاعری کا ایک جائزہ پیش کیا جائے گا۔ آپ کے نعتیہ اشعار سے واضح ہے کہ آپ غیر معمولی عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ شداید و عوارض میں رسول اللہ ﷺ کو آخری سہارا تصور کرتے۔ ان کے اشعار سے مترشح ہے کہ ہر جنگ عشقِ رسول ﷺ کے توسط سے جیتی جاسکتی ہے۔ جنگ آزادی میں اپنی فکری جنگ کی وجہ سے انھیں نہ صرف جزیرہ انڈمان میں قید و بند کی صعوبت اُٹھانی پڑی بلکہ اپنی قلمی جنگ و جدل کے سبب ان کے عزیز و اقارب کو بھی سخت ترین اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ ان مصایب و مسائل میں انھیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ بلکہ کالے پانی میں انھیں ان دونوں سہاروں کے علاوہ کوئی اور شعاعِ اُمید نظر نہ آئی۔ چناں چہ اپنے جن دو قصاید میں انگریزوں کی سفاکیت، بہیمیت کا ذکر کیا ہے ان کا اختتام بلکہ مسک الختام عشقِ رسول ﷺ پر ہوا ہے۔

آں حضور ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار ابتدا میں اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے آپ کے محاسن عالیہ بھی منظرِ عام پر آجاتے ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ نے ان شمائل مبارکہ سے نوازا ہے جس کی مثال دینا معدوم ہے۔

کیف الولاء وهم اعادی من له　　خلق السماء والارض والانشاء

ان (انگریزوں) سے محبت کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ وہ تو اس ذاتِ گرامی کے دشمن ہیں جس کی وجہ سے آسمان و زمین پیدا کیے گئے اور سنوارے گئے۔

هو الاوّل النور السنی تبلّجت　　بضیائه فی العالم الضواء

وہ پہلا روشن نور ہے، جس کی وجہ سے سارے عالم میں روشنی ہوگئی۔

هو اوّل الانبیاء و آخرهم به　　ختم النبوة وابتداء الابداء

(وہ تمام انبیاے کرام کے اوّل و آخر نبی ہیں، نبوت کی انتہا و ابتدا آپ ﷺ سے ہوئی ہے)

بداء به ابدى المهيمن مره فلاجله الايداء والابداء

(آپ سب سے اعلیٰ ہیں، اللہ نے آپ ہی کے توسط سے اپنے راز ظاہر
کیے، یہ حقیقت کی انعامات اور آفرینش آپ کی وجہ سے ہے)

قدخصه البارى باوصاف على لم يعطها الاحداث والقدماء

(اللہ نے آپ کو ایسے اخلاق عالیہ سے آراستہ کیا جو اب تک متقدمین اور
متاخرین میں سے کسی کو نہ عطا کیے گئے)

اعطاه فضلا ليس يمكن ان يكون له شريك فى او شركاء

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی قدر و منزلت سے نوازا جس میں کوئی شریک و
سہیم نہیں ہے)

اسماه اذا سماه بالحسنى ضمن اسماء خالقه له اسماء

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوب صورت ناموں سے موسوم کر کے آپ کی ذات
کو بلند کیا۔ اللہ کے بہت سے ناموں میں سے آپ کے نام ہیں)

قدزاد مكة رفعة ميلاده وتشرفت بوجوده البطحاء

(آپ کی ولادتِ مبارکہ نے مکہ مکرمہ کی شان دوبالا کر دی، اور وادیِ بطحا
آپ کے وجود سے باسعادت ہوگئی)

قد طاب طيبة اذ ثواها واعتلت شرقاييمم ساحها البعداء

(آپ کے قیام سے مدینہ منورہ خوش گوار ہو گیا اس کی منزلت میں اس قدر
اضافہ ہوا کہ دُور دراز سے لوگ اس سرزمین کی زیارت کے لیے آنے لگے)

اس قصیدے میں آپ ﷺ کے بہت سے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ویسے تو آپ کا اصل معجزہ قرآن کریم تھا لیکن اس پہلو سے بھی کسی حد تک آپ ﷺ کی عظمت منظرِ عام پر آتی ہے۔ ان پہلوؤں کو نہایت فصیح و بلیغ انداز میں منظوم کیا ہے۔ ایک طرف اگر تاریخِ اسلام کے واقعات سے علامہ واقف تھے تو دوسری طرف عربی زبان کی باریکیوں سے باخبر بھی۔

اوحى الى القمر المنير فشقة وابانه شقين والايماء

(روشن چاند کو اشارے سے ٹکڑے کر دیا، اور اشارے ہی سے دو نمایاں
حصوں میں تقسیم کر دیا)

والشمس اشفت للغروب فاوقفت   ليكون منه للصلوة اداۤء
(اور سورج وقتِ غروب کو پہنچنے کے باوجود بھی رک گیا تا کہ آپ نماز ادا کرسکیں)

حيّته احجار واشجار و كم   نطقت له بنصاحة عجماء
(پتھروں اور درختوں نے آپ کو سلام کیا اور بہت سے چوپایوں نے آپ سے فصیح انداز میں کلام کیا)

اروىٰ بماء من اصابعه جبرى   عطشى فانهلهم روى ورواء
(آپ نے اپنی انگلیوں سے جاری ہونے والے پانی سے پیاسوں کو سیراب کیا، چناں چہ آپ نے انھیں سیراب اور شاداب کیا)

كم اشبع الغرثى الكثير بيمنه   نور وكم نال المقل ثراء
(آپ کی برکت سے تھوڑی غذا نے بہت سے بھوکوں کو شکم سیر کردیا اور بہت سے تنگ دست مال دار بن گئے)

قد حسن جذع حيق فارقه كما   تبكى المتيم فى التوى البرحاء
(جس وقت آپ (کھجور) کے تنے سے جدا ہو رہے تو وہ اس قدر رو رہا تھا جس طرح ایک عاشق کو سوزِ عشق فراق میں رلاتا ہے)

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ اصلاً یہ قصیدہ انگریزوں کے مظالم کو منظرِ عام پر لانے کے لیے منظوم کیا گیا ہے، علامہ نے بذاتِ خود تو محاذ آرائی نہ کی، لیکن اپنی حکمتوں اور اپنے قلم سے یہ کوشش کی کہ ان غاصبوں سے ملک کو آزاد کرایا جائے، اس کی پاداش میں علامہ کو طرح طرح کی اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ ان آلام و مصایب میں انھیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کوئی سہارا نظر نہیں آرہا تھا، علامہ کے انھی احساسات و جذبات کی آواز بازگشت درج ذیل اشعار میں سنائی دیتی ہے:

يارحمة للعلمين ارحم على   من لاله فى العالمين رثاء
(اے سارے جہانوں کے کرم فرما! مجھ پر رحم فرمایئے، میرا تو جہانوں میں کوئی مونس نہیں ہے)

اَفدیک مُنّ علی اسیر مالہ راث ولامن لہ وفداء

(میں آپ پر قربان! آپ اس قیدی پر رحم فرمایئے، جس کا نہ تو کوئی دردمند نہ کوئی محسن اور جاں نثار ہے)

فاشفع لہ من دون ارجاء فقد ضاقت علیہ الارض والارجاء

(آپ اس کی بے حد وحساب شفاعت کریں۔ یقیناً زمین اور اس کے تمام اکناف واطراف تنگ ہوگئے ہیں)

یامن اغاث بلطفہ جملاً شکا لطفا فلی شکوی نوی و شکاء

(اے شاکی اونٹ کے فریاد رس! مجھ پر اسی طرح رحم فرمایئے، مجھے بھی مجبوری اور بیماری کی شکایت ہے)

قد طال اشکاء الکروب فاشکنی فاشفع لیرفع ذلک الاشکاء

(مصایب کی رسی دراز ہوچکی ہے پس آپ میرے دکھوں کو ٹال دیں اور سفارش فرمادیں تاکہ اذیتیں کافور ہوجائیں)

اس قصیدے کا اختتام حمد پر ہوتا ہے، علامہ خیرآبادی اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ خدایا! میرے آلام ومصایب کو خوشیوں میں تبدیل کردے۔ علامہ نے نہایت رقت آمیز انداز اختیار کیا ہے، پڑھتے ہوئے آنکھیں بھر آتی ہیں۔ عجیب سا درد بھرا ماحول طاری ہوجاتا ہے، آپ کی حمدیہ شاعری میں اللہ تعالیٰ کا مقام ومرتبہ پوری طرح جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن سرورِ کائنات ﷺ کو واسطہ بناتے ہوئے حضورِ باری تعالیٰ حاضر ہوتے ہیں۔

لم یبق لی غیر امتباحک فی لدیٰ الرب الرحیم المتماح رجاء

(اے سرورِ کونین ﷺ! میرے پاس آپ کی تقدیس وتوصیف کے سوا کچھ نہیں، رب رحیم اور رب کریم سے (آپ کے بغیر کیا اُمید)

لحنی لحنی عندہ وارحم علی لحنی لمنحک لایرد دعاء

(بارگاہِ ایزدی میں میری دست گیری فرمائیں، اور مجھ پر رحم فرمائیں۔ اپنی رحمتوں سے مجھے سرفراز فرمائیں۔ آپ کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں)

آں حضور ﷺ کے توسط سے بارگاہِ ربّ العزت میں حاضر ہونے کے بعد اللہ سے فریاد رس ہیں۔ حمدیہ اشعار کے ایک ایک حرف اور آپ کے ہر بنِ مو سے مترشح ہے کہ آپ اطاعتِ ربانی

اور اطاعتِ رسول ﷺ کی ایک کامل تصویر تھے، اسی ردائے زیست کو اپنا دنیوی اور اخروی ماحصل قرار دیا۔

یا رب حقق لی رجائی ولکن لی فی النجاۃ من الھدیٰ ارجاء

(اے اللہ! میری اُمیدوں کو بر لادے اور دشمنوں سے نجات دلانے میں تاخیر نہ فرما)

رب اعف عنی ما اقترفت اعفنی فرجائی متک العفو والاعفاء

(اے آمرزگار! میری خطاؤں کو معاف فرما، مجھے درگزر کردے، تمھاری ذات سے عفوودرگزر ہی کی اُمید ہے)

ان کان ما اشکوہ مقضیافکم بدعاء مظلوم یرد قضاء

(میرے مصایب گرچہ میرے مقدرات میں شامل ہیں، لیکن اکثر ایسا ہوا کہ مظلوم کی دُعا سے فیصلے ٹل جاتے ہیں)

لاتشقنی ابداً واسعدنی فلا ینتاب من بعد السعود تنقاء

(مجھے بدبختی میں نہ ڈال، مجھے نیک بخت بنا، اور سعادت کے بعد شقاوت کی نوبت نہ آئے)

ووسائلی ربی الیک محمد والمرتضیٰ وابناہ والزھراء

(اے میرے رب! تیرے دربار میں میرے وسیلے، محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت علیؓ، حسن حسین اور فاطمہ زہرا ہیں)

یا ربّ صلی علیہ مدحت علی الایک الاریق حمامۃ ورقاء

(اے رب کریم! احمد مجتبیٰ ﷺ پر رحمتیں نازل فرما، جب تک خوب صورت فاختہ سرسبز وشاداب درختوں پر ترنم ریز ہیں)

دوسرے قصیدہ دالیہ میں بھی انگریزوں کی چیرہ دستی رقم کی گئی ہے۔ ان کی عیاریوں اور فریب کاریوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں بے شمار تحریریں اور منظومات منظرِعام پر آئیں، ان میں سے جن فکری کاوشوں کو اوّلیت دی گئی ان میں مولانا کی تصنیف 'الثورۃ الہندیہ' اور ان دونوں قصاید کو واضح طور سے شامل کیا گیا۔ یہ دونوں قصاید سلاخوں کے اندر کوئلے سے تحریر کیے گئے۔ ابتدا میں انگریزوں کی قساوتِ قلبی پر روشنی ڈالی گئی اور اختتام نعتِ رسول

مقبول ﷺ پر ہوا۔ اپنے مصایب کے باب میں ربّ کائنات سے درخواست گزار ہیں کہ اپنے حبیبِ کائنات ﷺ کے طفیل میں ہمیں ان دشمنانِ اسلام سے نجات دے دے۔

یا رب انقذہ من ایدی عدی کفر بجاہ احمد و محمود و حماد
(اے پروردگار! اعلیٰ مرتبت اور حماد کے طفیل میں اس (مصیبت زدہ کو) کافر دشمنوں کے چنگل سے نجات دے دے)

ارسلت رحمۃ للعلمین الی الا م طراً لارفاد و ارشاد
(اے باری تعالیٰ! تو نے اسے دنیا میں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا اور ہدایت و رہبری کی ذمہ داری اسے سونپی)

غوث المناوی لکف الناس مضر عنا یوم التنادی ندی الکف فی النادی
(مصیبت میں آواز دینے والوں کے لیے فریاد رس، روزِ قیامت ہماری پناہ گاہ، مجلس کے نہایت فیاض شخص ہیں)

ھاد وحام وماح مائح لغو عم و مستصرخ مستشفع جادی
(آپ ہادی اور گم کردہ نابینا کے حامی و ناصر، حاجت رواؤں کے معین و مددگار، طالبین شفاعت کی شفاعت کرنے والے اور جود و سخا کے امام ہیں)

جار لجار شکا جوراً یمیح لمن قد استماح وممتاد لممتاد
(مظلوم پڑوسی کے آپ محافظ ہیں۔ طالب مدد کا ساتھ دینے والے ہیں اور حاجت مندوں کی مدد کرنے والے ہیں)

ھاد یبشر قد القت بشائرہ الرھبان فی رھب والھود فی ھاد
(وہ خوش خبری سنانے والے ہادی ہیں۔ آپ کی آمد کی خوش خبری راہبوں نے حالتِ خوف میں بتائی اور اسی طرح یہودیوں نے نہایت ہلکے انداز میں اس خبر کو عام کیا)

بحر شریعۃ بیضاء صافیۃ مشروعھا مشرع عناب لورّاء
(آپ سمندر کے مانند ہیں۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت روشن و تاب ناک ہے جس کے احکامات پیاسوں کے لیے شیریں چشمہ کی طرح ہیں)

دینه ناسخ الادیان قاطبة　　　باق علیٰ مرا حقاب و آباد

(آپ کے دین نے تمام ادیان کو منسوخ کردیا، اور رہتی دنیا تک قائم و دائم رہنے والا ہے)

اس قصیدے کے اختتامی اشعار میں بھی آپ ﷺ کے اوصافِ کریمانہ اور اخلاقِ عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بے بسی اور کس مپرسی کی داستان چھیڑی گئی ہے۔ قید خانے کی شدت وحدت کو قلم بند کیا گیا ہے۔ علامہ کو اس میں خاص ملکہ حاصل ہے کہ ایک یہی بات کو تعریفی انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری کے دامنِ دل کو چھو لیتے ہیں۔ علامہ نے ایک طرف اگر اپنے دکھوں کا راگ الاپا ہے تو دوسری طرف بڑی عقیدت سے سیرتِ پاک پر رطب اللسان ہیں۔

وان ینفس عنی عاجلاً کربی　　　اللاتی تجاوزن عن حصر و تعداء

(اے رسولِ خدا ﷺ! اللہ سے دُعا کریں کہ میری ان پریشانیوں کو جلد از جلد دُور کردے جو حد وحساب سے تجاوز کرچکی ہیں)

وان یعافینی فوراً ویبدلنی　　　وجدی بوجه و اشقالی باسعاد

(اور فی الفور مجھے عافیت عطا فرما، اور میرے غموں کو خوشی سے اور شقاوت کو سعادت سے تبدیل کردے)

وان یتیح حمای بالشهادة فی　　　جوار مثواک یاجاری و یاهادی

(اور اے میرے محافظ و رہ نما! اللہ سے دُعا فرمائیں کہ آپ کی اقامت گاہ کے پہلو میں مجھے شہادت کی موت نصیب ہو)

فانتسدتک اللّٰہ فاقبل مدحتی کرما　　　حتی افوز بمنشوری بالنشادی

(اللہ کے حوالے سے کہنا چاہوں گا کہ اپنی نوازش کے پیشِ نظر میری مدح سرائی قبول فرمائیں تاکہ میری یہ نعت گوئی میری سرفرازی کا ذریعہ بن جائے)

مذکورہ اشعار کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ علامہ ہندوستان کے عربی نعت گو شعرا میں انفرادی شخصیت کے حامل ہیں۔ گوکہ ان کی نعتیہ شاعری کے مضامین محدود ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو صرف دو موضوع اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک ان کے اپنے مسائل اور دوسرے سرورِ کائنات ﷺ کی صفات کا بار بار اعادہ۔ مذکورہ دونوں قصاید کے مضامین کا موازنہ کیا جائے تو

کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، یعنی دونوں کے موضوعات میں پورے طور سے یکسانیت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلوبِ بیان میں اس قدر تاثیر اور قوتِ نفوذ ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ علامہ کے یہاں کیفیاتِ قلب کا معاملہ ہے۔ تصنع و تکلف سے کوئی یارانہ نہیں۔ پسے ہوئے انسان اور دکھے ہوئے دل کی آواز ہی اور ہوتی ہے وہ انسان دوستوں پر ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے۔ چناں چہ یہی دلی آواز اور دلی کیفیات اور آں حضور ﷺ سے گہری عقیدت علامہ کے شعروں میں موجود ہے۔ علامہ کی نعتیہ شاعری کی مکمل تصویر اسی وقت سامنے آسکتی ہے جب کہ ان کے غیر مطبوعہ قصاید کے اشعار پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ علامہ کے غیر مطبوعہ قصاید کی دو جلدیں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے مولانا آزاد کتب خانہ میں موجود ہیں۔ پہلی جلد کے سات قصاید ۷۰ صفحات پر مشتمل ہیں اور دوسری جلد کے نو قصاید ۸۵ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان تمام غیر مطبوعہ قصاید کے تجزیاتی مطالعے کے لیے ایک بھرپور مقالے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس مقالہ میں چند اشعار پر اکتفا کرتے ہوئے کسی حد تک علامہ کی نعتیہ شاعری کا مقام و مرتبہ متعین کیا جائے گا۔ سب سے پہلے قصیدہ عینیہ کے چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں:

خیرالخلائق ارصناهم واحمدهم خلقاً وخلقاً رسول الجن ولانس

(آپ خیرالخلایق تھے، تمام لوگوں سے زیادہ چہیتے اور لایقِ تعریف تھے اور
آپ کو تمام جن وانس کا رسول بنا کر پیدا کیا گیا)

حامی الحقایق و مبدیها ومبداها حق بداء تجلّی غیر ملتبس

(آپ حقایق کے ہم نوا اور اسے غالب کرنے والے تھے اور حقایق بالکل
واضح شکل میں منظرِ عام پر آ گئے)

ماذر من ذرة الاو مخرجها من الظلام منور منه منعکس

(حقایق کے تمام پہلوؤں پر ردائے ظلمت پڑی ہوئی تھی، لیکن آپ کے نور
سے تمام چیزیں ظاہر و باہر ہو گئیں)

محمد خیرمن سار الانام ومن جلی الظلام منور غیر منطمس

(محمد ﷺ نے تمام مخلوق کی سیادت فرمائی اور آپ نے لازوال نور سے
تاریکیوں کو روشن کردیا)

الربّ ربّاه امیاد علمه　　ام الکتاب حکما محکما الاسس

(اللہ ربّ العزت نے آپ کی پرورش کی، آپ کے علم کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہے، جس کے احکام حد درجہ پایدار اور مستحکم ہیں)

قد انطویٰ کل فصل فی قواصله　　وفی مطالعة نور لمقتبس

(اور قرآن کریم کے تمام اجزا میں ایک واضح حکم موجود ہے اور تدبر قرآن میں ایک ایسا نور ہے جس سے استفادہ کیا گیا اور کیا جاتا رہے گا)

اشفع لمقترف للذنب معترف　　فی البغی منهمک فی العنی منقمس

(آثم و خطاکار کی شفاعت فرمایئے۔ جسے (ماضی میں) سرکشی میں غرق ہونے کا اعتراف ہے)

مذکورہ اشعار میں تین چیزوں کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ ایک تو نبوت و رسالت کے حقیقی پیغام کی وضاحت میں یہ بتایا گیا کہ آپ کی آمد سے دنیا کی تمام ظلمتیں معدوم ہوگئیں اور حقایق پر پڑی ہوئی دبیز چادریں بے معنی ہوکر رہ گئیں، دوسرا پہلو ان اشعار میں یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے دنیاے انسانیت کو ایک قابلِ اعتبار قانون موصول ہوا، اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اپنی بے بضاعتی اور خطاؤں کا واضح انداز میں اعتراف ہے۔ ایک دوسرے غیر مطبوعہ عینیہ قصیدے میں سیرتِ مبارکہ کی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے:

فهذا اهو الحق الیقین فلا تقل　　کما کان یهذیٰ ساکع متکع

(پس آپ ہی کی ذات کلی طور سے سچ ہے۔ تمھیں غیر ہدایت یافتہ اور شقی القلب شخص کی طرح بڑبڑانا مناسب نہیں ہے)

اتانا بآی افحمت کل مفلق　　وکل بلیغ، مصقع یتنطع

(آپ ان آیاتِ کریمہ کے ساتھ مبعوث ہوئے جس نے ہر عظیم شاعر اور غیر معمولی بلیغ شخص کو خاموش کردیا جو نہایت فصاحت اور اعتماد کے ساتھ موضوع پر گفتگو کرتا ہو)

واسمی اسمه الباری ونقره ذکره　　یناویٰ به عند الصلوٰة ویرفع

(اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کو رفعت عطا کی اور آپ کے ذکر کو دوام بخشا، نماز کے وقت آپ کے نام کو پکارا جاتا ہے اور اسے بلند آواز سے عام کیا جاتا ہے)

وردّت علیه الشمس بعد افولها کما هی ردّت اذ یقاتل یوشع

(اور سورج غروب ہونے کے بعد آپ کے لیے دوبارہ طلوع ہوا)

لقد اقرعو الکفار عنه وقارعوا عداه فدانوهم فد انواء اقرعوا

(یقیناً صحابۂ کرامؓ نے کفار کو آپ سے باز رکھا اور آپ کے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہے، چناں چہ صحابۂ کرامؓ نے ان کا سامنا کیا اور انھیں حق کی طرف موڑا)

علیک من الرحمان انمی سلامه وارکاه ماهبت رخاء وزغع

مذکورہ اشعار میں قرآن کریم کی عظمت کو منظرِ عام پر لاتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ وہ کلامِ الٰہی ہے جس کے حضورِ عرب کے تمام فصحا اور بلغا سرافگندہ ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے مختلف دینی احکام کے توسط سے آپ ﷺ کے ذکرِ خیر کو ابدیت بخش دی۔ چناں چہ مسلم اور غیر مسلم تمام اصحابِ فکر نے ذکرِ رسول ﷺ کو موضوعِ بحث بنایا۔ چناں چہ دنیا کے مشہور مستشرق پروفیسر نولدیکی نے برطانیہ انسائیکلوپیڈیا میں تحریر کیا کہ دنیا کی تمام دینی شخصیات میں اوّلیت وفضلیت رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ کا ایک نعتیہ قصیدہ میمیہ ہے:

فلیس له عدیل فی اعتدال وعدل اوقسیم فی القام

(میانہ روی میں آپ کا کوئی ہم سر نہیں ہے اور قدوقامت میں کوئی آپ کے مثل اور ہم پلہ نہیں ہے)

محاوحمی اباطیلا وحقاً فما اعلاه من ماح وحام

(آپ نے باطل قوتوں کو روکا اور انھیں نابود کیا اور ناز نخرے اور چراغ پا ہونے والوں میں سے کسی نے آپ کو نیچا نہیں دکھایا)

محاوحمی فما حام و سام کا حمد فی بنی حام و سام

(آپ نے اندھیرے کو دُور کیا اور یاوری کی، آپ نے نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کیا اور نہ ہی کسی کو ذلیل کیا، حام اور سام کے لوگوں میں کوئی احمد مصطفیٰ ﷺ جیسا نہیں ہے)

محا الادیان طرّاً اذامّانا بدین کامل قحم مد اما

(جب آپ دینِ کامل کے ساتھ تشریف لائے تو تمام ادیان مٹ گئے اور یہی دین رہتی دنیا تک قائم رہے گا)

کشمس اشرقت ضحو افظل　　الکواکب فی انطماس وانضمام

(آپ روشن آفتاب کے مانند ہیں جس سے پوری دنیا روشن ہوگئی (اس کے بعد) تمام نجوم وکواکب پس پشت چلے گئے)

وبحره لُجّه الموّاج طام　　یطّم علی الکواکب بالتطام

(اور آپ کے سمندر کی وسیع وعریض موجیں تمام چیزوں پر چھا جاتی ہیں اور ستاروں کو پوری طرح سے ڈھانک لیتی ہیں)

مثیل ماله ابداً مثیل　　وعدل ماله عدل مسامی

(تاابد کوئی آپ کا نظیر نہیں بن سکتا اور کوئی مدِ مقابل ہم سر آپ کا نہیں مل سکتا)

به تم المکارم والمعالی　　به کمل الرسالة باختتام

(تمام مکارم عالیہ اور اوصاف کاملہ آپ کی ذات پر جاکر تمام ہوتے ہیں اور تکمیل رسالت کا اختتام آپ پر ہوا)

حباه اللّٰه اوصافاً ابت　　ان یکون له اشتراک وانقام

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو اوصافِ عالیہ کے لیے مخصوص کیا۔ ان صفات نے دیگراں کو آپ کا ہم پلہ اور بدل قرار دینے سے انکار کردیا)

رسالت التی عمت وتمت　　کمال للرسول به انصرام

(آپ کی رسالت کا چرچا ہوا اور منتہاے کمال کو پہنچی اور اس تکمیل کا سلسلہ آپ پر اختتام پزیر ہوا)

به تم المکارم و المعالی　　و هل بعد التمام لها تمام

(آپ ہی پر اخلاقِ عالیہ اور اوصافِ عظیمہ کا سلسلہ تمام ہوا اور کیا اس تکمیل کے بعد دوبارہ تکمیل ممکن ہے)

قسم لایجوز له قسیم　　به تم المحاسن والقام

(تقسیم شدہ شے کی دوبارہ تقسیم نامناسب ہے۔ آپ کی ذات ہر طرح کے محاسن سے مزین تھی اور آپ کی جسمانی ساخت ہر طرح سے کامل تھی)

الیس مقامه المحمودا علی مقام لایقاس به مقام

(کیا آپ کا مقامِ محمود اعلیٰ مقام و مرتبہ نہیں ہے، آپ کی قدرومنزلت کا قیاس کسی قدرومنزلت سے کیا جانا مستبعد ہے)

یظن الواجب النجدی آن السقار لزوره زور حرام

(اہلِ نجد کا خیال ہے کہ کافر کے لیے روضۂ رسول ﷺ کی زیارت حرام ہے)

آپ ﷺ کی تشریف آوری دنیا کا سب سے عظیم انقلاب تھی۔ اس انقلاب نے بلکتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو پیغامِ محبت سنایا، اس انقلاب کی مثال رہتی دنیا تک ملنی محال ہے۔ اسی لیے مولانا فضلِ حق خیرآبادی نے فرمایا کہ آپ تاابد بے مثال رہیں گے اور آپ کی عدالتی حکمتیں بھی لاجواب ہیں۔ آپ کے اندر تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور تا قیامت کوئی ایک شخص بھی آپ کی ہم سری اور ہم رکابی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ علامہ نے آں حضور ﷺ کی شان میں دو تین نونیہ قصاید بھی منظوم کیے ہیں۔ ان قصاید نے آپ کے حسنِ لاجواب اور اخلاقِ بے مثال کے بیان کرنے میں بنیادی کردار ادا کیے ہیں۔

وقد استقام الحق وانقلب الاولیٰ کفروا نواکس بانتکاس الزون

(آپ کی آمدِ مبارک سے حق کا بول بالا ہوا، پہلے کی تمام چیزیں ناپید ہوگئیں، بتوں کے ٹوٹنے سے کفار سرنگوں ہوگئے)

انبابه الانباء بل نطقت به التوراة والانجیل لتبئین

(مختلف حوالوں سے آپ کا ذکرِ خیر عام ہوا، اسی توضیح وتفصیل کے لیے توریت اور انجیل نے آپ کے ذکر کو عام کیا)

رهبته رهبان وعوا لیباهلوا وجلا یهودا عن قری وحصون

(راہبوں نے آپ کو ڈرانے کی ہر ممکن کوشش کی، آپ کو اس لیے پکارتے تاکہ (نعوذ باللہ) آپ پر لعن طعن کریں (اس کے باوجود) آپ نے یہود کو گاوؤں اور قلعوں سے جلاوطن کردیا)

کاف کفیل مکتف ذی قوة علم الهدیٰ عن التصم امین

(آپ بے نیاز تھے، سہارا دینے والے تھے، طاقت کے باوجود بھی اکتفا کرنے والے تھے، منارِ نور تھے، آسایشوں سے کنارہ کش اور امانت دار تھے)

بررؤف طاهر، مزمل نور سراج صادق و مبین
(پاک خصلت، درگزر فرمانے والے، پاک باز، چادر میں لپٹے ہوئے، روشن چراغ، صادق اوریکسر واضح تھے)

ماح هدیٰ منجي واسماء اختر غرت عن الترقیم والرقن
(آپ لٹانے والے ہادی، نجات دہندہ تھے، ان کے علاوہ متعدد خوبیوں سے آپ آراستہ تھے، جو خوبیاں کسی تفصیل وتفسیر سے بے نیاز تھیں)

ماذا احاول نعت من حسناته جلت عن الحسبان والتخمین
(میں آپ کے محاسن ومحامد کی ثناخوانی کیسے کرسکتا ہوں، وہ تو وہم وگماں سے کہیں بالاتر ہیں)

یا اسوة الابرار یامن ذکره اسوة المریض واسوة المحزون
(میں اس ذاتِ عظیم کو آواز دے رہا ہوں جس کی ذات صلحا کے لیے نمونہ ہے اور اس حبیبِ خدا کی شخصیت مریضوں اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ایک ماڈل ہے)

لطفاً بمن اقستِ جرائم قلبه والذنب ران علیه امحارلون
(اس شخص پر لطیف وکریم تھے جس کے دل کو جرائم نے پتھر بنا دیا تھا اور اس کو گناہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے)

آں حضورﷺ کی صفات اور آمد کا ذکر توریت اور انجیل میں آچکا تھا۔ یہ ذکر صرف اس لیے کیا گیا تاکہ یہود ونصاریٰ ذہنی اعتبار سے آپ کی رسالت کو قبول کرنے کے لیے تیار رہیں۔ علامہ نے اسی پہلو کو اس قصیدہ میں اُٹھایا ہے۔ یہ بات تاریخی نوعیت سے ثابت ہے کہ ظہور قدسی سے قبل عرب معاشرہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسے اندھیروں میں آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی منارۂ نور اور علمِ ہدایت کے مانند تھی، علامہ نے اسی مناسبت سے آپ ﷺ کی صفت 'نورِسراج' یعنی روشن چراغ کو استعمال کیا ہے۔ علامہ کا یہ اعتراف بھی بجا ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ عالیہ انسانی فکر و سوچ سے کہیں بلند ہے۔ آگے ایک قصیدہ میں آپ ﷺ کے مکارمِ عالیہ کو اس انداز سے قلم بند کیا گیا ہے:

شقت قمراً وسقت زمراً من هیم عطشی اصابعه
(آپ نے چاند کو منقسم کیا۔ آپ کے انگشتانِ مبارک کے فیض سے شدید ترین پیاسوں نے پیاس بجھائی)

حتصال فیض اصابعه بروی النهلان وینقعه

(آپ اپنی انگلیوں کے فیضان سے بے پناہ سیراب کرنے والے تھے،
آپ پیاسوں کو سیرابی و آسودگی فراہم کرتے تھے)

مفضال فضل تفضله یغنی من جاع ویشبعه

(آپ بے شمار فضل کے مالک تھے، اپنے فضل و کرم سے بھوکوں کو شکم سیر
اور آسودہ حال بناتے تھے)

قد حسن لفرقته جذع کهو مهوية بورعه

(کھجور کا تنا آپ کی فرقت پر رو پڑا۔ اس عاشقِ زار کے مانند جو اپنے
محبوب کو رخصت کرتا ہے)

هو ماوی الخلق ومفزعهم فی یوم لفزع مجمعه

(آپ مخلوق کی جائے قرار ہیں اور اس سخت دن سے انھیں ڈرانے والے
ہیں۔ واقعتاً پورا مجمع (اس دن کی سختیوں سے) ڈر گیا)

فهنا تشفع سیّدنا عند الباری فیشفعه

(وہاں پر اللہ کے حضور ہمارے آقا کی شفاعت ہوگی، چناں چہ آپ مخلوق
کی شفاعت فرمائیں گے)

ویتیح لی الاشهادو یثوینی کجمالک یوسعه

(آپ کی شہادتیں مجھے موقع اور جائے پناہ فراہم کریں گی، ٹھیک اسی طرح
جس طرح کہ آپ کے حسن کی شعاعیں ہر طرف بکھری ہوئی ہیں)

و ثبتنی و یونسنی فی وحشة ورع اودعه

(اور آپ نے مجھے قرار عطا کیا اور سخت ترین وحشت میں میری ہم نوائی کی
اور اس وحشت کو رخصت کیا)

فعلیک من الباری ابداً اعلی التسلیم وارفعه

(پس اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ آپ کی ذات اقدس پر تا ابد بلند و بالا
درود و سلام کی بارش ہوتی رہے)

ماھمر الغیث وماصدرت　　　　فی اعلیٰ ایک سُجعه

(ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ بارش کے قطرات مستقل ٹپکتے رہتے ہیں
اور ڈھاک کی بلندی پر فاختہ کی آواز نکلتی رہتی ہے)

مذکورہ اشعار میں معجزۂ شق القمر کے ساتھ آپ ﷺ کی انگشتِ مبارک سے پانی کے بہہ نکلنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کی عظمت کے اظہار کے لیے یہ بھی بتایا کہ درخت کا تنا بھی آپ ﷺ کی مفارقت میں رو پڑا۔ علامہ نے یہ بھی بتایا کہ سخت سے سخت ترین مراحل و مصایب میں آپ ﷺ کی ذات ہمارے لیے باعثِ طمانیت قلب ہے۔ اس ذاتِ کریمہ کے لیے اللہ سے دُعا گو ہیں کہ اس پر ہمیشہ سلام و دُعا کی بارش ہوتی رہے۔ ایک دوسرے قصیدے میں آں حضور ﷺ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار اس اسلوب میں کیا ہے۔

الفضل کان مورماً بین الوری　　　　فتجمعت فی ذاته اشتاته

(آپ کا فضل مخلوق کے مابین حاجب بنا ہوا تھا (یعنی مخلوق اس فضل سے
محروم تھی) آپ کی ذات مختلف صفات سے عبارت تھی)

جمع المثالة کلها فتمثلت　　　　فتنزهت عما یماثل ذاته

(تمام فضائل کی آپ مجسم تصویر ہیں، اور آپ کی ذات کسی بھی صفت میں
کسی سے مشابہ نہیں)

هو مظهر اسم اللہ تحوی ذاته　　　　ما تحتوی اسماء وصفاته

(آپ کی ذات اسمِ الٰہی کا مظہر ہے، آپ کے اسما گرامی کے تمام عناصر اور
تمام اوصاف وکمالات کے مظاہر سے آپ کی ذات عبارت ہے)

امر المهیمن ان ینوّه اسمه　　　　مع ذکره عند النداء وعاته

(اللہ کی بابرکت ذات نے حکم دیا کہ اس کے ذاکرین و عابدین بندے اس
کے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو بھی برقرار رکھیں)

نور سراج قد تلا تلا اولاً　　　　وسنا العوالم کلها جذواته

(آپ کی ذات اس اوّلین چراغ کے نور کی مانند ہے جو پہلی بار روشن ہوا
اور دیگر تمام جہانوں کی تاب نا کی آپ ﷺ ہی کے عالم تاب سے ہے)

لولاہ لم یکن الوجود لم یکن فلک ولا آفاقه وجهاته
(آپ کی ہستیِ عظیم نہ ہوتی تو یہ آسمان اور اس کے اطراف و اکناف کا وجود نہ ہوتا)

أنا معول مالی سواک معول و معول البراتقی تقاته
(میں طالب مدد ہوں، آپ کے سوا میرا کوئی مددگار نہیں، نیکی اور پرہیزگاری کی علامت دراصل آپ کا تقویٰ ہے)

وارجو نداک وانت اکرم مرتجی فمن ارتجاک فلن یحسب رجاته
(میں آپ کی کرم فرمائی کا اُمیدوار ہوں اور آپ ہی سب سے بہتر اُمیدوں کا مرکز ہیں، پس جس شخص نے بھی آپ سے آس لگائی وہ آپ کی ...کا اندازہ نہیں لگا سکتا)

فعلیک بامن ساد کل الخلق من ربّ الانام سلامه وصلواته
(پس آپ ہی پر بھروسا ہے، کیوں کہ آپ نے تمام مخلوق کی سیادت کی ہے، اللہ کی جانب سے آپ پر سلام وصلوٰۃ کی بارش ہوتی رہے)

ماجن لیل نورت الجامه اوجن روحن نورت جناته
(جب بھی رات نے اپنا پر پھیلایا، آپ کے نجوم وکواکب نے اسے روشن کردیا، یا جب بھی عالمِ گلستانی ظلمتوں سے دوچار ہوا تو دربارِ رسالت کی کرنوں نے اسے پُرنور بنا دیا)

علامہ خیرآبادی کے نعتیہ قصاید کا ایک بنیادی حسن یہ ہے کہ ایک ہی صفت رسول ﷺ کو مختلف خوب صورت اور منفرد انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اوصاف رسول کے متعلق بتایا کہ دنیا کے تمام محاسن اور محامد آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں مجتمع ہوگئے ہیں۔ آپ ﷺ کی بلندی کا حال یہ ہے کہ خداوند قدوس نے اپنے نام سے آپ ﷺ کے نام کو مربوط ومنظوم کردیا ہے۔ آمدِ رسول سے دنیا کا ہر خطہ روشن ہوگیا۔ دنیاے انسانیت کا واحد ماویٰ و ملجا آپ ﷺ ہیں۔ اس در کے سوا تمام در بے معنی اور بے مطلب ہیں۔ دنیا کی تابناکیوں اور شادابیوں کی واحد وجہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ ایک دوسرے قصیدے میں شانِ نبوت اور کمالِ رسالت کی تصویرکشی اس انداز سے کی گئی ہے۔

فاقی واظهر دینه هدی الوری تلقینه وغرا العدو یدینه وینجیه من تیهانه

(آپ نے آ کر اللہ کے دین کو غالب کیا اور اپنے ارشادات سے مخلوق کی رہ نمائی کی۔ آپ دشمنوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ وہ آپ کے مطیع و معتقد بن گئے اور آپ نے انھیں ضلالتوں سے نجات دی)

من حادعن ایمانه لم ینج عن غرواته الا الرضی بهواته اللاجی الی ایمانه

(جس نے آپ کی دعوت سے دشمنی مول لی وہ آپ کے فضائل سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا، آپ کی بلندیوں کو تسلیم کرنے والا اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والا سرفراز ہوگا)

اجدی الخفی بیانه مادق عن حسبانه ومن اجتدی احسانه ما جل عن حسیاته

(آپ کے بیان سے مبہم خیالات اور انسانی فہم سے ماورا چیزیں واضح ہوگئیں اور جو آپ کے فضل کا طلب گار ہوا وہ اس کے وسعتِ فضل کا اندازہ نہیں لگا سکتا)

اروی کتائب بالحصی من معشر شقوالعصا فاذل قهراً من عصی فاطاع من عصیانه

(آپ نے قوم کے ان دستوں پر سنگ باری کی جنھوں نے قوم کے اتحاد کو نقصان پہنچایا، آپ نے باغیوں کو سختی سے ذلیل کیا چناں چہ وہ اپنی بغاوت سے باز آ کر مطیع بن گئے)

وان الذین استکبروا عن دینه وتدبروا لید ابروه فادبروا از کرّ فی میدانه

(وہ لوگ جنھوں نے آپ کے دین کے باب میں استکبار کا ثبوت دیا اور آپ سے عداوت ٹھاننے کے لیے شب و روز ایک کردیے لیکن جب آپ میدان میں آئے تو وہ لوگ فرار ہوگئے)

الله آثره علی رسل علوا درج العلی قری به لیلاً الی اعلی ذری قربانه

(اللہ نے آپ کو ان تمام رسولوں پر فوقیت بخشی جو بلندیوں کی انتہا پر فائز تھے۔ چناں چہ اللہ نے آپ کو ایک رات اپنی قربت کی پناہ گاہ میں لا بٹھایا)

والبدر من قسماته والبحرین کرماته والدهر من غرماته والطود من رجحانه

(چاند آپ کے انوار کا ایک حصہ ہے اور سمندر آپ کی فیض رسانیوں کا

ایک ٹکڑا ہے اور یہ زمانہ آپ کے قرضوں میں سے ایک قرضہ ہے اور ثابت قدمی آپ کی علامت ہے)

لابل کرامة خیمه تابی وجود لیمه　　لابل احالة لیمه منعته من امکانه

(یقیناً آپ کی شرافتِ نفس نے اپنے بدل کے وجود سے انکار کردیا اور آپ کی شباہت نے اپنے بدل کو ناممکن قرار دیا)

من ذالذی من اجله خلق النظام بکله　　حتی یکون کمثله ویعد من اقرانه

(آپ ہی کی ذاتِ عالیہ کے سبب تمام نظامِ کائنات جاری و ساری ہے۔
کاش کہ دنیا کا نظام آپ کے اسوہ کے مطابق ہوجاتا اور اسے آپ کے طریقوں میں شمار کیا جاتا)

اس قصیدے میں بھی رسالت و نبوت کے دور میں اثرات کو بیان کرنے کی ایک خوب صورت کوشش ہے۔ نبوت کے منکرین ناکامیوں اور ہزیمتوں سے ہم کنار ہوئے۔ اللہ نے تمام انبیا و رسل پر آپ ﷺ کو فوقیت بخشی جس کی ایک واضح مثال معراج ہے۔ یہ چاند آپ ﷺ کے حسن و جمال کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ تلاطم سمندر آپ ﷺ ہی کے فیض کی ایک علامت ہے۔ علامہ خیرآبادی کا یہ بھی خیال ہے کہ جب ہم مسائل و مصایب کی گرداب میں گھرتے ہیں تو رسول مصطفیٰ ﷺ کے توسط سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ ہماری تمام آشائیں اسی کی کرم فرمائیوں سے وابستہ ہیں۔ علامہ کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات اور امتیازات کا مشاہدہ اس اسلوب میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

شفیع الوریٰ یمحو الکبائر میحه　　مدیحه کبار المآرب

(اے شفیع الوریٰ! آپ کی شفاعت گناہِ کبیرہ کو بھی مٹا دے گی اور آپ کی مدح سرائی میں بے حد وحساب فوائد ہیں)

نذیر، بشیر الخلق للحق رحمة　　بشیر عظیم الخلق جم المواهب

(آپ مخلوق کے نذیر اور بشیر ہیں، حق کے لیے سراپا رحمت اور بشارت دینے والے ہیں، مخلوق میں سب سے عظیم ترین اور بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہیں)

جواد متین ظاهر، خیرمن علا　　ظهور جیاد اومتون تحائب

(آپ فیاض، سنجیدہ اور فاتح ہیں۔ آپ بلند و بالا گردنوں اور قابلِ فخر پشتوں یعنی بہادروں سے کہیں افضل تھے)

مکین، مثیل مثلہ یس ممکنا وویل لمنکوب عن الحق ناکب
(آپ قابلِ اعتبار تھے، آپ کا ہم پلہ ہونا ممکن نہیں، راہِ حق سے ہٹ جانے والوں کے لیے تباہی و ہلاکت ہے)

یفوق النبیین الکرام نقیبہ فمنہ استفادو امالھم من مناقب
(آپ کی شخصیت تمام انبیا کرام سے فائق تھی، اُنھوں نے آپ سے استفادہ کیا، آپ کی صفات سے ان کا کوئی واسطہ نہیں)

سما فوقھم کالشمس فوق کواکب السماوات او کالملک فوق الکواکب
(آپ تمام انبیا پر اسی طرح بلند ہوئے جس طرح سورج آسمانوں کے ستاروں پر چھا جاتا ہے)

فلو لاہ لم یوجد خمیر وطینۃ لآرم فضلاً عن ولید و عاقب
(اگر آپ نہ ہوتے تو یہ آب وگل وجود میں نہ آتا اور تمام اگلوں اور پچھلوں پر بنی نوع آدم کو فضلیت نہ ملتی)

ولو لم یکن فی صلب نوح لما استوت سفینتہ بعد التطام الغوارب
(اور اگر حضرت نوحؑ کی صلب میں آپ کا مادہ نہ ہوتا تو ان کی کشتی طوفانی امواج سے ٹکرانے کے بعد صحیح وسالم نہ بچتی)

مذکورہ اشعار میں آپ ﷺ کی مختلف خصوصیات کے بعد یہ توضیح کی گئی کہ بنی نوع انسان کی فضیلت اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طوفان کی زد سے محفوظ رہنے کے پیچھے آپ ﷺ ہی کی ذاتِ اقدس کی تاثیر کارفرما ہے۔ بلکہ احادیث شریفہ میں یہ بھی ہے کہ اس کائنات کے ظہور کی اصل وجہ آپ ہیں۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن پر ماہرینِ احادیث نے کلام بھی کیا ہے۔ نعت گو شعرائے کرام نے بہت سی ضعیف احادیث پر اپنے نعتیہ قصاید کی بنیاد رکھی ہے۔ نعتیہ قصاید کی اس طرح کی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے یہاں بھی اس طرح کی بعض چیزیں موجود ہیں۔ علامہ نے ایک ہی مضمون یعنی آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو سو رنگ سے باندھا ہے۔ اس کا ایک مظہر درج ذیل اشعار میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے:

سھل السماح، رحیب السباح، ذوالکرم السحاح جود متان و متاح
آپ ﷺ حد درجہ خوش مزاج، غیر معمولی کشادہ دل بے پناہ فیاض، بے حد احسان کرنے والے اور غم گسار تھے)

رحب الندراع، طویل الباع ذوالحسب   الیفاع اسجع، ذو صفح و اسجاح

(آپ ﷺ کشادہ دست اور کشادہ بازو تھے۔ اعلیٰ حسب، حد درجہ معتدل انسان اور عفو و درگزر کی صفت سے عبارت تھے)

جار لجار شکا جوراً یمیح لمن   قد استماح وممتاد لمتاء

(آپ کشادہ دست اور کشادہ بازو تھے، اعلیٰ حسب، حد درجہ معتدل انسان اور عفو و درگزر کی صفت سے عبارت تھے)

تدارکتا با یقیم الدین لوصفحه   یھدی لا قوم انھاج واوصناح

(آپ نے ایسی کتاب کی تلاوت کی جس نے دین کی وضاحت کی)

اعبی مصاقح عدنان ولقننا   الحق الصراح باحقاق واصراح

(آپ نے عدنان کے سورماؤں کو عاجز کردیا اور ہمارے سامنے حقِ صریح کو پوری قوت و طاقت سے پیش کیا)

یا ارفع الخلق قدراً راع متضعاً   قد طرحته المعاصی ای اطراح

(آپ مقام و مرتبہ میں تمام مخلوق سے افضل تھے لیکن آپ ہمیشہ سرنگوں ہوکر چلے، اور مصایب آپ کے قریب نہ آسکے)

اشکو جواد آ فیا برالجواد افض   من جود جود لقمر البحر فیاح

(میں فیاض شخص کے حضور اپنی شکایات لے کر کھڑا ہوں، اے جود و سخا کے مالک اپنی سخاوت عام کردو، تمھارے کرم کا سمندر متلاطم ہے)

افدیک یا سیداً ارجو شفاعته   - قابل رجائی بانجاء وانحاح

(اے سرورِ کونین ﷺ! ہم آپ پر فدا ہیں، آپ کی شفاعت کے طلب گار ہیں، میری اُمیدوں کو قبول فرما، نیز مکمل طریقے سے نجات عطا فرما)

علیک انمی صلوٰۃ اللہ ماسقیت   ارض لغیث ملث الورق سحاح

(آپ پر اللہ کی بے پناہ سلامتی ہو۔ درود و سلام کا یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے جب تک آسمان کی موسلادھار بارشیں زمین کو سیراب کرتی رہیں)

مذکورہ اشعار میں عشقِ رسول ﷺ شباب پر ہے۔ ایک ایک شعر میں حُبِ رسول ﷺ بسی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کی جود و سخا اور صفت عفو و درگزر کو خاص رنگ و آہنگ میں پیش کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کے ذریعے آپ ﷺ نے راہِ ہدایت کو عام کردیا۔ صراطِ مستقیم کی تمام رکاوٹوں اور حجابات کو دُور کردیا۔ اسی کتاب کے توسط سے حق کو سربلندی نصیب ہوئی اور معاصی و مصایب کا اختتام ہوا۔ اس کا اعتراف مخالفینِ اسلام اور دشمنانِ رسالت بھی کرتے ہیں کہ آخری کتاب نے دنیا کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ آخری دو شعر میں اپنی تمام اُمیدوں کی انتہا شفاعتِ رسول ﷺ کو قرار دیا ہے اور اسی آس و اُمید میں اس ذاتِ اقدس ﷺ کے حق میں رطب اللسان ہیں اور اس پر دُرود و سلام بھیجنا اپنا معیار و محور تصور کیا ہے۔ ایک دوسرے قصیدے میں اپنا سپاس نامہ حضورِ اقدس ﷺ کے دربار میں اس شان کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

ختم النبیین او لاھم و اولھم　　قدخص من بینھم بالفضل والزید

(آپ خاتم النبیین ہیں، انبیاے کرام میں سب سے اعلیٰ و اوّل ہیں، تمام
انبیاے کرام میں مخصوص فضل وکرم سے آپ کو نوازا گیا ہے)

فلا یدانیہ موسیٰ فی الدنوولا　　فی الیمن عیسیٰ وفی الملک اس داؤد

(قربتِ الٰہی میں موسیٰ آپ کی برابری نہ کرسکے اور نہ ہی یمن میں عیسیٰ اور
نہ ہی مملکت اس میں داؤد نے آپ کی ہم سری کی)

اللہ عم رعواہ وفص بہ　　اتم رمذد ارفاد وترفیہ

(اللہ نے آپ کی دعوت کو عام کیا اور اللہ نے آپ کی ذاتِ گرامی کو کمل
طور سے سہارا دیا)

قد اصطفاہ حبیبا تم اسلہ　　الی الانام لاصلاح وتسدید

(بطور حبیب کے اللہ نے آپ کو منتخب کیا اس کے بعد رُشد و ہدایت کے
لیے مخلوق کی جانب مبعوث کیا)

لامۃ قد تمنی الرسل لوحسبوا　　منھا علیٰ ماروی اھل المسانید

(یقیناً انبیا و رسل نے آپ کی اُمت میں شامل ہونے کی خواہش کی، جیسا
کہ محدثین نے روایت کی ہے)

محمد خیر داع للانام الیٰ　　ھدی و برو توحید و تمجید

(مخلوق کو ہدایت، تقویٰ، توحید اور تقدیس خدا کی دعوت دینے والوں میں
سب سے اچھے داعی ہیں)

برتسامحت بل بحر و عترته سفینه مستواها الجود لاالجودی

(آپ سراپا خیر ہیں، درگزر کرنا آپ کی شناخت ہے، آپ سمندر کی طرح ہیں، آپ کی خوش بو عام ہے، آپ کی کشتی جود وسخا پر لنگر انداز ہے نہ کی کوہِ جودی پر)

انشرتک اللّٰہ ماقبل مدحتی کرما حتی افوز بانشادی بمنشود

(اے اللہ! میں آپ کا ثناخواں ہوں، برائے کرم میری ثناخوانی قبول فرما، تاکہ میں اپنی مدح سرائی کے تعلق سے ممدوح کے ذریعے کام یاب ہو جاؤں)

لاشک انک غوث الخلق اجمعهم ولا اکتراث بارجاس متاکید

(بلاشبہ آپ تمام مخلوق کے معین و مددگار ہیں، اور مجھے نافرمانوں کی گندی حرکتوں کی کوئی پروانہیں)

علیک ازکی صلوٰة اللّٰہ ماصدحت ورقا وارقه تشد و بتغرید

(آپ پر اللہ کی جانب سے پاکیزہ دُرود وسلام نازل ہوتا ہے جب تک کہ خوب صورت فاختائیں نغمہ ریز ہیں)

آں حضور ﷺ خاتم النّبیین ہونے کے ساتھ ساتھ تمام انبیا و رسل میں آپ کو مخصوص فضل و امتیاز حاصل ہے۔ انبیا و رسل میں سے کسی کو آپ کا ہم سر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پہلے اپنا حبیب منتخب کر کے پھر دنیا میں بحیثیت رسول کے مبعوث کیا۔ ایسی روایات موجود ہیں جس سے یہ صادر ہے کہ بہت سے مرسلین کرام آپ ﷺ کی اُمت میں شامل ہونے کے خواست گار ہیں۔ علامہ فضلِ حق خیرآبادی اپنے نعتیہ قصاید میں بار بار اللہ سے دُعا گو ہیں کہ خدایا! مجھے اپنی انھیں نعت گوئی کے توسط سے آخرت کی رسوائیوں سے بچا کر اپنی رحمتوں کی آغوش میں بٹھادے:

الهدیٰ جلّی سناه وجی الوریٰ وآثارهم بضیائه الوقاد

(آپ ماہ تابِ ہدایت ہیں جس کی کرنوں نے مخلوق کی تاریکی کو دُور کر دیا اور تمام لوگوں کو اپنے روشن چراغ سے منور کر دیا)

وجبینه ویمینه بدر و بحر طم للروّاد و الورّاد

(آپ کی پیشانی ماہِ کامل کے مانند اور آپ کی سخاوت پانی تلاش کرنے

والوں اور گھاٹ سے پانی لینے والوں کے لیے وسیع سمندر کے مثل ہے)

ساقی العدی ومن اعتدی کاس الردی　　　قاصی الندی رانی الندی فی البقادی

(آپ نے دشمنوں اور جامِ ہلاکت پیش کرنے والوں کو سیراب کیا، مجلس میں فیاضی کی انتہا اور انتہا درجے کی فیاضی کو اختیار کیا)

وثباته بین العدی وثباته　　　فی المنتدی ولدی لقاء اعادی

(دشمنوں کے مابین ثباتِ قدمی کا ثبوت دیا اور اسی طرح مجلس اور دشمنوں سے روبرو ہونے کے وقت بھی استقلال کا مظاہرہ کیا)

هو رحمة عم العوالم انها　　　لولاه لم توجد مدی الآباد

(آپ سراپا رحمت ہیں، تمام جہان میں اسے عام کیا، اگر آپ نہ ہوتے تو زمانے کا اختتام ناممکن تھا)

فاذا انشقت السماء ورکت　　　الارضون وانهدت ذری الاطوار

(جب آسمان پھٹ جائے گا اور زمین ریزہ ریزہ ہوجائے گی اور بلند و بالا ٹیلے زمین بوس ہوجائیں گے)

تطوی السماء وینشر الموتی اولا　　　الایمان والالحاد من الالحاد

(آسمان سمیٹ دیا جائے گا اور اس دن اہلِ ایمان اور ملحدین زندہ کیے جائیں گے)

والناس قاطبة حیاری من　　　مطمع شاکر و موثم کتاء

(اس دن لوگ حیران و پریشان ٹولی درٹولی ہوں گے جس میں اللہ کے شاکر اور پراُمید بندے ہوں گے تو وہیں پر گناہ گار اور اللہ کے نافرمان اور ناشکرے بندے بھی ہوں گے)

لاذوابه اذلم یجتهم مرسل　　　واب و لاذو خله ومفاد

(لوگ آپ سے اس وقت چمٹ گئے جب کسی رسول اور کسی باپ نے جواب نہیں دیا اور آپ کے احباب اور آسودہ حال دونوں نے آپ کو جائے پناہ قرار دیا)

فیجیبھم لشفاعة ویحیھم عن کرب اھوال ھناک شداد

(چناں چہ آپ شفاعت کے لیے اعلان کریں گے اور انھیں اس دن کے
سخت ترین احوال سے نجات دلائیں گے)

یہ ایک طویل قصیدہ ہے مختلف انداز سے ذاتِ اقدس ﷺ کے پہلوؤں کو بیان کرنے کی ایک کام یاب کوشش ہے۔ دیگر قصاید کی طرح اس میں بھی نبوت و رسالت کی حیران کن کام یابیوں پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ رسالت سے قبل عرب معاشرہ جن حیا سوز مراحل سے گزر رہا تھا، اس کے سدباب کے لیے آپ نے مؤثر اقدامات کیے جس کے نتیجے میں شبِ دیجور بنا ہوا عرب معاشرہ بقعۂ نور میں تبدیل ہوگیا اور بلکتی و سسکتی ہوئی انسانیت مسرتوں اور خوش بوؤں میں جا بسی۔

فمعراج اذ کلم اللّٰہ عرشه العظیم ومعراج الکلم زبیر

(آپ کی معراج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرشِ بریں سے کلام کیا اور
حضرت موسیٰ کی معراج صرف کتاب تک محدود ہے)

بشارة شعیاء و عیسیٰ و دعوة الخلیل ؤمن امی علیه زبور

(حضرت شعیاء اور عیسیٰ علیہما السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی تھی
اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آپ کے متعلق اعلان کیا اور زبور نے آپ
کی مدح سرائی کی)

تواترقی نص الاتاجیل نعته وصدقه سفر و روته حبور

(آپ کی مدح سرائی اناجیل کے متون میں موجود ہے اور آپ کی صداقت
کا ذکر توریت میں بھی ہے جس کی روایت علماے یہود نے کی)

مخزب النصاریٰ ان تعاموا فربه نصیرله بالجاحدین بصیر

(نصاریٰ نے آپ کو گم راہ کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ کے رب نے
آپ کی ہم نوائی کی اور وہ منکرین کو بغور دیکھ رہا ہے)

اتاتا بذکر تطمئن بذکرہ قلوب یشفی ماashتکته صدور

(آپ ایسے کلام کے ساتھ آئے جس کی تلاوت دلوں کے لیے فرحت بخش
ہے اور امراضِ قلوب کے لیے نسخۂ کیمیا بھی)

لئن کان اجراحی کثیراً فضلک　　　العظیم کبیر فوقہ وکثیر
(گو کہ میری خطاؤں کا سلسلہ طویل ہے لیکن آپ کا فضل تو اس سے بھی
زیادہ طویل ہے اور وسیع ہے)

وکن لی انیساً فی الثری عند وحشتی　　اذ اما اتانی منکر و نکیر
(مٹی میں جانے کے بعد میری غربت کے وقت تو میرا ہم راز بن جا، جس
وقت منکر نکیر میرے سامنے ہوں گے)

مذکورہ اشعار میں معراج کے ذکر کے ساتھ یہ تاریخی پہلو بھی بیان کیا گیا کہ آپ کی شخصیت اور آپ کی آمد کے متعلق انجیل اور زبور میں ذکر کیا گیا۔ اس کے باوجود نصاریٰ اور یہود نے ہر آن آپ اور آپ کی دعوت کو روکنے کے لیے ایک دقیقہ بھی فراموش نہ کیا۔ جس کی ایک مکمل تصویر سورۂ بقرہ میں موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ خود کو افضل تصور کرتے اور اسی فضیلت اور اولیت کے چکر میں وہ صراطِ مستقیم سے دُور ہوتے گئے اور بار بار یہ رٹ لگانے لگے کہ جنت کے مستحق صرف ہم ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اطاعتِ رسول ﷺ کے بغیر ان کے تمام دعوے کھوکھلے ہیں۔

اتی مذکر حکیم یحقوی حکماً　　　یتیہ فیھا اولوا یدو ابصار
(آپ اس ذکرِ حکیم کے ساتھ نازل ہوئے جو حکمتوں پر مشتمل ہے، اس
سے قبل بینا و نابینا سبھی دنیا کی ظلمتوں میں بھٹک رہے تھے)

اتی باحکام احکام واطلعتا　　　علی مغیات اخبار واسرار
(آپ قابلِ تعریف قوانین کے ساتھ نازل ہوئے، اور آپ نے ہمیں
پوشیدہ خبروں اور رازوں سے آگاہ کیا)

نورخبت نار کسری عن مطلعہ　　　وباء اشیاعہ کسری بادبار
(بعثتِ رسول ﷺ کے نور سے کسریٰ کی آگ اپنے مقام پر بجھ گئی، اور آپ
کے ہم نواؤں نے کسریٰ کو پسِ پشت ڈال دیا)

اصناء نور لدی میلادہ مرآی　　　قطان ام القوی بصری بابصار
(آپ کی ولادت باسعادت سے ہر طرف نور پھیل گیا اور اُمّ القریٰ کے
تمام اطراف کھل کر میری نظروں میں آگئے)

والجن تهتف و الانوار رساطعة يحدثون بتبشرو انذار

(اور جن آپ کے لیے مدح سرا تھے۔ ہر طرف انوار بکھرے ہوئے تھے، لوگ جنت کی بشارتوں اور جہنم کی شقاوتوں کا ذکر کررہے تھے)

غوث خطير يغيث الناس اجمعهم اذا يلون باهوال واخطار

(آپ ایک عظیم مددگار تھے، تمام لوگوں کی معاونت فرمارہے تھے، جس وقت وہ مصائب وخطرات میں گھر جاتے)

اتم ملتة البارى واظهرها على الشرائع طراً اى اظهار

(اللہ نے ملت اسلامیہ کی تکمیل فرمائی اور انھیں بہت جلد پوری طرح تمام مذاہب پر فوقیت عطا فرمائی)

فدينه نسخ الاديان قاطبة كفعل شمس الضحىٰ فى طمس انوار

(آپ کے دین نے تمام مذاہب کو باطل قرار دیا، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ شمس الضحیٰ تمام انوار کو مٹا دیتا ہے)

خيرالبرية ارضاهم واحمدهم بلا مبار و احظائهم لدى البارى

(آپ خیرالخلائق تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قابلِ تعریف اور آپ کی یہ صفت کسی وضاحت کی محتاج نہیں، اور آپ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سعادت مند ہیں)

علامہ خیرآبادی کے نعتیہ قصاید کی ایک خوبی یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی خصوصیات پر بھرپور توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم کی انقلاب انگیز تعلیمات، آیاتِ کریمہ کی تاثیرات، قرآنی احکام کی خوبیوں اور اس کی ابدیت پر نہایت دل نشین اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس کتاب نے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو منہدم کردیا اور اس شریعت الٰہی نے تمام شریعتوں کو منسوخ کردیا۔ تمام غیر جانب دار مورخین اور مستشرقین کا اتفاق ہے کہ آج تک تاریخ اتنے بڑے انقلاب کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے نعتیہ قصاید کا تجزیہ کیا جائے تو کئی پہلو ایسے ضرور نظر آئیں گے جن کی بنیاد پر انھیں ہندوستان کی عربی نعتیہ نگاری میں ضرور امتیازی مقام دیا جاسکتا ہے۔ میرا یہ مقالہ علامہ کے دو مطبوعہ اور سترہ غیر مطبوعہ نعتیہ قصاید کے منتخب اشعار پر مشتمل ہے۔ ان انیس

قصاید کے مضامین سے پوری طرح ظاہر ہے کہ علامہ کا دل پوری طرح عشقِ رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ یہی ان کا سرمایۂ حیات، مرکزِ توجہات اور مطمحِ فکروفن ہے۔ انھیں اس کا کامل احساس ہے کہ عقیدتِ رسول ﷺ کے بغیر دنیا و آخرت میں حصولِ کامرانی ناممکن ہے۔ بار بار اسے اپنا ماویٰ و ملجا قرار دیا، تمام تر اُمیدیں دربارِ رسالت سے عبارت ہیں۔ اس پہلو کو بڑے شدومد سے اُٹھایا گیا کہ وجودِ رسالت سے وجودِ کائنات ہے۔ آپ کے مختلف معجزات کا متعدد بار اعادہ کیا گیا ہے۔ معجزات اور بہت سی دیگر باتوں کے باب میں صرف ضعیف روایات ملتی ہیں۔ اس حیثیت سے علامہ کے بہت سے خیالات ہلکے اور غیر معمولی نظر آنے لگتے ہیں۔ شق القمر کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔

نعتیہ قصاید کا ایک انفرادی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کے اوصاف و کمالات کا ذکر اہتمام سے کیا گیا ہے۔ ان اوصاف کو منظرِ عام پر لانے کے لیے قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ کا سہارا لیا گیا۔ اوصافِ رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی درماندگی، بے بساطی اور محرومیوں کا ذکر علامہ نے بار بار کیا ہے، انھیں یقین ہے کہ نہ صرف دنیاوی ذلتوں سے بلکہ اخروی حقارتوں سے حُبِ رسول ﷺ نجات دلا سکتی ہے۔ علامہ نے بار بار حضور سیّدالکونین ﷺ سے اپنی خطاؤں کا ذکر کیا ہے۔ جس وقت انگریزوں نے ان پر اور ان کے اہلِ وطن پر پنجۂ استبداد کسا تو وہ اللہ اور رسول اللہ کے حضور نم ناک ہوئے۔ داستانِ ظلم و بربریت کا نقشہ بڑے خاص انداز میں کھینچا ہے، پڑھتے ہوئے رقت طاری ہوجاتی ہے۔

علامہ کی نعتیہ شاعری قرآنِ کریم اور احادیث سے خاصی مستفاد ہے۔ جگہ جگہ قرآنی مضامین اور احادیث سے مدد لی گئی ہے، ان دونوں پہلوؤں کے پیشِ نظر یہ کہنا نامناسب نہیں کہ مذکورہ دونوں مصادر سے بخوبی واقف تھے۔ ختمِ نبوت ﷺ کا مسئلہ بھی شدّ و مد سے اُٹھایا کہ آپ نے دین کو مکمل شکل میں ہمارے لیے پیش کردیا اور ختم نبوت پر آپ نے مہر ثبت کردی۔ آپ کے بعد کسی دین اور کسی رسول کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہی دینِ اسلام اور یہی رسالت دنیائے انسانیت کی ضمانت بن سکتی ہے۔

ڈاکٹر تقی عابدی۔ کینیڈا

نجم آفندی کی نعت نگاری

یہ بھی بڑے تعجب کی بات ہے کہ جناب تحسین فراقی نے اپنے تحقیقی عمدہ مضمون ''جدید اُردو نعت گوئی'' ایک جائزہ جو نعت نمبر ''شام و سحر'' ۱۹۸۲ء لاہور میں شائع ہوا تقریباً پچاس سے زیادہ اُردو کے نعت گو شعرا کا تذکرہ کیا لیکن علامہ نجم آفندی کا نام تک نہیں لیا جب کہ نجم آفندی کے ہزار سے زیادہ عمدہ نعتیہ اشعار ان کے کلام میں بکھرے ہوئے ہیں جن سے کم وبیش سبھی پرستارانِ رسالت واقف ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان کی بیشتر نعتیں جن کی مجموعی تعداد ۱۶سولہ ہے غیر مطبوعہ ہیں لیکن ان کے نعتیہ اشعار اور نعتیں ہمیشہ محافلِ میلاد کی رونق بنی رہیں اور بعض اشعار زبان زد عام بھی رہے۔ راقم نے نجم آفندی کا تمام تر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام ''کائنات نجم'' میں جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ کائنات نجم، نجم آفندی کی حیات شخصیت فن اور مجموعہ کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی دستاویزی حیثیت رکھتی ہے جس میں نجم کے صدہا نعتیہ اشعار، (۳۱) اکتیس نعتیہ رباعیات چار نعتیہ قطعات اور سولہ نعتیں شامل ہیں جو نجم کی ستر (۷۰) برس ریاضت کی کمائی ہیں۔ ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے اپنی کتاب نجم آفندی فکر و فن میں نعتیہ رباعیات کے ذیل میں بہت صحیح لکھا ہے کہ ''نجم آفندی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کسی رباعی میں بھی ایسی بات پیش نہیں کی جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو۔ ان کے نزدیک عقیدت کا معیار یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مسلمہ معیارات کو سامنے رکھ کر حضور ﷺ کی مدح کی جائے اور صحیح روایات کو بنیاد بنایا جائے نہ کہ محض عقیدت اور جذبات میں حضور ﷺ سے ایسی باتیں منسوب کی جائیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بارے میں ان کی رباعیات کسی نہ کسی آیتِ قرآنی کی وضاحت کر رہی ہیں۔ نجم آفندی نے شمائل نبوی کے بیان کے

بجائے آپ کی سیرت اور اسوہ پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔ نجم نے جہاں حضور ﷺ سے اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا ہے وہاں مسلمانوں کو ایک ایسا راستہ بھی دکھایا ہے جس پر چل کر وہ دین و دنیا کی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں اور آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں''۔

اس مضمون میں ہم صرف چند نمونہ کے اشعار بغیر کسی تشریح و تبصرہ کے پیش کر رہیں ہیں تا کہ ہر کس بقدر ہمت خود اس سے فیض یاب ہو سکے لیکن نجم کا نعتیہ شاعری میں مقام تعین کرنے میں دقت نہیں ہو گی۔ نجم آفندی کا شمار صف اوّل کے جدید اُردو نعت گوئی کے شعرا حالیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، ظفرؔ علی خاں، حفیظ جالندھری، احسان دانشؔ، حفیظ تائبؔ، عبد العزیز خالدؔ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ نظام حیدر آباد دکن کے صدر المہام (وزیر اعظم) مہا راجا کشن پرشاد جن کی نعتوں کا مجموعہ ''ہدیۂ شادؔ'' اُن کی زندگی میں شائع ہو چکا تھا کسی شخصی محفل میں نعت سنا رہے تھے کسی منچلے نوجوان نے مہاراجا کو مخاطب کر کے پوچھا۔ مہاراجا کیا آپ مسلمان ہو گئے ہیں جو ایسی عقیدت سے بھری نعت سُنا رہے ہیں۔ مہاراجا نے اُس نوجوان کو مخاطب کر کے فوراً جواب دیا۔ تو خدا پرشاد ہے میں کشن پرشاد ہوں۔ پھر مزید کہا کہ حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ اور انسانیت پر احسانات نے مجھے اس بات پر وادار کیا کہ میں حضور ﷺ کی توصیف و تعریف میں نعت کہوں۔ یقیناً غیر مسلم نعت گویوں نے سرکارِ کائنات کو اخلاق و کردار کا عظیم نمونہ اور انسان سازی کا عالی ترین قالب سمجھ کر نعتیہ مضامین کی ہر دور اور ہر موسم میں فصل اُگائی ہے۔ آج کے پر آشوب دور میں جہاں اسلامی اقدار کو مسخ کرنے کی بین الاقوامی تحریک جاری ہے حضور ﷺ کی ذات مقدس کو بھی غلط بیانی اور دروغ گوئی کے ذریعۂ جارحیت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ کو (معاذ اللہ) ایک جابر حکمران کے روپ میں پیش کیا جا رہا ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار اس لیے ہے کہ قرآن اگر موردِ قبول نہ ہو گا تو تلوار سے سر اُتارا جائے گا۔ چناں چہ اس دور میں ایسی نعتوں کی ضرورت اس لیے بھی ضروری ہو گئی ہے کہ ظلمتِ کفر و نفاق کو چراغِ مصطفوی ﷺ سے دور کیا جا سکے۔

نجم کے درجنوں نعتیہ اشعار ان مضامین پر موجود ہیں۔ اس موقع پر ہم کچھ اشعار پیش کرتے ہیں:

دو عالم پر ہے قبضہ احمدِ مختارؐ کیا کہنا — ترا قرآن کیا کہنا تری تلوار کیا کہنا
وہی ہے صحنِ مسجد اور وہی قصرِ حکومت ہے — خدائے پاک کے گھر میں ترا دربار کیا کہنا

قرآن بھی تلوار بھی ہے دستِ قوی میں اک فیصلہ کن شان سے بھیجا ہے خدا نے

خدا کے گھر میں اُس نے فقر کی مسند پہ شاہی کی
جہادِ زندگی میں کون ایسا مردِ میداں ہے

خدا کی راہ میں مصرف کیا اُس نے شجاعت کیا مجاہد کر دیا خوں خوار خوں آشام قوموں کو

انسانیت، انسان سازی اور مکارم الاخلاق پر اشعار دیکھیے۔

رُباعی

خدمت یہ کسی نبیؐ ولی سے نہ ہوئی
وابستہ کسی پیمبری سے نہ ہوئی
کامل تھے سبھی مگر محمدؐ کے سوا
اخلاق کی تکمیل کسی سے نہ ہوئی

☆

احساسِ حیات کو جگانے والا
حکمت کے حدود کو بڑھانے والا
کتنے پیغمبروں کے بعد آیا ہے
انسان کو انسان بنانے والا

☆

دنیا میں پیمبروں کا سلطاں آیا
انساں کی عظمت کا نگہباں آیا
سیرت ایسی بدل دیا نظمِ جہاں
صورت ایسی کہ جس پہ قرآں آیا

☆

صورتِ گرِ ازل نے ترے اعتبار پر
اک مشتِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا
کہتی ہے ذہنیت یہ حجاز و عراق کی
تیرا ہی کام تھا کہ مسلماں بنا دیا

☆

وہ اک نورِ مجسم تھا مگر اے ابنِ آدم سن
تری سیرت بنانے کو اٹھایا بار صورت کا
ظہور اس کا نہ تھا تقسیم ملک و مال کی خاطر
اُسے دنیا میں جوہر بانٹنا تھا آدمیّت کا
اُسے انسان کے اخلاق کی تکمیل کرنی تھی
علی آفاق میں پہلا ثمر تھا اس کی محنت کا

تلوار اٹھے یا دستِ دعا دونوں میں ہے شامل حق کی رضا
مسجد کی روش میدان میں بھی سرکارِ دوعالم صل علیٰ
جو دینِ خدا کی دشمن تھی ہر بات پہ جس سے جنگ ہوئی
اک دن وہی دنیا چیخ اٹھی سرکارِ دوعالم صل علیٰ

☆

میں سمجھا آدمی کا احسنِ تقویم ہوجانا
یہی صورت ہے جس پر حق کی صنعت ناز کرتی ہے
ترے اُسوہ نے کی اخلاق کی تکمیل دنیا میں
اِسی معراج پر انساں کی عظمت ناز کرتی ہے

☆

انساں کے خاکی پیکر میں اب شافع محشر آتے ہیں
جو دونوں جہاں کے مالک ہیں وہ بھیس بدل کر آتے ہیں

☆

دیا جس پُرخطر صحرا میں درسِ معرفت اُس نے
وہ تہذیب کا اخلاق کا پہلا دبستاں ہے

☆

بہت حیران تھی دنیا اس اندازِ حکومت پر
کوئی قصرِ حکومت ہے نہ حاجب ہے نہ درباں ہے

☆

ہر دور میں اخلاق کی تکمیل ہوا سرمایۂ پیغامِ رسولؐ عربی

☆

شرع کا ہر مسئلہ ہے علم و حکمت کا قبول فطرتِ انسانیت ہے ہم نوائے مصطفیٰؐ

☆

مکمل کر دیا انساں کا دستورِ حیات اُس نے رسولؐ آخری ہے حرفِ آخر لے کے آیا ہے

☆

کیا آدم کو پیدا جس خدا نے اس کا کیا کہنا مگر مجھ کو محبت ہے خدائے آدمیت سے
یہ وہ انسانِ اعظم ہے شکستِ فاش دی جس نے حکومت کی محبت کو محبت کی حکومت سے

☆

بنی آدم ازل سے تا ابد ممنونِ احساں ہیں اسی نے آدمیت دی ہے ورنہ آدمی کیا ہے

☆

اک اور اضافہ یہ کیا بت شکنی میں مذموم تمدن کے صنم توڑے ہیں اس نے

نعت درحقیقت حدیثِ دل ہے وارداتِ قلبی کا صفحۂ قرطاس پر مظاہرہ ہے۔ عرفی کے شعر کے مصداق تلوار کی دھار پر سفر ہوتے ہوئے بھی سیرِ گلشنِ فردوس ہے جس کا جتنا قلبی اثر ہوگا نعت اتنی ہی بااثر ہوگی۔ نعت کی تنقید کے معنی گلِ نعت یعنی شعر کو نوکِ خارتنقید سے پُر پُر کرنا صحیح نہیں۔ اگر کسی نے اپنے کو حسّان دوراں یا حسّان مثل کہا ہے تو یہ تعلّی ہے اور خوب صورت تعلّی ہے اُس میں خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ غالبؔ کے چہیتے شاگرد مہدی مجروحؔ نے بھی اپنی خوب صورت نعت کے مقطع میں کہا ہے:

مدحت سنج ہے دن رات مجروحؔ
یہ اردو میں ہے سحبانِ محمدؐ

بعض لوگوں نے شاعرِ دربارِ رسالت پر اعتراض کیا ہے لیکن حضور ﷺ کا دربار آج بھی سجا ہوا ہے ورنہ لاکھوں افراد نذرانۂ عقیدت لے کر مدینہ نہ جاتے اور ہر وہ شخص جو اس دربار میں حاضری دے گا وہ اپنے کو شاعرِ دربارِ رسالت کہنے کا حق دار ہے۔ رند اور زاہد، صوفی اور مفتی کی لے میں فرق ہے اور نجمؔ اور دوسرے نجومِ آسمانِ رسالت، شاعرِ دربارِ رسالت ﷺ ہی ہیں۔

طلب یکساں ہے لیکن فرق یہ ہے رند و زاہد میں
کوئی عشقِ نبیؐ میں نالہ کش کوئی غزل خواں ہے

کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں اے نجمؔ میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ

☆

فرازِ عرش سے اُترے ہیں یہ اشعار کیا کہنا فضائے عرش میں اے نجمؔ رہتا ہے دماغ اپنا

☆

نجمؔ فطرت ہے مری مدح و ثنائے مصطفیٰؐ چار پشتوں سے مجھے حاصل ہے یہ عزّوشرف

☆

نجمؔ صدیوں سے ہے فخرِ مدحِ آلِ مصطفیٰؐ میرے آبا کا شرف ہے میری فطرت کا خمیر

☆

جب مدحِ پیغمبرؐ کرتا ہوں وہ زورِ سخن بڑھ جاتا ہے
اے نجمؔ سلامی دینے کو الفاظ کے لشکر آتے ہیں

نجمؔ مداحِ پیمبرؐ کی بلندی کو نہ پوچھ		خاک پر بیٹھے تو سر عرش سے جا ملتا ہے

☆

میں اپنے شعر لے کر نجمؔ اس منزل میں کیا جاؤں		جہاں قرآن کی ایک ایک آیت ناز کرتی ہے

☆

تا عرش یہ نغمے جائیں گے سکانِ فلک دہرائیں گے		کہنے دو مجھے اے نجمؔ ابھی سرکارِ دو عالم صلِ علیٰ

☆

اُسے یارب نہ ہو معلوم حالت نجمؔ کے دل کی		غمِ اسلام کم ہے اور غمِ دوراں فراواں ہے

صرف مقطعوں ہی میں نہیں بلکہ نعتوں کے بہتے زلال میں بھی نجمؔ کے احساسات عجز، انکسار اور تعلّی کے کنول نظر آتے ہیں۔ یہ طرزِ بیان صرف اور صرف مدحتِ نبوی ﷺ کے لطفِ خاص سے عطا ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں:

قطرہ نے لیں جو تیری محبت میں کروٹیں		بطنِ صدف میں گوہر غلطاں بنا دیا
یہ نطق کا شرف یہ طہارت زبان کی		اک اک حدیثِ دوست کو قرآں بنا دیا
سلطانِ کج کلاہ مقابل نہ ہو سکے		جس کو رئیس دولتِ عرفاں بنا دیا

ایک اور نعت کا مطلع اور زیبِ مطلع کا انداز دیکھیے:

کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبوی میں		اور آگ لگا دی ہے مری تشنہ لبی میں
آزاد ہوں میں وسعتِ عشقِ نبوی میں		الجھے ہوئے ہیں تنگ نظر بولہبی میں
وصلِ ابدی میں ہے نہ سحرِ ازلی میں		احساس جو ہے عشقِ محمدؐ کی خودی میں

اسلام دینِ فطرت ہے اور پیامبر ﷺ اسلام فطرت کا مکمل نمونہ۔ اسلامی اقدار اُس زمانے میں دنیا میں رونما ہوئے جب دنیا مساوات، امن اور شانتی، استعمار اور جمہوریت سے آشنا نہ تھی یعنی فلاسفر اور ان کی کتابوں میں اس کا تذکرہ تو تھا لیکن کوئی انھیں رُو بہ عمل لانے کی قدرت اور جرأت نہیں رکھتا تھا۔ چناں چہ یہ ذات ختمی مرتبت ﷺ تھی جس نے غربت کو مٹانے، زر و زمین کو آقا اور غلام کے درمیان تقسیم کرنے، امن اور صلح کے پیغامات کو سراسر گیتی پھیلانے اور پیغامِ برادری انسانوں کے درمیان مخصوص ملتِ اسلامیہ کے افراد کے درمیان اتحاد پر زور دیا۔ نجمؔ کی نعتوں میں یہ مضامین بکھرے ہوئے ہیں۔ غریبوں اور غربت کے متعلق چند شعر دیکھیے:

غریب قوم بن کر بن گیا ڈھارس غریبوں کی		امیر خلق ہو کر بھیس بدلا اُس نے غربت کا

☆

اُسی کسی حق پناہی سے ہوا ہے دسترس اتنا کہ آج افلاس کا ہاتھ اور دولت کا گریباں ہے

☆

بہت دولت لٹائی جس کے ہاتھوں نے غریبوں میں مگر ہونے دیا دامن کو آلودہ نہ دولت سے

☆

تجھے دولت حکومت عیش سب دیتی رہی دنیا مگر دنیا میں باقی ہے ترا انکار کیا کہنا

دنیا کے امن کے لیے کیا کوئی دوسری ہستی ایسی ہے جس نے صرف دفاعی جنگ کی اور مدینہ جیسے شہر میں دوسری اقلیتوں کے ساتھ انسانیت کا سلوک برقرار رکھا۔

رحمتِ عالم خلافِ امن جاسکتا نہیں تھی دفاعی جنگ ہر جنگ و جدالِ مصطفیٰؐ

☆

ابھی انسان سمجھا ہی نہیں تجویز امن اُس کی ابھی دنیا کے ہر اک موڑ پر طاقت رجز خواں ہے

☆

جہاں میں سب سے پہلے تو پیامِ امن لایا تھا مساوات و محبت کے علم بردار کیا کہنا

مساوات اور برادری بخصوص ملت اسلامیہ کے فرقوں کے درمیان اتحاد پر نجمؔ نے بڑے عمدہ اشعار نعت نگاری میں شامل کیے ہیں۔

نوعِ بشر کو نظمِ مساوات سونپ کر ہر دردِ اختلاف کا درماں بنا دیا

دیا تھا اُس نے وہ درسِ مساوات رواداری
کہ ہر اک قوم میں اب روح آزادی کی جولاں ہے
کیا تقویٰ کو شامل اس نے تہذیب و تمدن میں
یہ نعمت گر نہیں تو منعم و مزدور یکساں ہے
اُسی خوانِ کرم کی ریزہ خوار اقوامِ عالم ہیں
اُسی کو اک عطیہ اشتراکی درد درماں ہے

☆

خدا بھی ایک ہے قرآن بھی قبلہ پیمبرؐ بھی
قیامت ہے کہ پھر ملت کا شیرازہ پریشاں ہے
بھلا سکتے نہیں دل اُس کی تحریکِ اخوت کو
چراغ انسان کے احساس کا بے شک فرواں ہے

اخوت کی بنا ڈالی اُسی نے بزمِ ہستی میں　　　کے معلوم تھا انسانیت کا کیا تقاضا ہے

☆

جو عالم گیر پیغامِ اخوت لے کے آیا تھا　　　اُسی کی قوم ہے محرومِ احساسِ اخوت سے

شاعری کی دوسری اصناف کی طرح نعت کے اظہار اور ابلاغ میں وسعتِ فکری کو بڑا دخل ہے۔ علامہ اقبال کے نعتیہ اشعار میں غضب کا خلوص ہے جس کی جھلک علامہ نجم آفندی کے کلام میں نظر آتی ہے۔

اُسے کرنا تھا رشتہ عبد کا معبود سے محکم　　　کہ اُس کو علم تھا انساں کی کم زوریِ فطرت کا

☆

خالق کی مشیت پہ بھی کر ہی لیا قبضہ　　　کیا آگئی انسانِ خدا ساز کے جی میں

تفریق پہ کس نے مجھے مامور کیا ہے　　　کیوں فرق کروں عشقِ خدا عشقِ نبیؐ میں

☆

خبر کیا تجھ کو تعلیمِ محمدؐ مصطفیؐ کیا ہے　　　بہ حُسن احتیاط ایک امتزاج دین و دنیا ہے

رُباعی

آدم مابینِ آب و گِل تھے جب سے　　　روشن تھی فضا نور حبیبِ رب سے

اپنی ہستی سے بے خبر آدم زاد　　　کیا جانے کہ ہے ذاتِ محمدؐ کب سے

حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات سے بہرہ مند ہونے کے بجائے بعض لوگ فروعی اور غیرضروری مسائل میں اپنی پوری توانائی صرف کر دیتے ہیں۔ معراجِ روحانی اور جسمانی کے مباحث، نوری یا خاکی ہونے کی بحث، فلسفہ اور دین و دنیا کے معمولی مسائل وغیرہ۔ نجم کے چند اشعار ان کی پوری ترجمانی کرتے نظر آرہے ہیں۔

کچھ خبر بھی ہے تجھے نان ونمک کے سائل　　　اُس کے کوچہ میں گدائی سے خدا ملتا ہے

☆

بھٹک کر رہ گئے رستہ میں سقراطی بقراطی　　　تری چوکھٹ پہ سجدے کر کے حکمت ناز کرتی ہے

☆

نہ چھیڑو مبحثِ معراجِ روحانی و جسمانی　　　دکھاؤ آئینہ جویائے حق کو اس کی سیرت کا

☆

- یہ نطق کا شرف یہ طہارت زباں کی اک اک حدیث دوست کو قرآں بنا دیا

☆

میانِ آب و گِل تھا آدمی جب وہ پیمبرؐ تھا مشیت ہی میں تھا اسلام وہ جب سے مسلماں ہے

☆

خود اپنا نور نورِ بندگی نورِ خداوندی شبِ معراج اس کی غیرتِ صبح درخشاں ہے

رُباعی

بے کار یہ جسم و روح کی بحث کا سوال سر پر مرے آقا کے ازل سے ہے یہ تاج
کیا اُس کے لیے عرش پہ جانے کا سوال جب فرش پہ حاصل ہو مقامِ معراج

تشکیل ہوئی تنظیم ہوئی ترتیب ہوئی تکمیل ہوئی کیوں ختم نہ ہو پیغامبری سرکارِ دوعالم صل علی

یہ نامِ محمدؐ یہ اندھیرے کا اُجالا سرنامۂ آیات ہے آیاتِ جلی میں
صدقے صنم ہند و صنادید عجم ہیں اللہ کی قدرت ہے لباسِ عربی میں

حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس مدینۃ العلم ہے۔ آپ علم لدنی کے حامل تھے یہ بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے کہ اُس دور کے عالم اور پڑھے لکھے شخص کو کیوں کہ اُسے معرفتِ پروردگار حاصل نہ تھی، ابوجہل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ ظاہری طور پر لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے آپ کا لقب اُمی ہوا۔ مضامینِ نعت میں حضور ﷺ کا اُمی ہونا ثانوی مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ فارسی اور اردو کے شعرا نے اچھوتے نادر اور خوب صورت اشعار لکھے۔ نجم کے دو چار اشعار جو ان کی مزاجِ شاعری کے نقیب ہیں تبرکاً یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

نگاہِ اہلِ ظاہر میں وہ اُمی تھا مگر ایسا
کتابِ زیست میں اصلاح دی ہے دستِ قدرت سے

تکوینی ہے علم اس کا جو کہلاتا ہے اُمی یہ بات نہ آئے گی کبھی ذہنِ غبی میں

☆

اُسی نے مصرفِ علم و عمل سے ہم کو سمجھایا غرورِ زندگی کیا ہے شعورِ زندگی کیا ہے

ازل کے دن سے جس کی انگلیاں ہیں نبضِ فطرت پر
مزاجِ زور و زر بدلا ہے جس نے علم وحکمت سے

حضور ﷺ اکرم معلّمِ اخلاق اور زیست ہیں وہ تکوینی علم کے حامل ہیں۔ نعت میں منقبتی موضوعات کی رسم بھی بہت قدیم ہے۔ عربی، فارسی اور اردو نعت کی ابتدا ہی اس آمیزش کے ساتھ ہوئی۔ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کی نعتوں میں اہلِ بیتؓ کرام کی مدح وثنا مسلسل نظر آتی ہے لیکن اُن سب کی نسبت حضور اکرم ﷺ کے وجود سے بتائی جاتی ہے۔ یہاں یہ ذکر بھی عمدہ ہے کہ نجم آفندی کو نصیرالملّت کی جانب سے شاعرِ اہلِ بیت کا خطاب دیا گیا تھا۔

شاعر ہوں جن کا نجم وہ ہیں وجہِ کائنات　　　ممکن ہے تا ابد میرا نام و نشاں رہے

☆

مصاحب تیرے پیغمبر فرشتے لشکری تیرے　　　سپہ سالارِ اعظم حیدرِ کرار کیا کہنا
ذبیح اللہ شامل تیرے اسلافِ مقدس میں　　　شہیدِ کربلا ہے تیرا ورثہ دار کیا کہنا

☆

کلمہ گو کیوں کر نہ ہوں شیدائے آلِ مصطفیٰؐ　　　کوئی بدقسمت ہی چاہے گا ملالِ مصطفیٰؐ
حشر تک فکر آفریں ہے ذہنِ انساں کے لیے　　　عزت و قرآں متاعِ لازوالِ مصطفیٰؐ
صورت وسیرت میں زہراؓ کے دونوں لاڈلے　　　ہم جمالِ مصطفیٰؐ و ہم خیالِ مصطفیٰؐ

☆

ترے اسلاف سے اخلاف سے آگے نہیں کوئی　　　جہاں تک نسلِ آدم کی شرافت ناز کرتی ہے

نجم آفندی نے حضرت تمنا سندیلوی مرحوم کی فارسی نعت پر تضمین کرکے ایک خوب صورت فارسی میں نعت کہی ہے جس کے ایک بند پر اس تحریر کو تمام کرتا ہوں:

از روئے تو صبح یافت تنویر　　　و ز زلفِ تو شب نمودہ تحریر
تو جانِ مصوری بہ تصویر　　　از شمع رُخِ تو دستِ تقدیر
بر کرد چراغ آفرینش

ذیل میں نجم آفندی کی نعتوں کے مطلع اور تعدادِ شعر دیے گئے ہیں:

۱۔ انسان کے خاکی پیکر میں اب شافعِ محشر آتے ہیں　　　(۷؍اشعار)

۲۔ اے وہ کہ تیرے نور کو عنواں بنا دیا۔ (۱۹/اشعار)

۳۔ دردِ دل کیا کہیں رستہ میں پڑا ملتا ہے۔ (۱۱/اشعار)

۴۔ محمدؐ پر خدا کی شانِ وحدت ناز کرتی ہے۔ (۱۸/اشعار)

۵۔ چمکا جو عرب دیس کی قسمت کا ستارا۔ (۳۴/اشعار)

۶۔ گروہ انبیاؑ کے سیّد و سردار کیا کہنا۔ (۱۳/اشعار)

۷۔ جان ہے تیری امانت دل برائے مصطفےٰؐ۔ (۲۲/اشعار)

۸۔ محمدؐ کائنات دو جہاں میں کارفرما ہے۔ (۱۵/اشعار)

۹۔ کیا نعت میں لے نغمے کی بڑھی سرکارِ دوعالم صلِ علیٰ (۱۲/اشعار)

۱۰۔ ہزاروں ہی پیمبر ہیں خدا نے جن کو بھیجا ہے۔ (۹/اشعار)

۱۱۔ نماز دردِ دل پڑھنی ہے پیغمبر کی مدحت سے (۱۶/اشعار)

۱۲۔ حرا کا غار ہے فانوس کس شمعِ حقیقت کا۔ (۲۲/اشعار)

۱۳۔ محمدؐ کی حقیقت دونوں عالم کی رگِ جاں ہے۔ (۳۸/اشعار)

۱۴۔ تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوش نما ستارے۔ (۳۹/اشعار)

۱۵۔ اے نورِ چراغ آفرینش اے روحِ نفاخ آفرینش۔ (۱۴/اشعار)

۱۶۔ کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبویؐ میں۔ (۱۳/اشعار)

شکیل الرحمٰن۔ بھارت

عرفی اور غالب در نعتِ سرورِ کائنات ﷺ

عرفی اور غالب دونوں فارسی زبان و ادب کے ممتاز فن کار ہیں۔ نعت گوئی میں بھی ان دونوں تخلیقی فن کاروں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا عمدہ اظہار کیا ہے۔ یہاں دونوں کا تقابلی مطالعہ مقصود نہیں ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ فارسی زبان و ادب کے ان دونوں شاعروں کے اُن پیارے اور البیلے تجربوں پر غور کیا جائے کہ جن کا اظہار انتہائی والہانہ انداز میں نعتوں میں ہوا ہے۔ دونوں کی نظموں کا آہنگ مختلف ہے لیکن چوں کہ دونوں ایک ہی بڑی دل نواز شخصیت کا ذکر کررہے ہیں، اس لیے وجدانی یا باطنی سطح پر آہنگ اور آہنگ کی وحدت کا احساس ملنے لگتا ہے، جذبہ ایک جیسا ہے، ذہنی کیفیت بھی ایک جیسی ہے، عقیدت اور محبت میں کوئی کسی سے آگے یا پیچھے نہیں ہے، پھر بھی دو مختلف شخصیتوں کے شعری تجربے انفرادی خصوصیتیں لیے ہوئے ہیں، اظہار کے حسن میں بھی انفرادی خصوصیتوں کی پہچان ہوتی ہے۔

عرفی کے قصیدے درنعت سرورِ کائنات ﷺ کی ابتدا ہی شاعر کی شخصیت کو حد درجہ محسوس بنا دیتی ہے۔ آپ کے فقر کا احساس ابتدائیہ میں ایک عجیب اُٹھان پیدا کردیتا ہے۔ فقر ہی کا کرشمہ ہے وہ کسی کا احسان نہیں اُٹھاتا، کسی کا کرم قبول نہیں کرتا، دنیا کو عدم نہیں معدوم سمجھتا ہے، اس کا فقر ایسا جوہر ہے کہ جس کے سامنے سونے اور اشرفی کے رنگ اُڑ جاتے ہیں۔ اس فقر کا جوہر جب کلام میں اپنی شعاعیں لے کر آیا تو ہر جانب اسی کی روشنی تھی، ''میری شاعری نے جب حکومت شروع کی تو سکندر اپنے علم کو سمیٹے اور اپنے قلم کو لیے گم ہوگیا!''

اقبالِ سکندر بجہانگیری نظم
برداشت بیک دست قلم را و علم را

یہ فقر آیا کہاں سے؟ اس فقر کی خوش بو سے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ خوش بو میری افضل روایات کی خوش بو ہے، اس فقر کا رشتہ میرے آبا و اجداد اور اُن روایات سے گہرا ہے کہ جن کا سلسلہ آدم تک قائم ہے یعنی میری بزرگی، میری فکر و نظر کی وسعت و گہرائی، میرے باطن کی روشنی سب عمدہ اور افضل روایات کی دین ہیں، شاعر نے اس بات کو ایک جمالیاتی احساس کی صورت دے دی ہے اسی قصیدے میں کہا ہے:

وصفِ گل و ریحاں بہوا باز نگردوَ
ہر چند ہوا عطر دہد قوتِ شم را!

یعنی بلاشبہ ہوا خوش بو پہنچاتی ہے لیکن گل و ریحاں کی تعریف ہوا کی تعریف نہیں ہوتی، ہوا سے خوش بو آتی ہے تو سمجھ جاتے ہیں یہ گل و ریحان کی خوش بو ہے۔

اسی طرح میری فقر کے جوہر میں جو چمک دمک ہے، میری فکر و نظر میں جو روشنی ہے اور میرے کلام میں خوش بو ہے ان سب کا باطنی رشتہ ماضی کے جلوؤں اور روایات کی عمدہ اور عمدہ ترین روشنیوں اور خوش بوؤں سے قائم ہے:

این برق نجابت کہ جہد از گہر من
مدح ست و لے گوہر ذات اب وعم را

عرفی کے کلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شاعر فقر اور اس کے جوہر کو عزیز تر رکھتا ہے:

اقبال کرم میگزد ارباب ہمم را
ہمت نخو رد نیشتر لا و نعم را

دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی عمدہ اور افضل روایات کا قدر داں ہے اس لیے کہ اس شخصیت کی تشکیل میں ان کا حصہ بہت بڑا ہے۔ جب عجم کے نقش و نگار اور عمارتوں کی ٹوٹی پھوٹی شکستہ دیواروں کو دیکھتا ہے تو اُسے بزرگانِ عجم کے بڑے کارناموں اور تخلیقی کارناموں کا احساس ملتا ہے۔

از نقش و نگار درو دیوارِ شکستہ
آثار پدیدست صنادیدِ عجم را

اس قصیدے کی تشبیب، مزاج، رجحان اور تیور کو بخوبی سمجھا دیتی ہے، فقر میں کیسی اُٹھان اور لہر ہے اس کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے، لیکن جیسے ہے سرورِ کائنات ﷺ کی دل نواز اور

ہمہ گیری شخصیت کا احساس ہوتا ہے فکر و نظر میں ایک عجیب لچک پیدا ہوجاتی ہے اور شاعر اپنے فقر کے ساتھ بچھ جاتا ہے۔ حضور کریم ﷺ کی چوکھٹ کی خاک کو ماتھے پر لگاتے ہیں زندگی کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔

آرایشِ ایوارِ نبوت کہ ز تعلیم
خاکِ درِ اُو تاجِ شرف داد قسم را

مدح شروع ہوتی ہے اور اس قسم کے اشعار سامنے آتے ہیں:

روز یکہ شمر دند عدیلش ز محالات / تاریخ تولد بہ نوشتند عدم را
آں جا کہ سبکروحیش آید بہ تکلم / ز آسیب گرانی بخرد گوش اصم را
تارایتِ عفو غضبش سایہ نیفگند / ہیئت متصور نشد آراش درم را
تاشاہدِ علم و عملش چہرہ نیفروخت / معلوم نشد فائدہ نے کیف و نہ کم را
تاثیر بروہم تو از حکم کواکب / تغیر و دہد ہیبت تو طعم نعم را
انعام تو بردوختہ چشم و دہنِ آز / احسانِ تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را
زاں گریہ دہد روشنئ دل کہ بیاموخت / روشن گری آیینۂ انصافِ تونم را
دوکوے تو تبدیل کند مردمکِ چشم / اجزاے وجودِ خود و اجزاے قدم را
از بس شرف گوہرِ تومنشئِ تقدیر / آں روز کہ بگواشتی اقلیم قدم را
تاحکم نزول تو درایں دار نوشتہ است / صد رہ بعبث باز تراشیدہ قلم را
گر جوہرِ اوّل بحریمِ تو در آید / تن در ندہد قامتِ تعظیم تو خم را
آں روز کہ امکانِ حشم حادثہ آراست / در سایۂ انصافِ تو میخواست حشم را
تا ذات ترا اصل مہمات نخوانند / نشنید قضا ترجمۂ لفظ اہم را
تا مجمعِ امکان و وجوبت نہ نوشتند / مورد معتین نشد اطلاق اعم را
تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل / سلماے حدوثِ تو ولیلاے قدم را
تا نامِ ترا افسرِ فہرست نکردند / شیرازۂ مجموعہ نبستند کرم را
عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا / آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ ست قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن / مدح شہِ کونین و مدیح کے وجم را
شایستہ بدست آر کہ بنیدؔ دریں شہر / شایستگیِ جنس چہ بسیار و چہ کم را

گیرم کہ خرد حصر کند مایۂ نعتش آن حوصلہ آخرز کجا نطق و رقم را
شاہا بعطایت کہ از آن کام کہ دانی نومید مہل عرفیِ محروم و دژم را
از باغ نعیمش بدہ انعام و میامیز بامطلب او مطلب اصحابِ شکم را
آسایشِ ہمسائگیِ حق ز تو خواہد اوبیمۂ دوزخ نکند باغِ ارم را
دائم نہ رسد ذرہ بہ خورشید ولیکن شوق طیران میکشد ارباب ہمم را
ہر چند طبیعی بود ایں مس تو بضرما تا جلوہ دہد فیض تو اکسیر کرم را
من ہم نجبالت لبِ خجلت نکشایم اے آبِ حیات از لبِ تو خضرنعم را
ہر گاہ کہ در مدح بلغزم تو ببخشائے کز مدح ندانم من حیراں شدہ زم را
تحصیلِ ثواب و شرف نسبت نعتت زیں گونہ خجل ساختہ حسان عجم را
تا مدح تو آید ز مشیت بہ نوشتن بالا نگرستن بشد از یاد قلم را
دانش نکشاید بسزا عقدۂ نعتت زیں جاست کہ اندیشہ نگوں کردعلم را
مدح تو ز اخلاص کنم ہدیہ نہ از علم از بتکدہ چون آورم آہوے حرم را

بنیادی خیالات یہ ہیں:

میں شہنشاہِ عرب وعجم کا مداح ہوں۔

حضور کریم ﷺ ایوانِ نبوت کی زینت وآرائش ہیں،

آستانے کی چوکھٹ کی خاک زندگی کی عفت و بلندی کا مفہوم سمجھا دیتی ہے۔

حضور کا ثانی پیدا نہیں ہوسکتا،

آپ ﷺ جب کچھ ارشاد فرماتے تھے تو بہرے بھی سن لیا کرتے تھے،

آپ ﷺ کا علم بھی ایک جلوہ، آپ ﷺ کا عمل بھی ایک جلوہ۔

جب تک علم وعمل کے جلوے سامنے نہ آئیں اس وقت تک کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ کتنا علم حاصل ہونا چاہیے علم کی کس سطح تک جائیں کہ فائدہ پہنچے۔

یہ آپ ﷺ ہی کا معجزہ ہے کہ آپ کی پیدائش کا ستارہ جسے منجموں نے نحس بتایا تھا دنیا کا سب سے خوش قسمت ستارہ ثابت ہوا۔ آپ ﷺ جسے نعمتیں بخش دیتے ہیں بھلا اُسے دنیا کی کیا پروا۔ آپ ﷺ کی رحمتوں کا کوئی حساب نہیں کرسکتا، حضور کریم ﷺ کے انصاف نے نمی کو بھی آئینہ کی صیقل گری سکھائی،

آپ ﷺ کے کوچے میں آنکھ کی پتلی کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے وجود کو قدم سے بدل لے، اس طرح عرفی حضورِ سرورِ کائنات ﷺ کی ذات پاک اور شخصیت کو موضوع بناتے ہیں۔

عرفی ایک منفرد اسلوب کے شاعر ہیں، الفاظ کے حسن و جمال سے خیالات کے حسن و جمال کی پہچان ہوتی ہے، اس نظم میں خیال و الفاظ کی اکائیاں ایک دوسرے میں جذب ہیں، کلاسیکی لہجے میں نظامی کی یاد آتی ہے، عرفی کی کلاسیکیت حسن میں تنظیم پیدا کرتی ہے اس کے برعکس غالب کی رومانیت حسن میں تحیّر اور اجنبیت (Strangeness) عرفی کا کلاسیکی مزاج عام سنے سنائے جانے بوجھے اور صدیوں سے محسوس کیے ہوئے واقعات اور احساسات کو دل فریب انداز میں پیش کرنے میں پیش پیش ہے اس کے برعکس غالب کی رومانیت تحیر کے حسن کو لیے حسن کو اور جاننے اور ٹٹولنے پر اُکساتی ہے۔

غالب جانتے تھے کہ قرآن حکیم میں اللہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی تعریف خود کی ہے اسی تعریف سے یہ تاثر ملا کہ رسولِ خالق کے حسن کا آئینہ ہیں اور آپ کی زبان سے جو کچھ بھی ادا ہوتا ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ غالب کہتے ہیں:

حق جلوہ گر ز طرزِ بیان محمد ست
آری کلام حق بہ زبان محمد ست

حضور ﷺ کے طرزِ بیان سے اللہ کے جمال کی شعاعیں بکھرتی ہیں، حق جلوہ گر ہے، رسوم کریم ﷺ کی زبان مبارک پر اللہ کا کلام جاری ہے۔

آگے کہتے ہیں:

آئینہ دار پرتوِ مہرست ماہ تاب
شان حق آشکار ز شانِ محمد ست

جس طرح چاند آفتاب کے نور کا آئینہ دار ہے اسی طرح اللہ کی شان حضور ﷺ کی شان سے نمایاں ہے۔ فرماتے ہیں:

تیر قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق ست
لما کشادِ آن ز کمانِ محمد ست

بلاشبہ قسمت یا تقدیر کا تیر معبود کے ترکش میں ہے لیکن وہ تیر چھوٹتا ہے تو محمد ﷺ کی کمان سے۔ یہ شعر سنیے:

دانی اگر بہ معنیِ لولاک وارسی

خود ہر چہ از حق ست از آنِ محمد ست

لولاک کی سچائی تک جاؤ تو پتا چلے گا کہ جو کچھ اللہ کا ہے وہ محمد ﷺ کا ہے۔

ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد

سوگند کردگار بجان محمد ست

بات انتہائی خوب صورت انداز بہت پیارا ہے۔ کہتے ہیں ہر شخص اس کی قسم کھاتا ہے جسے عزیز جانتا اور عزیز رکھتا ہے، جس سے وہ بے حد پیار کرتا ہے۔ ذرا دیکھو اللہ نے قرآن پاک میں اپنے حبیب ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے!

ان اشعار کی روشنی میں غالب کی نعت کا مطالعہ کیجیے تو رومانیت کی ایک تاب ناک جہت کے ساتھ تحیر کی جمالیات کا جلوہ بھی سامنے آئے گا۔

ابتدا میں شاعر ڈرامائی انداز میں اپنے قلم سے مخاطب ہے، قلم ایک زندہ اور متحرک کردار کی طرح سامنے ہے، شاعر کہتا ہے:

بنام ایزد ای کلکِ قدسی صریر بہر جنبش از غیب یز و پزیر

ز مہرم بدل ہمچو آہ اندر آی

ز دل تا بر آرم بہ گردوں بر آی

اے پاک قلم جو تو ہر جنبش پر غیب سے توانائی حاصل کرتا ہے میرے دل میں اس طرح آ جیسے آہ کی دل میں جگہ ہوتی ہے اور پھر اس طرح دل سے باہر نکل کر تجھے آسمان تک پہنچادوں قلم کو اپنے جذبات کے مختلف رنگوں کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ باطن میں جو جذبات ہیں ان کے تمام رنگوں کو لے کر باہر انتہائی بلندیوں تک لے جانے کی خواہش اور تمنا ہے۔ حضور کریم ﷺ سے جو عقیدت اور محبت ہے اور آپ ﷺ کے سرچشمے سے جو فیض حاصل کیا ہے تخیل میں جو لہر پیدا ہوئی ہے اور پورے وجود میں جو خوش بو پھیل گئی ہے ان سب کا اظہار اپنے اس قلم سے کرنے کی آرزو ہے جو غیب سے طاقت ور اور توانائی حاصل کرتا ہے۔

حضور کریم ﷺ کی ذات پاک ایسی ہے کہ جس کا قصیدہ اس وقت تک لکھا نہیں جا سکتا جب تک کہ تخیل اور قلم میں زبردست حرکت پیدا نہ ہو جائے، پرواز کرنے کی طاقت نہ آ جائے، قلم میں توانائی اس وقت پیدا ہوگی جب وہ خونِ دل میں اُتر کر اچانک آسمانوں کی جانب پرواز

کرجائے، جب سلسبیل تک خود پہنچے تو اس کے مقدس پانی کو سانس سے چڑھالے اور تمچھٹ کی خوبی کو نمایاں کرتے ہوئے جنت الفردوس میں پہنچ جائے۔ اپنا سینہ چاک کر کے جنت کی ہوا لے اور جونہی حاصل ہو اسے لے کر جنت سے واپس آئے پھر زمین کی جانب گرم رفتار ہو، رفتار میں رقص آمیز حرکت ہو اس لیے کہ اسی دل آویز جنبش کے ساتھ نعت کی ابتدا ممکن ہو سکے گی۔ اب اشعار سنیے:

چو برسلسبیلت رہِ افتدم | خیاباں خیاباں بہ مینو بہ چم
بدم درکش آبِ گہر ساری را | نمودار کن گوہرِ لای را
فرِدِ رو بداں لای و دیگر بروی | ز سر سبز گردود فرو سوبپوی
شگافی ازاں در بہ خویش اندر آر | بہشتی یسمی بہ پیش اندر آر
بدانم کہ اندر سرشت آوری | بداں بار خوش کز بہشت آوری

دل آویز تر جنبشی ساز کن
بہ جنبش رقم سنجی آغاز کن

اس کے بعد نعت شروع ہوتی ہے کہ جس کا عنوان ''درود'' ہے اور جس کا دیباچہ تعریفِ رسول کریم ﷺ:

محمد کز آیینۂ روی دوست | جزینش ندانست دا ناکہ اوست
زہی روشن آیینۂ ایزدی | کہ دروی نہ گنجیدہ رنگِ خودی
ز رازِ نہاں پردۂ برزدہ | ز ذاتِ خدا معجزی سرزدہ
تمنای دیرینۂ کردگار | بوی ایزد از خویش امیدوار
تن از نور پالودہ سرچشمۂ | ولی ہم چو مہتاب در چشمۂ
بہرِ جام ازو تشنۂ جرعہ خواہ | بہر گام ازد معجزی سربراہ
کلامش بدل در فرود آمدن | زدم جستہ پیشی بہ زود آمدن
خرامش بسنگ از قدم نقش بند | بہ رنگی کہ نادیدہ پایش گزند
بہ دستش کشادِ قلم نارسا | بہ کلکش سوادِ رقم نارسا
دل امید جای زیان دیدگاں | نظر قبلہ گاہِ جہاں دیدگاں
بہ رفتار صحرا گلستاں کنی | بہ گفتار کافر مسلماں کنی

به دنیا ز دیں روشنای دہی / به عقبی ز آتش رہای دہی
ز رازیکہ بادل سرودی سروش / صدا پیش بودی زا ول بگوش
خہی قبلۂ آدمی زادگاں / نظرگاہ پیشِ فرستادگاں
کسای دہِ نسل آدمِ به خویش / روی دہِ نقد عالم به خویش
بلندی دہِ کعبہ بالای او / گرامی کن سجدہ سیمای او
یمن روشنی از پرتوِ روی او / ختن بستۂ چین گیسوی او
به کیش فریور جہاں رہنمای / زبی راہہ پویاں خرامش ربای
زبت بندگی مردم آزاد کن / جہانی به یک خانہ آباد کن
به محراب مسجد رخ آرای دیر / به اندیش خویش و دعاگوی غیر
تو گویی ز بس دل ز دشمن رباست / کہ سنگِ درش سنگ آہن رباست
زخوییکہ در کر بلاشد سبیل / ادا کرد دامِ زبانِ خلیل
کزیں بندہ کز بندگی سرنتافت / زوالا پیچی عوض برنتافت
کنش رابداں گونہ شیرازہ بست / بدیں صفحہ نقشِ چناں تازہ بست

کہ تا گردشِ چرخ نیلوفری
بود سبز جالیش به پیغمبری

بنیادی خیالات یہ ہے:

حضور کریم ﷺ آئینہ جمالِ الٰہی ہیں

اِسی جمال کو دیکھ کر دانش مندوں نے جانا کہ اللہ کا وجود ہے۔

محمد ﷺ کی ذات اللہ کا چمکتا روشن آئینہ ہے جس پر خودی کا رنگ آ ہی نہیں سکتا، آپ ﷺ ذاتِ الٰہی کا معجزہ ہیں، رازِ نہاں سے پردہ اُٹھایا اور غیب کے اسرار نمایاں کیے۔ آپ ﷺ اللہ کی دیرینہ تمنا ہیں، اللہ خود اپنی ذات سے کچھ اُمیدیں رکھتا تھا اور یہ اُمیدیں آپ ﷺ ہی کے ذریعہ پوری ہوئیں۔

جسم نور کا صاف شفاف سرچشمہ ہے ایسا لطیف ہے جیسے کسی چشمے میں ماہ تاب کا عکس نظر آئے۔

حضور کریم ﷺ کے ہر جام سے کوئی نہ کوئی تشنہ ایک گھونٹ کا طالب ہے، آپ کے ہر قدم پر

کوئی نہ کوئی معجزہ سامنے آتا ہے۔

آپ ﷺ کا کلام دلوں میں اُتر جاتا ہے نفس سے بھی سبقت لے جاتا ہے،

رسول کریم ﷺ کی رفتار پتھر پر قدم کے نقش چھوڑتی ہے،

آپ ﷺ کے دست مبارک تک قلم کی پہنچ نہیں اور آپ ﷺ کے قلم تک تحریر کی سیاہی پہنچ نہیں سکتی۔

آپ ﷺ کی نگاہ اہلِ نظر کی قبلہ گاہ ہے،

آپ ﷺ کی رفتار سے بیاباں گلستاں میں تبدیل ہوجاتے ہیں،

آپ ﷺ دین کی روشنی بخشنے والے ہیں،

آپ ﷺ کی ذات سے اولادِ آدم کو عزت حاصل ہوئی ہے،

آپ ﷺ کی پیشانی نے سجدے کو عزت بخشی ہے۔

اگر یمن ہے تو آپ ﷺ کے پرتوِ جمال سے روشن اور ختن ہے تو آپ ﷺ کے خمِ گیسو کا اسیر

آپ ﷺ نے انسان کو بتوں کی بندگی سے آزاد کیا۔

آپ ﷺ اللہ کے ایسے بزرگ بندے ہیں کہ جنھوں نے کبھی بھی بندگی سے سر نہیں پھیرا:

جب تک نیلا آسمان گردش میں ہے آپ ﷺ کی نبوت کا سکّہ جاری رہے گا!

پوری نعت میں احساس اور تخیلی پیکروں کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے۔ غالب معنوی نکتہ آفرینی کے بڑے شاعر ہیں لہٰذا اس قصیدے میں بھی معنوی نکتہ آفرینی توجہ طلب بن گئی ہے۔ اظہارِ بیان پر نظر رکھیے تو سلاست کا حسن ملے گا اور جو باتیں کہی گئی ہیں ان میں گہرائی اور معنویت ملے گی۔ نظم میں شاعر نے جو فضا خلق کی ہے اُس میں جذبوں کے تحرک اور رنگ سے تخیلی پیکروں میں ایسی حرکت پیدا ہوگئی ہے کہ اکثر تحیر کا اجمال گرفت میں لے لیتا ہے۔

☆

ڈاکٹر شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

سلامِ فیروز... ایک مطالعہ

حضرت مولوی فیروز الدین فیروز رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۶۴ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ محترم کا نام مولوی جان محمد تھا۔ مولوی جان محمد والیٔ پنجاب مہاراجا شیر سنگھ کے متبنّٰی کے اتالیق تھے۔ مولوی فیروز الدین نے زمانے کے رواج کے مطابق ابتدائی سطح پر اردو اور فارسی کی تعلیم اپنے والدِ گرامی اور چچا جان سے حاصل کی۔ مولوی صاحب کو ابتدا ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ اسی ذوق و شوق کو پروان چڑھانے کے لیے انھوں نے کتابوں کی خرید و فروخت کا پیشہ اختیار کیا۔ ایک تو علم و ادب اور لسانیات سے دلچسپی، دوسرا ان کی شبانہ روز محنت اور دیانت داری کے اصول کی کارفرمائی ان صفات و عادات جمیلہ سے اس کاروبار میں بہت فائدے ہوئے۔ کتابوں کی خرید و فروخت کا کاروبار مولوی صاحب کا پیشہ تھا اور شوق بھی۔ نتیجتاً انھیں مطالعہ کے بکثرت مواقع میسر آئے۔ اسی دوران میں انھیں خود بھی کتابیں لکھنے اور چھپانے کا خیال سوجھا۔ اس خیال کو رُو بہ عمل لاتے ہوئے مولوی صاحب نے سب سے پہلے حضرت ابوالحسن سیّد علی، ہجویری بن عثمان جلالی المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق فارسی کتاب ''کشف المحجوب'' کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ''بیان المطلوب'' کے نام سے ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا انتساب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے۔ ''بیان المطلوب'' میں صاحبِ ''کشف المحجوب'' کے ارشاداتِ عالیہ اور تعلیمات کو سادہ اور سلیس انداز میں بیان کیا گیا۔ یہاں بھی مولوی صاحب کی یہی غرض کارفرما تھی کہ ''کشف المحجوب'' جیسی اہم کتاب کے مندرجات عام لوگوں تک پہنچیں اور وہ اسے مشعلِ راہ بنائیں۔ عوام و خواص کی طرف سے اس ترجمے کو بہت پزیرائی ملی۔

مولوی صاحب کو حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت اور محبت تھی۔ آپ داتا صاحب کے مزار اقدس پر اکثر حاضری دیتے۔ مولوی صاحب نے داتا صاحب کے مزار کی تزئین و آرایش پر خصوصی توجہ دی۔ خود لکھتے ہیں:

> حال ہی میں اس عاجز نے روضہ مبارک کا گنبد سبز روغنی ٹائلوں اور اس کے تمام بالائی گرد چوطرفہ چھجوں تک سنگِ مرمر کے ریزوں سیمنٹ وغیرہ سے بنوایا اور ہشت پہلو گنبد کے ہر طرف بجائے چوبی جالیوں کے سنگِ مرمر کی جالیاں لگوا دیں۔

(پیش لفظ ''بیان المطلوب'' اردو ترجمہ ''کشف المحجوب'' ایڈیشن ۱۹۹۷، صفحہ نمبر ۱۲)

''سلام فیروز'' میں مولوی صاحب نے حضرت مخدوم علی، ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو سلام پیش کیے ہیں مسدس کی ہیت میں لکھے گئے یہ سلام حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک شعر کی تقدامین ہیں۔ دونوں سلاموں میں سے ایک ایک بند ملاحظہ ہو۔ یاد رہے کہ پہلا سلام فارسی زبان (۱۱ بند) اور دوسرا اردو زبان (۱۱ بند) میں لکھا گیا ہے:

السلام اے مرہم جاں بخش زخم جانگزا   السلام اے چارہ بے چارگانِ بے نوا
السلام اے وجہ تسکینِ دل ہر مبتلا   السلام اے ہر مرض را خاک تو دارالشفا
گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(صفحہ نمبر ۲۷)

کر دیا پنجاب کو بھی تو نے مشہور انام   غزنی و ہجویری کی گو تجھ سے شہرت تھی دوام
تیرا خطبہ پڑھ رہا ہے ملک سارا صبح و شام   زیور لاہور ہے درگاہِ جنت احتشام
گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(صفحہ نمبر ۲۹)

''تجرید بخاری'' کے نام سے مولوی فیروز الدین مرحوم و مغفور نے صحیح بخاری شریف سے چند احادیث منتخب کیں اور اسے کتابی صورت میں شائع کیا۔ ان احادیث کا ترجمہ اور تشریح

اور انتخاب کی احادیث میں اضافہ کرتی ہے۔ ''تسہیل القرآن'' کے نام سے مولوی صاحب نے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر لکھی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس ترجمے اور تفسیر کی اہم خوبی اس کا سادہ، آسان اور سلیس ہونا ہے۔ ترجمہ بامحاورہ کیا گیا ہے۔ ہر صفحے کی تفسیر اسی ایک صفحے کے حاشیے پر ختم ہوجاتی ہے۔ ''تسہیل القرآن'' کی اشاعت سے فیروز سنز کے قیام کا ایک بڑا مقصد پورا ہوگیا۔

مولوی صاحب نعت نگاری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ اس ضمن میں فیروز اللغات (اردو) کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس لغت میں اردو کے قدیم و جدید الفاظ کے علاوہ فارسی، عربی، ہندی، سنسکرت، پنجابی، سندھی، گجراتی، بنگالی، پالی، پشتو، انگریزی، فرانسی، پرتگالی اور لاطینی زبانوں کے الفاظ بھ شامل ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں۔ ان الفاظ کی تذکیر و تانیث، اسم، صفات، ضمیر، مصدر وغیرہ کی نشان دہی کرنے کے علاوہ ان کی صرفی حیثیت کی توضیع کے لیے اشارات اور علامات بھی متعین کردی گئی ہیں۔ الفاظ کے معنی شرح و بسط سے درج کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ محاورات ضرب الامثال اور اصطلاحات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اس لغت کی مقبولیت کا ایک سبب یہ ہے کہ اس کے ہر نئے ایڈیشن میں نئے الفاظ کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ۱۴۷۲ صفحات کو محیط فیروزاللغات اردو تقریباً ایک لاکھ پچیس ہزار الفاظ، مرکبات، مشتقات، محاورات، ضرب الامثال تیز علمی، ادبی اورفنی اصطلاحات کا دل کش مرقع ہے۔

مولوی فیروز الدین نے فیروز اللغات فارسی اردو بھی ترتیب دیا۔ یہ فارسی کا ایک جامع اور مستند لغت (صفحات ۵۸۸) ہے۔ جس میں قدیم و جدید فارسی کے الفاظ، محاورات اور ضرب الامثال کے اردو معنی درج کیے گئے ہیں۔ الفاظ کے درست تلفظ کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے۔ پیش لفظ میں مولوی صاحب نے فارسی ادب کا تاریخی پسِ منظر بیان کرنے کے بعد ''اختلافِ زبان'' غیر ایرانی زبانیں ''فارسی زبان''، ''قدیم فارسی''، ''پہلوی''، مقامی زبانیں کے ذیلی عناوین کے تحت معلومات افزا وضاحتیں کی ہیں۔ مولوی صاحب کے الفاظ ہیں:

> اس لغت کی تدوین میں فارسی زبان کو زبان ایران تک ہی محدود نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اسے ایک جامع اور ہمہ گیر زبان کے تصور کے ماتحت ترتیب دیا گیا ہے تاکہ اردو دان طبقہ ملکِ ایران کی جدید فارسی کے ساتھ ساتھ قدیم فارسی کے وسیع ترین حدوں تک پھیلے ہوئے جواہر پاروں کو اپنے

دامن میں سمیٹ کر اس کے لطف اندوز ہو سکے۔

اس لغت میں تقریباً ساٹھ ہزار قدیم و جدید الفاظ اور ان کے معنی فراہم کیے گئے ہیں۔

فیروز سنز کے زیرِ اہتمام ''فیروز اللغات'' عربی اردو بھی ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں پچاس ہزار سے زیادہ قدیم و جدید عربی الفاظ، مرکبات اور اصطلاحات کے معنی اور مترادفات شامل کیے گئے ہیں۔

مولوی صاحب کو مثنوی مولانا روم 'انوار العلوم' کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے شیخ سعدی کی تالیف ''گلستان'' و ''بوستان'' کا اردو ترجمہ بھی کیا۔ اس میں نثر پاروں کا ترجمہ نثر اور شعروں کا ترجمہ شعروں میں کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب کا ایک اور یادگار کام ماہ نامہ ''تعلیم و تربیت'' کا اجرا ہے۔ یہ رسالہ فی الاصل اساتذہ کی تربیت کے لیے شروع کیا گیا تھا، تاہم ۱۹۴۱ء میں اسے بچوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ یہ رسالہ بچوں میں بہت مقبول ہے۔

> شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا (مرتب مقصود ایاز، محمد ناصر) کے مطابق مولوی صاحب نے یہ مسلمانوں کی ترجمانی کے لیے مجلدے پنجاب پنچ مشیر ہند ایسٹرن ٹائمز بھی جاری کیے۔

(شعاع ادب، چوک انارکلی مسلم مسجد لاہور، باراوّل ۱۹۸۷ء، ص۵۴۴)

مولوی فیروز الدین کا ایک نمایاں کارنامہ فیروز سینٹر ٹرسٹ کا قیام تھا۔ یہ ٹرسٹ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم کیا گیا جو ہمیشہ مولوی صاحب کے پیش نظر رہے۔ ان مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے علمی و ادبی ذوق کی ترویج اور ترقی تھا۔ اس سلسلے میں ''سلام فیروز'' کے بیک ٹائٹل پر جلی حروف میں لکھی ہوئی اس تحریر کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

فیروز سنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ زیرِ ٹرسٹ الکیٹ ۱۸۸۲ء)

> پاکستان بھر کا واحد اسلامی وقف جو دو لاکھ روپے کی رقم سے محض قرآن مجید کی صحیح بہترین اور ارزاں اشاعت کے لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ اس پاک تجارت کے منافع سے فیروز سنز ٹرسٹ ہسپتال کے کارِ خیر کو اور زیادہ وسیع کیا جا سکے جو جنوری ۱۹۴۴ء سے جاری ہے اور جس سے ہزارہا انسان مفت فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ شائقین قرآن مجید کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ

صرف ٹرسٹ ہی کے شائع کردہ عکسی قرآن مجید حاصل کریں۔

ملنے کا پتا: ٹرسٹی فیروز سنز ٹرسٹ لاہور۔

یعنی مولوی صاحب فیروز سنز ٹرسٹ دو لاکھ روپے کی ابتدائی لاگت سے قائم کیا جو ۱۸۸۲ء میں خاصی خطیر رقم تھی۔ ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام مولوی صاحب نے بڑی اہم علمی، تعلیمی اور ادبی کتب شائع کیں اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے ان کی قیمتیں کم سے کم رکھیں۔ مولوی صاحب نے اس کارِ خیر کا آغاز عبادت سمجھ کر کیا اور تادم واپسیں وہ اپنے کاروباری اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔ 'انما الاعمال بالنیات' اللہ کریم نے ان کے کاروبار میں برکت پیدا کی جس کے نتیجے میں یہ کاروبار پھیلتا چلا گیا۔

مولوی صاحب نے:

☆ نفع کی شرح کم رکھی اور اس سے جو بچت ہوئی اس سے ایک ہسپتال قائم کیا گیا جس سے غریبوں کا علاج مفت کیا جاتا تھا۔

☆ مولوی صاحب نے حج کی سعادت بھی حاصل کی۔

☆ اپنی سوانح عمری جہاد زندگی کے عنوان سے تحریر کی۔

☆ کتابوں کے کاروبار کے سلسلے میں ہندوستان کے تمام بڑے شہروں اور ریاستوں کے دورے کیے۔ (انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا، ص ۷۴۰)

گویا مولوی فیروز الدین ''دہ در دنیا ستر در آخرت'' کے فارسی مقولے کی حقانیت پر یقین رکھتے تھے۔ مولوی صاحب نے لاہور کی خاک سعادت آثار میں کتابوں کے وہ خوش رنگ پھول کھلائے کہ جن کی مہک آج بھی فضائے بسیط میں پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں جہاں اردو بولنے، اردو پڑھنے اور اردو لکھنے والے لوگ موجود ہیں وہاں وہاں مولوی صاحب اور ان کے قائم کردہ فیروز سنز ٹرسٹ کا نام کتابوں کی اشاعت اور ترویج کی تحریک میں ایک علامت کے طور پر لیا جاتا ہے۔

اپنے عہد کے نام ور اور جید عالم دین، مفسر قرآن، شاعر، مترجم اور ناشر ۲/اپریل ۱۹۴۹ء بہ مطابق ۲/جمادی الثانی ۱۳۶۸ ہجری بروز شنبہ نمازِ ظہر اور عصر کے درمیان تقریباً چار بجے سہ پہر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. انھیں مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مغربی جانب سپردِ خاک کیا گیا۔ داتا صاحب کے مزار اقدس پر حاضری دینے والے واقفانِ حال مولوی فیروز الدین رحمۃ اللہ علیہ کی بلندی درجات کے لیے بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ مولوی

فیروز الدین نے بحضور سرورِ کون و مکان ﷺ سے اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے اصنافِ سخن میں سے جس صنف کا انتخاب کیا وہ سلام ہے۔ مولوی صاحب کی سلامیہ شاعری کا مجموعہ ان کے صاحب زادے عبدالحمید خان نے مرتب کیا اور اسے ''سلام فیروز'' کے نام سے ۱۱رمئی ۱۹۴۹ء کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ یہ مجموعہ آج کل کم یاب ہے۔ اس کے سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہیں:

''سلام فیروز''

نتیجہ فکر حضرت الحاج مولوی فیروز الدین صاحب فیروز رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و مفسر قرآن مجید

بانی

فیروز پرنٹنگ ورکس و فیروز سنز ٹرسٹ لاہور

مع

سوانح حیات حضرت مولوی صاحب مرحوم و مغفورؒ

برائے افادہ عامۃ المسلمین

طلب کرنے پر مفت تقسیم کیا جاتا ہے

مطبوعہ

فیروز پرنٹنگ ورکس ۳۶۵ سرکلر روڈ، لاہور

باہتمام عبدالمجید خان طابع و ناشر

''سلام فیروز'' سائز کے چالیس صفحات کو محیط ہے۔

آغاز مولوی صاحب کے سوانح حیات سے ہوتا ہے جو نو صفحات پر مشتمل ہے۔ آخری دو صفحوں پر مولوی صاحب کے اپنے سوادِ خط میں ایک خواب اور اس کی تعبیر بیان کی گئی ہے۔ صفحہ نمبر۲ پر حمدِ باری تعالیٰ ہے۔ اس حمد میں مولوی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے اسماے مبارکہ کو منظوم کیا ہے۔ اس کے بعد اسی طرز میں حضور نبی اکرم ﷺ کے صفات بیان کرنے کے لیے آپ کے ۹۹ر اسماے مبارکہ کو نظم کی صورت میں ڈھالا گیا ہے۔ بعدازاں دو سلام فارسی زبان میں غزل کی ہیئت میں لکھے گئے ہیں۔ اردو میں بھی دو سلام ہیں۔ پہلا سلام اردو زبان میں غزل کی ہیئت میں جب کے دوسرا اردو سلام مخمس کی ہیئت میں موجود ہے۔ صفحہ نمبر۱۷ سے لے کر صفحہ نمبر۳۶ تک

خلفائے راشدین اور دوسرے بزرگانِ دین کے حضور نذرانۂ سلام پیش کیا گیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہیں:

☆ سلام بحضور امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل (فارسی صفحہ نمبر ۱۷)
☆ سلام بحضور امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم (فارسی صفحہ نمبر ۱۸)
☆ سلام بحضور امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ سوم (فارسی صفحہ نمبر ۱۹)
☆ سلام بحضور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ خلیفہ چہارم (فارسی صفحہ نمبر ۲۰)
☆ سلام بحضور امیر المومنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ پنجم (فارسی صفحہ نمبر ۲۱)
☆ سلام بحضور حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا (فارسی صفحہ نمبر ۲۲)
☆ سلام بحضور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ (فارسی صفحہ نمبر ۲۳)
☆ سلام بحضور حضرت مخدوم علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخش لاہوری (فارسی صفحہ نمبر ۲۵ تا ۲۷)
☆ سلام بحضور حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المشہور بہ داتا گنج بخش (اردو صفحہ ۲۸ تا ۳۰)
☆ سلام بحضور غوث اعظم قدس سرہ العزیز (فارسی صفحہ نمبر ۳۱)
☆ سلام بحضور حضرت غوث الاعظم متضمن یازدہ اسمائے پاک (فارسی صفحہ نمبر ۳۲)
☆ سلام بحضور حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین حسن سنجری ثم اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (فارسی صفحہ نمبر ۳۳)

سلام بحضور حضرت خواجہ محمد بہاؤ الدین نقش بند بخاری رحمۃ اللہ علیہ (فارسی صفحہ نمبر ۳۵)

سلام بحضور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (فارسی صفحہ نمبر ۳۶)

سلام نویسی کا سلسلہ اسی وقت شروع ہوگیا تھا جب پہلی نعت لکھی گئی تھی۔ نعت بجائے خود بحضور سرورِ کائنات ﷺ صلوۃ و السلام پیس کرنے کا منظوم ذریعہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ سلام کے ہر شعر کے شروع یا آخر میں لفظ سلام یا السلام یا صلوٰۃ والسلام لکھنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ سلام تقریباً نعتیہ مجموعہ میں شامل ہوتا ہے۔ سلام پر مشتمل کتب بھی معرض شہود پر آچکی ہیں۔

اردو کی سلامیہ شاعری میں حضور علیہ السلام کی صورت و سیرت کردار اور عمل کی سربلندی آپ کے پیغام اور فکر و تدبیر کی رفعتوں اور دیگر خصائل و شمائل کو موضوع بنا کر گزارشات پیش کی جاتی ہیں حاجت روائی کی درخواست کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں درود و سلام کی فضیلت اور اہمیت کو ان الفاظ میں اُجاگر کیا گیا ہے۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی حضور ﷺ پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔

(الاحزاب ۳۳۔۵۶)

اس آیت مبارکہ میں تین باتوں کا ذکر ہوا ہے:

(۱) درود پڑھنا (۲) سلام پیش کرنا (۳) سلام پیش کرنے کا حق ادا کرنا۔

مولانا محمد سعید شبلی درود کے ساتھ سلام پیش کرنے پر زور دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت یہ سلام التحیات میں عرض ہوجاتا ہے۔ بعدہ صلوٰۃ لیکن اگر نماز سے باہر کوئی شخص صلوٰۃ ابراہیمی پڑھے گا تو اس سے سلام کرنا رہ جائے گا۔

صفحہ نمبر ۳۷ اور ۳۸ پر اعتراف گناہ کے نام فارسی زبان میں اعترافیہ نظم ہے۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۳۹ پر اردو اور فارسی دونوں زبان میں ایک دعا شامل ہے۔ اس میں شاعر نے حضرت محمد ﷺ، اُمہات المومنین، صحابہ کرام اولیاء اللہ، فقہاے کرام اور بزرگانِ دین کے وسیلے سے ربّ کرم سے دعا مانگی ہے۔ آخری اشعار میں حضور علیہ السلام سے جذبۂ عشق کو محکم کرنے اور حجازِ مقدس پر حاضری کی درخواست کی گئی ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آگ ہو عشقِ رسول اللہ کی		سینہ الفت خزینہ میں لگی
ہوں مشرف میں حریم پاک سے		اور حضورِ صاحبِ لولاک سے
سرِّ عالم کے جب پہنچوں حضور		لیں محبت سے بلا اپنے حضور
جان و دل دونوں کروں نذرِ رسول		الغتیں دنیا کی ساری جاؤں بھول
روے انور پر پڑھوں لاکھوں درود		دیکھ لوں آنکھوں سے شاہد اور شہود
قلب پر میرے پھرے دستِ نبی		روح کو مل جائے تازہ زندگی

(''سلام فیروز'' ص۴۰)

اس مضمون میں ''سلام فیروز'' میں موجود بحضور نبی کریم ﷺ چار سلاموں کا تذکرہ ہوگا۔ تاہم وہ نظم جس میں آقاے نام دار علیہ والسلام کے ننانوے اسماے گرامی بیان کیے گئے

ہیں۔ اس میں سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

شکر تیرا کس زبان سے ہو اللہ — کہ محمد سا نبی ہم کو دیا
مصطفیٰ و مجتبیٰ ختم الرسل — فاضل، اُمی، ہادی السبل
حامد محمود اور عبد رسول — طبیب، طاہر، مطہر اور وصول
سیّد، یٰسین، طٰہٰ، بشیر — مبدی، داع، ہدیٰ، کامل، نذیر

مقطع ہے:

وہ حریصِ خیرِ اُمت بے ریا — فاتح، مختار، ختم الانبیا
السلام اے بحرِ وحدت را دریک دانہ تو — السلام اے جنتِ عرفاں را آبِ حیات
السلام اے انبیاء تازاں بذاتِ پاکِ تو — السلام اے اولیا جویائے نگہِ التفات

(پیش لفظ ''منتخب نعتیہ کلام'' سیرت اکادمی، کوئٹہ ۱۹۹۸ء، ص ۰۷)

درود و سلام پیش کرنے کا انداز مختلف ہوسکتا ہے مگر مقصد اللہ کریم اور فرشتوں کے تتبع میں حضور علیہ السلام کو نذرانۂ محبت پیش کرنا ہے۔ اوّل و آخر درود و سلام پڑھ کر مانگی گئی دعائیں بحضورِ حق تعالیٰ جلدی قبول ہوجاتی ہے۔ مولانا محمد سعید شبلی فیروز پوری مذکورہ بالا آیتِ قرآنی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> آیت مذکورہ میں یصلون فعل مضارع کا صیغہ ہے جو ہمیشگی و استمراری کی دلیل ہے اور اس امر کے اظہار کے لیے ہے کہ اللہ کریم اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر لگاتار درود و سلام پڑھتے رہتے ہیں۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم ہمیشہ ہمیشہ کرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔

(احسن الکلام فی فضائل الصلوٰۃ والسلام فضائل درود و سلام مرکزی مجلس رضا لاہور بار نہم ۱۳۹۸ھ)

درود و سلام ایسا وظیفہ ہے جس سے برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس سے جذب و شوق فزوں تر ہوتا ہے۔ اتباعِ شریعت کی ترغیب ملتی ہے۔ حقایق و معارف سے آگاہی ہوتی ہے۔ مولوی صاحب کو ربِ عطا نے درود و سلام پیش کرنے کی سعادتوں سے نوازا۔ مولوی صاحب راسخ العقیدہ مسلمان تھے، انھیں ذاتِ سرورِ کائنات ﷺ سے جو تعلق خاطر تھا اس کا حسنِ اظہار ان کی تحریروں جھلکتا ہے۔ ''سلامِ فیروز'' کے ناشر عبدالحمید خان پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> آپ (مولوی صاحب) کو نبی کریم ﷺ سے اس درجہ عشق تھا کہ جب

بھی حضور ﷺ کا نام نامی و اسم گرامی آپ کی زبان پر آتا مرحوم چشم پُرآب اور سلام عرض نہ کرنا بہت بڑی سعادت سے محروم رہنا ہے۔ اور امرِ ربی کی تعلیم سے غافل بن جاتا ہے۔

(ماہ نامہ ''نعت'' لاہور، درود و سلام نمبر، مدیر: راجا رشید محمود، دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۱۹)

مولانا محمد سعید شبلی نے امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ بغیر سلام کے صلوٰۃ پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس طرح صلوٰۃ و سلام مکمل نہیں ہوتا۔

مولوی فیروز الدین نے ''سلامِ فیروز'' میں حکمِ خداوندی کی پیروی میں صلوٰۃ کے ساتھ سلام کا انتظام بھی کیا ہے۔ وہ بحضور رحمتِ عالم ﷺ درود و سلام پیش کرنے کو تکمیلِ ایمان کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ مولوی صاحب حضور علیہ اسلام کی تعلیمات پر عمر بھر عمل پیرا رہے۔ اس بار کو وہ اپنے لیے سعادت اور اعزاز سمجھتے تھے کہ ان کا شمار آقاے نام دار کے نام لیواؤں اور اُمتیوں میں ہوتا ہے اور یہ سعادت ایسی ہے جس پر امت محمدیہ کے ہر فرد کو ناز ہے ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں:

> آپ کے پیغام کی مشک بیز لپٹیں دنیا کے جس گوشے میں پہنچیں وہاں انسانی زندگی پر صحت مند خوش گوار اور روح پرور اثرات مرتب ہوئے... یہ آپ کا نہایت محیر العقول کارنامہ اور حد درجہ عظیم معجزہ ہے۔ اس پر نہ صرف آں حضرت ﷺ کے نام لیواؤں کو فخر ہے بلکہ انسانی تہذیب و ثقافت و مدنیت پر گہری نظر رکھنے والے بھی معترف و نازاں ہیں۔ اس سلسلے میں نہ صرف ماضی اور عصرِ حاضر کے مشاہر نے آپ کی تعریف و توصیف بیان کی ہے بلکہ آپ کی بعثت سے قبل کے یہود کی دعاؤں میں بھی آپ کی ثنا و ستایش موجود ہے۔

حضور علیہ السلام کا اپنی امت کے لیے ربِ کائنات کے حضور دعائیں کے عمل اپنے ایک شعر میں یوں حوالہ دیا ہے:

السلام اے اُمتی گوے بروزِ حشر و نشر
السلام اے احد قومی گفتہ تا یوم الوفات

قرآن حکیم میں واقعہ معراج کے حوالے سے درج ہے کہ:

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بٰرکنا حولہ' لنریہ من آیٰتنا• ان ھو السمیع البصیر . (سورۂ بنی اسرائیل، پارہ ۱۵)

ترجمہ: پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندوں کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تا کہ ہم اس کو دکھائیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے۔ بے شک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

مولوی فیروزالدین مرحوم نے معراج شریف کے واقعہ کو بھی جزوِ سلام بنایا ہے۔ صاحب معراج ﷺ کو اللہ کریم نے آسمانوں پر بلا کر جنت دوزخ، لوح وقلم، عرش کرسی، غرض تمام مظاہر علوی کا مشاہدہ کرایا۔ آپ اللہ کریم کے دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوگئے۔اس بارے میں سورۂ النجم میں تفصیلات موجود ہیں۔ مدیر ''نعت'' لاہور، راجا رشید محمود لکھتے ہیں:

> علوِ مرتبت ایسا کہ جانِ عالمین جب مکان و لامکاں اور زمان و لازماں سے ورے چلے گئے تو عالمین کا نظام رک گیا۔ کائناتوں کا جو کل پرزہ جس مقام پر تھا، وہیں جامد ہوگیا، وقت اور فاصلے کی نبضیں تھم گئیں۔

(اداریہ ماہ نامہ ''نعت'' لاہور، معراج النبی نمبر، دسمبر ۱۹۹۴ء)

مولوی صاحب نے ''سلامِ فیروز'' میں معراج کے حوالے سے جو شعر لکھے ان میں سے ایک شعر ملاحظہ ہو:

صاحبِ معراج و تاجِ عز و شاں
وہ مبشر اور مشفعِ دوجہاں

حضور نبی کریم ﷺ کا ہر قول اور ہر عمل ہمہ گیر حیثیت کا حامل ہے۔ آپ اس اُمت کے رہنما ہیں جس اُمت کو سورۂ آل عمران میں بہترین اُمت قرار دیا گیا ہے۔ اس اُمت کو جو فرض سونپا گیا وہ انسانوں کی ہدایت اور اصلاح ہے، نیکی کا حکم دینا، برے کاموں سے روکنا ان کا مشن ہے۔ امت نے حضور کی تعلیمات کو دل میں سے جگہ دی ہے۔ مسلمان آپ کی پیروی اور تقلید کو لازمہ ایمان سمجھتے ہیں۔ آپ کا دنیا میں ورود مسعود ہوا تو زمین و آسمان چمک اُٹھے آفاق

روشن ہو گئے۔ تیرہ و تاریک دل نور آشنا ہو گئے:

جب کہ نہ خیر تھا نہ شر شمس و قمر نہ بحر و بر
قربِ خدا میں چوں گہر تھا فقط عشق جلوہ گر
صلِّ علیٰ نبینا
صل علیٰ محمد

تھے نے زمین و آسماں جن و بشر نے انس و جاں
تھا نہ نشانِ کن فکاں تھا مگر عشق نغمہ خواں
صل علیٰ نبینا
صل علیٰ محمد

تیرے لیے ہی نیک ذات حق نے بنائی کائنات
تاکہ کھلیں تری صفات تجھ پہ درود اور صلوٰۃ
صل علیٰ نبینا
صل علیٰ محمد

کفر میں تھا جہاں پڑا علم و عمل نہ تھا ذرا
بھولے تھے سب رہِ ہدیٰ تو نے ملا دیا خدا
صل علیٰ نبینا
صل علیٰ محمد

حضور کے حضور ہدیہ درود و سلام پیش کرنا اسی ''حد درجہ عشق'' کا منظوم حوالہ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات آنے والی ہر دور کے لیے کامل و اکمل نمونہ ہے۔ آپ کی شخصیت، گفتار، کردار اور عمل جملہ مشاہیر عالم میں مثالی اہمیت کی حامل ہے۔ آپ اکمل الکاملین اور آفتاب ہدیٰ ہیں۔ سورہ الاحزاب میں آپ کے اسوہ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ بشارت دینے والے، ڈرانے والے، اللہ کی رضا سے اس کی طرف دعوت دینے والے اور روشن چراغ (سراج منیر) ہیں۔ مولوی صاحب اپنے ہدیہ سلام میں حضور رحمتِ کائنات ﷺ کی ذات کے بے مثال اور یکتا و یگانہ ہونے کی حقیقت بیان کی ہے۔ مولوی صاحب نے شاخسارِ شجرِ عقیدت پر

لفظوں کے جو پھول کھلائے ہیں۔ وہ ان کے دل کی آواز ہیں۔

خود خدا خواند یصلون بروحِ پاک تو — بس چہ وصف گوید انسان الصلوٰۃ والسلام
گلیس گلزار وحدت سرورِ بستان شہود — اے بہار باغ عرفاں الصلوٰۃ و السلام
لحن داؤد و دم عیسیٰ و دستِ موسوی — جمع در ذاتِ تو یکساں الصلوٰۃ و السلام
فخر عالم، فخر آدم، فخر فرش و فخر عرش — فخرو وسالارِ رسولاں الصلوٰۃ و السلام
عالم علم لدنی واقف اسرارِ حق — نطق پاکت وحی سبحان الصلوٰۃ و السلام
رحمۃ للعالمین یا شفیع المذنبین — دستِ فیروزت بداماں الصلوٰۃ و السلام

مولوی صاحب اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام باعثِ تکوین کائنات ہیں۔ آپ نقطہ پرکارشرع ومعرفت اور کاشف وحلالِ اسرار و نکات ہیں۔ لکھتے ہیں:

السلام اے باعثِ تکوین جملہ کائنات — السلام اے شکل انسانی و رحمانی صفات
صد سلامت یا محمد رحمۃ للعالمین — السلام اے جانِ عالم مظہر اعلائے ذات
السلام اے صاحبِ اعزاز و معراجِ کمال — السلام اے پردہ بر عرش بریں پائے ثبات

''سلام فیروز'' میں صنائع بدائع کا استعمال اس کی تاثیر اور تاثر میں اضافہ کرنے کا ذریعے ہے۔ اس مجموعے میں تراکیب بھی بڑی عمدہ ہیں۔ چند تراکیب ملاحظہ ہوں:

قدرت سرورِ خراماں، گلیس گلزارِ وحدت، سرو بستانِ شہود، بہارِ باغ عرفاں، فخروسالار رسولاں، عالمِ علم لدنی، مظہر اعلاے ذات، صاحبِ الہام و وہی معجزات، نقطہ پرکارِ شرع ومعرفت، کاشف جلالِ اسرار و نکات، معز مسند پیغمبری، پروۂ عین عرب، چراغ عرب وعجم، شہہ ذی وقار و شاں، چشم وچراغ دوجہاں، شفیعِ اُمتاں، وکیل عاصیاں مولوی فیروز الدین مرحوم نے ''سلامِ فیروز'' کے ذریعے بحضور سرورِ کائنات ﷺ محبتِ رسول اور عشق و سرمستی کے جو نغمے گائے ہیں۔ موضوعاتی سطح پر ان کا مطالعہ بہت اہم نتائج کا حامل ہے۔ آخر میں مولوی صاحب کی دعا (جو ''سلامِ فیروز'' میں شامل ہے) سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

پس الٰہی اب بھی تاوقتِ اخیر — دین اور دنیا میں رسو دستگیر
بار الہا صدقہ اپنی ذات کا — صدقہ اس لاتقنطو کا بات کا
رحمۃ للعالمین کے واسطے — اس شفیع المذنبیں کے واسطے

☆

ہوں مشرف میں حریم پاک سے ۔۔۔ اور حضورِ صاحب لولاک سے
سرورِ عالم کے جب پہنچوں حضور ۔۔۔ لیں محبت سے بلا اپنے حضور
جان و دل دونوں کروں نذرِ رسول ۔۔۔ الفتیں دنیا کی ساری جاؤں بھول
روئے انور پر پڑھوں لاکھوں درود ۔۔۔ دیکھ لوں آنکھوں سے شاہد اور شہود
قلب پر میرے پھرے دستِ نبی ۔۔۔ روح کو مل جائے تازہ زندگی

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

کالی داس گپتا رضاؔ کی نعتیہ شاعری

آں جہانی کالی داس گپتا رضاؔ اردو کے شیدائی، ماہرِ غالبیات، زبردست محقق، اچھے ناقد اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ شاعری میں ان کا سلسلہ استاد داغؔ سے ملتا ہے۔ لیکن رضاؔ کو نقد و تحقیق میں جو بلند مقام حاصل ہوا، شاعری میں وہ اس مقام کو حاصل نہ کر سکے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ رضاؔ کی شاعری غیر معیاری ہے۔ بلکہ میرا تو یہ تجزیہ ہے کہ رضاؔ کا کلام بعض کہنہ مشق شعرا کے کلام پر بھاری ہے۔ یہ محض فن میں ان کے اخلاصِ نیت اور دُھن کے پکے پن کا ثمرہ ہے۔ وہ اگرچہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں کینیا (مشرقی افریقا) جیسے غیر اردو علاقے میں جا کر بسے لیکن اردو کے دامن کو انھوں نے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ شاعری میں انھوں نے جوشؔ ملسیانی سے فیض حاصل کیا تھا اور یہ ذوقِ شاعری ۱۹۳۹ء سے تادمِ واپسیں ان کے لیے باعثِ تسکین و فرحت رہا۔

ان کے مجموعہ ہائے شاعری میں ''اُجالے'' اور ''احترام'' نعتیہ کلام پر مشتمل کتابچے ہیں جن میں کینیا کے دورانِ قیام میں لکھی ہوئی نعتیں شامل ہیں۔ یوں بھی نعتیں لکھنے کی تحریک انھیں کینیا ہی میں ملی تھی۔ انھوں نے ذکر میلاد النبی ﷺ پر اوّلین نعت ۱۹۴۱ء میں لکھی تھی۔ وہ اگرچہ کٹر ہندو تھے اور عقائد میں بھی بڑے سخت تھے لیکن کینیا میں اسلام اور اہلِ اسلام کی قربت نے ان کے دل میں رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت پیدا کر دی تھی اور اسی سے تحریک پا کر انھوں نے نعتیں لکھیں۔ ''اُجالے'' ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا تھا۔ بعدہٗ ۱۹۹۷ء میں انھوں نے ''احترام'' کے عنوان سے اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع کروایا۔ اس میں اکثر کلام ''اجالے'' ہی سے ماخوذ ہے۔

مذکورہ دونوں کتابچوں میں شاعر کے پیش لفظ کو پڑھنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ رضا نے نعتیہ کلام نیروبی (کینیا) میں قیام کے دوران ہی لکھا ہے اور ان کی اشاعت وطنِ عزیز میں واپسی کے بعد ہی ہوئی۔ ''احترام'' کے پیش لفظ میں رضا نے یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ:

> اس سے کم از کم تین گنا نعتیہ کلام ۱۹۷۰ء میں نقلِ ملک کے دوران ضائع ہوگیا۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اگر وہ تمام کلام یک جا کردیا جاتا تو رضا کا نعتیہ دیوان بہ آسانی ترتیب دیا جاسکتا تھا۔ بہرحال! رضا کا نعتیہ کلام حضور ﷺ کے تئیں ان کے جذبۂ عزت و احترام اور محبت و الفت کی غمازی کرتا ہے اور شاعر کی عقیدت مندی کا پرتو نعت کے ہر شعر میں جھلکتا ہے۔ ایک رُباعی میں وہ کہتے ہیں:

جو شعر کہا لب طہارت سے کہا　　　جی جان سے، احترام و عزت سے کہا
ہے قابلِ درگزر غلط بھی میرا　　　جو کچھ بھی کہا میں نے محبت سے کہا

''احترام'' کی ابتدا ایک شعر سے ہوتی ہے۔ رضا نے اسے ''نور ہی نور'' کی سرخی دی ہے۔ ''نور'' حضور ﷺ کی صفتِ ذاتی ہے۔ علمائے اُمت میں سے بعض نے آپ ﷺ کی ''صفتِ نورانی'' کی دلیلیں نصوصِ قطعیہ اور احادیث سے دینے کی سعی فرمائی ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں اس موضوع کو اتنا طول دیا گیا ہے کہ ''نورناموں'' کے عنوان سے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اردو شعرا نے اپنے خلاق تخیل سے عجیب عجیب مضامین باندھے ہیں۔ بحرِ عقیدت کے ان شناوروں نے حبِ رسول ﷺ کے موتیوں سے اپنی تخلیقات کو مہذب کیا ہے۔ رضا نے ایک ہی شعر میں ''نورناموں'' کے سارے موضوع کو سمیٹ لیا ہے:

آپ کا آنا تھا اس شمع کا جلنا جس سے
روشنی نیرِ تاباں سے سوا آتی ہے

''احترام'' میں دو رباعیاں ہیں۔ ایک رُباعی دعائیہ ہے جس میں رضا نے اپنے رب سے ''نعت احمد'' کہنے کے لیے افکار و خیالات کی کثرت، بے لاگ بات کرنے کی طاقت اور نعتِ رسول ﷺ کہنے کی توفیق و فضیلت کی التجا کی ہے۔ دوسری رُباعی نعتیہ ہے۔ اس میں شاعر نبی ﷺ کی صفات سے ہر گوشۂ دل معمور ہونے کے راز کو واشگاف کیا ہے۔

قطعات میں رضا کے یہاں نعتیہ عناصر کا کامیابی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ یہاں

شاعر کی کہنہ مشقی اور فنی چابک دستی نیز حضور ﷺ کے تئیں ان کی عقیدت اوج پر دکھائی دیتی ہے۔ شاعر نے قطعات میں مختلف موضوعات کو نہایت فن کارانہ انداز میں باندھا ہے۔ رضا حضورِ رحمت ﷺ سے اکرام و شفاعت کے سوا دنیا کی کسی چیز کی طلب نہیں کرتے۔ وہ ذکرِ نبی ﷺ میں حقیقت پسندی کے قائل ہیں اور ایسی شاعری کے خواہاں ہیں جس میں شانِ دربارِ رسول ﷺ نمایاں ہوتی ہو۔ انھوں نے اپنے بیش تر قطعات میں ''اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول'' اور ''اتباعِ رسول'' کی توضیح نہایت خوب صورت انداز میں کی ہے۔ مدحِ رسول ﷺ میں ان کے قطعات نہایت جان دار ہیں۔ انھوں نے بعض اہم لیکن تفصیل طلب واقعاتِ رسول ﷺ کو قطعہ کے چار مصرعوں میں قلم بند کردیا ہے۔ ان کے یہاں نعتِ رسول ﷺ میں استغاثہ اور استمدادیہ لب و لہجہ بھی پایا جاتا ہے۔ درآں حالے کہ وہ ''خالقِ اکبر'' سے ''ذہن قابلِ توصیف پیمبر'' ہوجانے کی دعا شام وسحر کرتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں استمدادیہ پہلو ملاحظہ ہو:

اے رسول آپ کو اللہ کی رحمت کی قسم   عشق اللہ کی، اثباتِ نبوت کی قسم!
دلِ معصوم کی میراثِ رسالت کی قسم   نورِ دیں، نورِ ھدا، نورِ طہارت کی قسم
زیست کے راز کو انسان پہ افشا کردیں
اہلِ دل کو حق و باطل سے شناسا کردیں

رسولِ کریم ﷺ سے ان کی عقیدت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ ''ذاتِ احمد کو سب سے بڑا سہارا''، ''راہِ تاریک میں رہبر''، ''سرکار بھی''، ''ہادی بھی''، ''آئین بھی'' سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے قطعات میں ذاتِ والا صفات حضور ﷺ کو ''شاہِ دیں''، ''فقیرِ یثرب''، ''صبر و اخلاق کے دھنی'' کہا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ نہ ان میں شانِ الوہیت کا استخفاف پایا جاتا ہے نہ انبیاے کرام کی رفعتِ شان کا استقصار۔ ان کے یہاں عقیدت میں غلو نہیں پایا جاتا۔

رضا نے نعت گوئی کا آغاز ۱۹۴۲ء سے کیا ہے۔ ان کی اوّلین نعتیہ نظم ''عیدمیلادالنبی'' تھی۔ اس نظم میں شاعر نے آپ ﷺ کی ولادتِ سعادت سے عالمِ انسانیت کو ہوئے فوائد کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی آمد کو ''تیرگی میں نور''، ''ظلم واستبداد میں عدل وسخا'' اور ''غم واندوہ میں نشاط وانبساط'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس نبی ﷺ کی آمد کی برکات سے آسمان سے سیکڑوں انوار فرشِ زمین پر برسے۔ آپ ﷺ کی ولادت سے زمانے نے کروٹ کھائی اور ایک انقلابِ عظیم رونما

ہوا کہ جہالت کے اندھیروں میں توحید کی مشعل جگمگانے لگی، ناشائستگی شائستہ روی میں، درندگی انسانیت میں اور بداخلاقی، تہذیب و اخلاق میں بدلیں، بھائی چارگی اور امن و آشتی کو فروغ حاصل ہوا۔ ''لبِ خاموش کو اندازِ تکلم''، ''قلبِ سفاک میں ترحم''، ''آہ و نالہ کی جگہ ترنم''، ''لبِ افسردہ کو تبسم''، ''تشنہ ہائے لبِ انسانیت کو تراوٹ''، ''دلِ حزیں کو مسرت''، ''روے رنجیدہ کو نشاط'' اور ''روحِ زخم خوردہ کو انبساط'' آپ ﷺ کی آمد سے حاصل ہوا۔

ولادت ناموں (مولود ناموں) کے مروّجہ طریقوں کے مطابق رضا نے اپنی نعتوں میں ''قبل از ولادتِ رسول ﷺ'' کی عربی تہذیب و معاشرت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ایسے اشعار میں ان کے یہاں تاریخ کو بیان کرنے کا شاعرانہ انداز بڑا پُراثر ہے۔ اشاروں، کنایوں میں اور ابہام و استعارات میں انھوں نے قبل از ولادتِ رسول ﷺ کے سماجی حالات کچھ اس طرح پیش کیے ہیں کہ تاریخ کا خشک و یابس موضوع شعر کے لطیف ونفیس اسلوب میں ڈھل کر بڑا دل آویز بن گیا ہے:

نہ غنچے میں چٹک کہیں نہ پھول عطر بیز ہے　　　خزاں کے ظلم و جور سے بہار نالہ ریز ہے

☆

تصورِ حیات ہے غم و الم کی گود میں　　　ابد کی نیند سو چلا بشر عدم کی گود میں

☆

کسی نے اٹھ کے لذتوں سے دامن اپنا بھرلیا　　　کسی نے تیرِ عیش سے جگر میں چھید کرلیا

☆

زمانہ ہوگیا اسی ڈگر پہ کائنات ہے!
اندھیری رات ہے یہاں، وہاں اندھیری رات ہے

پھر بعد از ولادتِ باسعادت معاشرے میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، اندھیاریوں میں روشنی کی کرن پھوٹی، ظلمتیں چھٹیں، بساطِ غم الٹیں، مصیبتوں کا خاتمہ ہوا، رعونت اور غرور و تکبر کے شعلے فرو ہوئے، ظلم و استبداد کی آگ سرد ہوئی، سموم صبا میں سمٰی اور بادِ صرصر خنک/ٹھنڈے جھونکوں میں تبدیل ہوئی۔ ایسے عظیم انقلاب کا نقشہ تحیر و تعجب کے رنگ میں پیش کرنے کے لیے رضا استفہامیہ اسلوب اپناتے ہیں تو تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ صداقت کو پوری قوت کے ساتھ پیش کرنے کے لیے غالبؔ نے بھی یہی اسلوب اپنایا تھا (کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟؟''

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟ وغیرہ) اب رضا کا انداز ملاحظہ ہو:

مگر یہ آج کیا ہوا سکوں سا دل کو ہوگیا کہاں گئیں رعونتیں، کہاں غرور سو گیا؟
مگر یہ آج کیا ہوا؟ ہوا میں گدگدی سی ہے سموم کا اثر نہیں فضا میں زندگی سی ہے

اس انقلابِ عظیم کی انتہا یہ تھی کہ:

زمانہ ہوگیا آمادہ سجدہ ریزی پر
کہ سر رہا ہی نہیں اذنِ خود سری کے لیے

اگرچہ اس نعت کی ابتدا ہی میں شاعر نے نعت گوئی کے میدان میں اپنے مبتدی ہونے کے ساتھ اپنی عجز بیانی کا اعتراف کیا ہے، لیکن ایک غیر مسلم شاعر کا آپ ﷺ کی مدح سرائی میں کہا گیا مذکورۂ بالا شعر بیسیوں نعتیہ دواوین پر بھاری ہے۔ اس ایک شعر میں رضا نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ''نبوتی مشن'' کی کامیابی کی مکمل تصویر کھینچ دی ہے۔

ناقدینِ ادب نعت اور غزل کے اسلوب و آہنگ میں فرق نہیں کرتے۔ بقولِ شارق جمال ''دونوں کا ایک ہی طرز و اسلوب ہے اور بڑی توانا فکر کا متحمل ہے۔'' دونوں میں احساسات و کیفیات کو جمالیاتی لب و لہجہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دونوں میں تخیلات و تفکرات دل و جذبہ سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ یہاں ذہن کی کھڑکیاں دل کے صحن میں کھلتی ہیں۔ دونوں میں جنون و وجدان کی ایسی رنگ آمیزی ہوتی ہے کہ ایک کا رنگ دوسرے کا تکملہ ہوتا ہے۔ دونوں میں لطیف جذبات کی شگفتہ کلیاں فرحت و نشاط آگیں تبسم لبوں پر سجائے ہوئے ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ نعت کے گلشن میں عقیدت شبنم افشانی کرتی ہے غزل میں عقیدت کی خنکی نہیں ہوتی۔ رضا نے غزل و نعت کے مذکورہ اوصاف کو دھیان میں رکھ کر ہی ''نعتیہ غزلیں'' کہی ہیں جن میں عقیدت و شیفتگی گلے ملتے دکھائی دیتے ہیں۔ رضا اس تجربے پر شاداں و فرحاں ہیں۔ فرماتے ہیں:

نعت کے بدلے رضا آج سنائی جو غزل
واقعی یہ تمھیں میلاد میں سوجھی اچھی

اس پوری نعتیہ غزل میں ''خمریات'' کا رنگ غالب ہے۔ ''مے خانۂ احمد'' کی مناسبت سے انھوں نے جام، خم، صراحی وغیرہ لوازماتِ مے خانہ کو بطور استعارہ نہایت فن کارانہ انداز میں اپنے اشعار میں باندھا ہے، مثلاً:

ساکھ سے خانۂ احمد کی ہے کتنی اچھی
جام اچھے ہیں، خم اچھے ہیں، صراحی اچھی

ان کی ایک اور نعتیہ غزل محاکاتی انداز لیے ہوئے ہے۔ اس میں رضا نے رنگ و نور کے حسی پیکر سجائے ہیں۔ یہاں نعت میں رضا کا تغزل اوج پر نظر آتا ہے۔ غزل کی چاشنی نے نعت کی شیرینی بڑھا دی ہے۔ اس نعتیہ غزل میں قصیدے کی تشبیب کا رنگ جھلکتا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

دشتِ یثرب کی وہ مستانی ہوا آتی ہے زخم دل کھولے ہی رکھنا کہ اس کھڑکی سے
یہ دن آتا ہے تو رحمت کی گھٹا آتی ہے کیسے میلاد پہ برسیں نہ خوشی کے آنسو

ہم کو جنت کی رُتوں کی نہیں پروا کہ ادھر
ابر مکے سے مدینے سے صبا آتی ہے

صنعتِ تجسیم (personification) کے استعمال سے اس نعت کا ہر شعر مؤثر و جمال آفریں بن گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رضا نے یہ نعت نہایت والہانہ انداز میں لکھی ہے۔ یہ نعت لکھتے وقت ان کے شاعرانہ افکار کا سمندر متموج و متلاطم تھا جس کی موجوں میں گوہرہائے معنوی اور دُرّ ہائے صوری سمٹ کر آئے اور ساحلِ شعر پر بکھر گئے۔

رضا نے ایک نعتیہ غزل میں صنعتِ تضاد کا نہایت خوب صورتی سے استعمال کیا ہے۔ اثر آفرینی کے لحاظ سے یہ نعت دیگر نعتوں میں اونچا مقام رکھتی ہے۔ یہ اشعار دیکھیے کیا تیور رکھتے ہیں:

آسماں پر شاہ راہِ کہکشاں ہیں آپ ہی کیوں نہ ملتا ہم زمیں والوں کو منزل کا سراغ
جو لگا دے پار وہ موجِ رواں ہیں آپ ہی ڈوبتے انساں کی نظریں اور کس جانب اٹھیں

طائرِ بے بال و پر، بے آشیاں تو ہی رضا
اوجِ پرواز و سکونِ آشیاں ہیں آپ ہی

کالی داس گپتا رضا نے نظم کی ہیئت میں بھی نعتیں کہی ہیں جن میں روانی اور غنائیت دونوں پائی جاتی ہیں۔ نظموں میں انھوں نے الفاظ کے در و بست پر زیادہ توجہ دی اور ان کے لَے اور آہنگ کا زیادہ خیال رکھا۔ وہ اس لیے بھی کہ وہ اپنی نعتیں محافلِ میلادالنبی ﷺ میں پڑھا کرتے تھے۔ ان کے نعتیہ مجموعے ''احترام'' میں انھوں نے اس جانب اشارہ بھی کیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

بزمِ میلاد کا یہ کم تو نہیں ہے اعجاز
کہ یہاں کم سہی آوازِ رضاؔ آتی ہے

ایک مسدس نظم میں تو واضح اشارہ اس امر کا ملتا ہے کہ رضاؔ محفلِ میلاد میں شریک ہوا کرتے تھے اور سامعین کرام کو اپنی نعتوں سے محظوظ کیا کرتے۔ چناں چہ انھوں نے کہا ہے:

سرِ بزم آج لگی دل کی بجھانا ہے مجھے قصۂ جنگِ حق و کذب سنانا ہے مجھے
پردۂ عارضِ محبوب اٹھانا ہے مجھے جلوۂ عظمتِ توحید دکھانا ہے مجھے
اے خدا جھولی مری نقد وفا سے بھر دے
منھ مرا قابلِ توصیفِ محمد کر دے

''اے امامِ زندگی'' ان کی ایک نعتیہ نظم ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے مشنِ نبوت کی تصریح نہایت جامع انداز میں کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے بنی نوع انسانی میں جو انقلاب آیا، اس کو رضاؔ نے بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ اس نظم میں اشاروں، کنایوں میں کہی ایک ایک بات تفصیل کی متقاضی ہے۔ مثلاً:

عرش سے لائے پیمبر وہ پیامِ زندگی
بڑھ گیا جس سے وقار و احترامِ زندگی

☆

دین کے بھوکے حدیثوں سے مٹائیں اپنی بھوک
پیاس قرآں سے بجھائیں تشنہ کامِ زندگی

اس طرح گویا شاعر نے دریا کو کوزے میں بھرنے کا اہتمام کیا ہے۔

رضاؔ نے اپنی نعتوں میں غنائیہ بحور استعمال کی ہیں۔ بحرِ رمل اور اس کے زحافات کے حامل اوزان مترنم اور لے و آہنگ میں رواں ہوتے ہیں۔ رضاؔ نے اپنی اکثر نعتوں میں اس بحر کے خبن، بتر اور حذف زحافات والے ارکان استعمال کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بحرِ ہزج مثمن مقبوض اور بحرِ مجتث مثمن مخبون ابتر میں بھی ان کا نعتیہ کلام پایا جاتا ہے۔ مسدس، مربع اور شانزدہ رکنی بحریں ان کے نعتیہ کلام میں نہیں ملتیں۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ انھوں نے عربی الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ ہی اپنی نعتوں میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً 'وحی' اور 'علا' اردو میں تو حرکتِ 'ح' اور سکون 'ل' کے ساتھ کہے جاتے ہیں جب کہ عربی میں ان کی صحیح قرأت بالترتیب سکونِ ''ح'' اور

حرکت 'ل' کے ساتھ ہوتی ہے۔ رضا نے ان الفاظ کے استعمال میں عربی قرأت کا خیال رکھا ہے۔

رضا کے یہاں حروف کے بے جا 'دبنے' اور مصرعوں کے بحور سے خارج ہوجانے کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ کہنہ مشق شاعر کے کلام میں ایسی مثالیں گرفت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ مثلاً عروض کا قاعدہ ہے کہ حروف مدہ کے بعد اگر دو ساکن آجائیں تو اوّل ساکن متحرک اور دوم ساقط ہوجاتا ہے۔ جیسے لفظ ''زیست'' شعر میں باندھا گیا تو اس کا سین متحرک اور ''تا'' ساقط ہوجائے گا۔ لیکن رضا نے لفظی ترکیب کے تحت ''زیست'' کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ اس کے دونوں ساکن حروف متحرک ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے شعر میں قرأت کی خرابی کے علاوہ شعری سقم بھی در آیا ہے۔ ان کی نعت میں مصرع کچھ اس طرح ہے، ''زیستِ آزاد کی لذت عطا کی آپ ﷺ نے'' یہ نعت بحرِ رمل مثمن محذوف کے ارکان (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) میں تقطیع کرنے پر ''زی۔ س۔ تِ + آزاد'' پڑھا جاتا ہے۔ البتہ دیگر مقامات پر ''ریت زارِ زیست'' اور ''راہِ راست'' وغیرہ کی تراکیبِ لفظی عین وزن کے مطابق ہیں۔

مجموعی طور پر رضا کی نعتیہ شاعری کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے دیارِ غیر اور اردو کے لیے غیر ذی زرع زمین میں نعت خوانی اور نعت گوئی کے ذریعے اردو زبان کو سربلند کرنے کی سعی کی ہے۔ ان کی نعتوں میں ''حبِ رسول ﷺ'' کی جلوہ گری ہے اور جامِ نعت سے صہبائے عشقِ نبی ﷺ چھلک پڑتی ہے۔ ان کی نعتیں ''ورفعنا لک ذکرک'' کی دلیل ہیں اور حرم و دیر کے رشتے کو مضبوط کرتی ہیں۔

ڈاکٹر امجد رضا خاں۔ بھارت

طلحہ رضوی برقؔ بحیثیتِ نعت گو

اردو کے ساڑھے تین سو سالہ سرمایے پر نظر ڈالیں تو صداقت پر ایمان لانا ہی پڑے گا کہ اردو میں نعتیہ ادب کی عمر اتنی ہی طویل ہے جتنی خود اردو زبان و ادب کی...اردو کے ابتدائی اور قدیم دکنی سرمایے میں مولود نامے، معراج نامے، نور نامے، معجزے اور شمایل نامے وغیرہ کی یافت اس کی واضح دلیل ہے۔ مگر اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی صنفِ نعت کو وہ مقام نہیں مل سکا جس کی یہ مستحق ہے۔

آج مذہب کے حوالے سے معرضِ وجود میں آنے والے ادب پارے کو صرف اس لیے گردن زدنی قرار دے دیا جاتا ہے کہ وہ محض ادب برائے ادب کا حامل نہیں ہوتا بلکہ ادب کے ساتھ مذہبی قدروں کی جمالیات بھی اپنے جلو میں لیے ہوتا ہے۔ فن شاعری کی سب سے قدیم، پاکیز اور کثیر الجہت صنفِ نعت بھی ناقدانِ فن کے اسی منفی نظریے کا شکار ہوئی اور بہانہ یہ تراشا گیا کہ صنف کے لیے ہیئت کا ہونا ضروری ہے اور نعت کی کوئی متعینہ ہیئت نہیں، اس لیے اسے صنفِ سخن کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ حالاں کہ حق و صداقت کے پیانے سے اگر دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ نعت کا تعین ہیئت کے خول سے آزاد ہونا ہی تمام اصنافِ سخن میں اسے ممتاز کرتا ہے۔ یہ صنفِ نعت کا ہی اعجاز ہے کہ وہ ادب کی ہر ہیئت، غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس، ہائیکو، سانیٹ اور ماہیے کو اپنے اندر جذب کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ کسی ایک ہیئت میں مقید ہونا نعت کے لیے مناسب نہیں تھا۔ اس کا تعلق جس ذاتِ گرامی سے ہے، وہ لامحدود صفات کی حامل ہے۔ اس لیے اس کی توصیف کے لیے محدود ہیئت درست ہو ہی نہیں سکتی تھی اور جس طرح اردو زبان ہر زبان، بھاشا اور بولی کی لفظیات کو اپنے اندر ضم کرکے اپنی شناخت عطا کردیتی ہے، اسی طرح نعت بھی ہر صنف کو

ہیئت کو قبول کرکے اپنا لیتی ہے۔ پھر صنف کے لیے ہیئت کا ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ موضوعاتی اعتبار سے بھی صنف کا تعین ہوتا ہے اور نعت اپنے وسیع موضوعات کے اعتبار سے اس کی متقاضی ہے... مگر ناقدانِ فن اور اربابِ فکر ونظر نے اس کے ساتھ غیریت کا برتاؤ کیا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اتنے لمبے عرصے کے بعد بھی دیگر اصنافِ سخن کے مقابل نعت کے موضوع پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی نقطۂ نظر سے اس صنف پر اس کے شایانِ شان کام نہیں ہوا۔ صرف نو کتابیں اب تک اس موضوع پر سامنے آسکیں۔ اشاعت کے اعتبار سے سب سے پہلی کتاب طلحہ رضوی برق کی ہے۔ انھوں نے اردو میں نعتیہ شاعری کے عنوان سے ایک تاریخی اور تحقیقی کتاب جنوری ۱۹۷۴ء میں شایع کی پھر اس موضوع پر بالترتیب مندرجہ ذیل کتابیں منظرِ عام پر آئیں:

۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور، ۱۹۷۴ء
۲۔ اردو میں نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق، کراچی، ۱۹۷۶ء
۳۔ اردو نعت تاریخ وارتقا	سیّد افضال حسین نقوی فصل فتح پوری، کراچی، ۱۹۸۹ء
۴۔ اردو نعت گوئی	ڈاکٹر ریاض مجید، لاہور ۱۹۹۰ء
۵۔ اردو شاعری میں نعت گوئی	ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی، گیا، بہار
۶۔ اردو شاعری میں نعت (دو جلدیں)	اسماعیل آزاد فتح پوری، لکھنؤ، ۱۹۹۲ء
۷۔ فی احسنِ تقویم	جاوید احسن جان، ڈیرہ غازی خان، ۱۹۹۷ء

ان میں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کی کتاب اردو میں نعتیہ شاعری اُن کی پی ایچ۔ ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر ناگ پور یونی ورسٹی نے ۱۹۵۵ء میں انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ غالباً نعت کے موضوع پر یہ پہلی پی ایچ۔ ڈی ہے مگر اس کی اشاعت ۱۹۷۶ء میں کراچی سے ہوئی۔

اردو کے نعتیہ سرمایے میں ہمیں دو طرح کی نعتیں ملتی ہیں۔ ایک رسمی، دوسری حقیقی۔ اردو نعت گوئی میں رسمی نعت گوئی کی بہتات ہے۔ عزت وشہرت، تقاضاے مصلحت اور جاہ طلبی کے لیے کی گئی نعتوں کا بھلا اس حقیقت نعت سے کیا علاقہ جو صحابہ کی سنت اور صوفیہ کا وظیفہ رہی ہے، جو دماغ کی نہیں روح کی شاعری ہوتی ہے، جہاں الفاظ محض جذبات کا اظہار اور سوز دروں کی ترسیل کا کام دیتے ہیں، بازی گری کا نہیں... مگر اس حقیقت کے باوصف نعتیہ شاعری کا وافر حصہ اسی رسمی نعت گوئی پر مشتمل ہے جو بغیر وضو کے پڑھی گئی نماز کی طرح ہے۔

اس تناظر میں اگر ہم پروفیسر سیّد شاہ طلحہ رضوی برقؔ کے نعتیہ سرمایے کا جائزہ لیتے ہیں تو

ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ان کی شاعری رسمی آلودگی سے آزاد ہے اور صداقت کے عناصر سے مملو ہے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے صحیفۂ غم کی تفسیر، ان کے جذبات کے منظرنامے اور ان کے قلبی واردات کے تجسیمی پیکر ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کو آفاقی اور مؤثر بنانے کے لیے درد وغم اور سوز و اضطراب کی داخلی کیفیت کو کہیں باہر سے مستعار نہیں کیا ہے بلکہ اپنی ہی کشش عشق سے ان لوازمات عشق کی کاشت کی ہے اور اسے اپنی شاعری کا لازمی عنصر بنایا ہے۔ پروفیسر عنوان چشتی لکھتے ہیں:

> ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ ارو کے ان مخلص اور ممتاز شاعروں میں شامل ہیں جن کی شخصیت ادب، تہذیب اور تصوف کا حسین پیکر ہے۔ ان کی ترتیب میں حضرت علامہ قتیلؔ داناپوری کی دعائیں اور نیک تمنائیں بھی شامل ہیں۔ اس لیے ان کی شاعری میں وہی غنایت اور رنگ معرفت ہے جو ان کی شخصیت کا جوہر ہے۔

جناب طلحہ رضوی برقؔ کا شجرِ علم بہت بلند ہے۔ اردو فارسی زبان و ادب پر تو انھیں کامل دست گاہ ہے ہی، ان کے نعتیہ اشعار اور تحقیقی وتنقیدی مقالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علم کا رشتہ عربی زبان سے بھی جڑا ہوا ہے۔ ان کی علمی مصروفیات اور فکری ہمہ جہتی کا اندازہ ان کی مندرجہ ذیل خدمات سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) گلستانِ سخن محمودہ	تدوین دیوان نعت، بی بی میمونہ خاتون
(۲) تجلیاتِ قتیلؔ	علامہ قتیلؔ داناپوری کی اردو غزلیات کی تدوین ومقدمہ
(۳) خورشیدِ سحر	علامہ قتیلؔ کی فارسی غزلیات کا مجموعہ مع مقدمہ
(۴) اردو کی نعتیہ شاعری	نعت کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ
(۵) غور وفکر	تنقیدی مضامین کا مجموعہ
(۶) نقد ونظر	تنقیدی مضامین کا مجموعہ
(۷) شاہ اکبر داناپوری	حیات وخدمات، پی ایچ ڈی تھیسس
(۸) شائگان	اردو غزل کا مجموعہ
(۹) ارزشِ ادب	مضامین کا مجموعہ
(۱۰) شہابِ سخن	اردو فارسی رباعیات کا مجموعہ

اور ابھی وہ کتابیں جو تشنۂ طبع ہیں، ان میں:

(۱) ڈی لیٹ کا فارسی مقالہ عرفائے فارسی گوئے بہار مخصوصاً سجادہ نشیں و دارائے خانقاہ

(۲) صد قطعات تاریخی بہ زبان فارسی

(۳) اربعین۔ مجموعۂ نعت اردو

(۴) آئینۂ تصوف۔ اردو

(۵) ناموس تاریخ گوئی۔ اردو

اور فارسی زبان میں لکھے گئے متعدد مقالے بھی ان کی عظمتِ فکر اور قدرتِ زبان کا مظہر ہیں جو مجلّہ ''بیاض'' دہلی، ''معارف'' اعظم گڑھ، ماہ نامہ ''دانش'' اسلام آباد، ''نامہ فرہنگِ تہران'' اور ''قندِ پارسی'' نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے۔

روحانی اعتبار سے بھی آپ کی شخصیت بڑی مقناطیسی جاذبِ نظر اور قابلِ تقلید ہے۔ زندگی کا ہر پہلو سنتِ رسول کا آئینہ دار اور محبت کے زخموں سے لالہ زار نظر آتا ہے۔ ہم نے انھیں وارفتگیِ شوق میں نعت پڑھتے اور نعت سن کر مچلتے اور بلکتے بھی دیکھا ہے، عشق کا یہ انداز آج کے اردو نعت گو شعرا کے یہاں خال خال ہی نظر آئے گا مگر ان کی شاعری میں یہ عناصر بنیادی مواد کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ ان کی شاعری حقیقی شاعری ہے رسمی نہیں۔

نعت گوئی ان کی نزدیک عبادت بھی ہے اور دلِ مبتلائے غم کے لیے سامانِ راحت بھی۔ وہ اسی جذبے سے نعت کہتے ہیں اور اسے توشۂ آخرت سمجھ کر خونِ دل تک صرف کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ مگر اپنے جذبِ دروں کو شعری آہنگ عطا کرتے وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کے معیار کو سامنے ضرور رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا کو اردو کا سب سے بڑا نعت گو شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

اور برق یہ تعلیم دیتے ہیں:

شوقِ نعت سیّد ابرار ہونا چاہیے سامنے قرآن کا معیار ہونا چاہیے
خونِ دل صرف از پئے اشعار ہونا چاہیے نعت گو کو حاصلِ ایثار ہونا چاہیے

اور قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مری نعت ہے عبادت یہ فقط ہنر نہیں ہے و تعزروہ دیکھو و توقروہ سمجھو
لکھو برق خونِ دل سے اگر آبِ زر نہیں ہے ہے ثنائے مصطفیٰ ہی مجھے توشہ آخرت کا

ان کی نعتیہ شاعری میں قرآنی تلمیحات اور احادیث کے اشارے کثرت سے ملتے ہیں۔ انھوں نے جس خوب صورتی، زبان کی صفائی اور شایستگی سے قرآنی آیات اور احادیث کی عبارتوں کو اپنے مصرعوں کا جزو بنایا ہے، اس سے ان کی قادر الکلامی، فنی مہارت اور اسلامی ماخذ سے معرفت کا اظہار ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کریں:

پڑھی آیت قاب قوسین جس دم ہوا دل پہ روشن مقامِ محمد
یہ ما ینطق سے ہوا صاف ظاہر کلامِ خدا ہے کلام محمد

☆

لگی صبحِ ازل مہر ید اللہ فوق ایدیھم سند یہ دست گیری کی یدِ پیرِ مغاں تک ہے
ابوالقاسم محمد ابن عبداللہ صلی اللہ فدا ان پر مرے ماں باپ میرا خانداں تک ہے

یہی کیفیت ان کی نعتیہ رباعی کی بھی ہے۔ انھوں نے جس صفائی کے ساتھ رُباعی جیسی مشکل صنف میں معجزات اور آیاتِ قرآن و احادیث کو پیش کیا ہے، اس کی مثال شاید ہی کہیں ملے۔ اس خصوص میں اس دور میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اس تناظر کی چند رُباعیاں ملاحظہ کریں:

ہے حکمِ خدا درود ہر دم پڑھیے جتنا ممکن ہو بیش و کم پڑھیے
آجائے زباں پہ جب کبھی نعت نبیؐ صل اللہ علیہ وسلم پڑھیے
محبوبِ الہ مالک یوم الدین اے صاحبِ مزمل و طٰہٰ یٰسین
ایماں تو یہ ہے کہ نبی آپ ہوئے آدم تھے جب بین الماء والطین
ہیں رحمت عالمیں اتری جن پر نص انا اعطینک الکوثر
طائف میں ستم سہ کے بھی خاموش رہے اللہم احد قومی کہہ کر
حق یہ ہے کہ حق مومن بے باک کہے معصوم نبی کو آل کو پاک کہے
اللہ ری وہ ذات جسے ربِ قدیر لولاک لما خلقت الافلاک کہے

طلحہ رضوی برق کی مشکل پسندی مشہور ہے۔ وہ اپنی کتابوں کے نام بھی ایسے الفاظ سے ترتیب دیتے ہیں کہ بقول ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی جس کو سمجھنے کے لیے ''ڈکشنری سے مدد لینا پڑے یا

کسی ماہرِ زبان کی طرف رجوع کرنا پڑے۔'' ہوسکتا ہے کہ انتخابِ الفاظ کی حد تک ان کی بات صحیح ہو مگر قرآنی تلمیحات سے ناآشنائی کے سبب ان پر مشکل پسندی کا الزام قطعاً غلط ہوگا۔ ہاں ان کی شاعری میں جا بہ جا قوافی ایسے استعمال ہوتے ہیں جو قاری اور سامع کی توجہ فوری طور پر اپنی طرف مبذول کرلے۔ ان قوافی کی عجب شان ہوتی ہے جس میں تنوع کا اک جہان آباد ہوتا ہے۔ غزل ہو یا نعت، رُباعی ہو یا اور کوئی صنف ان کی قافیہ پیمائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس تعلق سے چند نعتیہ اشعار دیکھیں جہاں قافیے کا آہنگ کس طرح ہمارے انفاس کو موسیقیت بخشتا ہے:

عشق صادق ہو تو بن جاتی ہے کلفت راحت
آ کے پتھر تہِ یاروئی کا گالا ہوجائے
نہ ہوا نہ کبھی ہوگا نگوں حق کا علم
غیر ممکن ہے تعالیٰ کا امالہ ہوجائے

☆

میں اسیرِ دشتِ ملال ہوں، غمِ صد گنہ سے نڈھال ہوں
دیا شامیانۂ عفو جب، نگہِ کرم کی قنات دے

☆

غمِ عشق میں نبی کے، تر و تازہ ہے ہمیشہ
دلِ داغ دار میرا گلِ نیلوفر نہیں ہے

☆

نہیں ہوتا خدا کا، جو محمد کا نہیں ہوتا
نہیں ہوتا نہیں ہوتا ارے بابا نہیں ہوتا

اور فکری پرواز کے ساتھ عشق کا کیا نرالا انداز پیش کیا ہے:

دل ہوا ہے سینے میں روضہ جمالِ یار کا
سر کو گنبد ہاتھ کو مینار ہونا چاہیے
ہوں لحد میں خوش کہ ان کے شربتِ دیدار سے
چشمِ روزہ دار کا افطار ہونا چاہیے

ان کی ایک نعت ہے جس کی ردیف ہے ''کچھ بھی نہیں'' جس میں مضامین کے تنوع کے

ساتھ تصوف کا رنگ اپنے جوبن پر ہے اور کچھ بھی نہیں کی تکرار نے ایک موسیقیت سی پیدا کردی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

ماسوا اللہ بجز، نورِ مبیں کچھ بھی نہیں
آسماں کچھ بھی نہیں ہے یہ زمیں کچھ بھی نہیں
پرتوِ روے منور سے مہ و مہرِ خجل
رشکِ صد یوسفِ کنعاں سے حسیں کچھ بھی نہیں
ناصیہ فرسا ہوں دن رات جہاں جنّ و ملک
اس درِ قدس پہ طلحہ کی جبیں کچھ بھی نہیں

طلحہ رضوی برق کو حج بیت اللہ کی سعادت اور روضۂ رسول ﷺ میں حاضری کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس حاضری سے پہلے اور حضوری کے بعد فراق و ہجر کے جو لمحے گزرے ہیں، وہ ان کی نعتیہ شاعری کا قیمتی جزو بن گئے ہیں۔ ان کے اس حزنیہ لے میں ایک خاص کیفیت ہے جو ہماری روح کو بھی سرشاری کیفیت سے ہم آغوش کردیتی ہے۔ وہ جنت کے بجائے سگِ تسمہ دار بن کر دیوانہ وار مدینے میں پھرنا اپنی معراج سمجھتے ہیں اور نزع کے وقت آنکھوں کے سامنے گنبد خضریٰ کے طالب اور ہونٹوں پر نامِ پاک احمد مختار کے خواہش مند ہیں۔

طلحہ رضوی برق کی نعتیہ شاعری میں فکری بلندی، ندرتِ مضامین، شوکتِ الفاظ، زورِ بیان اور جذبِ ادا کے ساتھ عشق کی سرمستی و جاں سپردگی سب کچھ موجود ہے۔ وہ غزل کی طرح نعت کے بھی کامیاب اور قادرالکلام شاعر ہیں۔ انھوں نے تقریباً تمام مروّجہ ہیئتوں میں نعت کہی ہے اور شعری و شرعی اعتبار سے کہیں ٹھوکر نہیں کھائی۔ ویسے ان کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کلی طور پر ان کے نعتیہ مجموعہ کے سامنے آنے کے بعد ہی ہوگا مگر اب تک جو کچھ بھی میں نے پیش کیا ہے، وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کی نعتیں ہمارے ادبی سرمایے میں گراں قدر اضافہ ہیں۔ انھوں نے نعت کہہ کر جہاں اپنے لیے توشۂ آخرت مہیا کیا ہے، وہیں ہماری ادبیات کو بھی ادبی اور مذہبی جواہر پارے سے مالامال کیا ہے:

یارب آں غنچہ خنداں کہ تو دادی بہ منش
می سپارم بہ تو از چشم حسودی چمنش

ڈاکٹر حافظ منور حسین سرمد ۔ گوجرانوالہ

محمد اکرم رضا... تجلّیاتِ نعت کے ایوان میں

کسی بھی صاحبِ ایمان کے لیے سب سے بڑا اعزاز یہی ہے کہ اسے نعت کہنے کی توفیق عطا ہو جائے کیوں کہ نعت ذریعۂ اظہارِ فن ہی نہیں بلکہ بخشش و مغفرت کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ نعت دنیاوی شہرت حاصل کرنے کے لیے نہیں کہی جاتی بلکہ نعت کہنے والے کا مقصود تو فقط یہی ہوتا ہے کہ اسے خوشنودیٔ خدا حاصل ہو جائے۔ محبتِ رسولِ خدا ﷺ اس کے مقدر کا حاصل بن جائے۔ اسی لیے ناقدینِ فکر و فن نے جہاں ایک طرف نعت کو انتہائی خوش بخت صنفِ سخن قرار دیا کہ اس کے ذریعہ توصیفِ مصطفیٰ ﷺ کے سلسلے کی اشاعت ہوتی ہے تو دوسری طرف اہل اللہ نے اسے رضائے الٰہی کا باعث قرار دیا کیوں کہ خدا کی رحمتیں اس شخص (مدحت نگار) پر لازماً سایہ فگن ہوتی ہیں جو سنتِ خدا پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے محبوب کے تذکار کو اپنی سخن گوئی کا مرکز بنا لیتا ہے۔ نقادانِ صنفِ نعت کے نزدیک یہ صنفِ شاعری بھی بلند بخت ہے اور اس کو اپنانے والا بھی رضائے الٰہی کا مستحق قرار پاتا ہے۔

سرورِ کونین ﷺ کے عہدِ پُر انوار سے لے کر آج تک صفحۂ ہستی پر بے شمار ایسے مدحت نگار ابھرے جن کا کلام اپنے اپنے ادوار کا اعزاز قرار پایا۔ بعض کی خوش بختیاں تو اس معراج کو چھو گئیں کہ ہر آنے والے دور میں ان کی نعت گوئی کا شہرہ برابر جاری رہا۔ حتیٰ کہ عہدِ حاضر میں درجنوں ایسے عظیم نعت گوؤں کا نعتیہ کلام اسی طرح عوام الناس کے دلوں میں محفوظ ہے جس طرح ان کے اپنے ادوار میں تھا۔ حضرت حسانؓ بن ثابت سے لے کر کرامت علی شہیدی تک اور امام احمد رضا فاضل بریلویؒ سے لے کر علامہ اقبال تک بے شمار مدحت نگاروں کے حسنِ عقیدت سے بزمِ ہستی آج بھی آباد نظر آتی ہے۔

نعت گوئی جس قدر بابرکت ہے اور نعت لکھنے والا جس قدر بارگاہِ خداوندی میں عزیز تر ہوتا ہے نعت اسی قدر کڑی آزمایش سے گزرنے کا تقاضا کرتی ہے اس ضمن میں اعلیٰ حضرت بریلوی کا یہ قول حقایقِ نعت کی کس شان سے ترجمانی کرتا ہے۔

> حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

(''الملفوظ'' مرتبہ مفتیِ اعظم مولانا مصطفیٰ رضاؒ، حصہ دوم، ص ۳۹، مطبوعہ میرٹھ)

گویا حمدِ ربِّ جلیل کے مقابلہ میں نعتِ رسول غیر معمولی احتیاط اور ادب و احترام کا تقاضا کرتی ہے زمانہ ان لوگوں کو سلام کرتا ہے جو احتیاط اور ادب کی حدود میں رہ کر نعت رقم کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ کس کس کا ذکر کیا جائے یہاں تو بے شمار لوگوں نے اپنے دامانِ عقیدت میں نعت و مدحت کے انوار سجا رکھے ہیں عصرِ حاضر کے ان خوش بخت نعت گو شعرا میں جنھوں نے ایک طویل عرصہ سے نعت گوئی کو حاصلِ زندگی بنا رکھا ہے ایک اہم اور معتبر نام معروف نعت گو شاعر پروفیسر محمد اکرم رضا کا ہے پروفیسر محمد اکرم رضا کا شمار ان انتہائی بلند قسمت شعرا میں ہوتا ہے جن کو ربّ کریم نے نعتِ حضور ﷺ کے صدقے میں بہت سے ادبی ولسانی اور فکری وفنی خصائص سے نواز رکھا ہے۔ آپ محض نعت گو شاعر ہی نہیں بلکہ ممتاز نقادِ نعت بھی ہیں۔ نعتیہ نقد ونظر کے حوالے سے ان کے نعتیہ تنقیدی مضامین اس وقت سے وطنِ عزیز کے معروف رسائل و جراید کی زینت بن رہے ہیں جب آج کے کئی اصحابِ نقد ونظر اس جانب متوجہ بھی نہیں ہوئے تھے۔ ماہ نامہ ''شام وسحر'' لاہور کے تمام ضخیم نمبر پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعتیہ فکری تگ و تاز کے امین ہیں۔ نعت نگاری اور نعت گوؤں پر لکھنے کا عمل تو اس سے قبل بھی جاری تھا۔ ماہ نامہ ''آئینہ'' (لاہور)، ماہ نامہ ''الحبیب'' (لاہور)، ماہ نامہ ''طیبہ'' (کوٹلی لوہاراں)، ماہ نامہ ''ضیائے حرم'' (لاہور)، ماہ نامہ ''نعت'' (لاہور)، ماہ نامہ ''حمد و نعت'' (کراچی)، مجلّہ ''علم و قلم'' (سیالکوٹ)، مجلّہ ''نعت رنگ'' (کراچی)، ماہ نامہ ''جہانِ رضا'' (لاہور) سمیت کتنے ہی جرائد ان کی اشاعتِ نعت کے حوالے سے کی جانے والی کاوشوں کے امانت دار ہیں۔ یہ بھی ان کا اعزاز ہے کہ انھیں درجنوں نعتیہ کتب

کے دیباچے، تقاریظ اور فلیپ رقم کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس ضمن میں نعتیہ تنقید کے حوالے سے ان کی تصنیف ''کاروانِ نعت کے حدی خواں'' خاص طور سے قابلِ ذکر ہے آپ معروف خطیبِ نعت ہیں ممتاز مقرر اور اسکالر ہیں نعتیہ محافل کی زینت ہو تے ہیں۔ ہم نے محض حوالے کی غرض سے ان امور کی جانب ہلکا سا اشارہ کیا ہے ورنہ ان کی نعت گوئی سے قطعِ نظر کرنے کی جسارت کرتے ہوئے ان کی نعتیہ تنقیدی کاوشوں کا تذکرہ مقصود ہو تو اس کے لیے ایک طویل دفتر درکار ہے مگر زیرِ نظر مضمون میں ہمارا مقصود پروفیسر محمد اکرم رضا کی جگمگاتی نعتیہ شاعری کا جائزہ لینا ہے پروفیسر محمد اکرم رضا کے نزدیک نعت کیا ہے۔ اس ضمن میں نعت کے حوالے سے ان کی تحریر سے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

> نعت کہنے کے لیے بڑے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ نعت کا زمزمہ قدسی ایک ایسے دل کا تقاضا کرتا ہے جو اخلاص و نیازمندی سے بھرپور ہو۔ نعت ایک ایسے لہجے کی متقاضی ہوتی ہے جو احترام و عقیدت کے ساتھ ساتھ ادب و احتیاط کا مظہر ہو۔ نعت کے لیے عشق و وارفتگی کی متاعِ گراں مایہ درکار ہوتی ہے جو جمالِ مصطفوی ﷺ پر دل و جان تصدق کر دینے کے لیے مہمیز کا کام دے۔

(کاروانِ نعت کا شوقِ منزل آشنائی، محمد اکرم رضا، مجلّہ ''نعت رنگ'' کراچی شمارہ مئی ۲۰۰۳ء)

نعت کے حوالے سے ہم نے پروفیسر محمد اکرم رضا کے ایک طویل مقالہ سے ایک اقتباس پیش کیا ہے ان کے نظریاتِ نعت کی روشنی میں جب ان کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کیا تو خوش گوار حیرت کا احساس ہوا کہ ایسے ہی نظریاتِ نعت ان کی نعتیہ شاعری میں جابجا اپنی بہار دکھا رہے ہیں ان کی شاعری میں نعت کے محاسن کی جھلک ملاحظہ ہو:

نعتِ سرکار مرے دور کی پہچان بھی ہے　　　میری بخشش کا سرِ حشر یہ سامان بھی ہے
نعت ہے حکمِ الٰہی کی سراسر تعمیل　　　یہ ہے ایمانِ رضاؔ سنتِ حسان بھی ہے

☆

خدا توفیق دے جس دم نبی کی نعت ہوتی ہے　　　ہو نسبت جس گھڑی محکم، نبی کی نعت ہوتی ہے
خداوندِ جہاں کا لطف مدّاحِ شہہِ دیں پر　　　جو چھڑکے نور کی شبنم، نبی کی نعت ہوتی ہے

وہ نعت کو اپنے لیے کس درجہ ذریعۂ رحمتِ خدا و مصطفیٰ ﷺ تصور کرتے ہیں اس کا ایک انداز دیکھیے:

کرے کیا ثنائے نبی رقم ہے سراپا عجز مرا قلم
کہ خدا کے بعد حضور کی نہ مثال ہے نہ مثیل ہے
میں ہوں فکرِ نعت سے شادماں ہے یہ ذکرِ پاک مرا نشاں
سرِ حشر میری نجات کو یہی نعت میری وکیل ہے

اور پھر فکر و ذکرِ نعت کے حوالے سے ہی ان کی ایک طویل نعت سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے جس سے ان کے اظہارِ نعت گوئی کا جذبہ اجاگر ہوتا ہے:

نعت کیا ہے ذکرِ سلطانِ عرب کا اہتمام — نعت کیا ہے راحتِ قلبِ حزیں لطفِ دوام
نعت کیا ہے مطلعِ حسنِ یقیں کی چاندنی — نعت کیا ہے دل کے گلشن میں ہواؤں کا خرام
نعت کیا ہے جذبۂ توصیفِ محبوبِ خدا — نعت کیا ہے شوکتِ دل سے نبی کا احترام
نعت کیا ہے دورِ حاضر کا نشانِ امتیاز — نعت کیا ہے کلکِ شاعر سے عقیدت کا پیام
نعت کیا ہے روشنی ہی روشنی ہی روشنی — نعت کیا ہے شکرِ ربِّ دوجہاں والا کرام

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ محمد اکرم رضا اپنی نعت گوئی میں نعت کی وہی تعریف پیش کر رہے ہیں جو تمام بڑے بڑے ناقدینِ نعت کے پیشِ نظر ہے ان کے نزدیک نعت قلب ونظر کی روشنی ہے۔ عینِ لطفِ خداوندی ہے۔ نعت سامان بخشش ہے۔ نعت حکمِ خداوندی کی تعمیل اور سنتِ صحابہ کی پیروی کا نام ہے۔ انھوں نے نعت کو ''روشنی ہی روشنی'' کہا ہے۔ ایسی روشنی جس سے تاریک دل جگمگا اٹھتے ہیں جس سے صدیوں سے پھیلی ہوئی جہالت کی تاریکیاں کافور ہو رہی ہیں۔ وہ روشنی جو حضورِ عالی مرتبت کی نورانی صورت اور پاکیزہ سیرت سے عبارت ہے۔ وہ روشنی جو آپ کے کمالات و خصائص کی تعبیر ہے وہ روشنی جو ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے قرآن حکیم کی آیت آیت سے پھوٹتی ہے یہی روشنی جب کلکِ شاعر سے اُبھرتی ہے تو افکار جگمگانے لگتے ہیں اور پڑھنے والے اس روشنی سے اپنے مقدر کو جگمگانے کا اہتمام کرتے ہیں ان کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورتِ مطہرہ کی ایک ایک جھلک نور ہے کہ جس کو دیکھنے والے ایمان کی ضو سے منور ہو گئے۔ آپ ﷺ کا کردار سراسر معجزہ ہے جس نے وقت کو تسخیر کر لیا۔ مردہ دلوں کو حیاتِ نو بخش دی بنجر زمینیں گلابوں کی مہک سے آباد ہو گئیں اور دل یادِ خداوندی سے آباد ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ کے جمالِ جہاں افروز کے تصور سے ہی عشق وعقیدت کی نئی دنیا آباد ہونے لگتی ہے ان کے قلم سے اسی حسنِ جہانگیر کی جلوہ گری ملاحظہ ہو:

حسنِ فطرت کے انوار سے سربسر میرے آقا کی صورت بنائی گئی
پھر اسی شاہِ خوباں کے اعزاز میں بزمِ کون و مکاں جگمگائی گئی
جس کے انوار سے ضوفگن زندگی جس کا ہر قول ہے روشنی روشنی
اس کی چاہت بھی خالق کا انعام ہے قلبِ عشاق میں جو بسائی گئی

مظہرِ نورِ خدا ہے رُخِ زیبا تیرا چار جانب ہے زمانے میں اجالا تیرا
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک دیکھی بزمِ عالم میں شب و روز ہے چرچا تیرا

☆

غیرتِ حسنِ ازل جلوۂ زیبائی ہے ماہ و خورشید نے لی حُسنِ محمد سے زکوٰۃ
دل کشی چاند نے تاروں نے ضیا پائی ہے شاہِ بطحا کے حسیں چہرے کی تابانی سے

پروفیسر محمد اکرم رضا نعت گو شاعر ہی نہیں بلکہ مبلغِ نعت اور نعت کے فکری محاسن پر کام کرنے والے محقق بھی ہیں لہذا انھیں ہرگام پر احساس ہے کہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ وَالسلام کے پیغامِ سیرت کو عام کرنا ہے وُہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ جملہ انبیاء کرام کی آمد ہی اس لیے تھی کہ خدائے واحد کی پہچان ہو سکے۔ اور پھر رب کریم نے حضور ﷺ کو ظاہری اور باطنی محاسن کا مرقع بنا کر بھیجا ہی اس لیے تھا کہ محبوبِ خدا کے کمالاتِ عالیہ کی انتہا کو دیکھ کر بزمِ ہستی کے دل میں کسی اور محبوب ہستی کا تصور بھی پیدا نہ ہو سکے۔ خدائے کریم نے ایک طرف آپ کو طٰہٰ ویٰسین کا مصداق ٹھہرایا تو دوسری طرف آپ کے عالمگیر کردار کے لیے "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک" کا پرچم لہرایا۔ ایک طرف آپ کو والضحیٰ اور والشمس کی تصویر بنایا اور دوسری طرف آپ کے اقوال و ارشادات کو بزمِ کائنات کے لیے نجاتِ دائمی کا مصداق قرار دیا۔ محمد اکرم رضا علمی، ادبی، فکری اور نظری لحاظ سے پختہ فکر صاحبِ ایمان ہیں۔ اور ایمان کی پختگی اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک عُشاق کے دلوں میں محبوبِ دو عالم ﷺ کی اک ایک ادا پر مرمٹنے کا جذبہ نہ پیدا ہوجائے۔ محاسنِ حضور ﷺ نے تو اپنی انتہا کو چھولیا ہے اب یہ اُمتِ اسلام کا مسئلہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے محاسن و خصائل، عادات و اطوار، سیرت و کردار، اقوال و افعال، ارشادات و اعمال سے کس درجہ خوشہ چینی کرتی ہے۔ کیوں کہ محبت اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی جب تک مُحِبِّ صادق کے دل میں محبوب سے مکمل عملی وابستگی قائم نہ ہوجائے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعتوں میں یہی پیغام اجاگر نظر آتا ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بقول:

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اوّل گیا آخر گیا

محمد اکرم رضا اُمتِ اسلام کو ٹھوکروں سے بچانے کے لیے اسوۂ حضورﷺ کی عملی اطاعت کا پیغام دیتے ہیں۔

راحتِ قلب و نظر جلوہ رسول اللہ کا عظمتِ اہلِ یقیں اُسوہ رسول اللہ کا
مٹ گئیں تاریکیاں انوار کو غلبہ ملا آفتابِ نُور جب چمکا رسول اللہ کا

☆

طالبانِ منزلِ حق کے لیے ہے اے رضا خضرِ راہِ راستی رستہ رسول اللہ کا

☆

جاں کے دشمن کو جو سینے سے لگا لیتا ہے اس کا بندہ ہوں جو گرتوں کو اٹھا لیتا ہے
حق تو یہ ہے کہ وہی دور رہے گا زندہ جو شہِ دین کی سیرت سے ضیاٗ لیتا ہے

☆

شاہِ کونین کی ضو بار یوں سیرت دیکھی دشمنِ جاں پہ بھی سرکار کی رحمت دیکھی

☆

جس کو دنیا نے حقارت سے اچھالا ہوگا اس کو سرکار کی رحمت نے سنبھالا ہوگا
روشنی سیرتِ محبوب سے لی ہے جس نے یادگار اس کا بہرحال حوالہ ہوگا

☆

وجہِ تسکینِ دل و جان ہے اُسوہ تیرا اولیا چلتے ہیں جس پر وہ ہے رستہ تیرا
تشنہ لب جب بھی سوالی تری رحمت کے ہوئے ابرِ الطاف وہیں جھوم کے برسا تیرا

پروفیسر محمد اکرم رضاؔ ہوں یا عہدِ حاصر کے دوسرے نعت گو شاعر سبھی سیرتِ مصطفیٰﷺ اور اسوۂ حضور کی عظمتوں کو پہچانتے ہیں۔ اور سب کے دل میں یہی حقیقت جاگزیں ہے کہ اسوۂ حضور سے روشنی لے کر کامرانی کی نوید حاصل کی جا سکتی ہے خدائے کریم نے آپ کے اسوۂ کامل کو ہمیشہ کے لیے اعلیٰ ترین معیارِ انسانیت بنا کر اس کی اتباع کا پیغام دیا ہے تا کہ اُمتِ حضور عہدِ حاضر اور مستقبل کے آلام و مصائب سے محفوظ ہو جائے اسی خاطر ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ'' کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اطاعتِ محمدﷺ ہی اصل میں اطاعتِ خدا ہے جو اس در سے پھر گیا وہ اُس در سے

بھی خراب وخستہ جائے گا۔ محمد اکرم رضا کا ایمان ہے کہ جب ہم اپنے ہر عمل کو سیرت و کردار حضور ﷺ کے سانچے میں ڈھال لیں گے تو پھر عنایاتِ رسول ﷺ کا قلزم رحمت کناروں سے اُچھلنے لگے گا اور جذبات پکار اُٹھیں گے:

ماہِ طیبہ جو مرے دل کو ضیا دیتا ہے شرک و باطل کا ہر اک نقش مٹا دیتا ہے
جب بھی مایوس میں ہو جاؤں، تصور ان کا دل میں اُمید کے فانوس جلا دیتا ہے
آپ کے فیض سے ہر ایک صدی ہے روشن آپ کے در پہ ہر اک دور صدا دیتا ہے
عالمِ یاس میں، مجبوری و لاچاری میں ان کا اُسوہ مجھے جینے کی ادا دیتا ہے

پروفیسر رضا کی نعت گوئی اگرچہ نعت کی روایات کو ہی آگے بڑھا رہی ہے مگر اس میں جدّتِ فکر بھی ہے۔ یہ جدتِ فکر انھیں عشق و عقیدت کے راستے سے پل بھر کو بھی بھٹکنے نہیں دیتی انھوں نے جدّتِ فکر کی بدولت نئے نئے مضامین تراشے ہیں۔ اپنی بلند فکری سے عظمتِ رسول کے نئے سے نئے گوشے پڑھنے والوں کے سامنے لاتے ہیں۔ روایتِ نعت اور جدتِ فکر کے امتزاج سے ان کی نعت گوئی کا حسن مزید نکھر گیا ہے۔ عصرِ حاضر کا المیہ ہے کہ بعض شعرا روایت سے بغاوت کے شوق میں اس طرح شوخیٔ تحریر کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان کے ہاں مضمون کی بلند پروازی عنقا ہو جاتی ہے جب کہ محمد اکرم رضا کے ہاں ایسا نہیں ہے:

وادیٔ نور میں پُر کیف سی خوش بو لے جا شہرِ طیبہ میں مچلتے ہوئے آنسو لے جا
زائرِ شہرِ نبی اتنی عنایت کردے میری جانب سے درودوں کی صدا تو لے جا
ان کی رحمت سے مراحل سبھی آساں ہوں گے تو لحد میں یہی تسکین کا پہلو لے جا

☆

دو عالم کا ہو آقا اور باندھے پیٹ پر پتھر زمانے تو بتا ایسا کوئی سلطان دیکھا ہے
کلام اللہ کی آمد تو کوئی دیکھ نہ پایا زہے قسمت جنھوں نے صاحبِ قرآن دیکھا ہے

محمد اکرم رضا نے نعت کے حوالے سے شاعری کی جملہ اصناف کو اپنی صلاحیتوں کا مرکز بنایا ہے مسدس، مخمس، مثنوی سمیت متعدد اصناف میں سخن پیمائی کی ہے اس سلسلے میں ان کی کئی طویل نعتیہ منظومات اہلِ ذوق سے خراجِ عقیدت لے چکی ہیں انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صدہا اشعار پر مبنی سراپا لکھا۔ اسی طرح بارگاہِ رسالت مآب میں اپنی محبتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے قریباً اڑھائی صد اشعار پر مشتمل ''سلام بحضور سیّدالانام'' لکھا جو

کتابی صورت میں شائع ہوچکا ہے۔ یہ سلام کیا ہے محبتِ رسول کے نام پر عقیدت کا نور بکھرا ہوا ہے۔

شاعرِ مدحت حفیظ تائب مرحوم پروفیسر محمد اکرم رضا کی کتاب ''قافلہ شوق کے مسافر'' کے دیباچہ بعنوان پیشوائی میں رقم طراز ہیں:

> پروفیسر محمد اکرم رضا بہ یک وقت ممتاز نقادِ نعت بھی ہیں اور معروف شاعرِ کوچۂ رسالت مآب ﷺ بھی۔ اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو دونوں کا لہجہ مختلف ہوتا ہے۔ تنقید سنجیدگی، تحقیق اور ذوقِ جستجو سے عبارت ہے جب کہ نعت وفورِ شوق، عشق کے والہانہ پن اور جذباتِ عقیدت کی ہر ساعت اُڑان کا نام ہے، محمد اکرم رضا اس لحاظ سے خوش بخت ہیں کہ تنقید اور نعت دونوں سے انصاف کرگئے۔ انھوں نے تنقید رقم کرتے ہوئے جلوہ ہائے مرکزِ نعت کو پیش نظر رکھا اور جب نعت لکھی تو ممدوحِ نعت کے تصورات میں ہمہ تن گم رہے۔ تحقیق وتنقید اور نعت و مدحت کی دنیاؤں میں ایک ہی وقت میں سرخ رُوئی سے ہم کنار ہونے کا سبب یہ ہے کہ پروفیسر رضا بنیادی طور پر نعت گو ہیں۔ ایسا نعت گو جو ثنائے حبیب ﷺ میں کھوئے رہنے ہی کو حاصلِ حیات سمجھتا ہے۔

نعت سر بہ سر اظہارِ عقیدت ہے جذباتِ شوق کا ظہور ہے۔ نعت توصیفِ محمد ﷺ ہے اور اگر دل میں توصیفِ محمد ﷺ کے نام پر عقیدت اپنا حسن نہ دکھائے تو نعت محض اظہارِ فن کا ایک شہ پارہ بن کر رہ جاتی ہے جب اظہارِ عقیدت کا جذبہ موجزن ہو تو آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات اُبھرتی ہے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر پلکوں سے جاروب کشی کو جی چاہتا ہے۔ محمد اکرم رضا بھی اسی شوقِ عقیدت کو مشعلِ راہ عمل بنائے ہوئے ہیں:

پلکوں سے چل اے راہ نوردِ رہِ حیات — محبوب ربِّ پاک کا یہ رہ گزار ہے
خوش بو سمجھ کے تم اسے دل میں سمیٹ لو — اے زائرو یہ شہرِ نبی کا غبار ہے

☆

ماہِ طیبہ کا مری سمت جو پھیرا ہوگا — دل کے آنگن میں اسی روز سویرا ہوگا
گو ہے محشر میں سوا نیزے پہ سورج کی شنید — آپ کا سایۂ رحمت بھی گھنیرا ہوگا

☆

تھی چشمِ آرزو کو مری حاجتِ رفو اسمِ حضور دے گیا آنکھوں کا نم مجھے

☆

بڑے خوش بخت ہیں شہرِ نبی کی خاک کے ذرّے جنھوں نے سرورِ کونین کے قدموں کو چوما ہے
جو وقت آئے متاعِ جاں لٹا دو شاہِ والا پر یہی تو ایک ایمانِ مکمل کا تقاضا ہے

☆

جب بیاباں پہ گلستاں کا گماں ہوتا ہے شاہِ کونین کی آمد کی سماں ہوتا ہے

شاعر نعت کہتے ہوئے تمام ذہنی قوتیں اور عشق و عقیدت کی روشنیاں اس لیے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نذر کرتا ہے کہ اس طور پر وہ سلطانِ مدینہ ﷺ سے اپنا رشتہ مستحکم کرنا چاہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ رشتہ جس قدر مستحکم ہوگا عنایاتِ حضور ﷺ کے انوار اتنے ہی زیادہ اس کا مقدر بنیں گے۔ پروفیسر رضا کے پیشِ نظر بھی یہی مقصد ہے کہ قبر سے حشر تک عنایتِ رسول اور شفاعتِ رسول ﷺ ان پر سایہ فگن رہے۔ انھوں نے اپنی متعدد نعتوں میں اپنے حسین تر جذبات کا اظہار کیا ہے اور امید باندھ رکھی ہے کہ شفاعت مصطفےٰ ﷺ کی صورت میں انھیں نعتوں کا صلہ عطا ہوگا ایک نظر دیکھیے:

غم کے ماروں کو سنا دینا شفاعت کی نوید تیری اُمت حشر میں جب تجھ کو گھبرائی ملے

☆

زندگی کی تلخیاں ہوں، قبر ہو یا حشر ہو آپ کی رحمت ہمیں ہرگام پر درکار ہے
آتشِ دوزخ جلا سکتی نہیں اس کو کبھی آپ کی یادِ حسیں جس قلب میں ضوبار ہے

☆

لطف فرما جب ہوا مجھ پہ وہ محبوبِ خدا خود بہ خود زندانِ عصیاں سے رہائی ہوگئی

☆

قبر سے تا حشر جتنے مرحلے درپیش تھے آپ کی چاہت ملی تو سب ہی آساں ہوگئے

☆

کیوں نہ خوش بخت وہ حق دارِ شفاعت ٹھہرے عشقِ احمد کی مہک جس نے لٹائی ہوگی
حشر میں سایہ کناں ہوگا سحابِ رحمت جب مرے لب پہ محمد کی دُہائی ہوگی
ہم تو محشر میں وہیں ہوں گے یقیناً جس جا شاہِ بطحا کی شفاعت کا پھریرا ہوگا

محمد اکرم رضا کی شاعری جہاں عشق و عقیدت کی ترجمان ہے وہاں اس میں تغزل کی جلوہ آرائی بھی ہے۔ حسنِ تغزل اشعار کے پھول مہکتے اور جذبات کے غنچے چٹکتے ہیں۔ یہ تو وارداتِ قلبی ہے۔ جذبہ روحانی ہے۔ تغزل کا حسن دل کے اندر سے پھوٹتا اور قارئین کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ محمد اکرم رضا اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ کوچۂ غزل میں تغزل محبوبانِ مجازی کے نقوش ابھارتا ہے جب کہ نعت میں یہی تغزل باوضو ہوتا ہے تو عشقِ حضور ﷺ کا سمندر کناروں سے اچھلنے لگتا ہے۔ تغزل عام غزل کا حسن اور نعتیہ شاعری کا حسنِ کمال ہے۔

پروفیسر رضا نے جا بہ جا حسنِ تغزل کا حسن بکھیرا ہے۔ یہ حسن کہیں بھی زبردستی یا آورد کا شاخسانہ نظر نہیں آتا بلکہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ پروفیسر رضا کے قلبِ پُرشوق کی صدائے درد ناک ہے آیئے ہم ان کی شاعری میں حسنِ تغزل کی ایک جھلک دیکھتے ہیں:

بخش کر سرکار کو حسنِ مکمل، لازوال — خالقِ کونین خود محوِ نظارا ہوگیا
آپ یوں تشریف لائے بن کے شرحِ زندگی — ہم غلاموں کے لیے جینے کا چارا ہوگیا

☆

مرے احساس میں آئیں مری آنکھوں میں بس جائیں
بڑی مدت سے حسرت ہے یہ دل میں ان کہی اپنی
وہ ان کے ہونٹ باغِ قدس کی ہوں پتیاں جیسے
خجل ہے واں گلِ تازہ دکھا کر نازکی اپنی

☆

مدت سے میں نے بزمِ عقیدت سجائی ہے — دل میں نبی کی یاد کو مہماں کیے ہوئے
جب میں مروں تو لب پہ محمد کا نام ہو — زندہ رہوں تو آپ کا ارماں کیے ہوئے

☆

جلوۂ حسنِ محمد کا یہ دیکھا ہے کمال — بزمِ کونین اسی حسن کی شیدائی ہے
ان کے الطاف کا بادل نہیں کس پر برسا — زلفِ والّیل کچھ اس شان سے لہرائی ہے

اُمتِ اسلام میں استغاثہ بحضور سرورِ کائنات ﷺ کی روایت بڑی مدت سے چلی آرہی ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی سمیت تمام زبانوں کے نعت گو شعرا بارگاہِ حضور میں اس احساس کے ساتھ استمداد طلبی کرتے رہے ہیں کہ:

چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

محمد اکرم رضا کا حساس دل بھی جب اُمتِ اسلام پر وارد ہونے والے رنج و آلام پر تڑپتا ہے تو بے اختیار درماں طلبی کے لیے حضور ﷺ کے دربار کی طرف لپکتے ہیں۔ ایک پختہ فکر مسلمان اور محبتِ حضور ﷺ میں غرق رہنے والے صاحب ایمان کی حیثیت سے ان کو بھرپور احساس ہے کہ اگر ہمارا نالہ وشیون بارگاہِ رسول میں مقبول ہوگیا اگر ہمارے جذبۂ صادق نے محبوب خدا ﷺ تک رسائی حاصل کر لی تو تمام رنج و آلام کا ایک آن میں خاتمہ ہو جائے گا اور خوشحالی کا سورج طلوع ہوگا۔ تمام شعرا کا انداز جدا جدا سہی مگر جذبۂ استمداد طلبی ایک ہے۔ محمد اکرم رضا حضور ﷺ کو ماجرائے الم سنا رہے ہیں:

منزلیں گم ہوئیں راستے کھو گئے، زندگی ریت کی جیسے دیوار ہے
خود ہی روحِ محمد تو کر فیصلہ آج کتنی مدد تیری درکار ہے
وقت نے ٹھوکروں پر ہمیں رکھ لیا تجھ سے کٹ کر نہ کچھ بھی ہمارا رہا
اب عطا کر ہمارا تشخص ہمیں، ہم کو پہچان اپنی بھی دشوار ہے
کور بختوں کو ذوقِ نظر ہو عطا، پا شکستوں کو شوقِ سفر ہو عطا
غم کے ماروں کو دے دے نویدِ سحر کہ یہی تیری رحمت کا معیار ہے

☆

ظلمتیں بڑھ گئیں روشنی مٹ گئی المدد یا نبی المدد یا نبی
دل ہے مغموم تو آنکھ پرنم ہوئی المدد یا نبی المدد یا نبی
زندگی کی ہر اک راہ دشوار ہے، آدمی آدمی ہی سے بیزار ہے
آپ کی چاہیے پھر سے چارہ گری المدد یا نبی المدد یا نبی

شاعر دُوری و مجبوری کے ہاتھوں تڑپتا ہے تو عجیب کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ ذوق و شوق اور سوز و گداز کی تپش اسے تڑپاتی ہے۔ ہجرِ رسول، گنبدِ خضریٰ کی دید سے محرومی اور مجبوریٔ مدینہ کی کیفیت تمام دنیاوی معاملات سے الگ نظر آتی ہے۔ یہ غزل میں محبوبِ مجازی کی مہجوری کی تڑپ نہیں بلکہ یہ تو نعت کی فکر میں گم رہنے والے شاعر کی شہرِ طیبہ سے دُوری کی تڑپ ہے جو کبھی آنسوؤں کی صورت میں اس کی پلکوں پر نمودار ہوتی ہے تو کبھی اس کے دل و جان کو مدینہ کے

جلووں میں گم کردیتی ہے اور جب یہ نعت کی صورت میں اپنی شدت کا اظہار کرتی ہے تو شاعر کا تڑپنا ایک زمانے کو تڑپا جاتا ہے وہ تصور ہی تصور میں مدینہ کی آرزو کرتے کرتے وہاں کے گلی کوچوں میں کھونے لگتا ہے۔ بہت کچھ دیکھتا ہے اور بہت کچھ مانگتا ہے۔

سوئے طیبہ جو کوئی قافلہ جاتا دیکھا ایک محشر دلِ پرشوق میں برپا دیکھا

☆

ملے اذنِ حضوری میں بھی طیبہ کاش جا پہنچوں کہ مارے ڈالتی ہے اب جدائی یارسول اللہ

☆

میں بھی دیکھ آؤں شہا گنبدِ خضریٰ تیرا اپنے گھر کا تو گھڑی بھر کو ہی مہماں کردے

☆

سلگتے جسم پہ میرے گلوں کے سائے ہیں حضور جب سے تصور میں میرے آئے ہیں

☆

خلق ساری جانبِ بطحا رواں ہو، میں نہ ہوں شہرِ طیبہ میں ہجومِ عاشقاں ہو، میں نہ ہوں
بھر رہی ہوں زائروں کی جھولیاں انوار سے روحِ ارضی بامراد و کامراں ہو، میں نہ ہوں
وائے محرومی شہِ ہر دوسرا کے شہر میں اے رضا سارا زمانہ میہماں ہو، میں نہ ہوں

پروفیسر محمد اقبال جاوید ان کے طویل ''سلام بحضور سیّد الانام'' کے حوالے سے مخصوص انداز میں ان کے اندازِ نعت نگاری کو یوں خراجِ محبت پیش کرتے ہیں:

> پروفیسر محمد اکرم رضا کو اللہ تعالیٰ نے سوزِ دل کے ساتھ سازِ نوا بھی عطا کیا ہے۔ ان کی تحریر و تقریر میں مفہوم کی وسعت کے پہلو بہ پہلو الفاظ کی شوکت بھی نمایاں ہوتی ہے۔ ترضیع کی نادرہ کاریاں اور بدیع فسوں سازیاں ان کے قلم کا سرمایۂ افتخار ہیں مگر ان کا یہ سلام پڑھ کر مجھے ایک خوش گوار حیرت ہوئی کہ اس میں نہ تو تراکیب و تشبیہات کی مشکل پسند پیچیدگیاں ہیں اور نہ ہی تلمیحات و استعارات کی مجاز آفرینیاں بلکہ دردِ دل کا وہ بے ساختہ اظہار ہے جو پلکوں سے اترنے والے آنسوؤں میں ہوتا ہے۔ لفظی صناعی للکار کی شان ہے پکار کی نہیں۔ میں اظہار کی اسی بے ساختگی کو اس کی اہم خصوصیت سمجھتا ہوں۔ یوں لگتا ہے کہ سلام کہتے کہتے محمد اکرم

رضا خود کو بھول گئے ہیں کہیں ان کا تصور حسنِ روئے رسول ﷺ سے مہکتا ہے کہیں ان کا خیال سیرتِ رسول ﷺ سے تابانی لیتا ہے کہ وہ سیرت زندگی کی ہر ظلمت کے لیے اُجالا ہے۔ کہیں وہ سراپا آرزو ہیں کہ وہ ذاتِ اقدس رحمتِ باری کے کمال کی انتہا ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کی یہی وہ خودفراموشی ہے جس پر شعور و آگہی کو بجا طور پر ناز ہوسکتا ہے۔

جنابِ رضا کی یہی خودفراموشی نہ صرف انھیں شوقِ بے کنار سے آشنا کرتی ہے بلکہ ان کے مطلعِ فکر سے پھوٹنے والے اشعار کی بدولت قارئین کو کیفِ دوام کی لذت سے آشنا کرتی ہے۔ جذباتِ عقیدت کی کشاکش میں آگے بڑھتے جانا، دل کی محفل کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی تمنا میں آنسوؤں کی مشعلوں سے جلائے رکھنا ان کی نعت نگاری کا اعزاز ہے دیکھیے تو:

نعتِ سرکارِ دوعالم کلکِ عنبر بار لکھ　　　مدحتِ سرکار میں ڈوبے ہوئے اشعار لکھ
کاتبِ تقدیر! عشقِ مصطفیٰ کی بھیک دے　　　لذتِ عشقِ محمد سے ہوں دل سرشار لکھ

☆

مشعل چلے جو لے کے ہم عشقِ رسول کی　　　مشکل سفر تھا زیست کا آساں بنا لیا
راہِ حیات تیرہ و تاریک تھی رضا　　　ذکرِ نبی سے اس کو درخشاں بنا لیا

☆

ذکرِ شہِ حجاز سے دل مشکبو کریں　　　ان کے تصورات سے ہم گفتگو کریں

☆

ہوگئی میری زباں جب وقفِ توصیفِ نبی　　　نطقِ جبریلِ امیں سے ہم نوائی ہوگئی
ہر طرف حسنِ محمد جلوہ گر ہونے لگا　　　کوچۂ مدحت سے جب سے آشنائی ہوگئی

حضرت محمد ﷺ نبیٔ آخرالزماں ہیں۔ آپ کا پیغام شامِ ابد تک کے لیے ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی زمانہ بھٹکنے لگا تو اس نے آپ کے پیغام کی روشنی ہی سے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈا ہے۔ پروفیسر رضا کو بھی حضور ﷺ کے پیغام کی ہمہ گیری کا احساس ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ پیغام ہنگامی نوعیت کا نہیں بلکہ دائمی اور ابدی ہے۔ آپ کے خدا نے آپ کے ہر آنے والے دور کو گزرے ہوئے، دور سے سربلند کردیا ہے۔

و للاخرة خير لك من الاولى

اور ہم نے آپ کے آنے والے زمانہ کو پچھلے سے زیادہ بلند تر بنا دیا

یہ اسی صورت تھا کہ آپ کا پیغام جامع تر ہوتا۔ پروفیسر رضا نے اپنی نعت میں اس حقیقت کو بطورِ خاص اُجاگر کیا ہے۔ حضور ﷺ کا وہ پیغامِ آفریں کسی مخصوص دور یا مدت کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ آفتاب تو ہمیشہ چمکتا رہے گا۔

از پئے شانِ اخوت وہ مقام آتا ہے — آپ پیدل ہیں سواری پہ غلام آتا ہے
مٹ گئیں ظلمتیں ہر سمت اُجالے پھیلے — شمعِ توحید لیے خیرِ انام آتا ہے

☆

آپ کے فیض سے ہر ایک صدی ہے روشن — آپ کے در پہ ہر اک دور صدا دیتا ہے
اس کے کردار کی ڈھونڈے سے ملے گی نہ نظیر — اپنے اعدا کو جو رحمت کی قبا دیتا ہے

☆

دہر کو سیرتِ سرکار سکھا دی جائے — سنگ باری جو کرے کوئی دعا دی جائے
ہیں جو مطلوب مساواتِ نبی کے چرچے — تو یہ تفریق من و تو کی مٹا دی جائے

☆

حبِ احمد کی بہاروں کے حسیں عنوان سے — گلشنِ ہستی میں ہم دینِ متیں تازہ کریں
دہر میں جس سے غلامانِ نبی ہوں سرفراز — آج بھی وہ مژدۂ فتحِ مبیں تازہ کریں

☆

کھا کے پتھر بھی دعائیں دو بنامِ مصطفیٰ — عفوِ سلطانِ حرم کو رہنما کرتے ہوئے

متعدد نعت گو شاعروں نے نظمیہ نعت کی صورت میں مضمونِ مسلسل کے ساتھ اس حسرت کا اظہار کیا ہے کہ کاش وہ رسولِ کریم ﷺ کے ایمان افروز دور میں پیدا ہوتے، شب و روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرتے، مدینے کے گل زاروں کی خوش بو سونگھتے، کھجوروں اور زیتون و انجیر کے درختوں کی زیارت کرتے جو مدینہ طیبہ کی پہچان بن گئے ہیں۔ یہی حسرت پروفیسر رضا کے دل سے ہُوک کی صورت میں اُبھرتی ہے اور وہ قسامِ ازل سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو جاتا تو میری روحانی سرخوشی و سرشاری کا کیا مقام ہوتا۔ یہ کس والہانہ انداز سے رُوئے مصطفیٰ ﷺ کو تکتا رہتا۔ آپ کے جمال و کمال کو اپنی شاعری کا حاصل بنا کر آپ کی بارگاہ میں نعتوں کے پھول تصدق

کرنے کی سعادت حاصل کرتا۔ ان کی ایک طویل نظم سے چند اشعار دیکھیے:

میں جو قسمت سے زمانہ ترا پاتا آتا — تیرے قدموں پہ میں جان اپنی لٹاتا آتا
میں سمجھتا کہ ملی دونوں جہاں کی میراث — تیرے نعلین جو میں سر پہ اٹھاتا آتا
میں ترے حسنِ جہانگیر کی مظہر نعتیں — بزمِ انوار میں خود تجھ کو سناتا آتا
میں بھی پھیلاتا دل و جان و نظر کا کاسہ — تو جو انوار کی خیرات لٹاتا آتا
دیکھتا تجھ کو جو میں دیکھتا ہی رہ جاتا — اور پلٹ کر نہ کبھی ہوش میں آتا آتا
میں سمجھ لیتا کہ ہے سجدہ گہِ شوق وہی — جس جگہ نقشِ کفِ پا تیرا پاتا آتا

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نورانی سراپا تمام شعرائے نعت کے پیشِ نظر رہا ہے۔ حضور کے محامد و محاسن، خصائص اور کمالات، آپ کے معجزات، آپ پر مسلسل عنایاتِ ربانی۔ جس طرح قرآن حضور ﷺ کا مفسرِ اعظم ہے اسی طرح احادیثِ نبوی سے نعت گوئی کے آداب سیکھنے والوں نے آپ کی اداؤں کو بطورِ خاص موضوعِ نعت بنایا ہے۔

محمد اکرم رضا ایک بڑے علمی گھرانے سے وابستہ فکری، ادبی اور نظریاتی شخصیت ہیں۔ قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ انھوں نے انھی دو بڑے ماخذ کے آئینے میں محبوبِ کائنات ﷺ کا جلوہ دیکھا ہے۔ ''الفقر فخری'' کا سماں ایک رقت طاری کر دیتا ہے کہ غلاموں کو قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج اور کاخ و ایوان بخشنے والے آقا ایک حجرۂ انور میں بوریا نشین ہیں۔ پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں اس سے بڑی شوکتِ بشریت کیا ہوسکتی ہے دیکھیے تو:

پیوند ہیں لباس میں حجرہ نشین ہے — سادہ ہے کس قدر شہِ گردوں وقار دیکھ
سلطانِ دیں کے پیٹ پہ پتھر بندھے ہوئے — فقر و غنا و صبر کا یہ شاہ کار دیکھ

☆

سورج الٹے پاؤں پلٹا، چاند دو ٹکڑے ہوا — کس کو بخشی ہے خدا نے آپ سی قدرت حضور

☆

ہر زمانے پہ رہی سایہ فگن ذات تری — چشمِ عالم نے ترا گرچہ نہ سایہ دیکھا

☆

صدر العلیٰ کہوں تجھے بدر الدجیٰ کہوں — آقا و مولا نورِ جاں شمس الضحیٰ کہوں
جب کہ خدائے پاک ہے خود مدح خواں ترا — حیراں ہوں میرے مولا میں کیسے ثنا کہوں

☆

آیۂ ''یحببکم اللہ'' میں یہی پیغام ہے جو نبی پاک تک آئے خدا تک آگئے
تابعِ وحیِ خدا تھی آپ کی اک اک ادا الغرض قرآنِ ناطق صاحبِ قران ہے

☆

ہے مطلوبِ دوعالم تو رضائے خالقِ باری خدا خود دیکھتا ہے کہ محمد کی رضا کیا ہے
ہر اک لمحہ حیاتِ مصطفےٰ کا عینِ قرآں ہے عبادت کیا ریاضت کیا سخن کیا ہے ادا کیا ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادگی پر کونین کی شان وشوکت رشک کرتی ہے۔ دس ہزار سے زائد مربع میل کے وسیع وعریض خطے پر حکومت کرنے والے محبوب دوجہاں ﷺ نے اپنی شانِ محبوبیت سے عرب وعجم کو اپنا غلام بنا لیا اور یہ آپ کی شانِ محبوبیت اور خوئے دل نوازی ہی ہے کہ ہر زمانہ حضور ﷺ کی اداؤں کو اپناتے ہوئے فخر محسوس کرنے لگا اور آپ کی الفت ومحبت کے ستارے جس دل میں ضوفشاں ہوگئے وہی دل اعزازِ ہستی بن گیا۔ جنابِ رضا کو دیکھیے:

میری غربت بن گئی اس وقت سے میرا وقار کہہ کے جب الفقر فخری وہ ہمارے ہوگئے

☆

آنسو نبی کی یاد میں جو چشمِ تر میں ہے لاریب اس کا تذکرہ لعل وگہر میں ہے

☆

جس کے درِ کرم پہ جھکتے ہیں تاجور بھی ایسا بلند رُتبہ دیکھا نہیں کسی کا
اسمِ حضورِ اکرم پُرنور و دل نشیں ہے جھونکا بہار کا ہے احساس تازگی کا

جب محبوبِ دوعالم ﷺ کائنات کی محبوب ترین ہستی ہیں تو وہ شہر کس قدر مقدس اور محترم ہوگا جہاں حضور ﷺ آرام فرما ہیں۔ وہ گنبدِ خضریٰ، مواجہ شریف، شفاعت کا پیغام دیتی ہوئی ذاتِ رسول، سنہری جالیوں کے سامنے دم بہ خود کھڑے رہنا، دل میں صلوٰۃ وسلام، لب پہ صلوٰۃ وسلام، مدینہ شہرِ رسول ﷺ جو کہ نسبتِ رسول کے سبب سے زمانے بھر کی تمناؤں کا مرکز بن گیا۔

خاکِ طیبہ از دوعالم خوشتر است آں خنک شہرے کہ دروے دلبر است

محمد اکرم رضا کے فکر وتخیل بھی مدینہ طیبہ کے انوار سے آباد ہیں۔ یہ جیتے ہیں تو مدینہ کی زیارت کی طلب میں۔ جب مدینہ نظر نہیں آتا تو سانس رُک رُک کر چلتی ہے۔ پھر یہ تصور کے سہارے سر جھکا کر شہرِ محبوب کا تذکرہ کرتے ہیں۔

خدایا میری قسمت میں بھی ہو طیبہ کا نظارا جہاں ہر پل ترے انوار کے چشمے اُبلتے ہیں

یہاں پلکوں سے دیتے ہیں درِ سرکار پر دستک
جنیدؒ و بایزیدؒ آتے ہوئے اس جا لرزتے ہیں

☆

جس جگہ رحمتِ خلاق برستی دیکھی
بزمِ عالم میں مدینے کی وہ بستی دیکھی

☆

انوار برستے ہیں آقا کے مدینے میں
ڈھلتے ہیں یہاں آکر جذبات قرینے میں
اس آس پہ زندہ ہوں مجھ تک یہ پیام آئے
آجاؤ بلاتے ہیں تم کو وہ مدینے میں

☆

شہرِ نبی ہے نور کا ساماں قدم قدم
ہوتا ہے درد و رنج کا درماں قدم قدم
شہرِ نبی پہ رشک ہے خُلدِ نعیم کو
نازاں ہے اس پہ رحمتِ یزداں قدم قدم

پروفیسر رضا کی نعتوں میں کمال درجے کی سادگی پائی جاتی ہے۔ مترنم بحروں میں، سادہ الفاظ میں اپنے مدعا کو بیان کرنا ان کا شعری کمال ہے۔ ان کی سادگیٔ فکر میں وارفتگی و سپردگی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کے نورانی جلووں کو حاصلِ حیات بناتے ہیں تو دل مچل مچل اُٹھتا ہے۔ محبوبِ خدا کی عظمتوں اور اپنی بے سروسامانی پر غور کرتے ہیں تو دل سے صدائے دردناک اُبھرتی ہے۔ یہ صدائے دردناک مایوسی اور غم سے عبارت نہیں بلکہ اس میں کیفیتِ شوق پائی جاتی ہے۔ جمالِ رسول ﷺ ان کی نگاہوں کا نور بن جاتا ہے۔ دل کے خلوت کدے انوارِ رسول سے آباد ہونے لگتے ہیں تو پھر ان کے قلم سے محبتوں کے پھول نچھاور ہوتے ہیں۔ دیکھیے تو ذکرِ رسول کس حسنِ بیان سے کررہے ہیں:

صورت ایسی کہ یوسف غلامی کرے
پاؤں ایسے کہ جبریلؑ چوما کرے
انگلیاں باغِ جنت کی ہیں پتیاں
ہاتھ ایسے کہ خالق یداللہ کرے
چشمِ ''مازاغ'' میں سرمہ انوار کا
اے خوشا آنکھ جو اس کو دیکھا کرے
سینہ ایسا کہ تفسیرِ اسرار ہے
جس میں خالق کا قرآن اُترا کرے
انگلیاں، جود کے جن سے دریا بہیں
آنکھ وہ جو کہ خالق کو دیکھا کرے
اللہ اللہ وہ مصطفٰے کی پھبن
خود ہی خالق بنا کر نظارا کرے

شاعری غزلیہ ہو یا نعتیہ اس میں خیال آرائی اور مضمون آفرینی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ غزل میں مضمون آفرینی شعری حسن کا باعث تو بنتی ہے مگر اس پر کوئی قدغن نہیں

لگائی جاسکتی لیکن نعت میں مضمون آفرینی اور خیال آرائی کے ضمن میں قدم قدم پر قرآن و حدیث کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ مدح بارگاہِ رسول میں عقیدت کے اصولوں کے منافی ٹھہرتی ہے۔ محمد اکرم رضا نہ صرف ادبی و شعری بلندیوں سے آگاہ ہیں بلکہ علومِ دین کا زبردست مطالعہ رکھنے کی بدولت آدابِ نعت سے بھی بخوبی باخبر ہیں۔ تلوار کی دھار پر چلنے کے آداب جانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ طائرِ خیال جتنی بلندی پر بھی جائے نہ تو تنقیصِ رسالت ہونے پائے اور نہ ہی مقامِ اُلوہیت میں ہلکی سی گستاخی کا شائبہ پیدا ہونے پائے۔

تھی چشمِ آرزو کو مری حاجتِ رفو اسمِ حضور دے گیا آنکھوں کا نم مجھے

☆

ڈوب کر جس میں جواہر پائیں الا اللہ کے تیری چاہت کے سمندر کی وہ گہرائی ملے
خلد کی زینت بہت اچھی ہے لیکن کیا کہیں نام لیوا تیرے طیبہ کے تمنائی ملے

☆

زباں ہونے لگی محوِ ثنا آہستہ آہستہ درِ لطف و کرم کھلنے لگا آہستہ آہستہ
نہ کر تو اختصارِ داستانِ شوق اے زائر ذرا کچھ دیر لگ جائے سنا آہستہ آہستہ
مرا افسانہ لطف و کرم آقا سے کہنے کو خدارا اب نہ چل بادِ صبا آہستہ آہستہ

☆

جس نے بھی خواب میں سرکار کی صورت دیکھی اس کی آنکھوں میں اُتر آئے ہیں ماہ و انجم

محمد اکرم رضا چالیس برس سے زائد عرصے سے نعت کہہ رہے ہیں۔ آج تو رحمتِ مصطفےٰ ﷺ کی جلوہ گری کا یہ عالم ہے کہ اس دور کو دورِ نعت کہا جارہا ہے۔ کیوں کہ ذرائع ابلاغ چاہتے ہوئے بھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی نعت کی اشاعت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ محمد اکرم رضا کو وہ الم ناک دور گہرے کرب سے آشنا کرتا ہے جب معروف اخبارات اور رسائل نعت کو زیادہ سے زیادہ مذہبی لٹریچر کا حصہ قرار دے کر فقط کسی مذہبی تہوار پر اپنے صفحات میں جگہ دینے پر آمادہ ہوتے تھے۔ وہ دور بھی دورِ نعت تھا، ذرائع ابلاغ کی آنکھیں بند کر لینے سے صداقتیں تبدیل نہیں ہوا کرتیں۔ محمد اکرم رضا نے مذہبی اور نیم ادبی رسائل کا سہارا لیا۔ نعت بھی لکھی اور قلم کار محققین کے اس قافلے کے ساتھ مل کر کام کیا جو نعت کو بھرپور صنفِ ادب کے طور پر منوانے کے لیے کوشاں ہے۔ اسی حساسیت اور فکری آگاہی نے نعت کو ان کی زندگی کا مرکز و محور بنا دیا۔ ان کے تخیل کا شہباز ”شاہینِ

شہِ لولاک'' بن کر مسلسل محوِ پرواز رہا۔ راہِ نعت میں انھیں مداحین بھی ملے اور ناقدین بھی۔ مگر ان کا قلم ستائش کی تمنا اور صلے کی آرزو سے بے نیاز ہو کر محبتِ رسول ﷺ کے انوار عام کرتا رہا۔

پروفیسر رضا جب اوائلِ عمری میں شاعری کی طرف متوجہ ہوئے تو نعت ان کی خضرِ راہ بن چکی تھی۔ ان کی نعت گوئی مختلف ادوار سے گزرتی رہی مگر فیاضیٔ قدرت نے انھیں جدتِ فکر، ندرتِ بیان، لطافتِ شعر وسخن، تراکیب و مضامین کی وسعتوں سے مسلسل نوازے رکھا اس لیے ان کی شاعری ہر دور میں قبولیتِ عام سے ہم کنار ہوتی رہی۔ ان کی نعتیہ شاعری نے امام احمد رضا خاں، علامہ محمد اقبال، کرامت علی شہیدی اور حفیظ جالندھری کی بلندیٔ فکر سے جی بھر کر خوشہ چینی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری میں اساتذہ کے کمالِ فن کی جھلک نظر آتی ہے:

اللہ اللہ سرِ حشر خدا کے آگے　　　مجھ گنہ گار کی خاطر وہ پریشاں ہوں گے
میری آنکھوں میں جو اک بار بسیں وہ آکر　　　میری پلکوں پہ کئی چاند فروزاں ہوں گے

☆

لحد کی تیرہ شبی میں مجھے تو کافی ہے　　　چراغِ عشقِ محمد ہی روشنی کے لیے

☆

جو درِ شاہنشہِ ارض و سما تک آگئے　　　وہ اندھیروں کے مسافر تھے ضیا تک آگئے

☆

عطا کرتی ہے جینے کا سہارا آپ کی رحمت　　　وگرنہ ہم سے کیسے زندگی کے دن گزرتے ہیں

☆

الفقر فخری کہہ دیا اپنا بنا لیا　　　کس نے بھرم غریب کا رکھا ترے بغیر

☆

بخشی ہے اس کو شانِ رفعنا کریم نے　　　کس کی مجال رُتبہ محمد کا کم کرے
بہتر ہے ساتھ مایۂ عشقِ رسول ہو　　　راہی تو جب ارادۂ ملکِ عدم کرے

پروفیسر رضا کی نعت گوئی مقصدیت سے عبارت ہے۔ اگرچہ نعت صرف نعت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کی تعریف اور صفت وثنا کا اعلانِ عام۔ لیکن مقصدیت کا ایک اپنا ہی حسن ہوتا ہے۔ ایک ایسے گلِ نو بہار کی طرح کہ جمالِ ظاہری تو بے مثال ٹھہرا مگر جس کی خوش بو دلوں کو ہی نہیں بلکہ محسوسات کو بھی متاثر کرنے کا باعث بنتی ہے اور جب عاشقِ رسول ﷺ کے محسوسات نعتِ رسول سے آباد

ہوجاتے ہیں تو پھر وہ محبتِ رسول کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔

محمد اکرم رضا نے نعت گوئی میں مقصدیت کو اس شان سے اُجاگر کیا ہے کہ کہیں شاعرانہ حسن مجروح ہوتا نظر نہیں آتا بلکہ ہر جگہ نعت اپنے جلوے بکھیرتی نظر آتی ہے۔ نعت بذاتِ خود حسن ہے۔ اگرچہ یہ ایک صنفِ سخن ہے مگر اس صنفِ سخن کا ہر انداز عشق و سرمستی کی ادا لیے ہوئے ہے۔ مقصدیت جمالِ شاعری بھی ہے اور مدحت و ثنا کا وقار بھی۔ اس کی بدولت حضور ﷺ کے غلاموں کو زندگی کا حوصلہ عطا ہوتا ہے جینے کی اُمنگ نصیب ہوتی ہے اور عشقِ رسول ﷺ جس قدر پختہ تر ہوتا ہے مقصدیت اسی شدت کے ساتھ قلب و جان میں راسخ ہونے لگتی ہے، مثلاً:

اعجاز نطقِ مصطفےٰ، پتھر بھی موم ہیں ان کا ہر ایک قول ہے شمعِ ہدیٰ مجھے
بخشا حضور نے ہمیں توحید کا شعور توفیقِ نعت دیتی ہے یادِ خدا مجھے

☆

آپ سے سن کے ''ھو اللہ احد'' مان لیا ورنہ ہوتی ہمیں اللہ کی پہچان کہاں
قلبِ مایوس کو جینے کا سلیقہ بخشا ہم بھلا سکتے ہیں یہ آپ کا احسان کہاں

محمد اکرم رضا کی نعتوں میں جدید اردو نعت کے تمام تر زندہ اور روشن رویے جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی نعت نگاری عہدِ جدید کے روشن سنگم پر جگمگاتی نظر آتی ہے۔ آپ کی نعتوں میں اساتذۂ نعت کا والہانہ پن بھی ہے اور جدید نعت گوئی کا عہد افروز رویہ بھی۔ اس ضمن میں جدید رویے کے ترجمان نعت گو ریاض حسین چودھری کی رائے ملاحظہ ہو:

> ہر بڑے شاعر کی طرح ان کی لفظیات کی اپنی ایک الگ دنیا ہے۔ یہ اعزاز قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے۔ محمد اکرم رضا اس عطیۂ خداوندی کو سلیقے اور قرینے سے برتنے کا ہنر جانتے ہیں۔ خودسپردگی کی ایک عجیب سی کیفیت شاعر کی روحانی رتجگوں کی عطا ہے اور شاعر کی تخلیقی صلاحیتوں کی غماز ہے۔ ان کا دامنِ شعر سیرتِ اطہر کی خوش بو سے مہک رہا ہے۔ تیقن کی دولت انھیں قدرت نے دل کھول کر عطا کی ہے۔ یقینِ کامل سے ان کا دامنِ آرزو مزین و مرصع ہے۔ قلم فرطِ عقیدت کے گہرے پانیوں میں ڈوب ڈوب جاتا ہے لیکن ہوش کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ آپ وارفتگی کے عالم میں بھی کائناتی سچائیوں اور زمینی حقایق

کے شعور کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ فکری مغالطوں، علمی موشگافیوں اور علمی لغزشوں کے موسمِ ناروا میں آپ غلامئ رسول کا پرچم تھامے شاہراہِ عشق و مستی پر پورے اعتماد سے گامزن ہیں۔

ریاض حسین چودھری کے اس تنقیدی جائزے کے تناظر میں جب ہم محمد اکرم رضا کی نعت گوئی کی مہک کو اُبھرتے دیکھتے ہیں تو ایک اور ہی روحانی لذت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ سرخوشی و سرشاری، بے خودی و ہشیاری، کیفیاتِ نور میں ڈوب ڈوب کر اُبھرنا اور پھر سے ڈوب جانے کی آرزو کرنا، ایسی ایمان افروز لذات کا احساس کہ جنھیں محسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر بیان نہیں کیا جاسکتا۔ محمد اکرم رضا نعتِ رسول ﷺ کے سہارے آگے بڑھتے ہیں تو ان ہی کیفیاتِ جمال کے وفور میں گم ہوجاتے ہیں مگر عشق و عقیدت کے نام پر احتیاط اور ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیتے اور اسی تناظر میں عظمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سدابہار ترانے الاپتے ہیں۔

لطفِ نبی کا اس طرح مجھ کو حصول ہو
ہر نعت بارگاہ میں ان کی قبول ہو

ایسا فصیح کون ہے سرکار کے سوا
جس کا ہر ایک قول ستارا ہو پھول ہو

جب وہ چلیں تو بادِ صبا کو بھی رشک ہو
چہرہ اُٹھے تو چاند بھی قدموں کی دھول ہو

☆

پھر چل پڑا ہے سلسلہ کیف و سرور کا
محفل میں ذکر چھڑ گیا میرے حضور کا

طیبہ کے پتھروں کو وہ تابانیاں ملیں
ہر ذرّہ حجاز ہے ہمدوش طور کا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے پہلے پوری کائنات شبِ دیجور کا ہولناک منظر پیش کر رہی تھی مگر جب آپ جلوہ آرا ہوئے تو ایسی صبحِ نور کا آغاز ہوگیا جس کے اُجالوں سے بزمِ ہستی تاابد روشنی کشید کرتی رہے گی۔ رضا صاحب محض ایک شاعر ہی نہیں بلکہ علومِ دینیہ پر کامل دسترس رکھنے والے اسکالر ہیں۔ تاریخِ انسانی اور تاریخِ اسلامی کے زیر و بم ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے علمی کمالات اور فقہی سرفرازیوں سے نعت کے فطری جمال کو بوجھل نہیں ہونے دیا بلکہ ان کی بدولت نہایت سادگی اور سلاست کے ساتھ احساناتِ مصطفےٰ ﷺ کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔

آپ سے پہلے تھی تاریک یہ بزمِ ہستی
اور تھے سوکھے ہوئے چشمۂ ایمان کے لب

جس جگہ گھاس کا تنکا بھی نہیں تھا اُگتا
بن گیا رشکِ گلستان یہی ملکِ عرب

☆

رفعت شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھی
بزمِ عالم میں شب و روز ہے چرچا تیرا
زندگی موت سے بدتر تھی زمانے کے لیے
ابرِ الطاف و کرم گر نہ برستا تیرا

آپ کی نعت گوئی کا بغور جائزہ لیں تو عقیدت آفرینی کے حسن سے آراستہ مضامین کی رنگارنگی، جذبات کا تنوع بطورِ خاص نظر آتے ہیں۔ مضامین کی وسعت اور مفاہیم کا تنوع غزل میں تو معمول کی بات ہے مگر نعت کا دبستان الگ سے مخصوص پیرایوں کا متقاضی ہے۔ یہاں ہر گام پر ادب کے نظریاتی تقاضے راہوارِ قلم کی رفتار اور تیزروی کو نعت کے اسلوب کا پابند بنانے کے لیے روکتے ہیں۔ پروفیسر رضا نے یہاں علومِ شریعت کے انوار سے روشنی لے کر آگے بڑھنے کی سعی کی ہے۔ اس حوالے سے ان کے بارے میں ممتاز نعت گو اور "نعت رنگ" کے مدیر سیّد صبیح رحمانی کا حسنِ تاثر ہماری سوچ کو اُجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ صبیح رحمانی کے بقول:

> ایک طرف تو ان کی نثری تحریروں نے ان کے تشخص اور تعارف کو توقیع اور توسیع بخشی ہے تو دوسری طرف شعری جہات نے ان کی ذہنی روش اور فکری رویوں کو پایۂ استقرار بخشا ہے۔ خصوصاً ان کی نعتیہ شاعری کی تب و تاب خاصی متاثرکن اور دلوں کو چھو لینے والی ہے جس میں علم اور شاعری ساتھ ساتھ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس خوش آئند رفاقت نے ان کے کلام میں توازن اور سلیقے کی شمعیں روشن کردی ہیں۔

اس وضاحت سے ہمارا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ پروفیسر رضا کے ہاں مضامین کا تنوع یا افکار کی صدرنگی انھیں نعت کے معاملے میں جادۂ حق سے بھٹکنے نہیں دیتی۔ انھوں نے نعت کے فکری زاویے امام احمد رضا سے لیے ہیں اور حضرت امام کے ہاں بھی شریعتِ مصطفٰے ﷺ احتسابِ فکر وفن کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اسی حزم و احتیاط سے پروفیسر رضا بھی مداحی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آگے بڑھتے اور مضامین کے تنوع اور وسعت کے باوجود لمحہ بھر کو بھٹکنے نہیں پاتے۔

کوئی ہے ماہ کوئی آفتاب کی صورت
نہیں ہے کوئی رسالت مآب کی صورت
چمک رہے ہیں ستارے جہاں میں حکمت کے
نبی ہر دو جہاں کے خطاب کی صورت
ملتی ہے آنسوؤں کو ستاروں کی آب و تاب
اے شوقِ بے کراں سرِ مژگاں مچل کے آ
اے رحمتِ تمام! زمانہ ہے منتظر
اک بحرِ بے کنار کی صورت اُچھل کے آ

☆

اہلِ دول کی مدح کو لاؤں کہاں سے وقت　　　صبح و مسا جو محوِ درود و سلام ہوں
خوش بوئے حسنِ نعت سے دل عطر بیز ہے　　　یادِ شہِ حجاز سے جو ہم کلام ہوں

☆

میرے اعمال ہیں گو لایقِ تعزیر مگر　　　میں جہنم میں چلوں آپ کو منظور نہیں

☆

بہتر ہے ساتھ مایۂ عشقِ رسول ہو　　　راہی تو جب ارادۂ ملکِ عدم کرے
مجھ کو پناہ مل گئی شہرِ حضور میں　　　اب اپنی نارسائی کا ماتم الم کرے

طویل بحروں کے پہلو بہ پہلو مختصر اور چھوٹی بحروں کا اپنا ہی حسن ہوتا ہے۔ تھوڑے لفظوں میں بڑی بات کر جانا بھی شاعرانہ کمال ہے۔ اساتذۂ فن کے ہاں بھی دیکھیے چھوٹی بحریں الگ سے اپنا شعری جمال بکھیرتی نظر آتی ہیں جیسے امام احمد رضا خاں کی یہ نعت:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جنابِ رضا نے بھی بہت سی چھوٹی بحر والی نعتیں تخلیق کی ہیں اور بعض مقامات پر تو وہ کمال کی فنی بلندی اور عشقِ حضور کی ہمہ رنگی دکھاتے ہیں۔ الفاظ مختصر مگر مضمون کہیں سے کہیں پہنچا ہوا۔ مثال کے طور پر:

میسر یہ سعادت ہو رہی ہے　　　رقم آقا کی مدحت ہو رہی ہے
خطا پوشی کا جاری سلسلہ ہے　　　نبی کی ہم پہ رحمت ہو رہی ہے
جو ساعت زندگی کی آخری ہو　　　نظر آقا کے روضے پر گی ہو

☆

ذکرِ احمد ہر گھڑی ہر آن ہونا چاہیے　　　اپنی بخشش کا یہی سامان ہونا چاہیے

☆

قبر میں آپ آئیں تو میں یوں کہوں　　　مجھ کو حسرت تھی بس اس ملاقات کی

☆

یارسول اللہ پکارا کیجیے　　　ان کی رحمت کا نظارا کیجیے
شرک ٹھہرائیں جو تعظیمِ نبی　　　اے رضاؔ ان سے کنارا کیجیے

☆

دامنِ حسنِ طلب پھیلایئے مثلِ بوصیری ملے گا مدعا

نبیٔ رحمت ﷺ کے سراپائے اقدس رقم کرنے کی روایت مدت سے چلی آرہی ہے۔ امام احمد رضا اور محسن کاکوروی نے سراپا نگاری کے حوالے سے جمالِ فن ہی نہیں بلکہ کمالِ فکر کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ ہر ایک کی فکرِ عاجز ان بلندیوں کو نہیں چھوسکتی مگر عشق و عقیدت کا جذبہ تو یکساں ہوتا ہے۔ گلشنِ فطرت کو دیکھنے کی طلب تو ہر دل میں مچلتی ہے اور پھر وہ محمد رسول اللہ ﷺ نور علیٰ نور، نور سراپا نور، وقار بشریت اور اعزازِ نورانیت کا ایک ہی پیکرِ رعنائی میں اجتماع، کون اس سراپائے اقدس کو تصورات کی زینت بنانا نہ چاہے گا؟ اور پھر خدا خود جس کے حسن و جمال کو قرآنِ مجید کے متنِ نور میں سمو دے، کون اس کے جلووں سے دل کے خلوت کدے کو ضوبار کرنے کا آرزومند نہ ہوگا۔ جامیؔ و قدسیؔ کا قلم ہر ایک کو نصیب کہاں۔ بوصیری، احمد رضا اور محسنِ کاکوروی کی ندرتِ فن ہر ایک کے مقدر میں کہاں؟ مگر اپنی بساط کے مطابق کون مدحت نگار ہوگا جو آپ کے ایمان آفریں سراپا سے گلزارِ مدحت کو مہک بار کرنے کا اہتمام نہ کرے گا جناب رضا نے بھی ۱۷۵ اشعار پر مشتمل سراپا لکھا جس کا مطالعہ دلوں کو گدازِ شوق اور وجودِ عشق سے آشنا کرتا ہے۔ اس کا ہر شعر قرآن کی آیات اور احادیثِ نبوی سے عبارت ہے اس طویل ''سراپا'' سے چند اشعار نقل کرنے کے بجائے ہم اس کی تشبیب کے چند اشعار رقم کرتے ہیں:

ہے فزوں تر عقل سے جب حسنِ والا آپ کا
میں بھلا لکھوں گا پھر کیسے سراپا آپ کا

نعت لکھنے کا ارادہ جب کیا تو مجھ تلک
قاصدِ رحمت سلامِ لطف لایا آپ کا

پھر ہوا ضوبار میرے مطلع وجدان پر
پیکرِ انوار یا نوری صحیفہ آپ کا

یک بیک کھلنے لگے اسرارِ حسنِ مصطفےٰ
ڈھل گیا اشعار میں پُرنور حلیہ آپ کا

خامۂ بے جان کو تحریر کی لذت ملی
ہوگیا پیشِ نظر ذکرِ رفعنا آپ کا

کوئے طیبہ سے نسیم جاں فزا آنے لگی
نامِ نامی میرے ہونٹوں پر جو آیا آپ کا

گیسوئے عنبر فشاں سے آپ کے پاؤں تلک
عضو ہے ہر اک حسیں اور مہکا مہکا آپ کا

اور جب آپ حضور ﷺ نور آفریں سراپا رقم کر چکتے ہیں تو آخر میں ان کا اندازِ طلب دیدنی ہے۔

نور کی سوغات والے مجھ کو بھی کوئی کرن
کیوں رہے ظلمات میں سائل بھٹکتا آپ کا

اے رضا اعزاز ہے یہ بھی شہِ کونین کا
لکھ رہا ہے مجھ سا عاجز بھی قصیدہ آپ کا

نعت ہو یا نعت گو شاعر ایک ہی داستانِ مدحت و توصیف کا حصہ ہیں۔ بات چل نکلے تو رُکنے کا نام کب لیتی ہے۔ مگر اس نے کہیں تو رُکنا ہوتا ہے۔ جنابِ رضا کی سیکڑوں نعتیں وطنِ عزیز کے رسائل و جرائد میں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تو "نعت رنگ" کا فیضان ہے کہ جس نے کراچی (سندھ) اور پنجاب کے درمیانی فاصلوں کو سمیٹ دیا ہے۔ فروغِ نعت کے حوالے سے اس عظیم مجلّہ نے اِدھر یا اُدھر کا فرق مٹا دیا ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا سے کراچی یا لاہور کہیں کے قارئین کبھی اجنبی نہیں رہے۔ آپ اردو اور پنجابی میں یکساں روانی سے نعت کہتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں میں آپ سے سلسلۂ تلمذ رکھنے والے بہت سی شعرا نعت کے میدان میں اپنی پہچان بنا چکے ہیں۔ یہ بھی فروغِ نعت کے حوالے سے جنابِ رضا کی خدمات کی ایک کڑی ہے۔ ضرورت فقط اس امر کی ہے کہ جنابِ رضا کے نعتیہ مجموعے جلد از جلد اُفقِ نعت پر طلوع ہوں اور پھر یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے کو نہ آئے۔ دوسری کتب کی اشاعت اپنی جگہ، مگر یہ پہلو بطورِ خاص فوری توجہ کا متقاضی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعت گوئی کا سلسلہ بیالیس برسوں پر محیط ہے۔ راقم آپ سے دیرینہ تعلقِ خاطر رکھنے والے بہت کچھ لکھنے کے باوجود بھی وہ کچھ نہیں لکھ سکا جو پروفیسر صاحب کے شایانِ شان ہوتا مگر نعت کے کوچے میں کسی فردِ واحد کی شان کوئی معنی نہیں رکھتی بلکہ حقیقی قدر و منزلت اور شان تو اس کی ہے:

جس شان توں شاناں سب بنیاں

میں بصد خلوص اس تحریرِ نعت کا اختتام حضرت اقبال کے اس شعر پر کرنا چاہوں گا:

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالہ

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی۔ بھارت

امان خاںؔ دل کی نعتیہ شاعری میں تخلیقی تمازت

نیویارک میں مقیم امان خاں دِل ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔
امان خاں دِل تنوع پسند شاعر ہیں۔
امان خاں دِل کے راہ وارِقلم کی جولانیاں شعر وسخن کے میدان میں زوروں پر ہیں۔
امان خاں دِل نے نعت گوئی میں بھی انفرادیت برقرار رکھی ہے بلکہ اِس صنف کو وسعت اور رفعت عطا کی ہے۔
امان خاں دِل کا ادبی لہجہ نغمۂ لاہوتی ہے جو اپنے عہد میں عقیدت کا خراج لیتا ہوا حاصلِ زمانہ ہے۔
امان خاں دِل کی نعت میں غزل کا گمان گزرتا ہے۔
امان خاں دِل کی نعت کا انداز عجز کے آداب سکھاتا ہے اور قلبی واردات کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ نعت کا آغاز قرآن کریم سے ہوا ہے اور خود خدا نے نبیِ کریم ﷺ کو لائقِ ستائش سمجھا ہے۔ قرآن کی بہت سی آیات میں ذکر ہے۔ رحمتِ عالم، اخلاقِ حسنہ، بلندیِ درجات اور مومنین کو درود وسلام کی تلقین سے نعت کی امتیازی وصف وکیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوطالب سے عربی شاعری میں نعت کا آغاز ہوتا ہے۔ لیکن باضابطہ یا باقاعدہ ابتدا حضرت حسانؓ بن ثابت سے مانی جاتی ہے۔ فارسی میں سعدی، قدسی، عرفی، نظیری، خاقانی اور خسرو وغیرہ نعت گوئی میں سرفہرست ہیں۔ اردو میں کلاسیکی شعرا اِس صنف کو مرغوب جانتے رہے۔ بعد میں جدید شعرا نے اور آج اکیسویں صدی میں مابعد جدید شعرا نے بھی اسے فن کی بلندیوں تک پہنچایا ہے۔

امان خاں دِل کا مجموعہ ”صاحبِ لولاک“ اِس لحاظ سے منفرد ہے کہ تمام نعتیں غالب کی

زمین میں کہی گئی ہیں۔ غالب کی باسٹھ زمینوں میں غزل کے فارم میں سات اور آٹھ اشعار کی نعتیں ہیں۔

غالب کے عقاید جو بھی رہے ہوں لیکن ان کا فرد اس جبریت کے دور میں تشکیل پاتا ہے جہاں افسردگی، یاس اور محرومی ہے۔ غالب جیسے مردِ آزاد نے اس مایوسی اور تاریکی کے زمانے میں ان حوصلوں سے کبھی ہاتھ نہیں چھڑایا جو زندگی کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن غالب وہ لازوال مہ خورشید جمال ہیں جس کی روشنی سے آج بھی ادب اور ادیب مستفید ہو رہے ہیں۔ انھوں نے اردو شاعری کو جذبہ اور احساس کے ساتھ ذہن اور شعور کی دولت بھی بخشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری ہر صاحبِ دل و دماغ کو زندگی کا حقیقی شعور مہیا کرتی ہے۔

امان خاں دِل نے نعت میں یہ نیا پہلو نکالا ہے کہ غالب کے مصرعے کو لازوال کردیا ہے۔ بالغ نظری اور بلیغ انداز سے، ساتھ ہی والہانہ پن سے انھوں نے فکر و شعور کی شمعیں روشن کی ہیں۔ ان میں گہرائی اور گیرائی ہے۔ امان خاں دِل جیسی نعت کہنے والے عنقا ہیں۔ انھوں نے اپنے لہجے کو غالب کے لہجے سے ملا کر ثنا کی آبیاری خونِ جگر سے کی ہے۔ خود سپردگی کی منزل سے ہم کنار ہو کر محبتِ رسول ﷺ کے قلزمِ نور میں غوطہ زن ہونے کا ہنر انھیں آتا ہے اور راہِ تمنا پر چلنے کے لیے حضور ﷺ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک قول کو سرمایۂ عمل بنانے کا گر جانتے ہیں:

آپ سے گہری محبت جزوِ ایماں ہے مگر
شوق ہے اُمت کو پھر بھی دولت و جاگیر کا

خاص انعامِ خداوند ہے بندے کے لیے
عشقِ سرکارِ دوعالم کا عطا ہو جانا

آپ کی عدالت کا حسنِ عدل تو دیکھو
بد کو دی سزا لیکن نیک نے صلہ پایا

مہر و الفت نیک خصلت درگزر کا حوصلہ
مومنوں کو ہے یہی پیغامِ پیغمبر کھلا

جو نبی سے انس رکھتا، جو نہ راہ سے بھٹکتا
تو جہاں میں یوں نہ مومن سرِ عام خوار ہوتا

سلام اس ذاتِ اقدس پر، درود اس جانِ رحمت پر
کہ جس نے ہر نفس سوچا ہے امت کی بھلائی کا

صلح پر غیر کو مائل کرنا
آپ کا طرزِ ہنر یاد آیا

بجھ گئے ایک ایک کر کے ظلمتوں کے سب چراغ
جب رسولِ پاک کی شمعیں فروزاں ہوگئیں

دِل یہ خدا کا حکم ہے ان پہ درود بھیجیے
حکمِ خدائے پاک کے کوئی خلاف جائے کیوں

پوچھا جو ہم سے غیر نے کیا ہے نبی کی پیروی
نقشِ قدم پہ آپ کے چل کے دکھا دیا کہ یوں

سبق صبر و تحمل کا جو سکھلایا محمد نے
عمل پیرا جو ہوں اِس پر تو پھر آنسو رواں کیوں ہو

دی ہے ہم کو خبر محمد نے بت کی کیا اصل ہے خدا کیا ہے
اپنے ہر کام میں ہو سامنے اُسوہ اُن کا اُن کی سیرت کا یہ اندازِ مثال اچھا ہے

آج اسلام دشمن عناصر عالمی سطح پر قرآن کی بے حرمتی کر رہے ہیں اور حضورؐ کی نکتہ چینی میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر بھی مسلمانوں کا اور ایمان والوں کا خون جوش نہیں کھاتا ہے۔ ایسے بے حس لوگوں کو امان خاں دِل جھنجھوڑتے ہیں:

نبی کی شان میں گستاخیوں پہ خاموشی؟ بہے نہ آپ کی خاطر تو پھر لہو کیا ہے

مغلوبیت اور شکست مسلمانوں کا مقدر نہیں ہے کہ یہ عین اسلام کے خلاف ہے۔ اللہ پرستوں اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے دشمنوں کا غلبہ خدا کی طرف سے استدراج ہے اور غلبہ حقیقت میں ان کی ذلّت وخواری کا پیش خیمہ ہے۔ اس کی سمجھ آجائے تو سرخ رُوئی یقینی ہے:

رہا ہر آن وہ بدبخت ٹھوکر میں زمانے کی خطا جس نے بھی کی ہے سرورِ دیں کو بھلانے کی
خدا کا خوف ہو دِل میں نبی سے سچی الفت ہو گناہوں سے بھی صورت ہو ذرا دامن بچانے کی

امان خاں دِل نے حضورؐ کے بہت وسیع اوصاف کی روشنی میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو تمازت بخشی ہے۔ ان کی فکر اور فلسفہ کا دائرہ حضرت محمدؐ کے گرد اِس طرح گھومتا ہے کہ وہ مادّی اور روحانی قوتوں کا ملا جلا پیکر بن کر سامنے آتے ہیں اور بہ یک وقت دنیاوی اور دینی نجات دہندہ کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ آپؐ ساری دنیا اور تمام قوموں کی رہ نمائی اور ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ عالمی الٰہیات کے اس مصلح اور مجدد سے امان خاں دِل نے اپنی نعتوں میں روشنی حاصل کی ہے اور نور کی بارش سے وہ شرابور ہیں۔ حقیقی منزل کا سراغ پانے کے لیے وہ محبوبِؐ خدا کی ذاتِ والا صفات اور اس کی محبوبیت اور مرجعیت کی تمام تر رعنائیوں سے بہرہ یاب ہوئے ہیں۔ اسی لیے بہ حیثیت شاعر یہ دعوا کرنے میں حق بہ جانب ہیں کہ:

شعر کہنے کا فائدہ کیا دِل نعت گوئی اگر نہیں آتی

حضرتِ دِل والہانہ پن کی منزلوں کو چھوتے ہوئے اپنے وجود کو حضورؐ کی محبت میں فنا کرکے بے خودی اور سرشاری کے احساس سے گزرتے ہیں اور رسولؐ شناسی کی رفعتوں سے آشنا کرتے ہیں۔ دنیائے من وتو کی جاودانی فضا ''صاحبِ لولاک'' کے ہر شعر میں نور آفریں ہے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی۔ بھاگل پور/ بھارت

افتخار اجمل شاہین اور عقیدت کا سفر

پروفیسر افتخار اجمل شاہین ناقد ہیں اور شاعر بھی۔ شاعری میں غزل ان کی پسندیدہ صنف ہے لیکن انھوں نے نعت بھی کہی ہے اور ان کی نعتوں کا مجموعہ منظرِ عام پر آگیا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے دین کی اساس احادیثِ رسول ﷺ ہیں۔ اس طرح نبیِ کریم ﷺ کی اہمیت و انفرادیت جداگانہ ہے جن سے ذہنی وابستگی رکھنے والوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ اُردو میں شاید ہی ایسا شاعر ہو جس نے محمد ﷺ کی توانائی کا اعتراف نہ کیا ہو اور اس عظیم شخصیت کے سرچشمۂ اقدار سے روشنی حاصل نہ کی ہو۔

افتخار اجمل شاہین نے اتباعِ رسول ﷺ کو ایمان کا جزو بنا لینے کی تلقین کی ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت قبول کرنے کی ہدایت قرآن میں بھی ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں ہے کہ ''اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔'' سورۃ النسا میں بھی ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔ سورۃ الاعراف میں ہے کہ پیغمبرِ اُمی ﷺ کی پیروی اختیار کرو۔ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی حمایت اور نصرت کرو۔ اور اس روشنی کی پیروی اختیار کرو جو ان کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ سورۃ الحدید میں ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اللہ تمھیں اپنی رحمت کا دہرا حصہ عطا فرمائے گا، اور تمھیں وہ نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمھارے قصور معاف کرے گا۔

افتخار اجمل شاہین نے قرآن کی آیتوں کو اپنے اندر جذب کیا ہے اس کے بعد اشعار کہے ہیں:

ہے خدا کا جو، محمد کا بھی ہے　　　　با محمد با خدا ہے جانتے ہیں

☆

ہے رب اگر جلیل تو آقا جمیل ہیں — جلوہ انھیں کا دیکھیے شمس و قمر میں ہے

☆

محبوبِ خدا کی ہے محبت جسے حاصل — ڈرتا نہیں اللہ کا بندہ وہ اجل سے

☆

محمد پر ہوا نازل جو دستورِ خداوندی — وہی ارفع وہی اعلیٰ مجھے منشور لگتا ہے
دعائیں میں نے مانگی تھیں جو احمد کے وسیلے سے — رضائے حق سے ساری ہوگئیں منظور، لگتا ہے

☆

ہیں خدا کے بعد سب سے محترم — ہے یہی سو بات کی بس ایک بات

سورۃ التحریم میں ہے کہ اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کردے۔ اور یہ ہم جانتے ہیں کہ نورِ مجسم حضرت محمد ﷺ تھے۔ اِفتخار اجمل شاہین نے فکری توازن اور فن کارانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے مندرجہ آیت کو شعری قالب عطا کرنے میں مہارت کا ثبوت دیا ہے:

انھیں سے ملی روشنی اس جہاں کو — محمد ہی شمس و قمر بن کے آئے

☆

محمد مصطفیٰ آئے تو روشن ہوگئی دنیا — اندھیرا جب بڑھا حد سے تو مہرِ ضوفگن آیا

☆

ان کے ہی نور سے ہوا معمور یہ جہاں — ہے روشنی تمام رسالت مآب کی

☆

آپ سے روشن ہے بزمِ کائنات — ہے عبارت نور سے آقا کی ذات

☆

رحمت خدا کی ہوگی یقیناً تمھارے ساتھ — دل میں بسا کے دیکھو تو اُلفت حضور کی

سورۂ فاطر میں ہے کہ "اے نبی ﷺ، جو کتاب ہم نے تمھاری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے وہی حق ہے۔ تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے اُن کتابوں کو جو اس سے پہلے آئی تھیں، اسی لیے افتخار اجمل شاہین اس کے ارفع و اعلیٰ ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

دستور اس سے ارفع و اعلیٰ نہیں کوئی
ہے احتیاج سب کو خدا کی کتاب کی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لانے کے بعد اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ ہر موقع پر ہر جگہ اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ سائے کی طرح رہتے۔ آپ کے کارنامے بے شمار ہیں۔ شاید اسی لیے حضور ﷺ کی رحلت کے بعد تمام صحابہؓ نے متفقہ طور پر آپؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ ان کے رتبۂ خاص پر افتخار اجمل شاہین نے یوں روشنی ڈالی ہے:

رتبۂ صدیقِ اکبر دیکھنا احمدِ مرسل کے یارِ غار ہیں

☆

اس صحبتِ عالی کا اثر دیکھیے شاہین صدیقؓ محمد کی ہیں سیرت کا نمونہ

☆

خلافت کے ستون اوّلیں صدیق اکبر ہیں محمد مصطفےٰ کے جانشیں صدیق اکبر ہیں

ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد ۲۳ رجمادی الثانی ۱۳ھ (۶۳۴ء) تو تمام صحابہ اور مسلمانوں نے بغیر کسی اختلاف کے حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولِ مقبول ﷺ کے زمانۂ حیات ہی سے تمام صحابۂ کرام میں حضرت عمر فاروقؓ کو غیر معمولی عزت اور عظمت حاصل تھی۔ سب ہی آپ کا احترام کرتے تھے اور آپ کے تقدس، تدبر اور ہوش مندی کے قائل تھے۔ حضرت عمرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کو نہایت عزیز تھے۔ روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

جس شخص نے عمرؓ سے بغض رکھا اس نے ایک طرح سے مجھ سے بغض رکھا۔
اور جس نے عمرؓ سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی صفات پر اور ان کی عظمت پر افتخار اجمل شاہین کے اشعار دیکھیے:

عمرؓ جیسا عادل عطا کر گئے وہ وہ بے مثل انصاف ور بن کے آئے

☆

یہ مرتبہ بھی اے شاہین انھیں سے ملتا ہے عمرؓ بنے تو کوئی بو ترابؓ ہو جائے

☆

فاروقؓ تھے مطلوب دعا اپنے نبی کے وہ پیکرِ جرأت و جسارت کا نمونہ

شجاعت کے پیکر تھے حضرت عمرؓ
مرادِ پیمبر تھے حضرت عمرؓ

عمر فاروقؓ نے رحلت سے قبل ۶ ر مقتدر حضرات کی ایک مجلسِ شوریٰ قائم کی تھی اور مجلس کے ارکان کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے تین دن کے اندر اندر ارکانِ مجلس ان چھ میں سے جسے بھی موزوں سمجھیں مسلمانوں کے لیے خلیفہ منتخب کرلیں۔ ان ۶ ر مقتدر حضرات کے نام حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہؓ، زبیرؓ بن العوام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد تمام ارکانِ مجلس سوائے حضرت طلحہؓ کے جو مدینہ سے باہر تھے، حضرت عائشہ کے مکان میں جمع ہوئے اور نئے خلیفہ کے انتخاب کے مسئلے پر غور ہونا شروع ہوا۔ اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ ''میری رائے میں خلیفہ کا انتخاب کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جن چھ آدمیوں کے نام خلافت کے لیے تجویز کیے ہیں ان میں سے جو حضرات خلافت کے حق سے دست بردار ہوجائیں ان ہی کو نئے خلیفہ کے انتخاب کا حق دے دیا جائے۔ اور وہی امیدوارانِ خلافت میں سے جسے افضل اور بہتر سمجھیں مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کردیں۔'' لیکن کوئی بھی دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف خود دست بردار ہوگئے اور بہت غور و خوض اور اہل الرائے سے مشورے کے بعد انھوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ارکانِ مجلس کی موجودگی میں حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ منتخب کیے جانے کا اعلان کیا۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی برہان کہا جاتا ہے۔

افتخار اجمل شاہین کے اشعار اس طرح ہیں:

ہے جہاں بھر سے نرالی شان عثمانِ غنیؓ
ہیں رسول اللہ کی برہان عثمانِ غنیؓ

آپ ذوالنورین بھی ہیں جامع القرآن بھی
آپ کی کیا بات ہے کیا شان عثمانِ غنیؓ

تھا اثاثہ وقف سارا خدمتِ دیں کے لیے
یہ بھی تھی اک آپ کی پہچان عثمانِ غنیؓ

اور یہ شعر:

عثمانؓ و علیؓ کو جو محبت تھی نبی سے
دکھلائے کوئی ایسی محبت کا نمونہ

عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا تاج علی کرم اللہ وجہہ کے حصے میں آیا۔ آپؓ کا کردار بے حد بلند تھا اور آپ کا عہدِ حکومت عوام کے لیے نعمت تھا۔

ان سے متعلق افتخار اجمل شاہین کے اشعار دیکھیے:

آپ سا تربیت یافتہ کون تھا
آپ کی تربیت کرنے والے نبی

آپ کو خاص نسبت محمد سے ہے
اس حقیقت سے واقف ہے ہر آدمی

عقد میں فاطمہؓ کو نبی ﷺ نے دیا — آپ کو سرفرازی یہ حاصل ہوئی
خوف کھاتے عدو آپ کے نام سے — آپ ایسے ہی تھے اک مجاہد جری

منقبت کے اشعار سے بھی افتخار اجمل شاہین نے حضورِ انور ﷺ کے نورِ اقدس کے اخلاق، صفات اور سیرتِ کاملہ کو بھرپور انداز سے بیان کیا ہے۔ ان کے شاعرانہ کمال، مشاقیِ سخن اور پاکیزہ افکار و خیال کا اندازہ تمام جزئیات سے لگایا جاسکتا ہے۔ شاہین نے عشقِ رسول ﷺ کو محسوساتی عمل سے بھی واضح کیا ہے اور نعتِ رسول میں صوفیانہ مسلک کی واضح نشان دہی بھی کی ہے۔ وہ نبیِ پاک ﷺ کو جملہ مسائلِ حیات کا حل اور ان کے دینِ مبین کو آخرت کی کامیابی گردانتے ہیں:

تھا اخوت کا پیامی رحمت للعالمین — اس لیے ہم سب کا پیارا ہے محمد مصطفیٰ

☆

ہوا سب پہ ان کا کرم عام شاہیں — وہ دنیا میں خیر البشر بن کے آئے

☆

نہ آتا تھا ہنر کوئی تھے عاری فکر و فن سے ہم — ہوئے ہر فن میں یکتا، جب وہ شاہِ فکر و فن آیا

☆

کیوں رہبری کے واسطے ڈھونڈیں کسی کو ہم — وہ آخری نبی وہی سب کا امام ہے
شاہین لازمی ہے محمد کی پیروی — اِسلام پیرویِ محمد کا نام ہے

نعت گوئی تلوار کی دھار سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے کا نام ہے۔

افتخار اجمل شاہین نے قادر الکلامی کا ثبوت دیتے ہوئے عشقِ رسول کو محسوساتی عمل سے بھی واضح کیا ہے۔ یہ دو اشعار دیکھیے:

مشرقی بنگال میں ہے گرم بازارِ ستم — ظالموں نے سر اُبھارا ہے محمد مصطفیٰ

کرتے ہی نہیں پیروی احمد مرسل
کرتے ہیں مگر شان سے میلاد کے جلسے

افتخار اجمل شاہین مقامِ رسالت سے پوری طرح باخبر ہیں اسی لیے دربارِ رسالت میں ان کی عاجزی لایقِ تحسین ہے۔

☆

عزیز احسن۔ اسلام آباد

نظر لکھنوی ـــــ ایک گمنام، قادر الکلام نعت گو

اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے ذکر کو بلندی بخشی تو عالمِ آب و گِل میں جس ذی نفس نے بھی آپ ﷺ کا محبت، خلوص اور ایمانی حرارت سے مملو تذکرہ کیا اس کو بھی دوام بخش دیا۔

نعت گوئی کا مقدس عمل بھی ایسا ہی عمل ہے کہ جس کسی نے بھی مبداءِ فیاض سے طبعِ موزوں پائی اور اپنی فکر کو مطہر کر کے بارگاہِ نبوی ﷺ میں فنِ سخن کا نذرانہ پیش کرنے کی پُر خلوص کوشش کی، شہرت و نام وری نے اس کے قدم چومے، چاہے وہ خود گم نام رہنے کی کتنی ہی تدابیر کیوں نہ اختیار کرلے۔

محمد عبدالحمید صدیقی نظر لکھنوی نے ۳رجولائی ۱۹۲۷ء کو لکھنؤ موضع چھبٹ میں آنکھ کھولی اور ۳رجولائی ۱۹۹۳ء کو اسلام آباد میں راہیِ ملک بقا ہوئے۔ اپنے ترکے میں چند نعتیہ بیاضیں چھوڑیں جنھیں ان کے اکلوتے فرزند محمد احسن صدیقی نے حرزِ جاں بنالیا۔

نظر لکھنوی مرحوم کو قدرت نے جس فیاضی سے سخن گوئی کی استعداد عطا کی تھی، شہرت و نام وری کی طرف سے اُسی قدر بے نیازی اُن کی طبیعت کا خاصہ ٹھہری، چناں چہ مشاعرہ بازی اور طباعتِ کلام کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اُنھوں نے عزلت گزینی کو ترجیح دی۔ نتیجتاً وہ اس دارِفانی سے گم نام ہی رخصت ہوئے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

اشعار میں مرے ہے باطل کی بُو نہیں   عشقِ بتانِ دہر کی بھی ہاؤ ہُو نہیں
اسپِ سخن ہے میرا بقیدِ زمامِ دیں   دادِ سخن کی مجھ کو نظر آرزو نہیں

محمد احسن صدیقی (خلف الرشید نظر لکھنوی) کا بیان ہے کہ ان کے والد ''روایت پسند تھے اور شاعری کے دبستانِ لکھنؤ کے لیے ایک خاص تحفظ رکھتے تھے۔ دبستانِ لکھنؤ پر کی گئی تنقید

پڑھتے ضرور تھے لیکن تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ حسنِ شعری کے وہ سارے ظاہرہ لوازم جو لکھنؤ دبستان کی پہچان ہیں، شاعری کی مقصدیت کے ساتھ برتے جاسکتے ہیں۔

نظر لکھنوی کی قائم کردہ شعری فضا پر بلاشبہ لکھنوی دبستانِ سخن کی روایت کا پرتو ہے۔ اُنھوں نے محسن کاکوری کے تتبع میں نشاطیہ شعری مزاج کو مقصدیت سے ہم آہنگ کرنے کی کام یاب کوشش کی ہے۔ محسن کاکوروی نے لکھنوی شاعری کی صنعت گری اور ٹھٹھول بازی کو نعتیہ مضامین کی اعلیٰ مقصدیت سے ہم کنار کیا تھا اور سخن گوئی کی تمام تر صلاحیتیں مدحِ سیدالکونین ﷺ کے لیے وقف کردی تھیں اور اس طرح وہ منفرد لہجے میں نعت کہنے میں کام یاب ہوئے تھے۔ نظر لکھنوی نے بھی مدحتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور قادرالکلامی، ردیف و قوافی کی ندرت، فن کی تازہ کاری، لفظیاتی مرصع سازی اور فکری طہارت کے جواہر سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی نذر کیے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ شعری بُنت پر بھرپور توجہ صرف کرنے کے باوجود متنِ سخن کو کہیں بھی درجۂ استناد سے کم نہیں ہونے دیا ہے۔

نظر لکھنوی کا شعری عمل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ قصیدہ نگاری کی طرف مائل ہوتے تو اس صنفِ سخن میں امتیازی حیثیت حاصل کرسکتے تھے، لیکن ان کے شعری ارژنگ میں قصیدے کا کوئی مرقع نہیں۔ یہاں تو نعتیہ غزلوں کے نقش و نگار اپنی چھب دکھلا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے قلم کو سپردِ سیلِ طبع رواں کردیا تھا۔ قصیدے کی فنی ضرورت کے لیے تشبیب کی مصنوعی فضا پیدا کرنا، شاعرانہ غزا ظاہر کرنا اور گریز کی گرانی کے مرحلوں سے گزرنا نظر لکھنوی کی طبعی عجزِ ہُنر کے منافی تھا اس لیے اُنھوں نے قصیدے کا کبھی قصد نہیں کیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روایت پسند اور قادرالکلام ہونے کے باوجود قصیدے کو نظر لکھنوی نے فرسودہ صنفِ سخن گردانا ہو! یہ الگ بات کہ قصیدہ نگاری کے ہیئتی نمونے ان کی شاعری میں نہ ہونے کے باوجود ان کی نعتیہ غزلوں میں شکوہِ لفظی اور نشاطیہ لہجے کی گونج ویسی ہی ہے جیسے قصیدے کا طرۂ امتیاز ہے۔ لکھنوی دبستانِ سخن کی پاس داری ان کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ وہ قوافی برتنے اور ردیف چمکانے کا ہُنر جانتے ہیں۔ حبِ رسول ﷺ کے جذبۂ صادقہ نے ان کے لہجے کو ادب سے ہم کنار کیا ہے: ’’عشق بن یہ ادب نہیں آتا‘‘ (میر) اور فنی اخلاص نے ان کے کلام کو سنوارا ہے۔

نظر لکھنوی نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کی اور ملٹری اکاؤنٹس راول پنڈی میں تعینات ہوئے اور بیشتر وقت یہیں گزرا، علاوہ ازیں اپنی عمرِ عزیز کے آخری دس برس اسلام آباد

میں بسر کیے، اس شہر کی فضا الحمدللہ نعتیہ شاعری کے لیے بڑی سازگار ہے، کیوں کہ یہاں ''محفلِ نعت'' کے نام سے ایک بزم باقاعدگی سے ہر ماہ نعتیہ مشاعرے منعقد کراتی ہے اور الحمدللہ اس عمل کے استمرار کو بلاتعطل سولہ سال ہوگئے ہیں۔ لیکن اس بزم کے اربابِ بست و کشاد جناب عرش ہاشمی اور جناب سبطین شاہ جہانی بھی نظر لکھنوی مرحوم کو دریافت نہیں کر سکے۔ علاوہ ازیں حال ہی میں علامہ قمر رعینی نے ''تذکرۂ نعت گویانِ راول پنڈی۔ اسلام آباد'' مرتب فرمایا ہے، یہ تذکرہ بھی نظر لکھنوی کے ذکر سے خالی ہے۔ راقم الحروف کو خود بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ مرحوم سے شرفِ نیاز حاصل نہیں کر سکا حالاں کہ میں ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۲ء تک اسلام آباد ہی میں تھا اور جناب محمد احسن صدیقی سے ارادت مندی کا شرف بھی مجھے حاصل تھا۔ بہرحال نظر لکھنوی مرحوم کی شہرت بیزاری نے انھیں متعارف نہیں ہونے دیا اور اب (بقول غالب: ''شہرتِ شعرم بگیتی بعد من خواہش شدن'') ان کے کلام کی شہرت ان شاء اللہ نعت کی دنیا میں ہوگی۔

الحمدللہ اب راقم الحروف کی تحریک پر جناب محمد احسن صدیقی اپنے والدِ گرامی کا نعتیہ کلام مرتب کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ مجموعہ بہت جلد منصۂ شہود پر آجائے گا۔

نظر لکھنوی کی نعتوں میں حضورِ اکرم ﷺ کا حسنِ صوری بھی منعکس ہے اور حسنِ سیرت بھی، ختمِ نبوت کے مضامین بھی ضوبار ہیں اور عظمتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جھلکیوں سے بھی یہ نعتیں مملو ہیں۔ حضور ﷺ کے پیغام کا تحرک اور دعوتِ عمل کا راست جذبہ بھی ان نعتوں میں لمعہ ریز ہے اور حاضری کی تمنا بھی اشعار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ملتی ہے۔ اہم بات یہ کہ نعتوں میں شعری محاسن سمونے کے باوجود شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ عجزِ ہنر کے مضامین زیادہ ہیں جو اس بات کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ شاعر اپنی شعری دانش کے اظہار کو اپنے فن کے حوالے سے کوئی کارنامہ نہیں سمجھتا، اور یقیناً یہی راہِ صواب ہے، اخلاص کا تقاضا بھی یہی ہے۔

''نعت رنگ'' کے اگلے صفحات، اسی گم نام قادر الکلام شاعر کی نعتیہ شاعری کے نمونوں سے مزین ہیں۔ اُمید ہے کہ اشاعتِ کلام کی یہ اوّلین کوشش نظر لکھنوی کے مقام کا نقطۂ آغاز ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ

هرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (حافظ شیرازی)

عزیز احسن

زباں پر ہے مری، نعتِ پیمبر
اُٹھی موجِ مسرت دل کے اندر

ثنا خواں جس کا ہو خلاقِ اکبر
ثنا اُس کی بشر سے ہو تو کیوں کر

زمیں پر ہے نہ کوئی آسماں پر
کہیں ان کا مقابل ہے نہ ہم سر

خدا کی ذاتِ بے ہمتا کا مظہر
صفاتِ رب کا مجموعہ سراسر

زہے صورت کہ ہے بے حد منور
وہ بُوئے زلف رشکِ مشک و عنبر

وہ دندانِ مبارک مثلِ گوہر
وہ ان کے عارضِ رنگیں گلِ تر

سرِ مژگاں وہ جیسے تیر و نشتر
وہ ابروئے خمیدہ مثلِ خنجر

منور وہ، مقدس وہ، وہ انور
مطہر وہ ہے، طاہر وہ، وہ اطہر

ہے احمد وہ، محمد وہ، وہ دل بر
ہے وہ بندہ خدا کا بندہ پرور

وہ ہادی، وہ ہی مہدی، وہ ہی رہبر
وہ فاتح، وہ دلاور، وہ مظفر

گہر ہائے حقیقت کا شناور
علومِ معرفت کا وہ سمندر

رسائی اس کی ہے عرشِ بریں پر
شبِ اسرا نے دکھلایا یہ منظر

گروہِ انبیا کا وہ ہے افسر
وہ مہتابِ درخشاں سب میں اختر

نبی آئے یہاں بہتر سے بہتر
نہیں کوئی مگر ان کے برابر

ہیں چار اصحاب یہ: ہر دم کے یاور
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ

جہانِ چار سو میں جلوہ گستر
انھیں سے روشنی ہے دل کے اندر

متاعِ زندگی پر ان کی ٹھوکر
وہ مستغنی وہ ہے دل کا تونگر

غذا نانِ جویں ان کی تھی اکثر
کھجوروں کی چٹائی ان کا بستر

جو ان کا ہوگیا چمکا مقدر
جو رُو گرداں ہوا کافر ستم گر

وہ کام آئے سرِ میدانِ محشر
پلائے اُمتی کو جامِ کوثر

کتاب ان کی حقایق کا سمندر
بتاتی ہے ہمیں معروف و منکر

شریعت آپ کی شمعِ منور
دکھاتی ہے ہمیں ہر راہ بہتر

وہ آئے جب کہ اس باغِ جہاں میں
چمن تھا یہ خزاں آغوش و ابتر

خدا کے گھر میں تھی پوجا بتوں کی
حرم تھا بت کدہ اللہ اکبر

قدم کے رنجہ فرماتے ہی، ایک اک
کلی چٹکی، مہک اُٹھا گلِ تر

بچھا سبزہ قدم بوسی کو ان کی مؤدب ہوگئے سرو و صنوبر
طیورِ نغمہ خواں سب چہچہائے ترانے گائے مل کر روح پرور
بڑھی رونق جو صحنِ گلستاں کی چلی بادِ بہاری مسکرا کر
سدھارا حالِ بد اہلِ چمن کا چمن والوں کی خاطر کھائے پتھر
دریدہ پیرہن تھی آدمیت کھلے انساں پہ سب انساں کے جوہر
جھکا تھا سر جو پیشِ لات و عزیٰ جھکایا اس کو پیشِ ربِّ برتر
غرض انسان کو جینا سکھایا کہ جن کی زندگی پہلے تھی دوبھر
نظرؔ سے نعت یہ سُن کر سبھی نے
کہا صد آفریں پڑھیے مکرر

☆☆☆

نعتِ حبیبِ پاک کا مجھ کو مذاق ہے مجھ پر بھی فضلِ خالقِ نیلی رواق ہے
محبوبِ کبریا ہے امام الرسل ہے وہ کیا عز و جاہ و منزلت و طمطراق ہے
وہ صادق الحدیث، ملقب بہ الامیں دشمن بھی متفق ہیں عجب اتفاق ہے
وہ مصحفِ عظیم کہ اترا ہے آپ پر اس میں شفاءِ دل ہے علاجِ نفاق ہے
تخلیقِ کائنات کا وہ نقشِ اوّلیں دنیائے رنگ و بُو کا سیاق و سباق ہے
اعجازِ یک اشارۂ انگشت دیکھنا ماہِ مُنیر پر عملِ انشقاق ہے
خلوت سرائے عرش میں یک شب وہ باریاب روح الامیں کے ساتھ سوارِ براق ہے
کلمہ نہ اس نبی کا پڑھیں جو کہ عمر بھر یومِ حساب ان کی سزا احتراق ہے
اس کی طرف سے آئے ذرا سوءِ ظن اگر ایماں کی لذتوں سے یہ ایماں فراق ہے
در طاقِ دل نہیں ہے کتابِ ہدیٰ تری اُمت نے رکھ دیا اسے بالائے طاق ہے
صوم و صلوٰۃ ہے نہ ادائے زکوٰۃ و حج ہر ایک چیز اب دلِ اُمت پہ شاق ہے
جیسے کہ اس کو یاد نہیں دارِ آخرت دنیائے دوں سے عشق بحدِّ مراق ہے
دیدار روضۂ نبوی کی سحر ہو اب اب تو سوادِ ہجر مرے دل پہ شاق ہے
لکھ لکھ کہ نعت سب کو سناتا رہا نظرؔ
تیرے حضور پڑھنے کا اب اشتیاق ہے

☆☆☆

جمال و رعب و جلال دیکھیں، سخن بلاغت نظام دیکھیں
شہِ ہدیٰ کا نہیں ہے ثانی، پھریں زمانہ تمام دیکھیں
ہے ختم کارِ نبوت ان پر، رسالت ان پر تمام دیکھیں
ہر ایک پہلو سے ہے مکمل ہزار پہلو یہ کام دیکھیں
ملاءِ اعلیٰ کا یہ وظیفہ بہ حکم ربِ انام دیکھیں
درود پڑھنا نبی پہ ہر دم، نہ صبح دیکھیں نہ شام دیکھیں
مزارِ اقدس پہ زائروں کا خروش اور ازدحام دیکھیں
یہ پڑھ رہا ہے درود ان پر، وہ پڑھ رہا ہے سلام دیکھیں
بروزِ محشر، بہ حوضِ کوثر وہ ساقیِ خوش خرام دیکھیں
چلے ہیں پیاسے اسی کی جانب عطا ہو کس کس کو جام دیکھیں
حبیبِ رب ہے لقب انھیں کا، مقامِ محمود ہے انھیں کا
نہیں ہے اونچا مقام اس سے کہ اس سے اونچا مقام دیکھیں
ہر ایک قصے کو نسبت ان سے، تمام باتوں کے وہ مخاطب
کلامِ ربی بنامِ قرآں، اُٹھا کے تا اختتام دیکھیں
حسیں سراپا نقوش و جاذب، خدنگ ابر و نگاہ دل کش
جو دیکھ لیں ایک بار ان کو، نہ پھر وہ ماہِ تمام دیکھیں
وہ مردِ آہن وہ مردِ غازی، وہ میرِ لشکر بہر مغازی
مصافِ حق میں وہ تیغِ براں، بدستِ خیرالانام دیکھیں
خزانۂ لازوال قرآں ملا بدست نبی، نظر جو
بھرا ہے حکمت کے موتیوں سے خواص ڈھونڈیں عوام، دیکھیں

☆☆☆

پڑھتے ہیں ثنا آپ کی کرتے ہیں رقم بھی
سرکارِ مدینہ کے غلاموں میں ہیں ہم بھی
اف حسنِ سراپاے نبی رشکِ قمر ہے
ہے اپنی مثال آپ خوشا حسنِ شیم بھی
اب بھی نہ یقیں آئے جسے ہے وہ نگوں بخت
کھائی ہے رسالت پہ مرے رب نے قسم بھی
اُڑتا ہے خداوند کی توحید کا پرچم
ساتھ اس کے ہے پرّاں شہِ والا کا علم بھی

ہے خاک نشیں یوں تو مگر عرش رسا ہے
مسکیں ہے مگر صاحبِ صد جاہ و حشم بھی
کہنا تو بڑی بات ہے دل چاہیے پتھر
ہم کر نہ سکیں حال وہ طائف کا رقم بھی
چھلنی ہے کلیجا شہِ دیں کا دمِ ہجرت
چھُوٹا حرمِ پاک ہے، احباب کا غم بھی
اسلام کی تبلیغ میں کیا کچھ نہیں گزرا
طعنے بھی سنے اس نے سہے جور و ستم بھی
آتے ہیں شہِ دیں کی مجالس میں سبھی لوگ
خوش بخت پہنچتے ہیں یہاں سبز قدم بھی
ہر طالبِ حق کے لیے دونوں ہیں ضروری
فرمانِ عزیز آپ کا اور نقشِ قدم بھی
کر پیرویِ اسوۂ محبوبِ خدا یوں
قرآن کے سایہ میں چلے تیغ دو دم بھی

عاصی ہے نظرؔ، اس پہ شفاعت کا کرم ہو
تو شافعِ محشر بھی ہے تو شاہِ امم بھی

☆☆☆

کر سکے توصیفِ آقا کس میں یہ تاب و تواں
ہے یہ سب کارِ ثنا خوانی فقط تسکینِ جاں
میں رہوں تا عمر تیرے ہی لیے رطب اللساں
زمزمہ سنجی کروں جب تک کہ ہے منھ میں زباں
برگزیدہ، مجتبیٰ، اے تاج دارِ انس و جاں
لختِ قلبِ آمنہ اے حاصلِ کون و مکاں
مرکزِ پر کار ہستی باعثِ کون و مکاں
اے محمد، اے شہِ لولاک، اے روحِ رواں
آپ کے قدموں کے نیچے ہے فرازِ آسماں
رتبۂ خیر البشر، انگشتِ حیرت در دہاں
تو نے بندوں کا ملایا از خدائے دوجہاں
کیا خبر کیا ہوتا گر، اک تو نہ ہوتا درمیاں
موجۂ بادِ صبا کی یہ تمام اٹکھیلیاں
طائرانِ خوش نوا کی جملہ نغمہ سنجیاں
نرگسِ شہلا کی چشمک بوے گل کی مستیاں
ہیں تجھی سے باغِ عالم کی یہ سب رنگینیاں
ذکرِ پاکِ مصطفیٰ صل علیٰ ہو جس جگہ
گوش بر آواز ہوکر گرد ہوں کروبیاں
پیکرِ رحمت بنایا تجھ کو بندوں کے لیے
رب ہوا جب اپنے بندوں پر نہایت مہرباں
شاہدِ عرشِ معلیٰ ہے شبِ معراج تو
اُس سفر کی اک نشانی ہے یہ گردِ کہکشاں
سایۂ دامانِ رحمت کا سکوں مجھ کو ملے
گرمیِ روزِ جزا اف الحفیظ و الاماں
جامِ کوثر تُو پلائے میں کہوں اک جام اور
ساقیا میں بھی تو ہوں من جملۂ تشنہ لباں
صدقۂ شانِ کرم روضے پہ بلوایا مجھے
ورنہ حیثیت ہے کیا میری، کہاں میں، وہ کہاں
قبلۂ اہلِ جہاں ہے ہاں وہی صحرا نشیں
ریگ زاروں کو بنایا جس نے رشکِ گلستاں

اے امیرِ کارواں ڈالیں نگاہِ التفات　　بے جگہ ٹھیرا ہوا ہے کارواں کا کارواں

جام وحدت کا پیے بیٹھا ہے کب سے یہ نظر
ڈال ساقی اک نگہ و چند کر سرمستیاں

☆☆☆

انسان سے کیا کام بھلا ہو نہیں سکتا　　بس حقِ ثنا ہے کہ ادا ہو نہیں سکتا
قامت ہے وہ شہ پارۂ فنِ یدِ قدرت　　یعنی کہ حسیں اس سے سوا ہو نہیں سکتا
سیرت ہے وہ آئینۂ قرآنِ مقدس　　کہنا مجھے کم اس سے روا ہو نہیں سکتا
وہ بندۂ محبوبِ خدا، صاحبِ اسرا　　عظمت میں کوئی اس سے بڑا ہونہیں ہوسکتا
مشکِ ختن و مشکِ خطا خوب ہے لیکن　　بوئے تنِ سیمیں سے سوا ہو نہیں سکتا
ان کے دُرِ دندانِ مبارک سے یقیناً　　دُرِّ عدنی بیش بہا ہو نہیں سکتا
تاریخ کے اوراق سے ثابت ہے کہ ان سا　　مرد افگنِ میدانِ وغا ہو نہیں سکتا
مستغنیِ ہر شے وہ شہِ فقر و غنا ہے　　اس پر اثرِ حرص و ہوا ہو نہیں سکتا
انگلی کے اشارے سے ہے دو نیم قمر اُف　　ابرو کا اشارہ ہو تو کیا ہو نہیں سکتا
اللہ نے اس ذات پہ کی ختم نبوت　　اب آئے نبی کوئی نیا! ہو نہیں سکتا
اُمت کے گنہ گاروں سے ناراض تو ہوگا　　منھ پھیر لے، اتنا بھی خفا ہو نہیں سکتا
پڑھیے جو درود اس پہ شب و روز بہردم　　حق اس کا ادا پھر بھی ذرا ہو نہیں سکتا
ہے بخششِ اُمت کا طلب گار خدا سے　　کیسے میں کہوں اس کا کہا ہو نہیں سکتا

وہ کیا مری نظروں میں ہے کیا پوچھ رہے ہو
سب کچھ ہے، نظر، ایک خدا ہو نہیں سکتا

☆☆☆

دستِ پرشوق میں ہے رقص کناں مُوئے قلم　　نعتِ خوش کن کوئی لکھ شاعرِ نبیِ خاتم
وہ ہے محبوبِ خداوندِ جہاں اے ہم دم　　ضو فشاں عرشِ معلیٰ پہ ہے اس کا پرچم
چمنِ دہر میں لوٹیں ہیں بہاریں اُس دم　　آیا جس دم سے کہ وہ صلِ علیٰ پاک قدم
کعبۃ اللہ کو کیا از سرِ نو بیتِ حرم　　بت کے بندوں نے بنایا تھا جسے بیتِ صنم
ذکرِ پاک آپ کا لاریب ہے اندوہ رُبا　　نام نامی سے مٹے تلخیِ پیمانۂ غم

ختم ہے سلسلۂ وحی و نبوت اس پر
دینِ پائندہ و کامل ہے شریعت محکم

اس پہ نازل جو ہوئی ہے وہ کتابِ روشن
معدنِ علم ہے گنجینۂ اسرار و حِکم

وسعتِ ظرف و فتوت کا کریں اندازہ
خندہ روئی سے سہے قوم کے سب جور و ستم

چوں کہ تھا بہرہ ورِ خُلق خداوندِ جہاں
وہ دعا گو ہی رہا در صلۂ سب و شتم

بہرہ ور ہیں خمِ وحدت سے بقدرِ ہمت
بادہ نوشانِ عرب بادہ گسارانِ عجم

رخنہ اندازی و تخریب سے محفوظ ہوا
قصرِ دیں آپ نے اس درجہ کیا مستحکم

چھوڑ کر اس کو کہاں جائیں گے اور کیوں جائیں
کوئے طیبہ ہے عشاقِ نبی کوئے اِرم

میری جانب بھی نظر اک سرِ محشر آقا
تاکہ اس بندۂ عاصی کا بھی رہ جائے بھرم

☆☆☆

مدحت سرا ہوں تا خلشِ غم ہو جاں سے دُور
توصیف ان کی یوں تو ہے حدِ بیاں سے دُور

یہ خاک سار، یوں ہے ترے آستاں سے دُور
پیاسی زمیں ہے جیسے کہ ابرِ رواں سے دُور

وہ جلوہ گاہِ ناز ہو چاہے جہاں سے دُور
ہرگز نہیں مگر نگہِ عاشقاں سے دُور

اس بزمِ خاک داں سے پرے آسماں سے دُور
اک شب گئے حضور زمان و مکاں سے دُور

آنکھوں سے دُور ہو تو ہے اک سوءِ اتفاق
ہونا کہیں نہ تم مرے دل کے جہاں سے دُور

پیشِ حضور کیسے کروں عرضِ داستاں
ہر کیفِ داستاں ہے مری داستاں سے دُور

اُمت ہوئی ہے دُور عبادت کے ذوق سے
صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ و اذاں سے دُور

مستِ شرابِ عیش و طرب ہو کے رہ گیا
خوفِ خدا تو اب ہے دلِ مسلماں سے دُور

ایماں کی شاہ رگ ہے رگِ دل سے اب جدا
سرخیِ حیا کی ہے نگہِ گل رخاں سے دُور

گم گشتہ راہ ہو کے رہے اہلِ کارواں
خود میرِ کارواں کہ رہے کارواں سے دُور

رنگِ چمن پلٹ نہ سکا دل نہ کھل سکا
موسم خزاں کا ہو نہ سکا گلستاں سے دُور

محشر میں بھول جائیں وہ تجھ کو، غلط غلط
یہ بات ہے نظر، شہِ رحمت نشاں سے دُور

☆☆☆

نگاہِ لطفِ رب میری طرف ہے　　نبی کی نعت سے مجھ کو شغف ہے
زمیں ہو یا فلک یا عرش و کرسی　　ضیائے ماہِ بطحا ہر طرف ہے
رسائے عرشِ اعظم ہے وہی اک　　اسی محبوبِ حق کا یہ شرف ہے
نہ ہو جس دل میں حبِ شاہِ بطحا　　گلِ بے نم ہے پتھر ہے خذف ہے
ہے دنیا تنگ اب مسلم پہ شاہا　　ستم ہائے زمانہ کا ہدف ہے
متاعِ گوہرِ ایماں ہے غائب　　اب اس کا دل بلا گوہر صدف ہے
نہیں ذوقِ عبادت اس کے دل میں　　مذاقِ لہو و رقص و چنگ و دف ہے
ہوا محروم خود حسنِ عمل سے　　وہ بس اب داستاں گوئے سلف ہے
بجوفِ طاقِ نسیاں رکھ دیا ہے　　نہیں قرآں سے تیرے اب شغف ہے
نہیں کچھ اکتسابِ فیض اس سے　　اگر کچھ ہے تو بس کارِ حلف ہے
مسافر ہے مگر بے سمتِ منزل　　رواں مثلِ خدنگِ بے ہدف ہے
ہے افسانہ، مسلماں کی فتوت　　جو تھا خنجر بکف، ساغر بکف ہے

نظر! اعجاز یہ ذکرِ نبی کا
غم و اندوہِ دل سب برطرف ہے

تذکرے

جب خدا کو کسی کی

ہلاکت

منظور ہوتی ہے تو سب سے پہلے

خود پسندی

اُسے برباد کرتی ہے۔

(حدیث نبوی ﷺ)

افروز عالم۔ کویت

کویت میں اردو نعت

(مختصر جائزہ)

نعت گوئی درحقیقت اظہارِ عقیدت ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکت اور اُن کی حیاتِ مبارکہ کے سبب یہ اردو زبان کی بلند بختی ہے کہ اس میں نعت کا بہت بڑا سرمایہ محفوظ ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ اس سرمائے میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہاہے۔ سرزمینِ پاک و ہند سے باہر جہاں جہاں اردو زبان لکھنے پڑھنے والے موجود ہیں وہاں وہاں مسلسل نعت لکھی جا رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً یہ نعتیہ کلام مجلد ہوکر ادبی، علمی و مذہبی حلقوں تک پہنچتا رہتا ہے۔ بہت ہی اچھی بات یہ ہے کہ اکثر و بیش تر شعرائے کرام کی نعت سے وابستگی، دیگر اصنافِ ادب کی نسبت حد درجہ مضبوط و پائندہ ہے۔ کویت میں بھی نعت گوئی کا سلسلہ عقیدت و احترام کے ساتھ جاری ہے۔ مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

کویت میں موجود محققین کے مطابق کویت میں ۱۹۵۳ء سے اردو شاعری کے آثار ملتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کویت میں برصغیر سے آنے والے لوگوں کی تعداد میں خاطرخواہ اضافہ ہوتا رہا۔ ظاہر ہے یہ تعداد مختلف پیشوں سے وابستہ افراد کی تھی جس نے حصولِ رزق کی خاطر یہاں کا سفر کیا۔ ان آنے والوں میں علم و ادب سے گہری دل چسپی رکھنے والے بھی شامل تھے۔ اس طرح کویت میں بھی تخلیق وتنقید اور نشر و اشاعت کے سلسلے چل نکلے۔ نعتیہ مشاعروں کی روایت کی ابتدا ہوئی اور نعتیہ مجموعے بھی منظرِعام پر آنے لگے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے نہایت خوشی ہورہی ہے کہ مختلف نظریات اور ذاتی اختلاف کے باوجود نعت گوئی کے حوالے سے ایک دوسرے کے لیے احترام وتحسین کو مقدم سمجھا گیا۔

محمد کمال اظہر : ’حرفِ عقیدت‘ کا نام سے اشاعت ہونے والا نعتیہ مجموعہ کو سرزمینِ کویت

میں اوّلیت کا اعجاز حاصل ہے۔ 'حرفِ عقیدت' کو مقامی مذہبی، ادبی اور سماجی حلقوں میں نہایت تپاک کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ 'حرفِ عقیدت' کے شاعر جناب کمال اظہر اردو کے ادبی منظرنامے پر مقبول و معروف ہیں۔ آپ دنیا بھر کے عالمی مشاعروں میں کویت کی نمایندگی کر چکے ہیں۔ ادبی رسائل میں ان کا کلام اشاعت ہوتا رہتا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں 'حرفِ عقیدت' کے بعد دوسرا نعتیہ مجموعہ 'مدینہ مدینہ' ۲۰۰۴ء میں نظرنواز ہوا۔ محمد کمال اظہر کا جھکاؤ تصوف کی طرف رہتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو وسیلۂ نجات مانتے ہیں۔ آپ نعت میں حضور ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے سراپا عجز و انکسار ہوجاتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ شخصیت، مذہبی خاندان سے تعلق اور روحانی کیف سے سرشاری کی مثلث نے محمد کمال اظہر کی نعتیہ شاعری کو باکمال بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ دربارِ نبوت میں روحانی حاضری ان کی ہر وقت خواہش رہتی ہے اور کوشش بھی۔ آپ کویت کی دینی مجالس میں بہ کثرت شرکت کرتے ہیں۔ ترنم کے ساتھ پڑھتے ہوئے سامعین کو متوجہ رکھتے ہیں۔ آپ جامعۃ الکویت میں ذمہ دار عہدے پر فائز ہیں۔

'حرفِ عقیدت' اور 'مدینہ مدینہ' سے نمونۂ کلام پیش ہیں:

حرفِ عقیدت

نظارۂ عروسِ بہاراں کی دیر تھی
جلوے نے چار چاند لگائے بہار کو

عظمتِ انسان ہیں میرے حضورؐ
آدمی کی شان ہیں میرے حضورؐ

نورِ خدا ہے جلوہ فگن کائنات پر
جلوے نے آفتاب کیا خاکسار کو

سنتے ہیں ذوق و شوق سے ہم ذکرِ مصطفیٰؐ
ہے بات بس وہی جو محمدؐ کی بات ہے

مدینہ مدینہ

قرآن نے کی ہے مدح سرائی حضورؐ کی
قرآن میں لکھی ہے بڑائی حضورؐ کی

دیکھی تھی جس نے ایک جھلک ہوگیا فدا
صورت خدا نے ایسی بنائی حضورؐ کی

انؐ کی معراج سے کھلا ہم پر
پھیل جاتے ہیں دو قدم کتنے

دین و دنیا کی مل گئی دولت
مجھ پہ مولا کے ہیں کرم کتنے

اور کوئی بھی راز دار نہیں
واقفِ کن فکاں محمدؐ ہیں

محمد اقبال سندھو: کویت میں اردو نعت کے حوالے سے نمایاں، شہرت یافتہ، شخصی و قلمی اعتبار سے محبت میں ڈوبے ہوئے انسان، اگرچہ دیگر منظوم اصناف میں بھی طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں، لیکن نعت ان کا اوّل و آخر تعارف ہے۔ بجاطور پر جناب محمد اقبال سندھو ملتانی اپنے اس حوالے پر فخر کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ 'ہوائے بطحا' شائع ہوا۔ کویت و بیرون کویت اس کتاب کو سراہا گیا۔ ۲۰۰۴ء میں 'قندِ فردوس' کے نام سے آپ کا دوسرا مجموعہ کتابی صورت میں نظرنواز ہوا۔ مترنم بحروں کی لہروں سے قارئین و سامعین کے جذبات میں ارتعاش پیدا کرنے کا ہنر موصوف کو خوب آتا ہے۔ خیال یا موضوع کو مصرعوں میں ڈھالتے وقت حدِ ادب سے تجاوز نہیں کرتے۔ زبان و بیان عقیدت و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ شانِ رسالت مآب میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے احترام پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ آپ اخلاص کے ساتھ نعت کہتے ہیں لیکن اس اپنائیت میں بے تکلف نہیں ہوئے۔ ذاتی طور پر ملنسار مزاج کے مالک ہیں۔ اپنی زندہ دلی اور شگفتہ کلامی کے باعث ہر محفل میں سرآنکھوں پر بٹھائے جاتے ہیں۔ یہاں کی اکثر دینی و ادبی مجالس میں نعت خوان حضرات اقبال سندھو کی نعتیں پڑھتے ہیں۔ آپ کا تعلق مدینۃ الاولیا (ملتان) سے ہے۔ قاری کی دلچسپی کے لیے نمونۂ کلام پیش ہے:

ہوائے بطحا

تخلیق جس کے دم سے ہوئی کائنات ہے
وہ صرف اور صرف محمدؐ کی ذات ہے
خالق نے بھیجے یوں تو کئی انبیا رسلؑ
اے کملی والے آپؐ کی کچھ اور بات ہے
اک گھونٹ سے ہی مری تو دنیا بدل گئی
عشقِ نبیؐ تو چشمۂ آبِ حیات ہے
بخشا عروج آپؐ کو ربّ العظیم نے
مثبت دلیل آپؐ کی اسریٰ کی رات ہے
اقبال ذکرِ سرورِ دیں ہے علاجِ غم

قندِ فردوس

بنتا جہاں نصیب ہے ہر خاص و عام کا
میں بھی فقیر ہوں اسی دارالسلام کا
مقصودِ کائنات ہے وہ در کہ جس جگہ
کھلتا ہے بابِ رحمت خیرالانام کا
اللہ کی عطا سے نہ کیوں دل مطمئن
صدقہ جو مل رہا ہے محمدؐ کے نام کا
جی چاہتا ہے تھام کے روضے کی جالیاں
گجرا کروں میں پیش درود و سلام کا
محبوبیت کی بات ہی کچھ اور ہے جناب

یہ ذکر معصیت سے بھی دیتا نجات ہے نبیوں میں کوئی بھی نہیں اُنؐ کے مقام کا

اصغر علی اعجاز: سلسلۂ چشتیہ سے تعلق رکھنے والے اصغر علی اعجاز عام طور سے چشتی صاحب کہہ کر یاد کیے جاتے ہیں۔ چشتی صاحب کئی اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کی اب تک پانچ کتابیں چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ان کی پہلی کتاب نعتیہ مجموعہ 'باغ عبدؐ' ہے۔ 'باغ عبدؐ' سمیت ان کی بیش تر کتابوں کے بابت متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔ معاملہ یوں ہے کہ لاکھ احتیاط کے باوجود اشاعتی کاموں میں کم یا زیادہ اغلاط کا رہ جانا بعید از مکان نہیں ہے۔ ایسے نقائص کی شکایت عام ہے اور لکھاری و قاری ان سے آگاہ بھی ہیں۔ گرچہ چشتی صاحب کی طرف سے کتاب کے آخر میں تصحیح نامہ کے طور پر اغلاط کی نشان دہی کردی گئی ہے۔ باوجود اس کے کئی صفحات پر سقم موجود ہے۔ چشتی صاحب کویت کی ادبی پروگراموں میں اپنا کلام سناتے ہوئے ہر مصرعے کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ اپنی نعتوں میں اکثر عربی کے الفاظ اور محاورات استعمال کرتے ہیں جو ان کے علمی مرتبے کا اظہار کرتے ہیں۔ اردو پنجابی کے علاوہ عربی پڑھنے اور بولنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ نعت گوئی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ ان کا نمونہ کلام پیشِ خدمت ہے:

رب کے حبیبؐ ہیں اور دل دار ہیں محمدؐ
سب انبیا کے افضل سردار ہیں محمدؐ

سنت حدیث دونوں اک ذات میں مجسم
گفتار ہیں محمدؐ کردار ہیں محمدؐ

آنکھیں تو موند ہی لیں 'هب لی' کی اک صدا ہے
اُمت کے واسطے ہی بیدار ہیں محمدؐ

ہر نقطہ ایک مرکز سے انطباق رکھے
توحید کی مثالی پرکار ہیں محمدؐ

اعجاز خلق و خلقت پرکار میں بے مثال ہیں وہ
گویا خدا کے ارفع شہکار ہیں محمدؐ

محمد مشتاق قادری: صوم و صلوٰۃ کے پابند، دینی و فلاحی امور میں سرگرمِ عمل، گفتار میں شیریں، کردار میں کھرے جناب محمد مشتاق قادری صاحب عرفِ عام میں ڈاکٹر صاحب کہہ کر یاد کیے جاتے ہیں۔ ذاتی طور پر نہایت فعال و متحرک، تنظیمی سطح پر مثال سے بڑھ کر مثالی

ہیں۔ عام طور پر مشاعروں کے لیے وقت نہیں نکال پاتے لیکن دینی مجالس اور ملی تقریبات کے انعقاد کے لیے دامے درمے سخنے ہر طرح سے ہمہ وقت حاضر رہتے ہیں۔ شاعری میں صرف اور صرف نعت کہتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کے قول و فعل کے عاشق اور بزرگانِ دین کے مداح ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ۲۰۰۳ء میں 'خواب مکرم کے' کے نام سے طبع ہوا۔ اس کتاب میں متبرک تصاویر کے ساتھ ساتھ انگریزی، پنجابی کا ذائقہ بھی شامل ہے۔ چند نعتیں خالص انگریزی قافیوں میں کہی گئی ہیں۔ محمد مشتاق قادری کی نعتوں میں سرورِ کونین کی صفات اور اسلامی مضامین و خیالات بھی ملتے ہیں۔ سادہ بیانی اور اپنایت کا احساس مصرع مصرع ہوتا ہے۔ اردو نعت گوئی میں انگریزی الفاظ بعض احباب کو پسند نہیں آئے، میں یہاں اس موضوع پر بحث کرنا نہیں چاہتا، بہتر ہے اس پر کوئی ناقد بحث کرے۔ میرے نزدیک تو قادری صاحب کا نعت کے ساتھ دل و جان وابستہ ہونا ہی کافی ہے۔ چوں کہ اعمال کا دار و مدار بھی نیتوں پر بتایا گیا ہے، لہٰذا ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور نعت دونوں کا مداح ہوں، دونوں ہی سادگی اور اخلاص سے مزین ہیں۔ آپ کویت میں پاکستانی کمیونٹی کے مسائل حل کرانے کے معاملے میں خلوص نیت کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ یہاں ان کی موجودگی سے کمیونٹی کو حوصلہ ملتا ہے۔ ایک نعت 'خواب مکرم کے' سے پیش ہے:

تن من سجا ہے سجتے سجتے صلِ علیٰ ہی کہتے کہتے
تری ہی یاد میں کٹی ہے آقاؐ عمر میری یہ کٹتے کٹتے
ذی النورین عثمانؓ بنے ساتھ نبیؐ کے رہتے رہتے
حضرت علیؓ بھی بنے صحابی نوری چہرہ تکتے تکتے
سیرت، سرورِ عالمؐ کی ہے رہنما اب رستے رستے
آپ کی رحمت کے صدقے سے زخم بھرے گا بھرتے بھرتے
یثرب، بنا مدینہ بطحا طابہ طیبہ بنتے بنتے
در پہ ترے اُن گراہوں میں بھی ختیا گرتے گرتے
ملے گی ان شاء اللہ اس کو جزا بھی پڑھتے پڑھتے
جب مشتاق کی عمر ہے گزری حمد و ثنا ہی لکھتے لکھتے

مسرت جبیں زیبا: کویت میں اردو شاعری کا نہایت معتبر نام، مقدار و معیار دونوں حوالوں سے اپنی مثال آپ ہیں۔ نصف درجن سے زاید شعری مجموعہ آپ کی تخلیق ہیں۔ جن میں ۲۰۰۴ء

میں 'درِ خدانما' کے نام سے چھپنے والا نعتیہ مجموعہ بھی شامل ہے۔ گمان گزرتا ہے کہ خلیج میں یہ اعجاز صرف مسرت جبیں زیبا کے حصے میں آیا ہے، ان کے سوا کسی شاعرہ نے ابھی تک یہ سعادت نہیں پائی۔ نظم اور نثر دونوں میں یکساں رواں قلم رکھتی ہیں۔ شاعری کے علاوہ تنقیدی و تحقیقی مضامین بھی باقاعدگی سے لکھتی ہیں۔ ان دنوں کویت سے شائع ہونے والا اخبار 'کویت ٹائمز' میں 'کویت میں اردو' کے حوالے سے تفصیلی جائزہ تحریر کر رہی ہیں، جو اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔ مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ زیبا صاحبہ کی شاعری میں ادق الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے۔ تاہم رموز شاعری پر دسترس کی وجہ سے یہ گراں نہیں گزرتے۔ کویت میں موجودہ کئی سینئر شاعر زیبا صاحبہ سے شعری اصلاح لینے کا اعتراف کر کے اپنا اور زیبا صاحبہ کا مقام بلند کرتے ہیں۔ نعت نگاری میں زیبا صاحبہ کا نام نامی اردو نعت گو شاعرات کی فہرست میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں گہرائی اور تاریخ اسلام سے آگاہی کی بنا پر اکثر واقعات کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں۔ آپ اپنے فن کے ساتھ مخلص ہیں، اپنا کام دل جمعی کے ساتھ کر رہی ہیں۔ نمونہ کلام پیش ہے:

ہے مقصود میرا وہ ذاتِ گرامی مقدس ہے جن کا بہت نام نامی
منور ہوا یہ جہاں اک جھلک سے کہ تشریف آئی ہے خیرالانامی
وہ ذکرِ شفا جس ہر ہم و غم میں دلوں کو ملی ہے سدا شاد کامی
نکل جائے گی ذہن سے پھر ہر اک شے رگ و پے میں آئی جو حُبّ دوامی
اشارے سے ان کے پلٹ آئے سورج وہ داعیِ حق رحمتوں کے پیامی
جسے لوگ کہتے ہیں معراج زیبا یہ ہے نیم شب آپؐ کی خوش خرامی

رشید میواتی: چہرے پہ شباب، لب پہ تبسم، دل میں خلوص و احترام۔ ڈسکہ کی سیاست میں سرگرم اور کویت کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ دار۔ پاکستان میں ہوں تو کویت کی سرگرمیوں سے باخبر کویت میں ہوں تو پاکستان کی سیاست و واقعات پر نگاہ۔ میواتی صاحب محبت کرنے والے آدمی ہیں۔ گفتگو، لباس اور برتاؤ میں سلیقہ اور اہتمام رکھتے ہیں۔ غزل کے دو مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں جس طرح ان سے مل کر طبیعت خوش ہوتی ہے بالکل اسی طرح ان کی کتابیں دل شاد کرتی ہیں۔ حبیبِ خدا حضرت محمد ﷺ سے محبت کرتے ہیں جس کا آئینہ دار حال ہی میں منظرِ عام پر آیا ہوا نعتوں کا مجموعہ 'عقیدتوں کی مہک' ہے۔ انتہائی سادہ بحریں استعمال کرتے ہیں۔ ذاتِ نبی ﷺ سے عقیدت و اخلاص ہر مصرعے میں نمایاں ہے۔ کہیں کہیں روحانی محسوسات بھی پائی

جاتی ہیں۔ 'عقیدتوں کی مہک' سے چند شعر پیش کرنا چاہوں گا:

انھیںؐ کے نور سے روشن ہے سینہ وہیؐ منبع ہیں ساری روشنی کا
انھی کے نام کی جپتا ہوں مالا یہ عالم ہے مری دیوانگی کا
اگر لکھتا نہ میں نعتِ محمدؐ کوئی مقصد نہیں تھا شاعری کا

بے خبر لوگوں کو کرکے باخبر سرکارؐ نے راہِ اُلفت میں بنایا، ہم سفر سرکارؐ نے
وقت کے چہرے پہ حیرانی کے بادل چھا گئے جب کیا لمحوں میں صدیوں کا سفر سرکارؐ نے
میں بھٹکتا پھر رہا تھا قریہ قریہ کو بہ کو منزلوں سے کر دیا ہے باخبر سرکارؐ نے

اس کے علاوہ کویت میں اور کئی شاعر ہیں جو تبرکاً نعت گوئی کرتے ہیں۔ اس میں کئی صاحبان صاحبِ تصنیف ہیں۔ قاری کے ذوقِ مطالعہ کے لیے کچھ اشعار درج کیے دیتا ہوں:

پھر مجھے شہرِ پیمبرؐ کی ہوا یاد آئے خوش بوؤں سے جو معطر ہے صبا یاد آئے
(نجم عکاشی)

چٹخ جاتی ہیں کلیاں بھی ستارے تھام لیتا ہوں ہوا لیتی ہے بوسے جب نبیؐ کا نام لیتا ہوں
(سعید روشن)

جب ملی معراج کے تحفے میں پنج وقتا نماز شکر کا سجدہ کیا، یا رحمت للعالمین
(ایوب کرجیکر)

آپ کی ذات، ذات اطہر ہے جس سے کون و مکاں معطر ہے
(سعید نظر کڑپوی)

مری نسبتیں ہیں رسولؐ سے مرے دل میں رسولؐ ہیں
انھیں نسبتوں کے جمال سے ملا عظمتوں کو دوام ہے
(افروز عالم)

میرے ہر درد کا مداوا آپؐ دھوپ دنیا میں، میرا سایہ آپؐ
(عابدہ کرامت)

خدا کی ذات واحد کے تصور پر یقیں آیا مؤدب ہوگئیں آنکھیں، جبیں کو بندگی آئی
(باقی احمد پوری)

تصور میں معنی کی دنیا بساؤ　　　　تخیل جہاں تک چلے لے کے جاؤ
محمدؐ کی تعریف ممکن نہیں ہے　　　　محمدؐ کی توصیف ممکن نہیں ہے

(عمر خطاب ارم)

ہم عاصیوں پہ آقاؐ یہ احساں ہے آپ کا　　　　جھکتے نہیں ہیں ہم کسی پتھر کے سامنے

(عنبر فتح پوری)

درج بالا صاحبان کے علاوہ بھی عین ممکن ہے کہ اور شعرائے کرام نے نعتیں کہی ہوں، ہوسکتا ہے کہ میری محدود نگاہ سے کوئی کتاب اوجھل رہ گئی ہو، اگر ایسا ہوا ہے تو اس امر کو میری بدنیتی نہ سمجھا جائے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں کوئی رہ نمائی کرسکیں تو میں ممنون ہوں گا۔

گوہر ملسیانی۔صادق آباد

تذکرہ نعت گویانِ بہاول پور

سابقہ ریاست بہاول پور درخشاں روایات رکھتی ہے۔ وادیٔ مہران کی حدود جوں ہی ریاست بہاول پور کی سرزمین سے بغل گیر ہوتی ہیں تو روحانی تجلیات کا احساس دامنِ دل کو اپنی گرفت میں لیتا دکھائی دیتا ہے۔ اسلامی فنِ تعمیر کی شاہ کار گنبد نما عمارتیں ہر اسٹیشن پر سر اٹھائے صدائے تکبیر بلند کرتی نظر آتی ہیں۔ آپ ریل گاڑی کے اندر بیٹھے جب سائیں سائیں کرتے کسی گزرتے اسٹیشن پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو اسلامی رنگ سے مزین بدلتے مناظر سوچوں کو منور ہی نہیں کرتے بلکہ عباسی دورِ حکومت کے اس سرمدی موسم میں لے جاتے ہیں جب یہاں کے سادہ لوح انسان ترکی ٹوپیاں پہنے اسلامی روایات کے امین ہوتے تھے۔ بہاول پور اس جمالیاتی رنگ و بو رکھنے والے خطہ کا مرکزی شہر ہے جہاں علم وفن کی شمعیں جلانے والی نابغۂ روزگار شخصیات اپنے قدوم میمنت سے اسے سرفراز کرتی رہیں۔ اس خطے میں چاروں طرف کہیں دریا کے کنارے تو کہیں روہی کے دامن پھیلائے ٹیلوں کے درمیان روحانی معلمین، پیشوا اور تصوف کی جوت جگانے والے بزرگ اپنی دنیا بسائے خلقِ خدا کو انوارِ لدنی اور تعلیماتِ محبوبِ رحمانی ﷺ سے فیض یاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان اللہ والوں کی قیادت و سیادت کو دل و جان سے تسلیم کرنے والے جہاں عام سیدھے سادھے لوگ ہیں وہاں مقتدرت شخصیات بھی ہیں جن میں اِس علاقے کے علاوہ افغانستان، ترکستان اور ایران کے تشنگانِ علم وفضل بھی ہیں جو یہاں کشاں کشاں آئے اور ان چشمہ ہائے فیوضِ روحانی سے سیراب ہوتے رہے۔

اس منور پس منظر کے حوالے سے غور وفکر کے چراغ جلائے جائیں تو حمد وثنائے خالقِ کائنات کے ساتھ ساتھ مدحتِ انسانیت ﷺ کے چمنستان کی جانب بھی نظر خود بخود اُٹھ جاتی ہے

کہ اس علاقے میں سلسلۂ رنگِ نعت ضرور اپنی بہار دکھاتا رہا ہوگا۔ میرے تجسس نے جب تحقیق کے محدود پر پھیلائے تو اساسی طور پر میری رسائی صرف دو کتابوں تک ہوسکی۔ ایک ''دبستان بہاول پور'' از ماجد قریشی ایم۔ اے اور دوسری ''بہاول پور میں اردو'' از مسعود حسن شہاب۔ مگر ان میں نعت کے حوالے سے کوئی خاطر خواہ لوازمہ میری تشنگی کو دور نہ کر سکا۔ صرف چند شعرائے کرام تخلیقِ پاکستان سے قبل تمنائے حضوری میں تڑپتے اور جمالِ سرورِ کونینﷺ سے قلب و نظر کو مستیر کرتے دکھائی دیے۔ البتہ جناب پروفیسر ڈاکٹر قاسم جلال نے بہاول پور کے چند شعرائے کرام کا نعتیہ کلام فراہم کر کے قلم اُٹھانے کا حوصلہ دیا۔

مدحتِ رحمت للعالمینﷺ ہر مومن کی زندگی کی متاعِ عزیز ہے بلکہ شافعِ محشر، ساقیِ کوثرﷺ سے عقیدت و محبت ایمان کا جزو ہے۔ مصحفِ ربانی تو خاص طور پر یٰسین و طٰہٰﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو محسنِ کائنات، پیغمبرِ آخر الزماںﷺ کی اتباع کرو۔ چناں چہ دنیا کا کوئی خطہ اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس میں مدحت کی بادِ بہاری محوِ خرام نہ ہو۔ مشرق و مغرب میں جہاں جہاں خالقِ ارض و سماوات کی کبریائی کی صدائے جانفزا گونجتی ہے اس کے ساتھ ساتھ عظمت و فضیلتِ آفتابِ نو بہار شافعِ یومِ قرارﷺ کا آوازہ بھی بلند ہوتا ہے۔ وہ گلستانِ سرسبز و شاداب ہوں، کوہسارِ پُر جمال ہوں یا صحرائے پُرشرار ہوں، ہر جگہ تذکارِ خیر الخلائقﷺ فردوسِ گوش اور اشتیاقِ قلب و نظر کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ضلع بہاول پور میں بھی ایک طویل عرصے سے شعر و سخن کے غنچے چٹکتے ملتے ہیں۔ شعرائے کرام جہاں گلشنِ غزل کو مہکاتے رہے وہاں صنفِ نعت کی آبیاری میں بھی اپنے فکر کی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ ان متقدمین شعرائے کرام کے ہاں گل ہائے نعت بے حد سوز و گداز اور عقیدت و محبت کی بوئے کیف زالیئے قاری کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ان مدحت نگاروں کا تذکرہ ماضی میں نعت کی روشنی پھیلاتی قندیلوں سے محفل سجانے کی سعی کر رہا ہوں۔

خواجہ غلام فریدؒ: ایک روحانی شخصیت، ایک ممتاز عالم دین اور ایک بے بدل شاعر، جنھوں نے سرائیکی زبان میں تصوف و معرفت اور عشق و محبت کے ایسے گل ہائے پُر افکار کھلائے کہ سرائیکی زبان ان پر ناز کرتی ہے۔ اردو میں بھی ان کا کلام ہجر و وصال، حسن و جمال، وارداتِ قلبی اور تشبیہات و استعارات کی رنگارنگ صنعتوں سے دمکتا اور مرقع نگاری کا حسین مظہر ہے۔ فلسفۂ وحدت الوجود خواجہ صاحب کی فکر کا بنیادی نقطہ ہے۔ عشقِ حقیقی ان کی رگ و پے میں

سرایت کیے ہوئے ہے۔ نقادانِ شعر نے ان کے عشق کو مجازی رنگ کا مرقع کہا ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے اگر ان کی غزل کے جستہ جستہ اشعار کے بجائے ان کی ساری غزل کو سامنے رکھا جائے تو یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ یہ عشق ذات مطلق سے ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں عشق کی ایک ایسی رو بہتی نظر آتی ہے جس میں ایک تڑپ اور ایک جستجو ہے پھر نادر تشبیہات شعر کی فنی رعنائی کو اس طرح تابانی عطا کرتی ہیں کہ قلب و نظر میں سماتی چلی جاتی ہیں۔ شانِ سرورِ کائنات ﷺ کا بیان اور عظمتِ عشق کی آنچ اس قدر فراواں ہے کہ ہر دل کو گرماتی جاتی ہے۔ دراصل خواجہ فرید عشق و مستی کے شاعر ہیں اور ان کی نعت میں یہ واردات قلب ان کی تمنائے دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی متاع بنتی ہے۔ سادہ مگر پُر عقیدت اسلوب ان کے نعتیہ کلام کا حسن ہے۔ یہ شعر دیکھیے: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کو اپنی زبان میں کس قدر دل پزیر انداز میں پیش کرتا ہے:

یہ قصہ مختصر ہے فرید اس کے وصف میں
بعد از خدا ہے تاجِ شہی میرے شاہ پر

عشق و محبت کے اظہار میں ان کے ہاں تلمیح کا استعمال بھی حسین اظہارِ عقیدت کا مظہر ہے۔ اس میں بھی تقابلی اسلوب میں ایک ایسا رنگ ہے جو شاعرانِ حقیقت کے ہاں عام پایا جاتا ہے۔ اس میں بھی عشق کا حقیقی حسن موجود ہوتا ہے خواجہ کے کلام میں بھی یہ صناعی موجود ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

زلیخا کی محبت سے ہمارا عشق ہے افزوں
اور اس کے یار کنعانی سے میرا یار بہتر ہے
مجھے تیری نگاہِ مست کی سوگند ہے جاناں
کہ عیسیٰؑ سے تمھاری چشم کا بیمار بہتر ہے

میر واجد علی زار: میر واجد علی زار بلگرام یو، پی ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ انیسویں صدی کے آخر میں بہاول پور میں آئے۔ محکمہ انہار میں ملازم ہوئے پھر بہاول پور کے صادق الاخبار کے ایڈیٹر اور مطبع صادق الانوار کے مہتمم بنے۔ ۱۹۲۹ء میں انتقال کیا۔ قادرالکلام شاعر تھے۔ شاعرانہ عظمت نے نواب صادق محمد خاں خامس کے دربار میں پہنچا دیا اور شاعرِ دربار کے منصب سے سرفراز ہوئے۔ نعت ان کی محبوب و مرغوب صنف تھی۔ زبان و بیان پر قدرت رکھتے تھے۔ ان کا نعتیہ کلام ''یادگارِ زار'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ حسنِ خیال اور سوز و گداز ان کی نعت کو جانفزا بناتا ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کی شان و عظمت میں مدحت سرائی ان کی زندگی کا

اثاثہ ہے۔ یہ دو اشعار دیکھیے:

کسی کی شان کب شانِ محمدؐ کے برابر ہو
کلامِ پاک میں جس کا ثنا خواں ربِّ اکبر ہو
شرف جس کو غلامی کا پیمبر کی، میسر ہو
جہاں میں ہم رتبہ نہ کسریٰ ہو نہ قیصر ہو

مولوی حفیظ الرحمٰن حفیظ: دبیر الملک مولوی عزیز الرحمٰن کے فرزندِ ارجمند ہیں جو اپنے دور کی علمی و ادبی شخصیت تھے۔ مولوی حفیظ والد کے دست راست تھے۔ تصنیف و تالیف اور ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ تخلیقِ پاکستان سے قبل بہاول پور میں شعر و سخن کی شمعیں جلاتے رہے۔ ماہ نامہ العزیز کے مدیر اور سلسلہ عزیزیہ کے اشاعتی پروگرام کے مہتمم تھے۔ ان کے کلام میں جوش و جذبہ، سادگی اور صفائی کی صفات موجود ہیں۔ نعت میں عشق رسول ﷺ کی آنچ دل کو گرماتی ہے۔ نعتیہ کلام کے دو اشعار پیش ہیں:

لے اُڑیں مدہوشیاں پھر سوئے ایوانِ حبیبؐ
خوبیِ قسمت نے کی امداد اور جاگے نصیب
روبرو تھا روضۂ اقدس کہ جب سنبھلا ذرا
جالیوں کے سامنے پڑھنے لگا صلِّ علیٰ

حکیم احمد علی سیف: پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل شعر و سخن کی محافل پُر وقار انداز میں منعقد ہوتی تھیں۔ حکیم احمد علی سیف ان محافل کے روحِ رواں تھے مگر جس شخصیت نے نعتِ سرورِ کائنات ﷺ کو خصوصاً اپنی زندگی کا اثاثہ بنایا وہ بھی حکیم احمد علی سیف تھے۔ دلدادگانِ نعت کی تخلیقی قوتوں کو جلا بخشنے کے لیے نعت نگار شعرائے کرام کو مہمیز کیا اور عقیدت کے پھول پیش کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا۔

ابتدائی وطن کلانور ضلع رہتک ہندوستان تھا۔ بصارت سے محروم تھے مگر بصیرت کی دولت سے مالا مال تھے۔ طبابت ذریعۂ معاش تھا اور یہی ذریعہ بہاول پور میں اقامت کا باعث بنا۔ یہی مطلب مرکزِ نعت بنا۔ شعر و سخن سے دلچسپی تو تھی ہی مگر مدحتِ خیر الوریٰ ﷺ ان کے جذبات و احساسات کا مصدر و منبع تھی۔ پھر ایک ایسا مرحلہ بھی آیا کہ آپ نے اپنے آپ کو نعت نگاری کے لیے وقف کر لیا۔ اسی زمانے میں نعت گو شعرائے کرام کا منتخب کلام ''بوستانِ نعت''

مرتب کر کے شائع کیا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہے:

قصرِ فردوس کے طلب گارو!
نعت کے بوستاں کی سیر کرو

اس مجموعہ نعت کے آغاز میں وجہِ تالیف بے حد وقیع انداز میں تحریر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

چوں کہ میری طبیعت میں نعت کا مذاق اوائل سے موجود ہے اس لیے میں نے چمن ہائے نعت کی مدتوں گل چینی کی ہے اور رفتہ رفتہ زیبا و دل کشا پھولوں کا ایک عظیم الشان خرمن فراہم کر لیا۔ پھر یہ خیال دامن گیر ہوا کہ بوقلوں گل ہائے عقیدت کی شمیمِ روح پرور سے اکیلے ہی لطف اندوز ہونا سراسر بخل ہے، بہتر یہ ہے کہ تمام ملتِ اسلامیہ کو اس سے بہرہ ور کیا جائے۔ چناں چہ خدائے مسبب الاسباب نے حاتم دوراں حضور صادق پنجم شہر یارِ بہاول پور کی طبعِ جواد کے ذریعے میری دلی آرزو پوری فرما دی، میں نے توفیقِ الٰہی سے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ لاجواب گل دستہ تیار کر دیا جو ''بوستانِ نعت'' کے نام سے موسوم ہو کر اس وقت شائقین کے پیشِ نظر ہے۔ (بہاول پور میں اردو، ص ۲۵۰)

حکیم سیف شاعری کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں اور خصوصاً نعت میں حدِّ ادب سے آگے نہیں بڑھتے۔ شوق کی فراوانی بھی انھیں دائرہ ادب میں رکھتی ہے۔ ایک نعت کے چند اشعار ان کی قادر الکلامی اور فنی ولسانی تقاضوں کے آئینہ دار ہیں:

آمد آمد سے ہے ان کی باغِ امکاں باغ باغ
بن گیا ہے موردِ الطافِ یزداں باغ باغ

شاخِ گلبن نے کیا ہے اہتمامِ فرشِ گل
اور نسیمِ صبح دم ہے عطر افشاں باغ باغ

با ادب استادہ ہے سروِ مسی تعظیم کو
چشمِ نرگس وا ہے بہرِ دیدِ سلطاں باغ باغ

رحمت للعالمینؐ آتے ہیں پھر کیوں کر نہ ہوں
حور و غلمان و ملائک جن و انساں باغ باغ

طلعتِ خورشیدِ حق سے ہیں عدو جل کر کباب
رویتِ ماہ عرب سے اہلِ ایماں باغ باغ

اس گلِ باغِ رسالتؐ کی شمیمِ فیض سے
دینِ بیضا کا ہُوا پژمردہ بستاں باغ باغ

دیکھ کر فخرِ مسیحا کا جہاں میں فیضِ عام
ہو رہا ہے ہر مریضِ دردِ عصیاں باغ باغ

حکیم احمد علی سیف نے ۷۲ سال کی عمر پائی اور ۹ رجون ۱۹۷۳ء کو وفات پائی۔

عبدالحمید ارشد: عبدالحمید ارشد گجرات (پنجاب) سے بسلسلہ ملازمت ۱۹۳۳ء میں بہاول پور آئے۔ محکمہ انہار میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ نثر و نظم دونوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے۔ نظم ان کے جذبات و احساسات کی آئینہ دار ہے۔ کئی شعری مجموعے شائع کیے۔ ادب میں نئی اقدار ان کے زاویۂ نگاہ کا مرکز تھیں۔ ان کی نعت میں روایت کی پاسداری ہے۔ سرورِ کونین ﷺ کے حسن و جمال اور اسوۂ حسنہ کو اپنی نظم کا موضوع بنایا۔ خاص طور پر قطعات میں ان کی مدحت کا رنگ حسین و جمیل ہے۔ انھوں نے نعت میں معراج کا تذکرہ بھی دل کش اسلوب میں بیان کیا ہے۔ خیر البشر ﷺ کی فضیلت اور عقیدت و محبت کی تابانیاں بھی ارشد کی نعت کو پُر ضیا بناتی ہیں:

حسنِ معراجِ محبت ہے یہ معراج کی رات　　　میرے آقاؐ کی فضیلت ہے یہ معراج کی رات
کوئی ثانی نہیں اے رحمت عالمؐ تیرا　　　جلوۂ مرکزِ رحمت ہے یہ معراج کی رات
ایک انسان نے پایا ہے یہ رُتبہ ارشد　　　باعثِ حسنِ بصیرت ہے یہ معراج کی رات

رسول اکرم ﷺ کے اخلاقِ دل پزیر کی عظمت کا اظہار تو خود قسام ازل نے کتابِ مبیں میں فرمایا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم۔ یہی عظمتِ انسانیت کا بھی مظہر ہے۔ اس کائنات میں اخلاقی اقدار ہی ایوانِ آدمیت کو رعنائیاں عطا کرتی ہیں۔ ارشد نے بھی مدحت کو انوارِ جلیلہ سے مزین کیا ہے۔ جس میں مکی اور مدنی دور کی پُر جمال ادائیں اور حسنِ اخلاق کی ضیائیں قلب و نظر کو منور کرتی ہیں۔ نعت گو شعراء کے ہاں یہ جذبۂ محبت مختلف اسالیب میں ثنائے مصطفیٰ ﷺ کا ایک گلستاں تخلیق کرتا ہے۔ ارشد کے ہاں بھی یہ غنچے چٹکتے ہیں۔

اخوت کا اس نے دیا درس ایسا　　　ہوئے ایک سب پھر مہاجر مقامی
مسلمان اوّل، مسلمان آخر　　　رہا کوئی مکی، نہ مدنی نہ شامی
وطن اور رنگت کی تفریق توڑی　　　ہر انساں تھا اس کی نظر میں گرامی

ہادیٔ برحق ﷺ کی سیرت و کردار کے گل ہائے رنگارنگ چمن زارِ سخن میں اپنی بہار ہر موسم میں دکھاتے رہے ہیں۔ ارشد کے عہد میں بھی فصلِ بہاراں لہلہاتی نظر آتی ہے اور ارشد خود سیّد ابرار ﷺ کی تعلیمات سے حسنِ عمل اور انوارِ اتحاد کی ان کرنوں سے اپنی قوتِ تخلیق کو جلا بخشتے ہیں:

ترے کردار و عمل سے آج تک　　　ہے معطر چار سو عالم تمام
اسود و احمر کو یکساں کر دیا　　　کون کرتا ایسا حسنِ انتظام

اک لڑی میں آ ملے اسلام کی کوئی آقا ہے نہ کوئی ہے غلام

ارشد کا اسلوب بھی تشبیہات و استعارات کی رنگینیوں سے مالا مال ہے۔ زبان و بیان پر قدرت ہے اور کلام میں ایسے ایسے دل کش نگینے ہیں جو قاری کو مسحور کرتے ہیں:

تیرے پاؤں جہاں جہاں پہنچے چاند روشن ہے کہکشاں روشن
کتنی صدیاں اگرچہ بیت گئیں ہو رہا ہے ہر اک نشاں روشن

علی احمد رفعت: علی احمد نظم و نثر دونوں میں وقیع خیالات اور شیریں تصورات کے حامل ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب ریاست بہاول پور سے باہر ہندوستان میں تحریکِ پاکستان زوروں پر تھی مگر بہاول پور میں یہ موج ہائے پُر جوش عوام و خواص میں دھیمی دھیمی رفتار میں رواں ہوئی تھی۔ شعرا کے ہاں یہ جذبات ابھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ رفعت نے بھی اپنی شعری کائنات کو ان جذبات سے لبریز کیا ہے۔ نعت کے حسن کی چمک دمک بھی عشقِ رحمت عالم ﷺ کی بدولت ہے بلکہ حسن و جمال حبیبِ کبریا ﷺ کی ضیائیں نعتیہ اشعار کو پُرکشش بناتی ہیں۔ رفعت کی رنگینیِ جمال اور قوتِ اظہار کا نظارہ کیجیے:

رنگیں ترے جمال سے دنیا کا گلستاں تو اک جہانِ حسن ہے تو حسنِ دو جہاں
یہ مہر و ماہ، انجم و پروین و کہکشاں ہیں آسماں پہ ثبت ترے پاؤں کے نشاں

رفعت نے مدحت کے مضامین میں سیرت و کردار کی شعاعوں کو روایت کا جامہ پہنا کر اپنے اسلوب کی زینت بنایا ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ کی تعلیمات سے تہذیبی، سماجی اور مجلسی زندگی کے پھول چنے ہیں۔ سیّد کونین ﷺ کی غریبوں، یتیموں اور مسکینوں سے محبت اور ان پر شفقت لازوال ہے۔ جس طرح ان کے دکھوں اور غموں میں رحمت للعالمین ﷺ اپنے آپ کو شامل فرماتے تھے وہ کردار بھی بے مثل و بے مثال ہے۔ یہ محبت کے زمزمے حالی کی مسدس میں حسن و جمال لیے بہتے ملتے ہیں اور نعت کی صنف کو ایک نئے موڑ سے آشنا کرتے ہیں۔ وہ انداز بعد کے شعرا کے ہاں پھلتا پھولتا ملتا ہے۔ رفعت کے اشعار میں بھی یہ روایت اس اسلوب کی غماز نظر آتی ہے۔

تیرے سوا غریب کا ہمدرد کون ہے تیرے بغیر کون ہے غم خوارِ بے کساں
تیرے غلام دارا و جم سے بلند تر تیرے فقیر شان میں رشکِ شہنشہاں

رفعت اور اکِ جمال اور رعنائی حیاتِ رسول ﷺ کی حقیقتوں اور صداقتوں کے ساتھ

ساتھ بعثتِ محسنِ کائنات ﷺ کی قوسِ قزح سجاتے ہیں تو ان کی نظم میں آفتاب و مہتابِ کردار نبوت ضوفشاں ملتے ہیں۔ جہالت کے بادل چھٹتے جاتے ہیں۔ یہ بند دیکھیے:

جہانِ تیرہ میں نور پھیلا ہر ایک سو ہوگیا چراغاں
وہ ابرِ رحمتؐ جہاں پہ برسا ہزار ہا کھل گئے گلستاں
جو گمرہی میں بھٹک رہے تھے عطا ہوا ان کو نورِ ایماں
جہاں میں ایک انقلاب آیا
وہ نور پاش آفتاب آیا
سحر کی ضو پر شباب آیا
خزاں رسیدہ جہانِ کہنہ میں آگیا موسمِ بہاراں

آیئے اب تخلیقِ پاکستان کے بعد بہاول پور کے ان شعرائے کرام کے نعتیہ کلام کے گلشن کی سیر کریں اور جائزہ لیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے نورِ فکر و ادراک عطا کیا اور عقیدت و محبتِ سرکارِ دو عالم ﷺ کی کہکشاں سجانے کی سعادت ارزانی فرمائی، جنھیں مدحت کے حقیقی انعام سے سرفراز فرمایا اور جنھوں نے پیغامِ رحمت للعالمین ﷺ سے اپنے اذہان کو منور کر کے گلستانِ جہاں میں اس کی کرنیں بکھیریں اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نہ صرف جلا بخشی بلکہ اپنے اظہار و بیانِ کو ذکرِ سیّدِ کون و مکاں ﷺ سے زندہ و تابندہ کیا۔ ان کے حسنِ کلام سے بہاول پور کی فضائیں جگمگا اٹھیں۔ نعت کی تقریبات ان سخن وروں کی قلبی آرزوؤں اور باطنی تمناؤں سے درخشاں رہتی تھیں خصوصاً آج کل تو بہاول پور میں نعت کی پُر سرور سرمدی ہوائیں چلتی ہیں اور مغرب سے اٹھتی ہوئی استعماری بوباس سے لبریز ہواؤں کے طلسم کو توڑنے کے لیے آفتابِ ہدایت ﷺ کی ضیائیں ایک تحریک کی صورت میں ضوفشاں ہو رہی ہیں۔ اس اقدار کو پامال کرنے والے موسم میں یہاں کے شعرائے کرام اپنے تخلیقی سفر میں سرکارِ مدینہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا زادِ سفر لے کر اقلیم فکر کو تازگی عطا کر رہے ہیں۔ اگر روایت کی پاسداری ہے اور حسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا پُرکشش تذکرہ ہے تو جدید اسلوب میں سیرت و کردار اور افعال و اطوارِ سرورِ کائنات ﷺ کی بوقلمونی بھی قصرِ توصیفِ سیّدالانبیا ﷺ کو پُرشکوہ اور دیدہ زیب بنا رہی ہے۔ بہاول پور سے گلشنِ نعت کی تازہ اور مہکتی نسیم سحری کبھی جدید استعارات و تشبیہات اور کبھی نئی لفظیات کو دامن میں سجائے عالمِ شعر و سخن کو معطر کر رہی ہے۔ آیئے ان جمالیاتی تصوارت اور والہانہ عشق سے لبریز نعت نگاروں کے حسنِ شعر

سے قلب ونظر کو مسرور کرنے کی سعادت حاصل کریں:

حیات میرٹھی: فکرِ معاش میں میرٹھ سے بہاول پور پہنچے۔ زندگی کے نشیب وفراز سے گزرتے آخر کوچۂ صحافت میں آپہنچے۔ ''آفتابِ مشرق'' کے نام سے اخبار نکالا اور پھر بہاول پور کی ادبی فضا کو منور کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کرنے لگے۔ ایک ادبی انجمن کاروانِ ادب کے نام سے قائم کی جس نے مشاعرے، مذاکرے اور دیگر ادبی تقریبات منعقد کر کے بہاول پور کی ادبی زندگی کو متحرک کر دیا۔ ان کا شعری مجموعہ ''شعلۂ فکر'' کے نام سے شائع ہوا۔ بہاول پور میں بتیس سال بھر پور ادبی زندگی گزار کر ۱۹۸۱ء کو راہیِ ملک عدم ہوئے۔

ان کے نعتیہ کلام میں آشوبِ حیات کا تذکرہ اور سیرت ہادیِ برحق ﷺ سے رہنمائی دعوتِ فکر وعمل دیتی ہے۔ مدحتِ سرکارِ مدینہ ﷺ کے رنگین وشاداب پھول مہکتے اور دلوں کو معطر کرتے ہیں۔ سادہ اور دل نشین انداز بے حد راحت فزا ہے خالق کائنات نے اپنے رسول ﷺ کی شان ورفعت مختلف آیات میں بیان فرمائی ہے جو حکمِ ربانی کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے وہ انسان جسے ربّ کائنات نے تخلیقی قوت عطا کی ہے وہ اپنے اشعار میں توصیفِ احمد مجتبےٰ ﷺ دل کی گہرائیوں سے پیش کر کے اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ حیات میرٹھی نے بھی رحمت عالم ﷺ کی شان وعظمت، محبت وعقیدت اور کردارِ درخشاں کو اپنے نعتیہ کلام میں پیش کر کے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ یہ دو شعر دیکھیے:

جس کی توصیف میں فرمانِ خداوندی ہو اس کی مدحت کرے شاعر کی حقیقت کیا ہے؟
عرش پر جن کو خدا پاس بلائے اپنے اس سے بڑھ کر کسی انسان کی عظمت کیا ہے؟

قرآنِ حکیم میں رسولِ رحمت ﷺ کی بعثت کی ذمہ داری میں ایک فریضہ ہدایت انسانی بھی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں انسانیت کو راہِ ہدایت کے نور سے نوازا۔ منزل تک پہنچنے کے لیے صراطِ مستقیم پر چلنے کی رہنمائی فرمائی۔ اس کارگہِ ہستی میں زندگی کو راہنما اصول اسوۂ حسنہ سے میسر آئے۔ نعتیہ لوازمہ اس جمالِ ہادیِ برحق ﷺ سے پُرنور اور تابندہ ہے۔ حیات میرٹھی کی مدحتوں میں سیرتِ رسول ﷺ کے یہ ضوفشاں پہلو بھی نمایاں نظر آتے ہیں:

تم آئے تو جہاں میں دینِ حق کی روشنی پھیلی
چراغِ نورِ خالق ہو صداقت کے امیں تم ہو

تمھاری رہنمائی پر بجا ہے ناز امت کو
حبیبؐ کبریا ہو رہبرِ دنیا و دیں تم ہو

تاریک منزلوں میں چراغاں تمھیں سے ہے   پاتے ہیں نقشِ راہ محبت کے قافلے

حیات میرٹھی کا زمانہ بھی حصولِ پاکستان کی جدو جہد کا زمانہ تھا۔ پھر پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو مسلمانانِ برصغیر کے حالات بھی دگرگوں تھے ان پُر آشوب حالات میں حیات میرٹھی بھی مصائب سے متاثر ہوئے اور حالی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے رحمت للعالمین ﷺ کے حضور مشکلات و ادبار کی کیفیات پیش کرتے ہیں اور کشتی کو گرداب سے نکالنے کی التجا کرتے ہیں:

کشتیِ زیست جو گردابِ الم ناک میں ہے   آپ چاہیں تو پہنچ جائے کنارے پر ابھی
دیے ہیں رنج و الم خود ہماری قسمت نے   ہر ایک سمت سے گھیرا ہے ابرِ ظلمت نے
علاجِ درد و الم آپؐ ہی کی رحمت ہے   گناہ گار سہی یہ تمھاری اُمت ہے
مرکوز آپؐ پر ہی نگاہِ عوام ہے   گرداب میں ہے آج سفینہ حیات کا

ظہور نظر: ظہور نظر بہاول پور میں عارضی طور پر مقیم تھے لیکن جب پاکستان قائم ہو گیا تو ۱۹۶۰ء میں مستقل یہاں قیام پزیر ہوئے۔ پہلے اخبار تبلیغ سے وابستہ تھے پھر ریڈیو پاکستان سے منسلک ہوگئے۔ پاکستان کے معروف شعرائے کرام میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ جدید شعری رجحانات کے حامل تھے۔ غزل کی نسبت نظم میں زیادہ شہرت پائی۔ ان کے نعتیہ کلام میں آزاد اور پابند منظومات اور قطعات شامل ہیں۔ چونکہ یہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے اس لیے ان کی نعتوں میں انسان کی حالتِ زار کے حوالے سے مونسِ غم گساراں، رحمت للعالمین ﷺ کی عظمتِ کردار اور محبتِ انسانیت کا اظہار ہے۔ نعت میں فطری مناظر جو نظم کا لوازمہ ہے کی فضا ایک دل کش سماں پیدا کرتی ہے۔ ان کی نظم کا یہ بند جدید رنگ محسنِ انسانیت ﷺ کی عظمت کا حقیقی نقشہ پیش کرتا ہے ربِ جلیل نے رحمت عالم ﷺ کو کس طرح نوازا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حسین و جمیل مظہر ہے۔

کائناتِ بے کراں میں، وقت کی ظلمات میں
ہر زمیں و آسماں، ہر بحرِ موجودات میں

نور کے جتنے نگینے بھی خدا کے پاس تھے   صدق کے جتنے سفینے بھی خدا کے پاس تھے
عقل کے جتنے قرینے بھی خدا کے پاس تھے   علم کے جتنے دفینے بھی خدا کے پاس تھے
الغرض جتنے خزینے بھی خدا کے پاس تھے   دیں کے جتنے آبگینے بھی خدا کے پاس تھے

سب کے سب نذرِ محمد مصطفیٰؐ اس نے کیے

شہاب دہلوی: سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی بہاول پور کی ہمہ پہلو اور ہمہ اوصاف شخصیت تھے۔ ادیب، شاعر، صحافی، محقق اور مؤرّخ۔ ہر میدانِ ادب میں انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ دہلی سے ترکِ سکونت کر کے بہاول پور آئے اور علم و ادب کا ستارہ بن کر چمکے۔ حمد، نعت، غزل، نظم، مرثیہ، قصیدہ ہر صنفِ سخن میں اپنی فکری اور تخلیقی قوتوں کے چمنستان سجاتے رہے۔ نیک سیرت اور پاکیزہ افکار انھیں حمد و نعت کے سدا بہار گلشن میں لے آئے۔ اخبار الہام دہلی سے اپنے ساتھ بہاول پور لائے اور اپنی فکری جہتوں اور پاکستانی ضیاؤں سے اُسے جگمگاتے رہے۔ ان کا شعری مجموعہ موجِ نور اسرارِ معرفتِ الٰہی اور عشق و محبتِ آقائے محتشم ﷺ سے مالامال ہے۔ بہاول پور کے اس دور کے کمشنر اور معروف دانش ور و سخن ور سیّد ہاشم رضا نے موجِ نور کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ ایک شعر قاری کی نذر ہے:

یہ صرف شعر نہیں معرفت کے ساغر ہیں
جو چاہے آئے بھرے دل کے آبگینوں کو

شہاب نے خود اس شعری مجموعہ کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا ہے:

> زیرِ نظر مجموعہ انھی پاک ہستیوں کے فضائل و مناقب میں نعت و قصائد، سلام و منقبت اور مرثیوں پر مشتمل ہے، جس سے مقصود اظہارِ کمال نہیں، بلکہ اظہارِ عقیدت و سپاس ہے۔ میں نے توشۂ آخرت کے طور پر انھیں مرتب کر کے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اللہ ربّ العزت کی شانِ کرم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بہ طفیل محمد ﷺ میرے اس حقیر نذرانے کو شرفِ قبولیت سے نوازے گا۔

شہاب دہلوی کی نعت میں جہاں عشقِ نبی ﷺ کا سوز و گداز دل کو تڑپاتا ہے وہاں عقیدت و محبت کے چراغ بھی اجالا کرتے ہیں۔ دیکھیے کیسے کہتے ہیں:

عجیب تھی بادۂ عشقِ نبی کی سر جوشی رہے زمیں پہ ہم لیکن آسماں کی طرح
غلام ہم بھی ہیں انؐ کے بلالؓ کی صورت ہمارے دل کی بھی ہیں دھڑکنیں اذاں کی طرح

آشوبِ زمانہ میں حیاتِ شفیع المذنبین ﷺ میں مصائب کو برداشت کرنے میں حوصلہ اور جرأت کے اقدام کو دیکھ کر تسکینِ جاں کا ساماں ملتا ہے روز خصوصاً عہدِ موجود میں مسلمانوں کے حالات کی تلخیوں میں سینہ سپر رہنے کا جذبہ میسر آتا ہے، نعت میں یہ انداز کم کم دکھائی دیتا

ہے۔ شہاب نے اس پہلو کو بھی حسین اسلوب میں پیش کیا ہے:

ہر شخص ہے حیران و پریشان و دل فگار بیدار کے جھگڑ ہیں تھپیڑے ہیں ستم کے
موجیں ہیں بلا خیز، قیامت کا ہے منجدھار روکے سے بھی رکتے نہیں طوفان الم کے
ماحول موافق ہے نہ قابو میں ہے پتوار محتاج ہیں ہم آپؐ کی اب چشمِ کرم کے

امت کا سفینہ ہے مصائب میں گرفتار
اب کشتیِ اُمت کو اشارے سے کریں پار
اے سیّد ابرارؐ، اے سیّد ابرارؐ

نعت کے مضامین میں گنبدِ خضریٰ اور مدینہ منورہ کی چاہت دلوں میں تمناؤں کے چراغ روشن کر دیتی ہے۔ شہر سیّد عالم ﷺ اپنے خاص حسن و جمال کی رنگینیاں رکھتا ہے اور شعرائے کرام اس جنت نظیر سرزمین کو اور اس کی رعنائیوں کو اپنی زندگی کی متاع عزیز قرار دیتے ہیں۔ شہاب دہلوی نے بھی ایک نعت میں مدینہ کی ضوفشاں فضا اور عطر بیز لمحوں کو ادائے دلبری سے بیان کیا ہے۔ ان کا اندازِ محبت ان اشعار میں جلوہ نما دیکھیے:

مدینے کی ہر چیز کتنی حسیں ہے وہاں کی اجل بھی حیات آفریں ہے
ابد تک وہ در ہے اجالے کا مرکز وہی مظہرِ محفلِ اوّلیں ہے
وہاں رنگ و بو کا تلاطم ہے ہر سُو بہشتِ بریں کی وہ سرزمیں ہے

تابش الوری: پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو ایک سیّد زادہ الور کی سرزمیں کو خیرباد کہہ کر خوں چکاں لمحوں میں سفر کرتا بہاول پور پہنچا۔ والد محترم کے سائے سے محروم یتیمی کا داغ سینے پر سجائے، عزیمت کو زندگی کا اثاثہ بنائے، معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے، ہمت و جرأت کی چٹان بن کر زندگی کے نشیب و فراز میں سحر کرنے لگا۔ نہ گھبرایا نہ کسمسایا بلکہ ذہانت و فطانت کی شمعیں جلائے تعلیم کی منزل کو پانے کے لیے رواں دواں رہا اور ساتھ ہی ساتھ نانِ شبینہ کے حصول میں بھی سرگرداں۔ قادرِ مطلق نے ہر مرحلہ آسان کر دیا۔ صحافت کا در کھولا تو اسے منور کر دیا۔ سیاست میں قدم رکھا تو حق پرستی کا غلغلہ بلند کیا۔ ادب کی محفل سجانے لگا، شعر و سخن کے چراغ جلانے لگا تو رئیس امروہوی بھی کہہ اُٹھے: ''تابش کے مضامین میں اجتہاد کی چنگاریاں سلگتی نظر آتی ہیں۔'' سبط حسن پکار اُٹھا: ''تخیل، جذبے اور ابلاغ کی صداقت تابش الوری کی نمایاں خصوصیت ہے۔'' یہ ہے تابش الوری جدید لہجے کا شاعر، احساس کی دولت سے مالا مال، نکھری نکھری صبحوں کی طرح

خیال کی طہارت اُسے نعت کے پُر بہار گلستاں میں لے آئی۔ ثنا خوانِ مصطفےٰ ﷺ میں شامل ہوا تو ادب کے لمحے جگمگا اُٹھے۔ عقیدت و محبت کی جاوداں ساعتوں میں اس طرح گم ہوا کہ اس کے اسلوب کی انفرادیت شگفتہ موسموں کا اجالا بن گئی۔ لفظ مہکنے لگے اور جذبے عطر بیز ہونے لگے۔ فن کی باریکیوں سے آشنا نعت کی ایک کتاب بے نقاط منصۂ شہود پر لے آیا۔

مدحِ سرکارِ مدینہ ﷺ کے کٹھن راستے پر چلتے ہوئے تابش الوری نے سلسلۂ خیر و برکت بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور کاسۂ خیال کو دولتِ عرفانِ نبی ﷺ سے بھرتے ہوئے عقیدت کے تابندہ گوہر سمیٹے۔ ایسے چند اشعار دل کی دھڑکنوں میں سمو لیجیے:

اس کے سوا سرکارؐ کہاں ہے، ہر اک کی سرکارؐ وہی ہے
دل ہے وہی دل دار وہی ہے، سر ہے وہی سرکارؐ وہی ہے
لوحِ معلیٰ علم اسی کا، سدرہ سدرہ اسم اُسی کا
عالم عالم علم اسی کا، عالم کی سرکارؐ وہی ہے
اس کی گلی کا اور سماں ہے اور ہی عالم اور گماں ہے
دکھ سکھ والے گورے کالے ساروں کی سرکارؐ وہی ہے

نعت حقیقتاً پُر سرور لمحوں اور محبت سے سرشار خیالوں کا ایک چمنستان ہے جس میں بادِ بہاری سدا محوِ خرام رہتی ہے۔ تخلیق کے بہتے زمزمے الفاظ و معانی کا ساز بن جاتے ہیں اور لحنِ داؤدی خود بخود قاری کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ یہ حسن و جمال تابش کی نعتیہ شاعری میں پُر کیف احساس کا آئینہ دار ہے۔ لفظوں کے آبگینے جب ٹوٹتے ہیں تو محبت سے لبریز صدائیں فردوسِ گوش بنتی ہیں۔ ذرا ان اشعار میں اس ترنم کی شیرینی کا ذائقہ دیکھیے:

اس وجودِ روشن سے ہر طرف اجالا ہے — چاند اس کا پرتو ہے سورج اس کا ہالا ہے
ماورا ہے ذات اس کی بے کراں صفات اس کی — دھوم شش جہات اس کی وہ سبھی سے اعلیٰ ہے
نور کی جو بارش ہے اس کے رخ کی تابش ہے — سانس کی جو مالا ہے، ذکرِ حق تعالیٰ ہے

سرورِ کائنات ﷺ کی بعثت انسانیت کی معراج ہے۔ دنیا رنگ و نسل اور عرب و عجم کی تقسیم کے دائرے میں مقید ہو چکی تھی۔ عرب کے تمدن پر ہی نہیں دنیا کے ہر ملک میں ثقافت پر لہو و لعب کی پرچھائیں تھیں۔ جہالت کے اس اندھیرے کو نور میں بدلنے کی جہدِ مسلسل پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ نے بے حد تدبر، تفکر اور حوصلے و تحمل سے جاری رکھی۔ جس کی مثال دنیا میں مفقود

ہے بلکہ عظمت انسانیت کی چاندنی کا تسلسل رواں دواں رہا۔ جس دور میں بھی ان تعلیماتِ ہدایت کی تابانی پھیلی وہ منور ہوگیا۔ سیّد تابش کے نعتیہ کلام میں ماہِ عظمتِ انساں کی کرنیں پھیلتی ملتی ہیں۔ ان اشعار کو ملاحظہ کیجیے:

تمیزِ رنگ و خوں کا تصور مٹا دیا — شرحِ رموزِ آیۂ رحماں تمھیں تو ہو
انسانیت تمام عبارت تمھیں سے ہے — پردہ کشائے عظمتِ انساں تمھیں تو ہو
دولت کا نشہ، نسل کی نخوت، بتوں کا سحر — ان ظلمتوں میں شمعِ فروزاں تمھیں تو ہو

پروفیسر سہیل اختر: مشرقی پنجاب کے قصبہ سنگرور میں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم بھی وہاں حاصل کی۔ جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو خاک وخون کے دریا عبور کر کے پاکستان آگئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے فارسی اور اردو پاس کیے۔ ۱۹۶۲ء میں بہاول پور تشریف لے آئے اور گورنمنٹ کالج بہاول پور میں شعبۂ اردو میں بطور لیکچرار ملازمت کا آغاز کیا۔ اسی کالج میں صدر شعبہ اردو اور پھر پرنسپل کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹۹۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور بہاول پور کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔ فکر وفن اور قلم وقرطاس میں نمایاں اور امتیازی اوصاف رکھتے ہیں۔ ادب ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ایک معلم اور صاحب بصیرت کی حیثیت سے بہاول پور میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ تخلیقی اور تحقیقی شعبوں میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ نظم، غزل، نعت، منظوم تراجم، ڈراما، طنز و مزاح بلکہ تمام اصناف ادب میں قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ کچھ عرصے سے غزل سے مدحت کے چمنستان میں آئے ہیں اور عقیدت و محبت کی معطر فضا میں گل ہائے حسن و جمال اور اسوۂ سرورِ کونین ﷺ مہکائے قلب ونظر کو مسحور کرتے جاتے ہیں۔ قوسِ عقیدت ان کا مجموعۂ کلام ہے۔ جس میں حمد ونعت اور ملی نظمیں اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔

غزل کا شاعر حساس اور حسن و جمال کا رُسیا ہوتا ہے۔ درد وغم، نشاط ومسرت اور فکری جہتوں جیسی آفاقی قدروں کا نقیب ہوتا ہے۔ پھر عشق ومحبت اس کے تصورات کا اثاثہ ہوتے ہیں۔ جب ایسا شاعر نعت کی قلم رو میں داخل ہوتا ہے تو اس کا جذبۂ شوق فراواں اور حسیّت کا رنگ درخشاں ہو جاتا ہے۔ اب اس کا محبوب شان وشوکت، رفعت وعظمت، حسن و جمال اور شان و کمال میں یکسر تبدیل ہوجاتا ہے۔ اب وہ ہستی اس کا محبوب، اس کی زندگی کی تمنا اور اس کی آرزوؤں کا مرکز بن جاتی ہے جو خالقِ کائنات کی فرستادہ منتخب اور محبوب ہوتی ہے۔ پھر ایسے

مضامین خیالات کے گلشن میں بوے جاں فزا سے لبریز ہوجاتے ہیں جن میں صداقت وفضیلت، امانت ومتانت اور فراست ونفاست کے غنچے چٹکنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔

پروفیسر سہیل اختر بھی ایسے ہی ایک نعت نگار ہیں جو عشق وجنوں کی پُرعقیدت وادیوں میں گھومنے لگے ہیں اور مدحت کے سوز وگداز سے لبریز ہوکر شعر وسخن کے فلک پر چمکنے لگے ہیں۔ اب تمنائے مدینہ ان کو بے قرار رکھنے لگی ہے۔ فضائے مدینہ میں زندگی گزارنے کی آرزو تڑپانے لگی ہے۔ وہ گلیاں مضطرب کرنے لگی ہیں جن میں رحمت للعالمین ﷺ کے نقوش پا دمکتے ہیں سہیل اختر انھیں شفاعت کا حسیں جادہ کہتے ہیں:

نسیم و صبا ہیں مدینے کی گلیاں بڑی پُر فضا ہیں مدینے کی گلیاں
برستی ہیں کرنیں شب و روز ان پر عجب خوش نما ہیں مدینے کی گلیاں
کہاں ہیں یہ گلیاں یہ گلیاں نہیں ہیں حسیں نقشِ پا ہیں مدینے کی گلیاں
شفاعت کی راہوں پہ ہم عاصیوں کا بڑا آسرا ہیں مدینے کی گلیاں

نعت کی سرزمین جمالِ محبوب اور حسنِ یار کی رنگینیوں سے ضوفشاں اور شاداب رہتی ہے۔ شاعر دل داریِ محبوب کو سرمایۂ جاں تصور کرتے ہیں۔ رخِ انور اور سایۂ گیسو کی کشش انھیں سکوں پرور وادیوں میں لے جاتی ہے۔ جب نعت گو اپنے اشعار کے حرف و بیاں کو جلوۂ محبوب سے زرخیز کرتا ہے تو اس کے احساسات و جذبات میں جمالِ جاودانی کی کیفیات اسے بے چین کردیتی ہیں اور وہ نغماتِ سرمدی الاپنے لگتا ہے۔ سہیل بھی ایک ایسا ہی نعت گو ہے جس کے ہاں حسن کی زیبائش اور رخِ انور کی صباحت جلوہ کناں ملتی ہے۔ اظہار کا قرینہ بھی پُرجمال الفاظ و تراکیب سے مملو ہوجاتا ہے، وہ کہتے ہیں:

ترے رُوے مقدس کی صباحت ازل کی جیسے صبحِ نودمیدہ
تری زلفیں ہوں یا ہو کالی کملی ابد کی شام ہے ان کا قصیدہ
محبت کے حسیں لفظوں سے آقا لکھا ہے نعت کا میں نے جریدہ

سہیل اختر ایک حساس شاعر ہے پھر مطالعہ کی صبحوں کو شامِ رنگین میں تبدیل کرنے کی جرأت بھی رکھتا ہے۔ ایک معلم ہے۔ خیرِ کثیر کا مالک ہے اس لیے افکارِ عالیہ کی اساسی قدروں کا بھی شناور ہے۔ اس ریاضت نے انھیں ندرتِ فکر و خیال سے نوازا ہے۔ ان کے تخلیقی عمل میں ایک انفرادیت کا حسن ہے۔ احساس اور تجربے نے ایسی قوت اظہار عطا کی ہے جس میں وہ

مضامین کی فکری جہتوں کے دیپ جلاتا اور حکمت کے حسین رنگ دکھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ دیکھیے الفاظ وتراکیب میں کتنا تنوع اور فکر میں کتنا عمق ہے:

چلے عاصی سوئے طیبہ مگر لرزیدہ لرزیدہ نظر نمدیدہ نمدیدہ، قدم لغزیدہ لغزیدہ
کہ دل والے پہنچتے ہیں وہاں رقصیدہ رقصیدہ درِ اقدس کی منزل خود فراموشی کی منزل ہے
وہ اک جذبہ مرے دل میں ہے جو نادیدہ نادیدہ اڑا کر لے چلا ہے مجھ کو سمتِ گنبدِ خضریٰ
سہیل اختر جو تم بیٹھے ہو یوں سنجیدہ سنجیدہ عقیدت اشک بن بن کر ابھی پلکوں سے ٹپکے گی

ذرا ان اشعار میں تغزل کا حسن بھی دیکھیے۔ فکر کی چاشنی کے ساتھ نعت میں تغزل کا یہ رنگ کم وبیش ہی مطالعے میں آتا ہے:

ہزاروں ساغروں کی گردشِ پیہم پہ بھاری ہے
وہ اک ساغر ہمیں جو ساقی کوثرؐ سے ملتا ہے
ترے قدموں کی مٹی ہی کرے ہے مندمل اس کو
دلوں کو زخم جو بھی وقت کے خنجر سے ملتا ہے
یہ کن رستوں سے تم الجھے ہوئے ہو ہجر کے مارو!
پتا شہرِ نبیؐ کا روح کے اندر سے ملتا ہے

نعت کے جدید دور میں سیّد ابرارﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ جمیلہ کی طرف شعرا کی خصوصی توجہ اس بات کی غماز ہے کہ مغربی تہذیب نے انسانی اقدار کی شکل تک بگاڑ کر رکھ دی ہے۔ اخلاقی قدریں اپنی خوبیوں کے باوجود مغرب کی مصنوعی قدروں کے سامنے فراموشی کی زینت بنتی جا رہی ہیں۔ یہ انحطاط کی صورت حساس طبائع کو پریشان کر رہی ہے اس لیے شعرائے نعتِ ہادیٔ برحقﷺ کی سیرت میں جو پُرنور اخلاقی قدریں ہیں اور جو قرآنِ حکیم کے چراغ سے روشن ہیں ان کو دورِ جدید کے سامنے رکھنے کی سعی کر رہے ہیں تاکہ مغرب کے سیل ضلالت کے سامنے بند باندھا جائے اور خصوصاً اُمتِ محمدیہ میں ان کا احیا کیا جائے تاکہ یہ اُمتِ بیضا ایک مرتبہ پھر دنیا کی رہنمائی کرے۔ دیگر شعرا کی طرح سہیل اختر نے بھی سیّد اوّل و آخرﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ان گہرہائے گراں مایہ سے اپنا دامن بھرا ہے اور نعت کے قیمتی خزانے پر نچھاور کرنے کی کوشش کی ہے:

حقیقتوں کے ترجمان حضورؐ تھے، حضورؐ ہیں نفس نفس صداقتیں، قدم قدم ہدایتیں

فضائے کفر و شرک کی سیاہیوں کے درمیاں مثالِ ماہ و کہکشاں حضورؐ تھے، حضورؐ ہیں
غموں کی بادِ تند میں، حیات کی فضاؤں میں مثالِ شاخِ گل فشاں حضورؐ تھے، حضورؐ ہیں
انھی کی ذاتِ پاک سے ہیں زندگی کے ہمہمے سہیل رونقِ جہاں حضور تھے، حضورؐ ہیں

سرور سہارن پوری: اسمِ گرامی سیّد عبد الودود ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت بھارت سے ہجرت کر کے بہاول پور آئے۔ ابتدائی عمر میں قرآنِ حکیم اور فارسی کی تعلیم سہارن پور میں حاصل کی پھر بہاول پور آکر جامعہ عباسیہ میں اسلامی تعلیم مکمل کی۔ کم سنی میں نعت خوانی کا شوق تھا۔ ان کے والد محترم بیتاب سہارن پوری بھی شاعر تھے۔ ان کے ساتھ سرور بھی مشاعروں میں شامل ہوتے رہے۔ میلاد کی محافل میں نعت خوانی کرتے کرتے خود نعت کہنے لگے۔ اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے۔ پہلی نعت ۱۹۵۲ء میں کہی۔ صرف نعت ہی کی صنف اپنائی اور یہی زندگی کا سرمایہ بنی۔ بہاول پور میں حکمت کا پیشہ اختیار کیا۔ مطب میں ادب کی محافل بھی برپا ہوئیں۔ جسمانی امراض کے مداوا کے ساتھ ساتھ روحانی جذبات کی تسکین کا سامان بھی ہوتا رہا۔ ساقیِ کوثرﷺ کی عقیدت و محبت میں بادۂ نعت کے جام لنڈھاتے رہے۔ نعت کی دل کش صدائیں ان کے لبوں پر تڑپتی رہیں۔

سرور سہارن پوری نعت کی قدیم روایت کے شاعر ہیں۔ حسن و جمال، سراپا نگاری اور عظمت و فضیلت محبوب ربِّ جلیلﷺ ان کے نعتیہ کلام کا خاص حصہ ہے۔ جس طرح قدمانے شانِ سرورِ کائناتﷺ بیان کرتے ہوئے سیّد ابرارﷺ کے جسم اطہر، عارض گلگونہ اور حسنِ مجسم کے مضامین کو نعت کی میراث بنایا ہے، سرور سہارن پوری کے ہاں بھی یہی روایت نمایاں ہے۔ ان اشعار میں یہی رنگ دمکتا ملتا ہے:

آپ کے قدموں میں آکر جھک گیا سروِ چمن پانی پانی ہوگیا اب دیکھ کر لعل یمن
ہمسری کرتے بھلا دانتوں کی کیا دُرِّ عدن ایسا دانتوں نے دیا جواب ان کو دندان شکن
آپؐ ہیں نازک بدن، شیریں سخن، غنچہ دہن جسم اطہر کا پسینہ غیرتِ مشک ختن
ہوشیاری تو یہی ہے اے سرورِ خستہ جاں عشقِ احمدؐ میں حواس و ہوش سے بیگانہ بن

خوش بو نبیؐ کے جسم کی پھیلی جو کائنات میں
شرم کے مارے ہوگئے مشک و حنا عرق عرق
میں نے جب چاہا نمازِ عشق بھی کرلوں ادا
مصطفےٰؐ کے ابروئے خمدار تک جانا پڑا

جمالِ رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ ساتھ شان و عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا موضوع بھی بے حد پُرکشش اور متنوع جہتیں نعت کو عطا کرتا ہے۔ اردو کے دورِ اوّل سے آج تک عظمت و حشمت اور شان و شکوہ کے غنچے گلستانِ نعت میں چٹکتے ملتے ہیں۔ سرور سہارن پوری نے بھی اس روایت کو زندہ رکھا ہے اور اس رنگ میں مدحت کے گلاب کھلائے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی بزرگی اور رفعت اسلامیانِ عالم کی زندگی کی معراج ہے سرور سہارن پوری نے بھی اپنے کلام کو اس شان و شوکت کے گہر ہائے درخشاں سے پُر جمال بنایا ہے:

تختِ زمیں پہ تم کبھی عرشِ بریں پہ تم — سرکارِ دو جہاں، شہہِ بطحاؐ تمھیں تو ہو
انسانیت کا تکملہ تم ختم المرسلینؐ — فطرت کا شاہکار سراپا تمھیں تو ہو
مہر و ماہ و نجم کی جلوہ گری — آپؐ ہی کے حسن کی خیرات ہے
نورِ خدا حضورؐ ہیں لیکن خدا نہیں — ہم کو خیال رکھنا ہے دینی حدود کا

عشق کی سب منزلیں طے ہوگئیں آخر سرور
نقشِ پائے سیّد ابرارؐ تک جانا پڑا

دلِ مومن میں آرزوئیں تڑپتی ہیں۔ تمنائیں جذباتِ احساسات کو بے قرار رکھتی ہیں بلکہ ہر مسلمان کو گلزارِ مدینہ میں زندگی بسر کرنے کی خواہش مضطرب رکھتی ہے۔ مدحت کا یہ موضوع بھی بے حد شاداب ہے۔ مدینہ کی فضائیں نور و نکہت سے لبریز، سبز گنبد کا نظارہ کیف پرور اور ہر سمت نور کی ندیاں رواں۔ اس راحت فزا ماحول میں زیست کس قدر مسرت بیز ہوگی۔ شعرائے کرام کے ہاں اس حسن کی کرنیں دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ سرور سہارن پوری بھی اپنی ادائے دلبرانہ اور تمنائے عاشقانہ سے نعت کے دامن کو مہکتے اور چمکتے دمکتے پھولوں سے بھر دیتے ہیں۔ یہ اشعار حسنِ تمنا کو پھیلاتے ہیں:

مدینہ سے صبا جب ہو گزر آہستہ آہستہ
نبیؐ سے حال کہنا مختصر آہستہ آہستہ
رواں ہے نور کا دھارا کٹھن ہے تابِ نظارہ
اٹھانا سبز گنبد پر نظر آہستہ آہستہ
پڑھو صلّیِ علیٰ، صلّیِ علیٰ، صلّیِ علیٰ ہر دم
وظیفہ ہو یہی شام و سحر آہستہ آہستہ

آمدِ شہر یار سے شہر چمک چمک اُٹھا ساری فضا مہک اُٹھی، دل کا کھلا ورق ورق

سرور کی قلبی کیفیت دنیا و مافیہا کی مسرتوں سے دامن بچا کر غم گسارِ خستہ جاں ﷺ کی محبت میں مستغرق رہنے اور آپ ﷺ کے دامنِ رحمت میں زندگی کی متاع پانے کے لیے بے قرار دکھائی دیتی ہے۔ یہ انداز بھی دیکھیے:

بس دامنِ رسولؐ سے وابستگی رہے اتنا ہے شوق مجھ کو بھی نام و نمود کا

دن رات نعت گوئی جو کرتا ہے کون ہے یہ کام ہے سرور کا عبد الودود کا

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال: ڈاکٹر سیّد قاسم جلال خانوادۂ سادات کے درخشاں ستارے ہیں۔ ان کے جدِ اعلیٰ حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری ایک شہرہ آفاق و معروف صوفی بزرگ تھے۔ اسی طرح قاسم جلال کے ننھیال کی طرف سے بھی ایک بزرگ سیّد اولاد علی گیلانی مشہور مورخ، شاعر اور محقق تھے۔ بہت سی علمی، ادبی کتب کے مصنف تھے جن میں ''مرقع ملتان'' ایک مشہور تاریخی اور تحقیقی کتاب ہے۔ یوں سیّد قاسم جلال کو میراث میں دولتِ علم و فن ملی۔ اعلیٰ تعلیم سے سرفراز ہوئے۔ اردو، علومِ اسلامیہ، ابلاغیات میں ماسٹرز اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ تعلیم و تعلم اور شعر و ادب ان کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ سرکاری عہدہ اسسٹنٹ پروفیسر سے قبل از وقت ریٹائر ہو کر اپنے علمی، ادبی منصوبہ جات کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ مگر احباب کے اصرار پر جناح کالج آف کامرس بہاول پور میں بطور پرنسپل ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ فکر و فن اور شعر و سخن میں اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبد اللہ اور رئیس امروہوی جیسی علمی و ادبی شخصیات نے آپ کے علمی، فکری، ادبی، تحقیقی اور شعری سرگرمیوں اور صلاحیتوں کو سراہا ہے۔ شاعری، تنقید، تحقیق اور ٹیلی وژن ڈراما نگاری میں آپ نے نمایاں کارکردگی کی بدولت، اعزاز و ایوارڈ حاصل کیے ہیں۔ ان کی شخصیت اور فن پر کئی ادبی رسالوں نے نمبر شائع کیے ہیں۔

منظومات میں مقصدی روایت کے علم بردار ہیں۔ ان کی غزل میں بھی حالی کی طرح اخلاقی اور اصلاحی قدریں زیادہ نمایاں ہیں۔ اسی طرح وہ مستِ مئے عشقِ رسول ﷺ رہتے ہیں۔ مدحت میں روایت کے پاسدار ہیں کہیں کہیں اسلوب میں جدید ڈکشن بھی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ کا اسوۂ حسنہ جنت کی نوید ہے۔ مہرِ رسالت مآب ﷺ کی کرنوں سے جس نے قلب و نظر کو منور کر لیا دینوی اور اُخروی سعادتوں کا امین بن گیا۔ قاسم جلال نے رحمتِ عالم ﷺ کی عملی زندگی کے رنگا رنگ پھول کھلائے ہیں۔ انھوں نے اس دور کے انسان کے

سامنے تعلیماتِ نبوی اور اسوۂ کامل کے حیات افروز ستارے سجائے ہیں۔ جنھیں زندگی کی متاع بنا کر انسان عظمت و شوکت سے مالا مال ہوسکتا ہے۔

بن گیا خاک پائے نبیؐ جو بشر		سرمۂ چشم اہلِ نظر ہو گیا
سیرتِ مصطفیٰؐ جب بنی رہنما		زندگانی کا آساں سفر ہو گیا
دل میں یادِ محمدؐ ہوئی موج زن		ذرّۂ خاک رشکِ قمر ہو گیا
کر لیا انؐ کے فرماں پہ جس نے عمل		مقصدِ زیست سے باخبر ہو گیا

نعت کی صنف اس وقت تک پُرثمر نہیں ہو سکتی جب تک عقیدت و محبت میں صداقت نہ ہو، ایمان میں حرارت نہ ہو۔ دنیا کے تمام جاہ و جلال، دنیا کے تمام مرغوب تعلقات، دنیا کے تمام رشتے ناطے حبِ رسول کریم ﷺ پر قربان نہ ہو جائیں اور رسولِ مبین ﷺ کے ارشادات کے مطابق انسان اپنی زندگی کو نہ ڈھال لے تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا بلکہ اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنے مال و متاع سے زیادہ محسنِ انسانیت ﷺ سے محبت نہ ہو تو وہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہیں بن سکتا۔ زندگی میں اس کسوٹی پر پورا اترنا، خونِ جگر اور عزم بلند کا تقاضا کرتا ہے۔ مدحت کی سرزمین کو پُربہار بنانے والا شاعر بھی اپنے شوقِ فراواں کے بل بوتے پر کامیابی کی منزل پانے کا حق دار بنتا ہے۔ وہ جانتا ہے جب قلبی سوز و گداز عقیدت و محبت میں ڈھل جاتا ہے تو مژدۂ جامِ کوثر نصیب ہوتا ہے۔ قاسم جلال کے ہاں بھی عشق و محبت کی یہ قندیلیں جگمگ کرتی ملتی ہیں:

محمدؐ عربی ہے وہ معرفت حق کا چراغ		ملا ہے جس سے زمانے کو دینِ حق کا سراغ
رسولِ پاکؐ کی الفت ہو جاگزیں جس میں		وہ قلب پائے غمِ دو جہاں سے کیوں نہ فراغ
نبیؐ کی یاد میں ڈوبا جو اس کے لیے		نشاطِ روح کا آساں حصول ہوتا ہے
وہ قلب جس میں بسی ہوں حضورؐ کی یادیں		مصیبتوں سے بھلا کب ملول ہوتا ہے

عشق و محبت کی یہ دلی کیفیات قاسم جلال کی اس آزاد نظم کے بند میں مہکتی ملتی ہیں:

گم ہے تیرے عشق میں
قلبِ جلالِ حزیں
اے رحمتِ دو جہاں
اے شافعِ مذنبیں
تیری محبت
ہے میری دولت

پاس اور میرے ہے کیا
پیارے نبی مصطفیٰ

ریگ زارِ کاظمہ کے ذرّے اپنے اندر ایسا نور رکھتے ہیں جسے پانے کے لیے ہر دل تڑپتا ہے۔ قریۂ جمال کی کشش ہر روح کو مضطرب رکھتی ہے۔ تمناؤں کے بادل امنڈ کر آتے ہیں اور چشم تصور روضۂ رسول ﷺ پر آنسوؤں کا ہدیہ پیش کرنے کی طلب گار ہوتی ہے۔ جلال بھی اس خطۂ سرسبز اور دیارِ شاداب میں اپنے خیالات کے چراغ جلاتے ہیں:

وقت کو ملتے ہیں جس در سے مہ و مہر و نجوم
آؤ ہم بھی چلیں اس در پہ گدا کی صورت

یوں دل میں بس رہی ہے یادِ شہِ مدینہ
خوش بو ہو جیسے گل میں، جاں جس طرح بدن میں

لگتا ہے یوں مدینے میں اے جلال آکر
آجائے کوئی جیسے پردیس سے وطن میں

جب تک نعت میں صوری و معنوی جمالیات معراجِ کمال پر نہ ہوں۔ تشبیہات و استعارات اور الفاظ و تراکیب موتیوں کی طرح جڑے ہوئے نہ ہوں، اظہار و بیان میں تازگی، شگفتگی، افکار میں ندرت نہ ہو، اس وقت تک صنفِ نعت جاذبِ نظر اور راحتِ جاں نہیں بنتی۔ عقیدت میں صداقت اور خیال میں صلابت نعت کو عظمت و رفعت عطا کرتے ہیں۔ ایک معلّم ہونے کے سبب قاسم جلال کے ہاں یہ رنگ موجود ہے۔

عکسِ جمال تیرا، اترے جو میرے فن میں — ہو لفظ لفظ تارا، ہو حرف حرف جگنو
تجھ سے جلا ہے میرے آئینۂ سخن میں — تیری ہی ذات سے ہیں سوچیں مری درخشاں
نورِ خدا ہے موجزن جس کی تجلیات میں — ہاں اُسی آفتاب کی روشنیاں سمیٹ لو
یہاں تو جذبۂ صادق قبول ہوتا ہے — عقیدتوں پہ نہ رنگِ تکلفات چڑھا

مجیب الرحمٰن خاں مجیب: ضلع لکھیم پور ریاست کگرا اتر پردیش ہندوستان میں ۴ ستمبر ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے اور تخلیق پاکستان کے بعد بہاول پور میں آمقیم ہوئے۔ غزل کی محفل سے اُٹھے اور نعت کی فضائے جاں نواز میں ۱۹۹۵ء میں مہکنے لگے۔ سرورِ کائنات ﷺ سے عقیدت و محبت نے قلبی کیفیات کو بدل کر رکھ دیا۔ ''بزم نور'' کے نام سے ایک انجمن تشکیل دی۔ جس کے تحت صرف حمد و نعت کی محفلیں برپا ہونے لگیں اور ان کا انعقاد بھی زیادہ تر مجیب کے دولت کدہ پر ہونے لگا۔

مجیب عشقِ نبی رحمت ﷺ سے سرشار وہ کر ہدیہ گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہیں:

لوگ جو کچھ بھی کہتے ہیں کہتے رہیں
میں تو عشق و محبت میں سرشار ہوں

خیالات میں گہرائی نہیں بلکہ اپنے جذبات کی ترجمانی سادہ الفاظ مگر سلامت و روانی میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لحنِ داؤدی عطا کیا ہے۔ ترنم اور عقیدت دونوں مل کر ایسا سماں باندھتے ہیں کہ محفل پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ سوز و گداز کی کیفیت اس قدر حاوی ہو جاتی ہے کہ آنکھوں سے جھرنے پھوٹ پڑتے ہیں۔

نعت کا ہر موضوع دل کی کیفیات کو رنگین بناتا جاتا ہے۔ مگر تمنائے مدینہ تو خاص طور پر نعت گو کا سرمایۂ قلب و نظر ہے۔ مجیب بھی آرزوؤں کے یہ چراغ جلاتے ہیں اور انوارِ مدینہ سے بزم کو منور کرتے ہیں۔ انھیں تسکینِ جاں دیارِ حبیبِ خدا ﷺ میں ملتی ہے۔ پھر ان کی نعت احساسِ عقیدت سے ضوبار ہو جاتی ہے۔ دیکھیے کس قدر سادگی سے محبت کے جواہر پارے نچھاور کرتے ہیں:

دلِ بیمار کی حالت سنبھلتی ہے مدینے میں
محبت کی ہوا ہر لحہ چلتی ہے مدینے میں
مسلسل مشعلِ انوار جلتی ہے مدینے میں
منور قلب و جاں ہوتے ہیں سب دربارِ احمدؐ سے
بقا تو نور کے سانچے میں ڈھلتی ہے مدینے میں
مجیب ناتواں گھبرا نہ عصیاں کے اندھیروں سے
مؤدب نگاہیں جھکا کر چلو سوئے طیبہ درِ مصطفیٰؐ پر
ریاضت اور عبادت کیف آگیں ہے مدینے میں
سکونِ قلب و جاں ہے سجدوں اور شبینے میں

سیرتِ چشمۂ خورشید ﷺ نکھری نکھری، پاکیزہ پاکیزہ، اس دنیا کے انسانوں کو آلائشوں سے پاک کرتی ہے اور زندگی کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ گلستانِ نعت میں سرورِ عالم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے یہ لمحے عہدِ حاضر میں زیادہ پُر تاثیر ہیں جب مغربی تہذیب اور مادی خواہشات تاریکیوں کے جال پھیلا رہی ہیں۔ نعت نگار اسوۂ ضوفشاں سے اس دنیا کے انسانوں کو بہار آفریں قرینۂ زندگی سے روشناس کرتے ہیں۔ مجیب کے نعتیہ کلام میں نورِ ہدایت کی شعاعیں بکھری ہوئی ملتی ہیں۔

کرم کی بھیک جس کو بھی ملی قسمت کھلی اس کی
سلیقہ مل گیا ہے زندگی آئی قرینے میں

ولایت، خلعتِ فقر و قلندر سب کو ملتے ہیں
نہیں ہوتی کمی فیضانِ رحمت کے خزینے میں

اس جہاں سے میں محشر کے میدان تک
چشمِ رحمت کا ہر دم طلب گار ہوں

اپنے گھر میں درود و سلام کی محفلیں سجا کر مجیب نازاں ہیں اور اس خوشی کا حقیقی مرکز عقیدت و محبتِ رحمت للعالمین ﷺ ہے۔

آقاؐ کے ذکرِ خیر سے سب اہتمام ہے
ان کے لیے ہی سارا درود و سلام ہے
حور و ملک یہ جن و بشر اور شجر حجر
ہر لب پہ ذکرِ سیّدِ خیرالانامؐ ہے
ہوتا ہے جس کے گھر میں سدا ذکرِ مصطفیٰؐ
ہوتا ہے جس کے گھر میں سدا ذکرِ مصطفیٰؐ
تکتا ہے عرش، رشک سے فرشِ زمین کو
جس قطعۂ زمین پہ نبیؐ کا مقام ہے

جب شاعر اس محبت سے لبریز صنف کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اپنے خیالات و جذبات میں محبتِ سرورِ کائنات ﷺ سے نور پاتا ہے تو اس کی فکری دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے پھر نعت کی صنف اس کے فن کو نکھار دیتی ہے۔ وہ تمام چاہت، وہ تمام تجسس اور وہ تمام کشش جو غزل کی رعنائی یا نظم کی صناعی کے لیے وقف ہوتی ہے سب ایک پُر بہار منزل کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتی ہے۔ یوں نعت کے میدان میں وہ تجربات ایک نیا روپ، ایک نئی قلبی کیفیت سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ محبت کا ایک نیا چمن لہلہانے لگتا ہے، جس میں آرزوئیں مچلتی ہیں اور حسنِ ماہِ درخشاں ﷺ کی ضیا پاشیوں میں تسکینِ جاں پاتی ہیں۔ مجیب نے بھی جب نعت کو غزل کے رنگ میں ڈھالا تو یہی اشتیاقِ درِ مصطفےٰ ﷺ ان کا فکری اثاثہ بن گیا۔ اس عقیدت کے اظہار میں مجیب نے کئی اندازِ محبت اپنائے مگر جس انداز میں انھیں تسکینِ جاں میسر آئی وہ سیّدِ ابرار ﷺ کی غلامی میں زندگی بسر کرنے سے ملی۔ اسِ انداز کو دیکھیے:

اپنے آقاؐ کا مشتاقِ دیدار ہوں
میں فقط زائرِ حسنِ سرکار ہوں
ان کی نسبت سے رُتبہ یہ مجھ کو ملا
میں غلامِ غلامانِ سرکار ہوں
دل کی کلیاں سجانے کو دربار میں
سر بسر میں تو مصروفِ گل زار ہوں
نگاہِ کرم اور شفاعت سے آقاؐ
بنے سایۂ عاطفت میں مرا گھر
مجیب اس قدر تجھ پہ ان کا کرم ہو
زمانہ کہے مصطفیٰؐ کا گدا گر

بہتر وہ نہیں

جو دنیا کو آخرت کے لئے ترک کردے

بہتر وہ ہے

جو دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ لے کر چلے۔

(حضرت ابوبکر صدیقؓ)

منجانب:
محمد اقبال میمن حیدرآباد
فون: 0300-9378300

مطالعاتِ نعت

کسی سے نیکی کرو
تو بدلے کی توقع مت رکھو
کیونکہ نیکی کا بدلہ انسان نہیں
خدا دیتا ہے۔

(حضرت جنید بغدادیؒ)

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرنوالہ

اعلیٰ حضرت نمبر

(فروغِ نعت کے حوالے سے روشن دستاویز)

تاریخ گواہ ہے کہ نعتِ مصطفیٰ ﷺ کا قافلہ کبھی رُکنے کا نام نہیں لیتا بلکہ ہمیشہ اگلی منزلوں کی جانب رواں دواں رہتا ہے۔ وقفے وقفے سے اس قافلے کے پیغامِ شوق کو عام کرنے کے لیے قدرت اس کی اشاعت اور تشہیر کے لیے بہتر سے بہترین ذرائع عطا کرتی ہے۔ خواہ یہ نعت گو شعرا ہوں یا نعت خواں، مقررین دلپذیر ہوں یا محافلِ نعت کا اہتمام کرنے والے اربابِ شوق۔ لیکن ان تمام عوامل کے پہلو بہ پہلو عصرِ حاضر میں اہم ترین ذریعۂ ترویج و اشاعت ان رسائل و جرائد کا ہے جو نعت کے پیغام کو عام کرنے کا مقدس فریضہ تسلسل کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ انھی میں سے ایک مؤثر نام مجلّہ ''نعت رنگ'' کا ہے جس کے ذریعے معروف نعت گو شاعر ممتاز نعت خواں اور ادیب سیّد صبیح رحمانی عصرِ حاضر کی ترجمانی کو منتہائے مقصود بنائے ہوئے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کا علمی لحاظ سے عظیم الشان اور تحقیقی لحاظ سے یادگار ''اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی نمبر'' اسی سلسلۂ نور کی نہایت اہم فکری دستاویز ہے جس کی بدولت فکر و عمل اور تحقیق و تنقید کے بہت سے زاویے ذہن و خرد کو کشادگی عطا کر رہے ہیں۔

سیّد صبیح رحمانی نے اس ضخیم ادبی اور تنقیدی اشاعت میں شاہ احمد رضا خاںؒ فاضل بریلوی کی نعت گوئی کو بطورِ خاص موضوعِ فکر بنایا ہے۔ اعلیٰ حضت فاضل بریلوی علمی اور نظریاتی لحاظ سے نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ آپ بہتر سے زیادہ علوم پر گہری گرفت رکھتے تھے۔ شرح قرآن و حدیث اور فقہی علوم کے احیا کی بدولت آپ کو ''ابوحنیفہ ثانی'' کہا جاتا ہے۔ آپ کے علمی فضائل کے اپنے ہی نہیں بلکہ اغیار بھی قائل ہیں۔ بلاشبہ آپ جیسی ہمہ جہت شخصیات صدیوں میں جنم لیتی ہیں۔ یہ کہنا غلط

نہیں ہوگا کہ عصرِ حاضر میں آپ کی شخصیت پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے۔ درجنوں مصنّفین اور تحقیق کار آپ کی خداداد صلاحیتوں کو مسلسل موضوعِ قلم بنائے ہوئے ہیں۔ سیّد صبیح رحمانی نے آپ کی ہمہ جہت شخصیت کی درجنوں جہات کو تو دوسروں کے لیے چھوڑا ہے اور فقط آپ کی نعت گوئی کو موضوعِ خاص بنایا ہے۔

آج کا دور تخصص کا دور ہے۔ اب کسی بھی بڑی شخصیت کے جامع خصائل پر نہیں بلکہ ایک وصفِ خاص پر کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فاضل بریلوی بلاشبہ ایسی ہی جامع الصفات شخصیت تھے کہ ان کی خداداد صلاحیتوں کے فقط ایک ہی گوشہ کو موضوعِ بحث بنایا جاتا۔ اس لحاظ سے صبیح رحمانی کی کاوش نہایت کامیاب اور مستحسن دکھائی دیتی ہے۔ یوں تو زیرِ نظر اشاعتِ خاص حضور محدث بریلوی کی نعت گوئی کا احاطہ کرتی ہے مگر آپ کی نعت گوئی کے حوالے سے آپ کی بے مثال شخصیت اور آپ کے علمی و فقہی کمالات خود بخود مقالات کا حصہ بننے لگتے ہیں۔

زیرِ نظر اشاعتِ خاص آٹھ صد صفحات پر مشتمل ہے۔ لکھنے والوں میں برصغیر پاک و ہند کے اعلیٰ پائے کے محققین کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اعلیٰ حضرت سے حسنِ عقیدت کی بنا پر لکھ رہے ہیں اور وہ بھی ہیں جنھوں نے اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی کا تنقیدی اور تحقیقی انداز سے جائزہ لیا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ تمام تر تنقید و تحقیق کے بعد مختلف احبابِ قلم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ

ملکِ سخن پہ شاہی تیری رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیتے ہیں

اتنی بڑی تعداد میں اتنی عظیم تحقیقی شخصیات کا قلمی تعاون حاصل کرنا سیّد صبیح رحمانی ہی کا کارنامہ ہے۔ ان مقالہ نگاروں نے ان موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے جن پر اب سے پہلے نہیں لکھا گیا یا لکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی اور حیرت کی بات ہے کہ ان فاضل مضمون نگاروں نے بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے جو نظریاتی طور پر ان سے متفق نہیں ہیں۔ انھوں نے اعتراضات کا حق استعمال کیا ہے۔ مگر فاضل بریلوی کے شعری کمالات کو جی بھر کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ سیّد صبیح رحمانی اپنے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ ہماری نعت گوئی کی منفرد اور توانا آواز ہیں۔ ایک ایسی آواز جس نے نعت گوئی میں ایک نئے اور مستقل

دبستان کی بنیاد رکھی۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے قرآن و سنتِ نبوی ﷺ آثارِ صحابہ واہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تاریخ و سیر کے موجود مواد سے اپنے شعری حسن کو ایک ایسا علمی نکھار عطا فرمایا ہے جس سے نہ صرف اُردو زبان و ادب کا نعتیہ سرمایہ باثروت ہوگیا ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی اس موضوع اور اس کے علمی وفکری پہلوؤں کی تفہیم آسان ہوگئی ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے صبیح رحمانی اس کرب کا شکار نظر آتے ہیں کہ ان کی نعتیہ شاعری پر نقد ونظر کے جن پیمانوں کے حوالے سے بات ہونی چاہیے وہ نہیں ہورہی۔ فاضل بریلوی نمبر نے بلاشبہ سیّد صبیح رحمانی کی تمناؤں کو قبولیت کا نیا عنوان بخشا ہے۔ جو یقیناً آنے والے ادوار کے لیے محدث بریلوی کی نعت گوئی کے حوالے سے خوب صورت تمہید ثابت ہوگا۔

اس اشاعتِ خاص کے قلم کاروں میں بہت سے ایسے ادباء وفضلاء ہیں جن کے اثر خامہ کا زمانہ معترف ہے۔ ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، پروفیسر محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی، ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، محمد احمد رضا خاں، شمشاد حسین رضوی، ریاض حسین چودھری، عزیز احسن، رشید وارثی، پروفیسر قیصر نجفی، پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی، پروفیسر محمد فیروز شاہ، ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد، ابوالحسن واحد رضوی، غلام مصطفیٰ قادری رضوی، مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، عبدالحکیم شرف قادری، ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی، پروفیسر شبیر احمد قادری، ڈاکٹر سراج احمد قادری، شاہ محمد تبریزی القادری، منصور ملتانی کی پُراثر تحریروں کے علاوہ راقم تحریر (محمد اکرم رضا) کے مضامین بھی شاملِ اشاعت ہیں۔

''مذاکرہ'' کے عنوان سے دلآویز گفتگو اور مباحث کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جناب بشیر حسین ناظم سمیت متعدد اصحاب نقد ونظر نے اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ''کلامِ رضا'' پر تضامین کے حوالے سے الگ سے ایک گوشہ مخصوص ہے۔

''اعلیٰ حضرت نمبر'' کی ایک خصوصیت خطیبِ مشرق حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کے فکری وارث جناب مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کے ۱۵۰ صفحات پر پھیلے ہوئے محققانہ مضمون کی اشاعت ہے۔ راقم تحریر نے دو برس پہلے یہ پیش گوئی کی تھی کہ اگر موصوف کا قلم مستقل مضمون نگاری اور مقالات نویسی کی طرف مائل ہوجائے تو خوب خوب لکھیں گے کیوں کہ درویش سب کچھ لٹا چکنے

کے بعد گودڑی جھاڑے تو چند جواہر ٹپک ہی پڑتے ہیں۔ حضرت اوکاڑی نے دنیائے نعت کے نیرتاباں اور امامِ نعت گویاں پر ان کی عہد آفریں نعت گوئی کے حوالے سے کئی دل کشا دریچے کشادہ کیے ہیں۔ کتنے ہی ابہام تھے جو وہ دُور کرتے گئے۔ خدا کرے کہ وہ مجھ پر ناراض کم ہوا کریں اور جس گوشۂ ادب میں آگئے ہیں اس سے واپسی کا راستہ کبھی بھی تلاش نہ کریں، اور کبھی وہ نادانستگی میں کوئی ایسی کوشش کر ہی بیٹھیں تو وہ مراجعت کا راستہ ہی بھول جائیں۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے فتاویٰ رضویہ اور نعت کے موضوع کے حوالے سے مشکل موضوع پر لکھا ہے۔ اختلاف کی گنجایش ہوسکتی ہے۔ مگر ان کی محققانہ کاوش کی داد دینا پڑتی ہے۔ اسی طرح ''تذکرہ رضا اور نعت رنگ'' کے حوالے سے پروفیسر شبیر احمد قادری نے خوب صورت شہ پاروں کو ایک مقام پر جمع کر کے بہار آفریں تحریروں کی جانب توجہ دلائی ہے۔ جب کہ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے فاضل بریلوی کی نعت گوئی پر اپنے تاثرات کو تحریر کی دلآویزیوں میں سموتے ہوئے کلامِ رضا کا انتخاب بھی پیش کردیا ہے۔ جس سے ان ''اصحابِ قلم'' کو سہولت عطا ہوگی جو اس عہد ساز نعت گو شاعر کا کلام پڑھے بغیر ہی اسپِ قلم کو مہمیز لگا دیتے ہیں۔ محترم ریاض حسین چودھری خوب صورت نعت ہی نہیں کہتے بہاراں بہاراں نثر بھی لکھتے ہیں۔ ان کا مضمون فاضل بریلویؒ کا شعری وزن اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت وقیع، تحقیق آفریں اور بہت سی علمی وفکری جہات لیے ہوئے ہے۔

ایک قلم کار نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ فاضل بریلوی پر ان کی اولاد اور خاندان کم لکھتے ہوں تو دوسروں کو اتنا کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ''نعت رنگ'' کی اس اشاعتِ خاص نے عصرِ حاضر کے حوالے سے آنے والے ادوار تک یہ پیغام پہنچا دیا ہے کہ ایسی سوچ سراسر غلط اور ادبی روایات کے خلاف ہے۔ جب کوئی شخصیت ''حاصلِ زمانہ'' بن جاتی ہے تو پھر گھر والوں اور متاثرین کا موازنہ نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا صدقہ ہے کہ جس نے محدث بریلویؒ کی شخصیت، فکر وفن اور نعتیہ کلام کو برصغیر پاک و ہند کی ہی نہیں بلکہ زمانے بھر کی زینت بنا دیا ہے۔ بریلی شریف والوں سے زیادہ اعلیٰ حضرت پر لکھنا ہمارا فریضہ ہے اور یہ کسی پر احسان نہیں بلکہ بالواسطہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنا ہے کہ جب کوئی اس محبوبِ خدا ﷺ کا ہوجاتا ہے تو پھر خدائی بھی اسی کی ہوجاتی ہے۔

سیّد صبیح رحمانی کے ''نعت رنگ'' نے فکرِ رضا کی اشاعت وترویج کے ضمن میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اس کا کوئی بھی شمارہ اُٹھا کر دیکھ لیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت

اور نعت پر کسی نہ کسی بہانے تذکرہ ضرور مل جائے گا۔ کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً۔ پروفیسر شبیر احمد قادری کا مضمون اسی کی زندہ گواہی ہے۔ عصرِ حاضر نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت کو اور آپ کے علمی و فقہی کمالات کو اس شدت سے عام کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دراصل یہ عشق کی بازی ہے جس میں ہار نہیں ہوتی بلکہ جیت ہی جیت ہے۔ حضرت فاضلؒ بریلوی کی ہمہ جہت شخصیت پر اس قدر کتب طبع ہو چکی ہیں اور دنیا بھر میں اس قدر تیزی کے ساتھ تحقیقی کام ہو رہا ہے کہ اس کا کماحقہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت پر سینکڑوں کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ ہزاروں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ مگر ضرورت تھی تو آپ کی نعت گوئی پر ایک ضخیم اور علمی لحاظ سے وقیع تر اشاعتِ خاص کی۔ ایسی اشاعتِ خاص جو صرف نعتِ رضا کے لیے مخصوص ہو۔ جس میں صرف مدح سرائی ہی نہ ہو بلکہ آپ کے نعتیہ خصائص کو نقد و نظر کی میزان پر تولا گیا ہو۔ مختلف ادوار میں مختلف معترضین کے اعتراضات کو سامنے لایا جائے اور تعصب کی عینک اُتار کر نعتِ رضا کو حقائق اور صداقتوں کے آئینے میں دیکھا جائے۔ اعلیٰ حضرت سے سطحی عقیدت رکھنے والوں کو نقد و نظر کا لفظ گراں گزرتا ہے حالاں کہ زرِ خالص بھٹی میں سلگ کو اور جگمگا اُٹھتا ہے۔ یہی عالم حضرت فاضل بریلوی کی نعت گوئی کا ہے۔ ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے جملہ مضامین کو دیکھیے۔ لکھنے والوں نے سخت کسوٹی سے کام لیا مگر فاضل بریلوی کی نعتیہ تب و تاب مزید نکھر کر سامنے آئی ہے۔

نعت رنگ کے ''امام احمد رضا نمبر'' میں مضامین کے تنوع سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ محض چند گھسے پٹے توصیفیہ امور کو دُہرائے جانا ہی تحریر و انشاء کا کمال نہیں بلکہ اصل کمال تو ''حدائقِ بخشش'' اور اعلیٰ حضرت کے علمی نوادرات سے نعتیہ خصائص کی جستجو ہے۔ اس اشاعتِ خاص میں شامل بعض مضامین کے عنوانات ہی تحیر سے دوچار کر دیتے ہیں کہ معلوم نہیں کیا بیان ہونے والا ہے اور پھر اوپر سے ایسے تحریر نگار اعلیٰ حضرت پر دو جملے تحریر کرتے ہوئے بھی دس مرتبہ سوچتے ہیں مگر داد دیجیے سیّد صبیح رحمانی کو کہ لکھنے والوں کا بھی خوب خوب انتخاب کیا اور ان سے اپنی مرضی کے عنوانات پر سیر حاصل مضامین لکھوائے۔ کس کس کا نام لیجیے۔ سب نے لکھا اور خوب لکھا۔ کسی کے مسلکی اور نظریاتی اختلاف نے جوش مارا تو بھی انھی کی تحریروں میں انجام کار فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام اور اس کے فکری و باطنی خصائص مزید نکھر کر سامنے آئے ہیں۔

الطاف حسین حالی نے ''حیاتِ جاوید'' لکھی تو ان کے معاصرین نے اسے سرسیّد احمد خاں کی مدلّل مداحی قرار دیا کیوں کہ اس میں اوّل تو انھوں نے اپنے ممدوح کے خلاف کوئی بات نہیں لکھی

اور اگر کہیں ان کے خلاف کسی تحریک یا کسی شخصیت کے بیانات کا تذکرہ کیا ہے تو خود ہی اس کا رد بھی پیش کر دیا ہے تا کہ ان کی محبوب شخصیت کے خلاف معمولی سا جملہ بھی قارئین تک نہ پہنچنے پائے۔ سیّد صبیح رحمانی نے اسی کے برعکس کیا ہے۔ ہر صاحبِ فکر کو فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر لکھنے کی دعوت دی ہے۔ لکھنے والوں نے ان کی شاعری کو نقد و میزان پر تولا۔ پھول ہی نہیں پھینکے گئے نشتر بھی چبھوئے گئے۔ تحقیق و جستجو کے نام پر بہت کچھ کہا گیا۔ لیکن پھول چننے اور کانٹے تلاش کرنے والوں کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری بے مثال اور لاجواب ہے۔ اس حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیّد صبیح رحمانی نے نعتِ رضا کے حوالے سے مدلّل مداحی نہیں بلکہ مکمل طور پر ناقدانہ توصیف کا اہتمام کیا ہے۔ یہ کام ایک ادارے کا تھا جو فردِ واحد کر گزرا۔ لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ اکثر اوقات مردانِ ہمت ہی سے انجمنوں کا بھرم ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ "نعت رنگ" کی اس اشاعتِ خاص سے فکر و نظر کے مزید چراغ روشن ہوں گے اور اتنا کچھ کر گزرنے کے باوجود فاضل مدیر نے اپنے اداریہ کے آخر میں اپنی جس "کم مائیگی" کا احساس دلایا ہے یہی احساس اگلی نسلوں تک منتقل ہو کر نعتِ رضا کے مزید تابدار گوشوں کو سامنے لانے کا باعث بنے گا۔

زیرِ نظر اعلیٰ حضرت نمبر کا ٹائٹل نام ور خطاط خالد یوسفی کے قلم کا شاہ کار ہے۔ جسے اس کی اشاعت کے بعد کئی رسالوں نے اپنے ٹائیٹل کی صورت دے دی۔ ٹائٹل پر سیّد صبیح رحمانی نے مدیر یا مُرتب کی حیثیت سے اپنا نام نہیں دیا بلکہ ان کا نام اندرونی سرورق پر سابقہ روایت کے مطابق موجود ہے۔ وقت کا فیصلہ ہے کہ جادۂ عمل پر چلتے ہوئے اپنی بلند نامی سے گریز کرنے والے ہی نیک نامی کی سند پاتے ہیں۔ کاغذ نہایت خوب صورت، الفاظ اُبھرتے جچتے اور آنکھوں کی زینت بنتے ہوئے، طباعت نظر نواز اور قیمت اتنی کم کہ فوراً گمان گزرے کہ وہ ہر حال میں نغماتِ رضا کی گونج سے ایوانِ وقت کو نظریاتی شکوہ عطا کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

ربِ کونین نعت رسول ﷺ کے حوالے سے سیّد صبیح رحمانی کی اس تحقیقی کاوش کو قبول فرمائے اور اس جادۂ نور پر نئے سنگ ہائے میل تراشنے کے لیے ان کے عزائم کو مزید وسعت، حوصلوں کو مزید فراخی اور جذباتِ عمل کو تب و تاب جاودانہ عطا کرے۔

☆

حاصلِ مطالعہ

تبصرہ نگاران: پروفیسر قیصر نجفی، قمر وارثی، منصور ملتانی
قمر رعینی، مسعود اختر، محمد صابر

مدینہ یاد آتا ہے / رضاء اللہ حیدر (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

'مدینہ یاد آتا ہے' رضا اللہ حیدر کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے جو ۲۰۰۴ء میں اشاعت پزیر ہوا ہے۔ رضا اللہ حیدر اردو کے استاد ہیں اور نعت سے بطور خاص شغف رکھتے ہیں۔ وہ بچپن ہی میں نعت کے تخلیقی جمال پر ایسے مر مٹے تھے کہ اضطراری طور پر زندگی کا پہلا شعر بھی انھوں نے نعت ہی کا کہا۔ خوبیِ قسمت سے اوائل عمری میں انھیں جو ماحول میسر آیا، وہ نعت گوئی کے لیے سازگار تھا۔ ایک تو ان کے والد شاعری کا ذوق رکھتے تھے، دوسرے نعت و سلام اور میلاد و منقبت کی محافل انھیں نصیب رہیں۔ ان عناصر نے مل کر ان کی شعری صلاحیتوں کو تقویت بخشی۔ اس پر مستزاد ان کے بقول انھوں نے معاصر نعت گو شعرا کے کلام کو بالاستیعاب پڑھا جس سے ان کی نعت گوئی کے شوق کو بڑھاوا ملا۔ ظاہر ہے اس تمام ذوق وشوق کا منطقی نتیجہ ایک مجموعۂ نعت کی صورت میں برآمد ہونا تھا، سو ایسا ہی ہوا ہے اور 'مدینہ یاد آتا ہے' کے نام سے ایک خوب صورت نعتیہ مجموعہ منصۂ شہود پر آگیا ہے۔

'مدینہ یاد آتا ہے' روایتی نعت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ زبان و بیان اور موضوع و مواد کے اعتبار سے اس مجموعے میں وہ سب کچھ ہے، جو نعت کے عمومی مجموعوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ البتہ رضا اللہ حیدر نے 'شنیدہ کہ بود مانند دیدہ' کے مصداق کچھ ایسی قلبی و روحانی کیفیات کو بھی

شعری پیکر میں ڈھالا ہے، جو مدینہ منورہ کی زیارت کے دوران میں ان کے بطونِ ذات مرتسم ہوئیں۔ ایسی کیفیات کا اظہار کہیں کہیں بے حد والہانہ ہے اور خاکِ مدینہ سے ان کے روحانی ربط کی شہادت دیتا ہے۔

آج تخیل میں ہم طیبہ جا پہنچے　　　کیا کیا منظر دیکھے دل کے آنگن میں
دستِ نبی کو چھونا چومنا ممکن تھا　　　کیسی تھی تقدیر غبارِ طیبہ کی
ہوا اور نہ ہوگا مدینے سا ہم کو　　　میسر جہاں میں سفر خوب صورت

ہر چند رضا اللہ حیدر کی نعت کا مزاج روایت سے ہم رشتہ ہے، تاہم ان کے ہاں جدتِ اظہار و بیان کی بھی بعض مثالیں ملتی ہیں، بلکہ بعض اشعار میں انھوں نے ندرتِ فکر کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ کاش! وہ اس رنگ و آہنگ کو قائم رکھنے کی مزید کاوش کرتے، کیوں کہ ایک آدھ نعت کے علاوہ تازہ کاری کے کہیں شواہد نہیں ملتے:

اتریں نور پرندے دل کے آنگن میں　　　پھول مدینہ مہکے دل کے آنگن میں
یاد سرورِ عالم کے جب پھول کھلیں　　　طائر سدرہ چہکے دل کے آنگن میں
ایک اک سطر رضا زیست کو پُرنور کرے　　　کیوں نہ ہر صبح کتابِ رخِ دلبر کھولیں
اللہ کی توحید کے ہیں لاکھوں دلایل　　　ہم کو تو محمد ہی کی برہان بہت ہے

پڑھیں عشاق محبت سے درود اور سلام
خلد میں نعت کے باغات لگائے جائیں
خاطر احباب میں ہی تلخیاں، بے چینیاں
گلشنِ طیبہ کی خوش بو پھر صبا مطلوب ہے

ایسی سرکار کو اللہ نے رفعت بخشی　　　جو بھی اونچا ہے وہ سرکار سے کم اونچا ہے

'مدینہ یاد آتا ہے' میں معدودے چند زبان و بیان کے تسامحات بھی پائے گئے ہیں۔ جن کی ہم نے اس لیے نشان دہی نہیں کی ہے کہ وہ کلام کے مجموعی تاثر کو مجروح نہیں کرتے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ رضا اللہ حیدر کا آیندہ مجموعۂ کلام تسامحات سے پاک ہوگا، اور ہونا بھی چاہیے، کیوں کہ وہ اردو کے استاد ہیں اور یہ بات بخوبی سمجھتے ہیں کہ:

چوں کفر از کعبہ برخیزد، کجا ماند مسلمانی

عقیدت (سہ ماہی) / مرتب: شاکر کنڈان (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

سہ ماہی 'عقیدت' نعتیہ ادب کا ایک کتابی سلسلہ ہے جس کا آغاز سال رواں کے اوائل میں سرگودھا سے ہوا ہے۔ سرگودھا یوں تو 'شاہینوں کی بستی' کے نام سے ایک شان دار عسکری پس منظر رکھتا ہے، لیکن اس شہر کی اپنی ایک منفرد علمی و ادبی تاریخ بھی ہے۔ اس سرزمین پر ایسے ایسے نامور شاعر و ادیب پیدا ہوئے ہیں جن کے ذکر کے بغیر تاریخِ ادبِ اردو ادھوری رہے گی۔ ان مشاہیر ادب میں ایک سربرآوردہ نام ڈاکٹر وزیر آغا کا ہے جن کی علمی و ادبی خدمات اس خطے کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ سچ پوچھیے تو ڈاکٹر وزیر آغا کی آسمان وقار شخصیت سرگودھا کی نمایاں پہچان بن چکی ہے۔

ہمارے پیش نظر سہ ماہی 'عقیدت' کا پہلا شمارہ ہے، جو کرنل (ر) سیّد مقبول حسین کی زیرسرپرستی شاکر کنڈان کی ادارت میں شائع ہوا ہے۔ سیّد مقبول حسین اور شاکر کنڈان ہر دو صاحبان کا بنیادی تعلق پاک فوج سے ہے۔ ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد ان کا خود کو نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے وقف کردینا ایک ایسا مستحسن اقدام ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہمارے لیے یہ امر باعثِ اطمینان ہے کہ دونوں فاضل حضرات قلم کار ہیں اور شعر و ادب کے بنیادی لوازم سے بہرہ ور ہیں۔ سیّد صاحب کے شعری مجموعے ہماری نظروں سے گزرے ہیں، البتہ شاکر کنڈان کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے، جو ان کی شعر و ادب سے شدید وابستگی کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کے تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی درک سے متصف جو کتب اب تک منظرِ عام پر آچکی ہیں، وہ درجِ ذیل ہیں:

(۱) اردو ادب اور عساکر پاکستان (تین جلدیں)، (۲) سنجیاں گلیاں سجریاں راہواں، (۳) آشوبِ زیست، (۴) رفاقتوں کی فصلیں، (۵) جادۂ شوق و محبت، (۶) جلتے صحراؤں میں، (۷) ہتھیلی پہ سورج، (۸) وجدان کی آنکھ، (۹) رایدینِ سیف و قلم، (۱۰) وہ کون؟

سہ ماہی 'عقیدت' شمارہ اوّل کو اردو، پنجابی اور انگریزی زبان میں حمدیہ و نعتیہ شعری و نثری تخلیقات سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اکثر مضامین و منظومات قابلِ مطالعہ ہیں۔ نقشِ اوّل اچھا ہے، نقشِ ثانی یقیناً بہتر ہوگا۔ اپنے ادارتی نوٹ میں شاکر کنڈان رقم طراز ہیں 'عقیدت ایک نعتیہ

سلسلہ ہوگا۔ جس میں نعت سے متعلق تحقیقی، تخلیقی اور تنقیدی مضامین کے علاوہ شعرائے کرام کا کلام بھی شامل ہوگا، ہمارے خیال میں مشمولات کا کڑا انتخاب ہی اس کتابی سلسلے کی کامیابی کی ضمانت ٹھہرے گا۔ ہمیں خوشی ہے کہ شاکر کنڈان کو بھی اس بات کا احساس ہے۔

اور بھی کچھ مانگ / الحاج عبدالستار نیازی (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

بلاشبہ ایسے نعت گو شعرا پر سرکارِ دو عالم ﷺ کا دونا التفات ہے، جو بیک وقت نعت گو بھی ہیں اور نعت خواں بھی۔ الحاج عبدالستار نیازی (مرحوم) ایسے ہی خوش نصیبوں میں شامل تھے۔ انھوں نے پہلے عمرِ عزیز کا ایک طویل حصہ نعت خوانی کی نذر کیا اور بعد ازاں نعت گوئی اختیار کی۔ یوں ان کا زبان سے لحن اور لحن سے قلم تک کا تمام تر سفرِ عشقِ رسولِ مقبول ﷺ کے نورافزا ماحول میں گزرا۔ نیازی صاحب کو نعت گوئی کے ساتھ ساتھ نعت خوانی کا جو شرف و اعزاز حاصل رہا ہے، اس کی ہر مداحِ رسول ﷺ کو تمنا رہتی ہے۔ ہم خود اس اعتبار سے استثنا نہیں ہیں۔ درج ذیل شعر ہماری ایسی ہی خواہش کا ترجمان ہے:

بہ فیضِ نعت جو میرا قلم گلو ہو جائے لکھوں میں نعتِ محمد ہوا کے دامن پر

'اور بھی کچھ مانگ' نیازی صاحب کا گیارھواں مجموعۂ نعت ہے، جو ان کی وفات کے بعد ۲۰۰۲ء میں ان کے صاحب زادے نے (جو خود بھی نعت گو ہیں) سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے مرتب کیا ہے۔ اس سے قبل نیازی صاحب کے دس نعتیہ مجموعے 'جلوے ہی جلوے'، 'نوائے نیازی'، 'یا حبیبی مرحبا'، 'بابِ کرم'، 'پردہ پوش'، 'لج پال'، 'شمس الضحیٰ'، 'بدرالدجیٰ'، 'حرفِ خوش بو' اور 'جس شان توں شاناں سب بنیاں' کے ناموں سے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ الحاج عبدالستار نیازی اردو اور پنجابی دو زبانوں میں نعت کہتے تھے۔ 'اور بھی کچھ مانگ' میں ان دونوں زبانوں میں کہی گئی اثر انگیز نعتیں شائع ہوئی ہیں۔

نعت گوئی و نعت خوانی کے ایمان افروز عمل سے عبارت زندگی کے حامل عبدالستار نیازی کا اختصاص دیکھیے کہ سرکار ﷺ نے انھیں سات مرتبہ روضۂ اقدس کی زیارت کا شرف بخشا۔ ان کے فرزند کا بیان ہے کہ مرنے سے چند روز قبل آٹھویں حضوری کا انتظام و انصرام مکمل تھا کہ انھیں داعیِ اجل کو لبیک کہنا پڑا۔

'اور بھی کچھ مانگ' کا تمام تر کلام الحاج نیازی کی محبوبِ خدا سے دیوانہ وار لگاؤ اور

والہانہ وابستگی کی تفسیر ہے۔ انھوں نے زیادہ تر حضور ﷺ کے دیارِ پاک سے دوری و مہجوری، شوقِ دیدِ طیبہ، خاکِ مدینہ سے نسبت، طوافِ کوے نبی ﷺ کی حسرت، آلِ محمد ﷺ سے الفت اور شفاعتِ سرکار کی تمنا کے مضامین پر اس انداز سے طبع آزمائی کی ہے کہ حرف حرف عشقِ نبی ﷺ کی تڑپ محسوس ہوتی ہے۔ ان کی زبان سادہ اور اسلوبِ بیان بے ساختہ اور اثر و تاثیر سے مملو ہے۔ خاص کر پنجابی نعتوں کی برجستگی اور اثر آفرینی دامنِ دل کھینچتی ہے۔ نمونہ کلام کے طور پر چند اشعار پیش خدمت ہیں:

بھول بیٹھا جو نبی کا راستہ وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گیا
لوگ کہتے ہیں ثنا خوانِ رسولِ عربی اس حوالے سے جہاں میں مری پہچان تو ہے
سرکار کے کرم نے کس کو نہیں نوازا ایسا نہیں ہے کوئی جس پر کرم نہیں ہے
آلِ نبی کا اس لیے دیتا ہوں واسطہ جز ان کے مصطفیٰ کو منایا نہ جائے گا

شاعرِ نعت/ ڈاکٹر سیّد سلطان شاہ (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

حضرت صائب نے کہا تھا:

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را تحسین ناشناس و سکوتِ سخن شناس

ہم نے اپنے تبصرے کا آغاز متذکرہ بالا شعر سے اس بنا پر کیا ہے کہ ہمیں قارئین کو اس تلخ حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ فی زمانہ تنقید و تجزیہ کا جو معیار سامنے آرہا ہے، وہ کسی بھی اعتبار سے قابلِ رشک نہیں ہے۔ درحقیقت ملک میں جو معدودے چند معتبر صاحبانِ نقد و نظر ہیں، ان میں سے بیش تر نے چپ سادھ رکھی ہے اور جو لوگ تنقید کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہیں، وہ آئے دن دفتر کے دفتر لکھ رہے ہیں۔ حادثہ یہ ہے کہ انھیں 'چیلنج' کرنے والا بھی کوئی موجود نہیں ہے۔ اردو زبان کی شاید سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کا ہر ادیب اور ہر شاعر بزعم خود تنقید نگار بھی ہے۔ ستم بالاے ستم یہ ہے کہ ہمارے مدیرانِ کرام جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ڈھیروں کتابیں تبصرے اور تجزیے کے لیے ایسے ادیبوں اور شاعروں کے حوالے کر دیتے ہیں جن کا بحیثیت نقاد نہ کوئی پس منظر ہوتا ہے اور نہ کوئی معیار و مقام۔ نتیجتاً وہ جب چاہتے ہیں کسی تخلیق کار کا جھٹکا کر دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کسی کے سر پر شہرت عام اور بقاے دوام کا تاج رکھ دیتے ہیں۔ ہم سے اگر کوئی پوچھے کہ مظلوم صنفِ ادب کون سی ہے، تو ہم کہیں گے

اردو تنقید۔ پہلے ہم غزل اور نعت پر ڈھائے جانے والے ظلم سے شاکی تھے۔ فغاں! کہ اب یار لوگوں نے تنقید کو بھی تختۂ مشقِ ستم بنا لیا ہے۔ بہرکیف ایسی افسوس ناک و مایوس کن صورتِ حال میں اگر کہیں سے کسی صاحب الرائے اہلِ علم کی آواز سنائی دے جائے تو دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے۔ ایسی ہی ایک صدا تجسیم ہوکر 'شاعرِ نعت' کی شکل میں آج ہمارے پیشِ نظر ہے۔

'شاعرِ نعت' ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ کے ناقدانہ شعور کی غماز ایک مبسوط کتاب ہے جس میں انھوں نے راجا رشید محمود کے فنِ نعت گوئی کے متنوع پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ اس کتاب کو 'مضامین و موضوعات' اور 'زبان و بیان' کے عنوانات کے تحت دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ اعتراف کرنے میں تامل نہیں ہے کہ دونوں حصوں کی صورت گری میں ڈاکٹر سلطان نے نہایت دیدہ ریزی و دقیقہ رسی سے کام لیا ہے۔ راجا رشید محمود ایسے نکتہ سنج، بسیار نویس اور ہمہ جہت نعت گو شاعر کے ابیات کا قرآن، حدیث، تاریخ اور فکر و فن کے تناظر میں تجزیہ کرنا دوسرا ہمالا کھڑا کرنے کے مترادف تھا، مگر ڈاکٹر سلطان یہ ہمالا کھڑا کرنے میں کامگار ٹھہرے ہیں۔ راجا رشید محمود کے تاحال کم و بیش ۲۵ر نعتیہ کلام کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مگر تجزیہ نگار کے پیشِ نظر ان کے ۱۸ر مجموعے تھے کیوں کہ باقی سات زیرِ نظر مقالے کی تدوین کے بعد منظرِ عام پر آئے۔ ہمارے خیال میں اتنے کثیر مجموعوں کا مطالعہ ہی کٹھن کام تھا، چہ جائے کہ ان کا تجزیہ و محاکمہ کرنا۔

راجا رشید محمود اور نعت لازم و ملزوم ہیں۔ نعت پر ان کا اتنا زیادہ کام ہے کہ اسے کسی ایک مقالے میں نہیں سمیٹا جاسکتا۔ ڈاکٹر سلطان نے تو ان کے تخلیقی نعت کے پہلو کو لیا ہے جب کہ تحقیق و تنقید نعت کے پہلو باقی ہیں اور اتنی ہی توجہ کے مستحق ہیں جتنی کا اوّل الذکر۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون ایسا صاحبِ علم ہے جو ڈاکٹر سلطان کی روایت کو آگے بڑھاتا ہے اور ان کے جیسے ایثار کا مظاہرہ کرتا ہے: صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

'شاعرِ نعت' پانچ سو سے زیادہ صفحات کو محیط ہے۔ اگر ڈاکٹر سلطان چاہتے تو ان صفحات کو کم بھی کر سکتے تھے کیوں کہ بعض مقامات پر بے جا طوالت کا احساس ہوتا ہے۔ خصوصاً جہاں کہیں بھی کسی فکر یا فنی خوبی کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں مثالوں کے انبار لگا دیے گئے ہیں، جب کہ انھیں معقولیت کی حد میں بھی رکھا جا سکتا تھا۔ علاوہ ازیں الفاظ جمع کی فہرستیں غیر ضروری طور پر پیش کردی گئی ہیں۔ اسی طرح بعض حواشی بھی کسی اہمیت و افادیت کے حامل نہیں۔ 'شاعرِ نعت' کے مطالعے کے دوران ہم ڈاکٹر سلطان کی علمیت سے متاثر ہوئے ہیں۔ البتہ یہ تاثر دو چند ہوتا اگر وہ راجا رشید محمود کے کلام میں تسامحات کی بھی نشاندہی کر دیتے، کیوں کہ تنقید و تجزیہ کا حق اسی طرح ادا ہوسکتا ہے۔

تاجدارِ حرم / فرحت عباس شاہ (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

فرحت عباس شاہ کی شاعری نوجوان نسل میں خاصی مقبول ہے۔ خصوصاً طلبہ و طالبات میں ان کے شعری مجموعوں کی مانگ زیادہ ہے۔

ہمارے پیش نظر فرحت عباس شاہ کا نعتیہ مجموعہ 'تاجدارِ حرم' ہے۔ جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا ہے۔ ہر نعتیہ مجموعے کی طرح 'تاجدارِ حرم' کی تخلیق کا محرک بھی جذبۂ عشقِ رسول ﷺ ہے جس کا فرحت عباس شاہ کے اشعار میں بے ساختہ اظہار ملتا ہے:

جو تیری محبت میں جکڑ لے مرا لوں لوں — میں تیری غلامی کی وہ زنجیر بناؤں
دل دھڑکتا ہے نام سے تیرے — سانس لیتا ہوں میں ہوا کے بغیر
آپ نے دل کا حال جان لیا — آپ نے سن لیا صدا کے بغیر
سامنے جس کے چاند ماند پڑے — اس قدر کون خوب صورت ہے

فرحت عباس شاہ نے سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی محبت کو فکری اساس بناتے ہوئے محض وارداتِ قلبی ہی کے بیان پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ آں حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے ذکر پر بھی توجہ مرکوز رکھی ہے:

دشمن کو دعاؤں کا دیا تحفۂ انمول — اے رحمت کل تیری ہے ہر بات نرالی
میں طائف دیکھ کر آیا ہوں فرحت — مجھے زخموں کو سینا آگیا ہے
آپ کی راہ سے مرے آقا — کر نہیں سکتا کوئی دور مجھے
صحرائی زمینوں پہ اُگا سبزۂ احساس — آپ ہی درگزر کا چشمہ ہیں

حمد و نعت میں حساس شعرا کے ہاں استغاثے کی کسک کا بھی احساس ہوتا ہے۔ فرحت عباس شاہ کے مجموعے کی آخری نعت اسی پیرایۂ اظہار کو پیش کرتی ہے۔

پھولوں کو کھا گیا ہے یہ بارود کا دھواں — روتے ہیں چیخ چیخ کے اشجار یا نبی
جیسے حضور ادنیٰ سپاہی تھے آپ کے — ویسے نہیں ہیں آج کے سالار یا نبی
امت پہ بھی کرم کی نظر کیجیے حضور — گرچہ بہت ہی ہم ہیں گنہ گار یا نبی

فرحت عباس شاہ کی نعت میں رنگ تغزل بھی نمایاں ہے۔ بعض اشعار اگر نعت کے تناظر میں نہ پڑھے جائیں تو وہ خالصتاً غزل کے اشعار لگتے ہیں:

بے چینی، تڑپ، درد، دعا، دشت نوردی — یہ کم تو نہیں ہے دل صد چاک کی دولت

آنکھ محصور ہے اداسی میں دل ہوا درد کے دیار میں گم

البتہ درج ذیل شعر تغزل سے بھی سرشار ہے اور نعتیہ رنگ بھی لیے ہوئے ہے:

جس پر مرے آنسو نہ تھمیں، درد سوا ہو
ہوجائے مجھے ایسی کوئی نعت میسر

'تاجدارِ حرم' میں زبان و بیان اور عروض کی متعدد غلطیاں موجود ہیں۔ جن کی نشان دہی ناگوار طوالت کا باعث بن جائے گی۔ کہیں کہیں آدابِ نعت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ فرحت عباس شاہ اشاعت سے قبل اپنا نعتیہ مجموعہ کسی صاحب علم کو دکھا دیتے تو مناسب تھا۔

جوئے بارِ بخشش / حامد امروہوی (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

ہمارے سامنے حامد امروہوی کا ایک نعتیہ مجموعہ ہے جو ۲۰۰۳ء میں 'جوئے بارِ بخشش' کے نام سے طبع ہوا ہے۔ جس میں حامد صاحب نے اپنا تمام تر کلام اردو کے ساتھ ساتھ رومن رسم الخط میں بھی شایع کیا ہے۔ یہ شاید اس نوعیت کی پہلی کاوش ہے۔ جسے ہم تحسین کی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ رسم الخط کے حوالے سے یہ طرزِ عمل ہمارے نظریۂ زبان کے بالکل برعکس ہے۔ بایں ہمہ حامد امروہوی کے اس استدلال کو تسلیم کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ نئی پود جن کی گھٹی میں انگریزی اور صرف انگریزی پڑی ہوئی ہے، اردو کی نئی بستیوں میں اسے اپنی مادری اور مرکزی ادبی زبان سے وابستہ رکھنے کا یہی ایک سہل طریقہ ہے۔ ان کے خیال میں نوجوان نسل اردو کو انگریزی کے حروفِ تہجی میں بہ آسانی سمجھ سکتی ہے لیکن ہمارے نزدیک جب کوئی زبان اپنے حروفِ تہجی سے بیگانی ہوجائے تو وہ زبان کہلانے کے استحقاق سے محروم ہوجاتی ہے۔ سوال اٹھتا ہے کہ دیوناگری یا رومن رسم الخط اختیار کرنے کے بعد اردو کو زبانوں کے شہر میں کس نام سے شہرت ملے گی نیز اردو سیکھنے کے لیے اردو کے حروفِ تہجی جاننا ناگزیر ہوگا یا انگریزی کے۔

'جوئے بارِ بخشش' میں زیادہ تر حامد امروہوی کے پہلے نعتیہ مجموعے 'مدحت کے پھول' کا کلام شاملِ اشاعت ہے۔ جس پر ہم نے نعت رنگ کے انھی صفحات پر اپنی رائے کا اظہار کردیا ہے۔ البتہ اس موقع پر ہم حامد امروہوی کو یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ وہ اپنا تخلیقی کام جاری رکھیں اور رسم الخط ایسے گمبھیر مسئلے میں الجھنے سے حتیٰ الوسع گریز کریں۔

مدحت کے پھول / حامد امروہوی (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

'مدحت کے پھول' امروہہ کے مردم خیز خطے سے تعلق رکھنے والے ایک مداحِ رسول ﷺ حامد امروہوی کا نعتیہ مجموعہ ہے جو ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ ہمارے سامنے ۲۰۰۱ء میں منظرِ عام پر آنے والی اس کی اشاعت ثانی کا نقش ہے۔ امروہہ کی اپنی ایک شان دار علمی و ادبی تاریخ ہے، جو بلاشبہ اس سرزمین کا سرمایۂ افتخار ہے۔ دلّی اور لکھنؤ کے بعد یہ واحد علاقہ ہے جہاں خانوادوں کے خانوادے علم وفن کی اشاعت و فروغ میں مصروفِ عمل ہیں۔ خود حامد امروہوی کا خاندان نعت گوئی و نعت خوانی کے حوالے سے ایک خصوصی پہچان رکھتا ہے۔ اس خانوادے کی نعت سے والہانہ وابستگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ امریکا جیسے مادیت پسند ملک میں رہ کر بھی حامد امروہوی نعت و سرکارِ نعت ﷺ کے فیوض و اکرام کو نہیں بھولے:

مرے سرکار کی ذرہ نوازی تو کوئی دیکھے جہاں میں یاد کرتا ہوں وہیں تشریف لاتے ہیں

دیگر اصنافِ سخن کی طرح نعت بھی عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی متقاضی ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ ہمارے نعت گو شعرا کو (گو معدودے چند کو) شعر جدید کی اس فنی احتیاج کا ادراک ہو چکا ہے اور وہ عہدِ حاضر کی تلخ سچائیوں کی نعت میں ترجمانی کر کے نعت کی صنفی اہمیت میں اضافہ کرنے کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ ایسے شعرا میں حامد امروہوی بھی شامل ہیں۔

ہر چند حامد امروہوی کی نعت کا عمومی مزاج روایت پسندانہ ہے اور ان کے اکثر مضامین و موضوعات وہی ہیں، جو صدیوں سے نعت میں پیش ہوتے چلے آرہے ہیں، مزید براں انھوں نے لفظ و بیان میں بھی روایتی اظہاریت کی روح کو برقرار رکھا ہے۔ تاہم ان کے منتخب اشعار عصری شعور کے آئینہ دار ہیں اور یہی ان کا فنی اختصاص ہے، جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

حامد امروہوی امریکا میں مقیم ہیں اور صبح و شام عقل و خرد کے محیر العقول مظاہرے دیکھتے ہیں۔ لیکن اہلِ عرفان و معرفت کی طرح وہ بھی خرد افروزی کے عمل کو نقطۂ کمال پر دیکھنے کے باوصف دل گرفتہ ہیں کیوں کہ تعقل پسندی کے جنون میں روحانی اقدار کی جس شدت و سرعت سے پامالی ہو رہی ہے، اس نے انسان و انسانیت کی بقا کو سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔ حامد امروہوی امریکا اور دوسری مغربی دنیا کی روحانی مفلسی اور بے روح خردمندی کی یوں نشان دہی کرتے ہیں:

ہزار شمعیں جلائے خرد زمانے میں حریمِ دل جو منور نہیں تو کچھ بھی نہیں

عقل اور دل کی روزِ اوّل سے ٹھنی ہوئی ہے۔ اقبال کہ ہمارے نزدیک شاعر و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عارف بھی تھے۔ ان کے کلام میں یہ معرکہ آرائی اپنی انتہاؤں پر ہے۔ ان کے ہاں اس امر کے واضح اشارے ملتے ہیں کہ عقل اور دل کے مابین کشاکش کے اسباب و علل جاننے کے لیے انسان و کائنات کی تخلیق کے مقاصد سے آگہی ضروری ہے۔ لہٰذا جن شعرا کو یہ آگہی نصیب ہے، وہ حامد امروہوی کی طرح یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:

عقل کہتی ہے علاجِ غمِ دل ہو جائے ۔۔۔ لذتِ درد یہ کہتی ہے مت اچھا کرنا

امریکا جو روحانی طور پر قلاش ہو چکا ہے اور فی زمانہ اپنے مادی مفادات کے حصول و تحفظ میں جس نوع کی دیوانگی کا مظاہرہ کر رہا ہے، وہ اقوامِ عالم کے لیے ایک لمحۂ فکریہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس کی آئے دن بدلتی ہوئی سیاسی ترجیحات نے عالمی امن کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ اسی کے نوآبادیاتی نظام کی وجہ سے آج کرۂ ارض خود آلود ہے اور امریکی سامراج کی چیرہ دستیوں کی دہائی دے رہا ہے۔ حامد امروہوی نے اپنے نعتیہ اشعار میں اس عبرت ناک عالمی منظرنامے کی جھلک پیش کی ہے:

بدلے ہوئے حالات میں یہ دورِ یزیدی ۔۔۔ پھر عزمِ شہ کرب و بلا مانگ رہا ہے
نظامِ شمس و قمر پر ہے اختیار تمھیں ۔۔۔ ہماری شامِ تمنا کی بھی سحر کردو
ہر آن بدلتی ہے خرد اپنی سیاست ۔۔۔ سرکار جو لائے وہ نظام اپنی جگہ ہے
تو نے دارائیِ عالم کا سکھایا تھا سبق ۔۔۔ پھر عطا کر وہی عرفان مدینے والے

نعت عشقِ رسول ﷺ سے عبارت ہے، جب کہ عشق اختیار نہیں بلکہ اضطراری جذبہ ہے۔ ہمیں حامد امروہوی کی نعت میں اضطرار و بے اختیاری کی ایک عجیب کیفیت کا احساس ہوا ہے۔ ایک ایسی کیفیت جس میں 'با محمد ﷺ ہوشیار' کی خوش سلیقگی بھی ہے اور 'کی محمد ﷺ سے وفا تو نے' کا درک بھی:

پہلے آجائے ترے عشق میں جینے کا شعور ۔۔۔ پھر ترے نام پہ مرنے کا سلیقہ مانگوں
جو بدل جائے کسی مصلحتِ وقت کے ساتھ ۔۔۔ مسلکِ عشق میں ایسا کوئی دستور نہیں
جب تصور کرلیا وہ ہیں ہمارے سامنے ۔۔۔ بحرِ غم میں آگئے لاکھوں کنارے سامنے
کرم میں ان کے کمی ہو یہ غیر ممکن ہے ۔۔۔ مری طلب میں یقیناً کوئی کمی ہوگی

ہم نے حامد امروہوی کے درج ذیل چار مصرعوں میں چار الفاظ بدلنے کی جسارت کی

ہے۔ اگر انھیں یہ جسارت ناگوار گزری ہوتو ہم معذرت خواہ ہیں:

ع جہاں میں یاد کرتا ہوں وہیں تشریف لاتے ہیں ('بھی' کی جگہ)

ع لذت درد یہ کہتی ہے مت اچھا کرنا ('نہ' کی جگہ)

ع تو نے دارائی عالم کا سکھایا تھا سبق ('اس' کی جگہ)

ع جو بدل جائے کسی مصلحتِ وقت کے ساتھ ('کبھی' کی جگہ)

مشارق / اسد ملتانی (مرتب: جعفر بلوچ) (مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

'مشارق' حضرت اسد ملتانی کا مجموعۂ حمد و نعت ہے، جسے پروفیسر جعفر بلوچ نے مرتب کیا ہے۔ یہ مجموعہ بالترتیب 'تحفۂ حرم'، 'دریاب' اور 'قوس درقوس' کے عنوانات سے تین حصوں میں منقسم ہے۔ 'تحفۂ حرم' دوسری بار زیرِ طبع سے آراستہ ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا تھا۔ البتہ 'دریاب' اور 'قوس درقوس' جعفر بلوچ کی تحقیق و دریافت کے حسن کے کاشف ہیں۔ مجموعے کے آغاز کو بعض مقتدر علمی و ادبی شخصیات کی صائب آرا سے مزین کیا گیا ہے، جو اسد ملتانی کی شخصیت اور فن کے ترفع کی تعبیر کرتی ہیں۔ ازاں بعد جعفر بلوچ کا نہایت پرمغز مقالہ تمہید و ابتدا کی ایک نادر مثال کے طور پر بابِ حیرت کھولتا ہے۔ یہ مقالہ اسد ملتانی کی علمی و ادبی کاوشوں اور حمد و نعت گوئی کی بے پناہ صلاحیتوں کے تعلق سے وقیع ترین تحریر ہے۔ اسد ملتانی ایسے نابغۂ روزگار کے فن اور شخصیت کے کوائف و خصائص کا احصا جعفر بلوچ کی سطح کے نغز گو شاعر و ادیب اور نقاد و محقق کا ہی کام تھا۔ ہم جعفر بلوچ کو اسد ملتانی کے مجموعۂ حمد و نعت کی مہتم بالشان ترتیب و اشاعت پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اسد ملتانی کا شخصی و فنی ہر دو اعتبار سے اکابر میں شمار ہوتا ہے۔ وہ علم و عمل کا سرتاپا ایک قابلِ رشک نمونہ تھے۔ سرکارِ دو عالم سے ان کا عشق مثالی اور دینِ اسلام و ملت اسلامی سے محبت و وابستگی بے عدیل تھی۔ ان کا کلام حالی، اقبال اور مولانا ظفر علی خان کے شعری میلانات و رجحانات کی توسیع کا ایک سلسلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بقول جعفر بلوچ 'ان کے نزدیک ادبیت اور اسلامیت پسندی لازم و ملزوم تھیں۔' وہ اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی شعر و سخن کی طرف راغب تھے اور بیان کردہ نظریۂ ادب پر کاربند تھے۔ نظم نگاری کے ایک مقابلے میں ان کی نظم 'قطرۂ شبنم' نے اوّل انعام حاصل کیا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ علامہ اقبال کا تھا۔ اس نظم میں ان کے افکار صوفیت کی

سطح پر دین و مذہب سے ہم آہنگ ہیں۔

اسد ملتانی کو بیک وقت انگریزی، اردو، فارسی اور سرائیکی زبان پر عبور حاصل تھا۔ وہ ان زبانوں کے مزاج داں بھی تھے اور ان کے علمی و ادبی مضمرات سے بھی کماحقہٗ واقف تھے۔ 'مشارق' میں اردو کے علاوہ ان کا فارسی اور سرائیکی کلام بھی شائع ہوا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہر زبان میں تخلیقی معیار یکساں طور پر فلک پیما ہے اور ان کے علوئے فکر، قدرتِ زبان اور جدتِ اظہار کی غمازی کرتا ہے۔ حمد ہو یا نعت ان کے ہاں جذبات و احساسات کا ایسا خوش گوار توازن اور صداقت و حقانیت کا وہ معنی آفرین اظہار ملتا ہے کہ ان سے منطق و استدلال کے سوتے از خود پھوٹنے لگتے ہیں، خصوصاً نعت میں انھوں نے اظہاریت کی جس نادرہ کاری اور فکر و خیال کی جس ندرت کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں:

محمدِ عربی سے ہے آبروے جہاں — کہ اس مکان کو عزت اسی مکیں سے ملی
نمونہ سب کے لیے ہے نبی کی سیرت میں — کہ جو نظیر بھی ڈھونڈی گئی یہیں سے ملی
ذرا بھی حشر و جزا و سزا میں شبہ نہیں — کہ یہ خبر ہمیں اک صادق و امیں سے ملی
نبی کا اسوۂ حسنہ مجھے یہ درس دیتا ہے — کہ میری زندگی قرآن کی تفسیر ہوجائے
مانگتا ہوں جس قدر ملتا ہے کچھ اس سے سوا — ہر دعا شرمندہ رہتی ہے اثر کے سامنے
تو نے کارآمد بنایا زندگی اور موت کو — مقصد ایسا رکھ دیا نوعِ بشر کے سامنے

نعت کی بنیادی شرط عشقِ نبی ہے اور عشقِ نبی خدا کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اس اہم نکتے کی طرف صرف اسد ملتانی کی نگاہ گئی ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے کیا عجب شعر کہا ہے، اس شعر میں بہ یک وقت حمد خدا کا کیف بھی ہے اور نعتِ محبوبِ خدا کا سرور بھی:

نبی کا عشق، خدا کی اطاعتِ کامل — یہ دیں کی اصل ہے باقی تمام افسانے

اسد ملتانی کی حمد و نعت کا مرکزی خیال خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلم امہ کی اصلاح و درستی ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں ان مسائل کی نشان دہی بھی کی ہے جو مسلمانوں کے درمیان نفاق و تفرقہ کا باعث ہیں۔ ان کا فکری رویہ کسی نوع کی مخاصمت کو ہوا نہیں دیتا بلکہ اس کے خاتمے کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ انھوں نے جنت البقیع کے قدیم مسئلے پر اپنے ملال کا جس خلوصِ نیت اور حقیقت پسندی کے ساتھ اظہار کیا ہے، وہ قابلِ داد ہے:

یہ کیا کہ اپنے اکابر کی یادگار نہ ہو — مزار بھی ہو تو لوحِ سرِ مزار نہ ہو

ضرور قبر پرستی کی روک تھام کرو — نہ یہ کہ کام مزاروں کا ہی تمام کرو

تمام اکابر علم و ادب کی طرح اسد ملتانی بھی اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں اور عالم اسلام کے عمومی طرزِ عمل سے شاکی ہیں۔ انھوں نے اس حوالے سے کلام میں بعض مقامات پر طنزِ ملیح سے بھی کام لیا ہے۔ ان کا مطمحِ نظر اس جذبۂ اخوت کو بیدار کرنا ہے جس کا عملی نمونہ معلمِ انسانیت نے پیش کیا تھا۔

جو عہد کرتا ہو کعبے کی پاسبانی کا — وہ آ کے سنگ کو چومے وہی طواف کرے
وجود ہی نہیں رہ سکتا ایسی ملّت کا — جو اپنے مرکزِ اصلی سے انحراف کرے
جو ہم نے وحدتِ ملت کو پارہ پارہ کیا — یہ وہ خطا ہے کہ شاید خدا معاف کرے

زندگی کے مختلف شعبوں میں متحیر کن انقلاب آفرینیاں غیر مسلم اقوام کا طغرائے امتیاز ہے۔ اسد ملتانی جب زندگی کا عالمی منظرنامہ دیکھتے ہیں تو جگر تھام کے رہ جاتے ہیں کیوں کہ انھیں عالمی سطح پر تحرکِ حیات اور انقلابی ہماہمی میں مسلمانوں کا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ اپنی اس دل گرفتگی کا حضورِ سرورِ کائنات وہ یوں استغاثہ کرتے ہیں:

یہ انقلابِ دم بہ دم اور محوِ خواب اہلِ حرم! — غافل عرب، غافل عجم
باطل کے ہنگاموں کا شور اور اہلِ حق خلوت گزیں — اے رحمۃ للعالمیں

اکثر و بیش تر شعرا کی طرح اسد ملتانی اُمتِ مسلمہ کے کردار و عمل کو فقط نشانۂ ہدف بنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اصلاحِ احوال کا شعور بھی دیتے ہیں۔ جس طرح قرآن پڑھنا ایک نیک عمل ہے، لیکن اسے سمجھ کر پڑھنا زیادہ مستحسن ہے۔ اسی طرح اسد ملتانی کے نزدیک قرآنی اوامر ونواہی کی روح کا ادراک کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہونا زیادہ مفید ہے بلکہ اصلاحِ احوال کی یہی ایک صورت ہے:

شانِ قیام بھی سمجھ، سر بہ سجود بھی سمجھ — اس کے حدود بھی سمجھ، اس کے قیود بھی سمجھ
رازِ سلام بھی سمجھ، رمزِ درود بھی سمجھ — یوں ہی فقط عدد نہ گن صل علیٰ محمدٍ

آخر میں ہم اسد ملتانی کی ایک خواہش کا ذکر کرتے ہیں جس کی تکمیل نہ صرف اتحاد بین المسلمین کی دل پذیر صورت گری کرے گی بلکہ فرزندانِ توحید کی بقا و سلامتی کی بھی ضامن ہوگی۔

خیمہ دربارِ رسالت کا کرے نصب عرب
اس کی تزئین کا سامانِ عجم پیش کرے

خوش بوئے التفات / رشید وارثی　　　　　　　　　　(مبصر: پروفیسر قیصر نجفی)

اگر کسی تخلیق کار کا اپنے دائرۂ تخلیق میں انہماک 'تو من شدی من تو شدم' کی سطح پر ہیں تو نتیجتاً تخلیق اور تخلیق کار ایک دوسرے کی پہچان بن جاتے ہیں۔ رشید وارثی اور نعت کا ارتباط و انجذاب بھی کچھ ایسی ہی نوعیت و کیفیت کا مظہر ہے۔ نعت سے وارثی صاحب کی وابستگی کا اندازہ ان کے فن اور شخصیت کے کسی بھی رُخ سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ ہر رُخ 'جا ایں جا است' کا مصداق ہے۔ بلاشبہ نعت کے حوالے سے ان کی ہمہ جہتی قابلِ رشک ہے۔ وہ بہ یک وقت نعتیہ ادب کی تحقیق، تنقید اور تخلیق پر دسترس رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ وسیع اور ذہن رسا ہے، دینی علوم سے آگہی اور قرآن فہمی ان کے اختصاصی اوصاف ہیں۔ مسرت افزا امر یہ ہے کہ حمد ہو یا نعت، منقبت ہو یا سلام ان کے ہاں ہر مذہبی صنفِ سخن کی اساس انھی اوصاف پر رکھی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ اپنے عقاید و نظریات کو مسلط نہیں کرتے بلکہ صائب دلایل و براہین کے ساتھ پیش کردیتے ہیں۔ ہمارے اس ادّعا کا جواز رشید وارثی کے مجموعۂ حمد و نعت و منقبت میں تلاش کیا جاسکتا ہے جو حال ہی میں 'خوش بوے التفات' کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے۔

'خوش بوے التفات' اسمِ بامسمّٰی ہے۔ ہم نے بعض منظومات میں سرکار ﷺ کی توجہات کی مہک بہ نفسہٖ محسوس کی ہے۔ وارثی سلسلے کے نعت گوشعرا کے ہاں حمدِ خدا، نعتِ نبی ﷺ اور منقبت اہلِ بیت و صحابۂ کرامؓ میں خود سپردگی کی جو کیفیت ہے، وہی رشید وارثی کی مدحیہ شاعری کی بھی خصوصیت ہے۔ البتہ فکری و فنی سطح پر رشید وارثی نے حمد و نعت و منقبت ہر سہ اصنافِ سخن میں ایک نئی اپج کا مظاہرہ کیا ہے۔ جو بلاشبہ ان کی تیس سالہ مشق و ریاضتِ فن کی دین ہے۔ ثناے خالق کا یہ پیرایۂ اظہار دیکھیے، جو حمد کی ایک عجب فکری جہت کی سمت نمائی کرتی ہے:

کیا کیا تمام خلق پہ اس کی عطا نہیں　　　ابلیس کا سوال بھی کرتا نہیں ہے رد

بے نور آنکھ سے بھی کبھی وہ چھپا نہیں　　　وصفِ جمال اس کا ہے اس شان سے عیاں

رشید وارثی کے ہاں حمد و نعت کو آمیز کرنے کا جو قرینہ ہے، وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے بعض اشعار ایسے ہیں جن پر بیک وقت حمد کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور نعت کا بھی۔ مگر حمد و نعت کے درمیان جو حدِ فاصل ہے اسے کوئی گزند نہیں پہنچتی:

خود ہے مصروف مگر مدحتِ سرکار میں تُو　　　حمد کرتی ہے تری دونوں جہاں کی مخلوق

اسی طرح نعت و منقبت کی آمیزش بھی قابلِ دید ہے۔ کمال یہ ہے کہ نعت و منقبت کا نقطۂ اتصال ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ مدحیہ شاعری کا یہ اسلوب رشید وارثی کا خصوصی امتیاز ہے:

چہرۂ پاک کی جھلک یوں بھی دکھا گئے حضور
بالیں پہ تھے حضور کی حضرت امام مجتبیٰؓ

مرثیہ جس طرح میر انیس کے خانوادے کا طرۂ امتیاز ہے اور جس پر انھیں بجا طور پر فخر ہے:

پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

رشید وارثی کو محبت سرکار ﷺ بہ صورتِ نعت اپنے اجداد سے ورثے میں ملی ہے۔ سبحان اللہ! ارثِ نعت ایسی متاعِ تفاخر جس کے حصے میں آئے، وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے۔

اپنے اجداد کی آنکھوں پہ گئی ہیں آنکھیں
نامِ سرکار پہ آنسو امڈ آتے ہیں رشید

درجِ بالا شعر فکر و خیال اور زبان و بیان ہر اعتبار سے سراہے جانے کے قابل ہے۔

بقول احمد رضا بریلوی یہ ایک معلوم بات ہے کہ نعت لکھنا تلوار کی دھار پہ چلنے کے مترادف ہے، کیوں کہ قلم کی معمولی سی لغزش ایمان کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ رشید وارثی ایک صاحبِ علم ہیں اور آدابِ نعت سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے قلم کا حسن یہ ہے کہ وہ شعری پیکروں میں نعتیہ افکار کو اس طرح ڈھالتے ہیں کہ ان کے انگ انگ سے قرآن کی بصیرت اور تاریخ کا شعور جھلکتا ہے۔ انھوں نے اگر کہیں اجتہادی فکر سے بھی کام لیا ہے تو اجتہاد و بدعت کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ ان کا عشقِ رسول ﷺ جنوں خیز نہیں بلکہ تعقل آفریں ہے۔ وہ رسول شناسی کے جس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہیں، درج ذیل شعر اس کی عکاسی کرتا ہے:

کہتا نہیں خدا بھی ان سے کہ یا محمد
توصیفِ مصطفیٰ میں پاسِ ادب ہے لازم

نعت کے دو اشعار اور ملاحظہ کیجیے اور رسول شناسی کے ایک اور اچھوتے انداز سے آنکھیں منور اور ذہن و دل مستنیر کیجیے:

تفسیر ہو رہی ہے محمد کے نام کی
توصیف کر رہا ہوں رسولِ انام کی

جو بات کر رہے ہیں نبی کے مقام کی
پہلے مقامِ عظمتِ انساں کریں تلاش

خالصتاً نعت کے لیے مسدس کی ہیئت کا سب سے پہلے استعمال حالی نے کیا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ ان کی نظم 'مدوجزرِ اسلام' جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے، نعتیہ شاعری کا ایک

شاہ کار ہے۔ رشید وارثی نے بھی ’مسدس وارثی‘ کے عنوان سے چند نعتیہ بند کہے ہیں جنھیں پڑھ کر نظم نگاری پر ان کی قدرتِ کاملہ کا شدید احساس ہوتا ہے۔ ہر چند غزل کے فارم میں کہی گئی ان کی نعتوں کی انفرادیت میں بھی کلام نہیں ہے، تاہم نظم گوئی میں ان کی استعداد صلاحیت نسبتاً زیادہ ہے۔ مدحیہ نظم میں وہ ہمیں ممتاز مرثیہ گو شاعر نسیم امروہوی سے لاشعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ نسیم امروہوی کو اُنھوں نے پڑھا ہے یا نہیں، لیکن ہم یہ بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ مسدسِ وارثی مسدسِ نسیم امروہوی کا رنگ و آہنگ لیے ہوئے ہے۔ اس موقع پر طوالت کے خوف سے پورے بند لکھنے سے ہم اجتناب کر رہے ہیں، البتہ چند بیتیں ضرور پیش کرتے ہیں، تاکہ قارئین پر رشید وارثی کی نظم گوئی میں مہارت واضح ہوجائے۔

ان بیتوں کی بندش، چستی، خیال آفرینی اور تاثر انگیزی بہ طور خاص قابلِ توجہ ہیں:

سرکار کی توصیف کا مضمون ادق ہے — اے ابرِ کرم! نوکِ قلم، پیاس سے شق ہے
وہ آیا تو توقیر گھٹی آبِ بقا کی — ہے خاک قدم گاہ میں تاثیر شفا کی
جس خاک نے نعلینِ پیمبر کو چھوا ہے — تہذیب کا پودا اسی مٹی سے اُگا ہے
یہ آخری منزل ہے مرے حسنِ یقیں کی — سرکار سے تزئین بڑھی عرش بریں کی

ایک اور بیت میں مدحِ مولا علیؓ کا یکسر نیا اسلوب سامنے آیا ہے:

یوں فرشتے آ رہے ہیں بہرِ امدادِ علیؓ — ہاتھ میں شمشیر ہے اور لب پہ ہے نادِ علیؓ

رشید وارثی کا ذہن بے حد زرخیز ہے۔ ان کی ذہنی زرخیزی کا ایک مظاہرہ درج ذیل بند میں ملاحظہ کیجیے جس میں ان کی منقبت کا منفرد انداز آشکار ہے، اس بند میں انھوں نے پنجتن پاک کے حوالے سے ’پانچ‘ کے عدد کی تفسیر و تعبیر میں بے پناہ علمی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نوع کی مثال اور کہیں نہیں ملتی:

ہیں مصطفیٰ میں اور رسالت میں پانچ حرف — اور مرتضیٰ میں پانچ نیابت میں پانچ حرف
ہیں فاطمہؑ میں اور طہارت میں پانچ حرف — حسنینؑ میں ہیں پانچ سیادت میں پانچ حرف
یہ پانچ نام کیسے جمیع الصفات ہیں — عز و شرف میں حاصلِ کُل کائنات ہیں

رشید وارثی نے ’خوش بوے التفات‘ میں کم و بیش تمام شعری ہیئتوں کو برتا ہے اور ہر ہیئت کے فنی لوازم کی پاس داری کی ہے۔ منظومات میں ان کی ایک غیر منقوط نعت بھی شامل ہے۔ اس قسم کی کاوش بے انتہا ریاضت و مجاہدہ، فن کی متقاضی ہے۔ رشید وارثی کی فنی ریاضت میں بھی

کوئی کلام نہیں:

وہ اصلِ درود و سلام و دعا ہے   وہ مولائے کل، مالک دو سرا ہے
وہ محمود و حامد وہ احمد، محمد   درک سے مدحِ احمدی ماورا ہے

ہمیں رشید وارثی کے ہاں زبان و بیان کی کچھ بے احتیاطیاں بھی نظر آئی ہیں۔ ان کی نشان دہی یوں بھی ضروری ہے کہ 'خوش بوے التفات' کی دوسری اشاعت میں ان کا اعادہ نہ ہو۔

'سہل' فارسی زبان کا لفظ ہے، ہاے ہوز پر جزم ہے، رشیدوارثی نے اسے بالفتح باندھا ہے:

وہ اسرار اسمِ الٰہی کا محرم   سہل اس کے دم سے ہراک مرحلہ ہے

'خور' بطور قافیہ نور، شعور، ظہور کے ساتھ نہیں باندھا جاسکتا۔ یہ لفظ 'خورشید' کا مخفف ہے اور بروزن 'حر' استعمال ہوتا ہے:

ماہ و نجوم کو ملا طلعتِ خور سے فروغ   عالمِ آب وخاک میں تیسرے ظہور سے فروغ

درج ذیل مصرع میں 'ح' گر رہی ہے۔ مصرع ساقط الوزن ہے:

عشقِ خدا کے زمزمے روح میں کیا سما گئے

لفظ 'کشود' مؤنث ہے، جسے مذکر باندھا گیا ہے:

خلق میں تیرے موجزن رمزِ صفات کا کشود

'نہج' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی کشادہ راستہ یا طور طریقہ ہیں۔ اس میں ہاے مختفی یعنی ہاے ہوز ساکن ہے۔ رشید وارثی نے بالفتح استعمال کی ہے۔ نیز 'حج' کے ساتھ 'نہج' کا قافیہ غلط ہے:

وحدت، صلوٰۃ وصوم، زکوٰۃ اور ادائے حج   اسلام کی اساس ہیں یہ پانچ ہی نہج

ایک آزاد نظم کی لائن 'تیرے القاب وکنیتیں ساری' میں 'القاب وکنیتیں' کی ترکیب محلِ نظر ہے۔

دریچۂ نور / پیرزادہ سیّد احمد ثقلین حیدر   (مبصر: قمر وارثی)

'دریچۂ نور' ایک ایسے شاعر کا نعتیہ مجموعہ ہے جو دنیاے روحانیت کے اس عظیم الشان خانوادے سے تعلق رکھتا ہے جس کی نسبی، نسبتی، علمی، ادبی اور روحانی فضیلت ایک جداگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ یہ روشنی کے سفر کا وہ کارواں ہے جس کی قیادت کا شرف خواجۂ خواجگاں سیّد نور محمد

چوراہیؒ اور سیّد فقیر محمد چوراہیؒ کو حاصل ہے۔ یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے آستانے سے پھوٹنے والی حقیقت وطریقت کی شعاعوں نے برصغیر کے ماحول کو روشن خیال کیا اور جن کے دستِ خاص سے لگائے ہوئے پودوں پر کھلنے والے گل ہائے رنگ رنگ کی خوش بو سے ایک عالم مسحور دکھائی دیتا ہے۔ سیّد احمد ثقلین حیدر ایسی ہی شاخوں پر کھلنے والے ایک پھول کا نام ہے جس کی فکر کا دریچہ جب دریچہ نور بن کر کھلا تو مدحتِ رسول ﷺ کی کرنیں صفحۂ قرطاس کو جگمگانے لگیں۔

یوں تو سیّد احمد ثقلین حیدر نے 'عرضِ حال' کے طور پر لکھا ہے کہ 'میں بنیادی طور پر شاعر نہیں، بس محدود سوچ، محدود فکر، محدود جذبات وتخیلات، اور محدود ترین علم وعقل کے ساتھ لامحدود کے محبوب کا ذکر کرنے والوں میں شامل ہونے کی تمنا رکھتے ہوئے اس بارگاہِ بے کس پناہ سے اپنی عقیدت کو کبھی نثر اور کبھی شعر میں سمونے کی کوشش کرتا رہتا ہوں'۔

لیکن 'دریچہ نور' میں شامل بیش تر خوب صورت نعتیں اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ سیّد احمد ثقلین حیدر شعر گوئی کے حوالے سے بالعموم اور نعت گوئی کے حوالے سے بالخصوص طبعِ موزوں رکھتے ہیں۔ تخلیقِ نعت میں عجز آمیز لہجہ اور درِ سرکار ﷺ کی غلامی پر فخریہ انداز کا اظہار، ایسی علامتیں ہیں جو روشن امکانات کی خبر دیتی ہیں۔ 'دریچہ نور' میں ایسے اشعار کی کثرت ہے جن کے مضمون و مفہوم کی جبینوں پر درج بالا علامتوں کے چراغ روشن ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ازل سے ہے آرزو یہ میری، یہی ہے میرا سوال آقا
میں بے ہنر ہوں مجھے عطا ہو، سخن وری کا کمال آقا

نہیں ہے زعم ہمیں کوئی خوش نوائی کا فقط ہے ناز ترے در سے آشنائی کا
جس در پہ دیا کرتے ہیں جبریلؑ سلامی صد شکر ملی مجھ کو اُسی در کی غلامی

شعر گوئی کے اساسی اصولوں میں طبعِ موزوں کے ساتھ ساتھ قواعدِ شعر گوئی سے آشنائی اور زبان کی صحت کو اوّلیت حاصل ہے۔ جب تک کوئی شعر اس کسوٹی پر پورا نہ اترے، شعر کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ ہر چند کہ یہی کسوٹی نعتیہ شاعری کے لیے بھی ہے لیکن صنفِ نعت عجب اعجاز رکھتی ہے کہ اس حوالے سے کہے گئے اشعار میں پہلے خود شاعر اور پھر قاری ایسا محو ہو جاتا ہے، عشقِ رسول ﷺ، عقیدتِ رسول ﷺ اور کوئے رسول ﷺ کی روح پرور فضاؤں میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ قواعدِ شعری یا زبان کی صحت پر پورا نہ اترنے والا شعر بھی اپنی کیفیات کے اثرات دلوں پر مرتب کرتا چلا جاتا ہے۔ 'دریچہ نور' میں ایسے اشعار کہیں کہیں نظر آتے ہیں جو بالخصوص زبان کی صحت کا

تقاضا کرتے ہیں۔ شاید اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے محترم احمد ندیم قاسمی نے 'دریچۂ نور' کے فلیپ پر لکھا ہے 'پیرزادہ سیّد احمد ثقلین حیدر شاہ صاحب کی نعتوں میں ایک سادگی، ایک معصومیت، ایک بے ساختگی کچھ اس انداز میں موجود ہے کہ ان کی کاوش پر پیار آتا ہے۔ میں اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پیرزادہ سیّد احمد ثقلین حیدر شاہ صاحب نے مسلّمہ نعت نگاروں کے بالاستیعاب مطالعے کے علاوہ مشقِ سخن جاری رکھی تو ان کی نعتوں میں وہ نکھار پیدا ہوجائے گا جو ہر نعت نگار کا مقدس مقصد ہوتا ہے۔

پرتوِ ماہِ تمام / شوکت قادری (مبصر: قمر وارثی)

جن شعرا نے اپنی شاعری کا آغاز نعت گوئی سے کیا، ان خوش نصیبوں میں شوکت قادری بھی شامل ہیں۔ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے فیوض و برکات کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک قائم رہے گا، اس حقیقت کے پیشِ نظر جس کی شاعری کا سفر حضورِ اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ جاری ہو، روشنی اور خوش بو اس کی ہم سفری پر ناز کرتی ہے۔

دبستانِ وارثیہ کراچی کے زیرِاہتمام ردیفوں کے حوالے سے فروغِ حمد و نعت کے سلسلے نے جہاں نعت گوئی میں ایک نیا اندازِ فکر بیدار کر کے نہ صرف نعت گو شعرا کی توجہ خصوصیت کے ساتھ اس جانب مبذول کی، بلکہ بہت سے نئے نعت گو شعرا کو متعارف کروانے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے، ایسے نئے نعت گو شعرا میں شوکت قادری کو اس لیے خصوصی حیثیت حاصل ہے کہ ان پر اس سلسلے کی ابتدائی محفلوں ہی میں اس حقیقت کا انکشاف ہوگیا کہ ان کے اندر بھی ایک نعت گو موجود ہے۔ یہ بات قابلِ رشک ہے کہ اس حقیقت کے انکشاف سے شوکت قادری نے جس قدر روشنی حاصل کی، اس کا خوب صورت مرقع انھوں نے 'پرتوِ ماہِ تمام' کی صورت میں عاشقانِ رسول ﷺ کے سامنے پیش کردیا۔ شوکت قادری کے مزاج میں انکسار، طبیعت میں ٹھہراؤ اور قلب کے طاق میں روشن عشقِ رسول ﷺ کے چراغ کو ماحولِ نعت گوئی سے جلا ملی تو کیا کیا نعتیہ اشعار سینۂ قرطاس پر جلوہ گر ہوئے، کچھ جھلکیاں آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

ہے آقا کی سیرت نمایاں نمایاں
ہے آقا کی سیرت نمایاں نمایاں

جس دل میں ہو آقا کی محبت کا خزانہ
رکھتا ہے وہی مفلس و نادار ہی سب کچھ

یا حبیبی، سیّدی، یا مصطفیٰ
یہ وظیفہ روز و شب ہے دل بہ دل

بہ فیضِ مدحتِ آقا بہ ہر لمحہ بہ ہر پہلو! چراغِ فکر وفن کو میں نے اپنے ضو فشاں دیکھا

شوکت قادری صنفِ نعت سے تعلق رکھنے والے ایسے شاعر ہیں جن کی فکر، حرفِ ثنا کی جستجو میں ہمہ تن مصروف رہتی ہے، جن کا فن مدحتِ رسول ﷺ کے نئے نئے زاویے تراشنے کی کوشش کرتا ہے۔ جن کی نگاہیں گنبدِ خضریٰ کے طواف میں مگن رہتی ہیں، جن کا تصور کوچۂ مصطفیٰ ﷺ کی جلوہ ریز فضاؤں میں گم، ماہِ نبوت و مہرِ رسالت کی ہر کرن چھونے کا تمنائی ہے اور جن کا تخیل ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے سمندر میں غوطہ زن رہ کر اوصافِ نبوت و رسالت کے موتیوں کی آرزو میں تہ تک اترتا چلا جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال شوکت قادری کی حضور اکرم ﷺ سے عقیدت اور وابستگی کا ایسا ثبوت ہے جس پر ہر اہلِ دل کی زبان اور ہر اہلِ عقیدت و محبت کے لب کلمۂ مرحبا ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شوکت قادری نے نعتیہ شاعری میں زبان و بیاں کی شایستگی اور لہجے کی وارفتگی کو خصوصی دخل ہے جس سے پڑھنے اور سننے والے پر اثر آفرینی کے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

اس حوالے سے چند اشعار:

ہمیشہ درود و سلام اُن پہ بھیجو یہی ہے ہمارا تمھارا اثاثہ!

عشقِ شہِ کونین سے میرا قلب ہی کیا ہے روشن روشن
رہتا ہے ہر آن بدن کا مہکا مہکا گوشہ گوشہ

ہے جلوہ گاہِ سیّدِ کونین وہ مقام جس کے خیال ہی سے ہے روشن جبیں جبیں

کر رہا ہوں ذکر میں سرکار کی معراج کا اور میرے ہم نوا ہیں مشرقین و مغربین

نزولِ رحمتِ رب کی فضا میں سانس لیتا ہوں
منا کر آپ کا جشنِ ولادت یارسول اللہ

شوکت قادری کا اوّلین مجموعۂ نعت 'پرتوِ ماہِ تمام' اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ ان کی تمام نعتیں کیف آفریں اندازِ فکر، والہانہ عقیدت و محبت اور سادہ زبان و بیان مگر خوب صورت لہجے کی حامل ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کی ایک انفرادیت اور خصوصیت یہ بھی کہ ان کی نعتوں کا ہر شعر نعت ہی کا شعر ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو بہت کم نعت گو شعرا میں پائی جاتی ہے مگر کسی خصوصیت کا پالینا اس قدر مشکل نہیں ہوتا، جس قدر جلا بخش انداز سے اس خصوصیت کا قائم رکھنا دشوار ہوتا ہے۔

رنگ و خوش بو نور و نکہت / حکیم راؤ عبداللہ عزمی (مبصر: قمر وارثی)

شعر و ادب کی تاریخ اس حقیقت کی شہادت دیتی ہے کہ بیش تر شعرا شاعری کے اُفق پر قابلِ رشک شعری صفات کے ساتھ نمودار ہوئے، دنیائے شعر و ادب میں اپنی فکری، ادبی اور علمی استعداد کے مطابق شناخت کی ارتقائی منزلیں طے کرتے نظر آئے اور پھر باوجود ایک عرصے تک گوشہ نشین رہے مگر جب اس گوشہ نشینی کے حصار کو توڑ کر ایک بار پھر ادبی محفلوں سے اپنا رشتا استوار کیا تو یہ بھی ثابت کیا کہ گوشہ نشینی کے باوجود نہ صرف منزلِ شعر کی جانب گرمِ سفر رہے بلکہ شعری سفر کے ہر موڑ پر اپنے ہونے کی بشارت بھی دیتے رہے، ایسے ہی شعرا میں حکیم راؤ عبداللہ عزمی بھی شامل ہیں۔

یوں تو راؤ عبداللہ عزمی نے بیش تر شعرا کی طرح اپنی شاعری کا آغاز انتہائی مقبول صنفِ سخن 'غزل' سے کیا اور بہت خوب کیا لیکن ان کی نعتیں اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ ان کی فکری رو اس بلندی کو چھونے کی جستجو رکھتی ہے جو معرفتِ الٰہی کا بہترین وسیلہ ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ سے ان کی عقیدت اور محبت ان کی نعتوں سے چھلکی پڑتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جذبات و احساسات کا ایک جھرنا ہے جو قلب و روح کے سوتوں سے پھوٹ رہا ہے:

آپ آئے تو سجی دونوں جہاں کی محفل ۔۔۔ رشکِ فردوس ہوئی کون و مکاں کی محفل
پھر مزا دینے لگی لفظ و بیاں کی محفل ۔۔۔ دل میں آیا شہِ کونین کی مدحت کا خیال
رونقِ عالم بنے جب گلشنِ بطحا کے پھول ۔۔۔ سارے باطل مذہبوں کے رہ گئے شرما کے پھول
ہر قدم کھلتے رہیں گے رحمتِ آقا کے پھول ۔۔۔ سیرتِ محبوبِ حق پر دیکھیے چل کر ذرا
یہ عظمتِ رسول کی روشن دلیل ہے ۔۔۔ دراصل کائنات ہے صدقہ رسول کا

یہ امر انتہائی خوش آیند ہے کہ نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کا سلسلہ ایک تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ بیش تر نعتیہ مجموعے عشقِ رسول، اسوۂ رسول، تعلیماتِ رسول اور اتباعِ رسول جیسے روشن زاویوں سے منور ہیں مگر فنِ شاعری اور زبان کی صحت پر خاطر خواہ دسترس نہ ہونے کے باعث اثر آفرینی کی اس منزل تک نہ پہنچ سکے جس منزل تک انھیں پہنچنا چاہیے تھا۔ راؤ عبداللہ عزمی فاضل طب و جراحت ہی نہیں، ایم اے، بی ایڈ کی سند بھی رکھتے ہیں اور ایک طویل عرصے تک درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں، لہٰذا اس حقیقت سے بہ خوبی واقف ہیں کہ شاعری میں فنِ شعر گوئی

اور صحتِ لفظی، بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا نعتیہ مجموعہ ’رنگ وخوش بو نور و نکہت‘ عشقِ رسول سے سرشار ایک ایسے دل کی آواز ہے جس میں احترام اور عجز کی وہ کیفیت ہے جو روح تک اترتی چلی جاتی ہے:

میں شرم سار ہوں آقا، بڑی ندامت ہے
ہوئی نہ پیروی مجھ سے یہ اک حقیقت ہے

روشنی کی بھیک لے کر آگیا ماہِ تمام
رنگ وخوش بو نور ونکہت آپ کے قدموں کی دھول

بلانے کے لیے مجھ کو جو طیبہ سے صبا آئے
مرے دل کے گلستاں میں بہار آجائے اے عزمی

سرکارِ دو عالم ﷺ سے عقیدت و محبت کی سرشاری میں جذبات و احساسات کا اظہار بڑی احتیاط چاہتا ہے۔ حکیم راؤ عبداللہ عزمی اس حوالے سے بہت محتاط رہے ہیں لیکن بعض مقامات پر جذب کی سی کیفیت طاری ہونے کے باعث عقیدت کا غلبہ محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر حنیف فوق صاحب نے بھی اپنے مضمون میں اس جانب اشارہ کیا ہے اور وہ بھی اس خوب صورتی کے ساتھ کہ خامی: خوبی نظر آنے لگے۔ وہ لکھتے ہیں ’یہ ضرور ہے کہ محبت وعقیدت کے اشعار میں بعض مقامات پر جذبے کی فراوانی کا احساس ہوتا ہے لیکن یہی جذبۂ محبت وعقیدت عزمی کی نعت گوئی کا نمایاں وصف ہے۔‘

آقا کملی والے / محمد یعقوب فردوسی

(مبصر: قمر وارثی)

دنیائے شعر و ادب میں ’اردو ماہیا‘ موضوعاتی شاعری کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل بھی ہے اور ایک مختصر نظم ہونے کے باعث براہِ راست ابلاغ کا وہ ذریعہ بھی ہے جو بھرپور اثر آفرینی کے ساتھ قاری یا سامع کو بہت جلد اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ شعر و ادب میں تحقیق کا شعبہ ہمیں اب تک ہونے والے اُن شعری و ادبی تجربات سے آشنا بھی کرتا ہے جو ہماری فکر، ہماری سوچ اور ہماری نگاہِ علم وفن سے مخفی ہوتے ہیں جب کہ ہیئت کے اعتبار سے نئے نئے شعری تجربات دامنِ شعر و ادب کو کشادہ کرنے میں خصوصی کردار ادا کرتے ہیں جیسا کہ مختصر نظم کی صورت میں ثلاثی اور ہائیکو وغیرہ نے شعرا کو ایک نئے انداز سے سوچنے اور ایک نئی فکر کے ساتھ تخلیقی عمل کی جانب توجہ مبذول کروائی جن میں شعرا نے دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ حمد و نعت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ ’اردو ماہیا‘ بھی ثلاثی اور ہائیکو کے انداز کی تین مصرعوں پر مشتمل ایک مختصر نظم ہے جس میں بیش تر شعرا نے اپنی اپنی فکر استعداد کے مطابق خوب طبع آزمائی کی ہے۔

یوں تو اردو ماہیا نگاری کے حوالے سے کچھ شعرا نے دوسرے موضوعات میں طبع آزمائی کرتے ہوئے کبھی کبھی حمد و نعت سے بھی اپنے ماہیوں کو سجایا ہے مگر محمد یعقوب فردوسی اردو ماہیا نگاروں میں انفرادی حیثیت کے حامل اس لیے ہیں کہ انھوں نے حمد و نعت کے چراغ سے اردو ماہیے کی دنیا کو ایک نئی روشنی عطا کی ہے۔ انھوں نے تبرکاً یا کبھی کبھی حمدیہ و نعتیہ ماہیوں کا اہتمام نہیں کیا بلکہ اپنے فکر و فن کی تمام صلاحیتیں بھرپور انداز سے صرف اور صرف حمدیہ و نعتیہ ماہیوں کی تخلیق کے لیے وقف کردی ہیں جس کے نتیجے میں حمدیہ و نعتیہ ماہیوں پر مشتمل پہلا مجموعہ 'مدینہ مدینہ پیارا مدینہ' ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا، اسی تسلسل میں دوسرا مجموعہ 'محمد ﷺ' کے نام سے ۲۰۰۱ء میں اور اب تیسرا مجموعہ 'آقا کملی والے' زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا ہے۔ بہ قول حیدر قریشی، اس تیسرے مجموعے میں سابقہ دونوں مجموعے کے بعض حمدیہ و نعتیہ ماہیے بھی شامل کیے گئے ہیں چوں کہ یہ خاکسار پہلے دونوں مجموعوں کے مطالعے کا شرف حاصل نہیں کرسکا، اس لیے اس بات کی نشان دہی تو نہیں کی جاسکتی کہ پہلے دونوں مجموعوں سے کتنا کلام تیسرے مجموعے میں شامل ہے، البتہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ شاعرِ 'آقا کملی والے' کی یہ کاوش لایقِ تحسین بھی ہے اور لایقِ تقلید بھی۔

محمد یعقوب فردوسی کے نعتیہ ماہیوں میں عشقِ رسول ﷺ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ہر ماہیا عقیدت و محبت کا ایسا قطرہ ہے جس میں حضور ﷺ سے وابستگی و وارفتگی کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے چند حمدیہ و نعتیہ ماہیے ملاحظہ ہوں:

ہم دھوم مچاتے ہیں	موجود ہے حاضر ہے
اپنے مولا کی	میرا مالک تو
جب حمد سناتے ہیں	ہر چیز پہ قادر ہے

سب جگ سے بالا ہے	پہچان تری مولا
ذکرِ خدا یارو	مالکِ یومِ دیں
ہر ذکر سے اعلیٰ ہے	ہے شان تری مولا

اک وجد میں رہتا ہوں	قسمت ہی بدل جائے

شاہِ مدینہ کے
جب ماہیے کہتا ہوں

شہرِ نبی میں گر
جاں میری نکل جائے

نعتیں جو کہتے ہیں
خوابوں کا سفینہ ہو

عاشق مدنی کے
آخری سانسیں ہوں

طیبہ میں رہتے ہیں
نظروں میں مدینہ ہو

بلاشبہ یہ اور ایسے بہت سے حمدیہ و نعتیہ ماہیے 'آقا کملی والے' کے صفحات پر جلوہ گر ہیں جن کی شاخوں پر بیٹھے الفاظ کے طیور اپنے پر پروازِ فکر کے زور پر قاری کو مدینے کی فضاؤں میں لے اڑتے ہیں۔ اس لحاظ سے محمد یعقوب فردوسی وہ خوش نصیب ماہیا نگار ہیں جن کی فکرِ رسا نے عشقِ مجازی سے بھرپور صنف 'ماہیا' کو حمد و نعت کا رخ دے کر عشقِ حقیقی کے فریم میں سجا دیا ہے۔ اس خوش نصیبی اور اس منزلت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت اور اس کے محبوب کی بارگاہ میں مزید عجز و انکسار کا پیکر بن کر اگلی منزلوں کی جانب سفر جاری رکھا جائے، برعکس اس کے 'اپنی بات' کے عنوان سے محمد یعقوب فردوسی لکھتے ہیں 'جیسا کہ آپ جانتے ہیں اُردو نعتیہ ماہیا کی تاریخ کا سب سے پہلا مجموعۂ کلام 'مدینہ مدینہ پیارا مدینہ' آقا کملی والے کے حضور پیش کرنے کا اعزاز میرے پاس ہی ہے اور پھر دوسرا مجموعہ 'محمد ﷺ' کے نام سے ۲۰۰۱ء میں منظرِ عام پر آیا اور آج تیسرا نعتیہ ماہیے کا مجموعہ 'آقا کملی والے' ۲۰۰۳ء حاضر ہے۔ گویا آج بھی آقا کملی والے کی ہم گنہ گاروں پر نظرِ کرم ہے ورنہ چار پانچ ارب کی آبادی میں یہ اعزاز برقرار رکھنا آسان کام نہیں، اور پھر نعتیہ ماہیا کیا ہے! آقا کی نعت ہی تو ہے۔ میں اس صنف میں تین مجموعے پیش کرنے کا مسلسل اعزاز حاصل کر رہا ہوں تو ان احباب کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی جنھوں نے مجھے 'فردوسیِ ثانی' بنا ڈالا۔ صاحبانِ علم و دانش اس خودستائش کے مرتکب اندازِ احساس کو جو نام دیتے ہیں، سو دیتے ہیں، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ پھر ارتقائی منزلوں کی جانب سفر نہ صرف دشوار ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ناممکن بھی۔

مرحبا صلّیِ علیٰ سیّدِ مکی مدنی / عبدالحمید قیصر

(مبصر: قمر وارثی)

مختلف اصنافِ سخن پر دسترس رکھنے اور ان اصناف میں خاصا سرمایہ موجود ہونے کے باوجود جن شعرا نے اپنے مجموعوں کی اشاعت میں حمد و نعت کو اوّلیت دی، ان میں عبدالحمید قیصر بھی

شامل ہیں۔ اس کی دیگر وجوہات میں سے ایک خاص وجہ عبدالحمید قیصر صاحب کے گھر کا وہ ادبی اور مذہبی ماحول ہے جس کا ذکر کتاب کے 'پیش لفظ' میں صاحبِ کتاب نے کچھ یوں کیا ہے 'انسان جس ماحول میں رہتا ہے اس کا اثر ضرور قبول کرتا ہے، جس قسم کے لوگوں سے واسطہ ہو انھیں کے عادات و اطوار انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ والدِ محترم مرحوم پیشے کے لحاظ سے حاذق طبیب تھے اور دینی تعلیمات سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے، انھیں اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ مرزائیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مباحثوں اور مناظروں میں بھرپور حصہ لیتے تھے، قرآن و حدیث کا بغور مطالعہ اور تخلیقِ کائنات کی غرض و غایت کے متعلق فکر کرتے اور کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔' گویا عبدالحمید قیصر صاحب کو شاعری اور مذہبی ماحول ورثے میں ملا ہے۔

'مرحبا صلِ علیٰ سیّدِ مکی مدنی' حمد و نعت پر مشتمل عبدالحمید قیصر صاحب کا پہلا شعری مجموعہ ہے سات حمدوں اور اکسٹھ نعتوں میں سے ایک حمد اور دو نعتیں پنجابی زبان میں ہیں جن کا آہنگ شاعر کے اندر کی کیفیت کا وہ اظہار ہے جو ہر صاحبِ دل کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ عبدالحمید قیصر کا اسلوبِ سخن نہایت سادہ اور عاجزانہ ہونے کے باعث عبد و معبود اور آقا و غلام کے سچے رشتے کا نہ صرف آئینہ دار ہے بلکہ فوری ابلاغ کی خصوصیت بھی رکھتا ہے۔ مثلاً حمد کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

سارے نبیوں میں تجھے جو سب سے پیارا تھا نبی
اُمتی اس کا بنایا، میں تو اس قابل نہ تھا

اللہ ربّ العزت سے محبت اور سرکارِ دو عالم ﷺ سے عقیدت، دو ایسی منزلیں ہیں جن کی سمت سفر کرنا بہت آسان بھی ہے اور انتہائی مشکل بھی کہ ان دونوں منزلوں کے اپنے اپنے تقاضے ہیں۔ اللہ کی وحدانیت اور محبوبِ خدا ﷺ کی محبوبیت کے مقام کو پیشِ نظر رکھنے والا ہی مذکورہ منزلوں کی جانب سفر کا اہل ہوسکتا ہے۔ عبدالحمید قیصر کے ہاں اللہ کی وحدانیت کے ذکر میں فکری بیداری اور محبوبِ خدا ﷺ کی محبوبیت کے حوالے سے فکری پاکیزگی کے وہ جوہر نظر آتے ہیں جن کی جلوہ گری کو طہارتِ لفظی کا اعتبار حاصل ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت کا اظہار ہو یا طیبہ نصیبی کی تمنا، دونوں زاویوں کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عبدالحمید قیصر صاحب نے اپنی نعتوں کو سجایا ہے۔ اس تائید کا عکس ان اشعار میں بھی دیکھا جاسکتا ہے:

ہر عمل آپ کا، آیات کا آئینہ ہے — زندگی آپ کی قرآن رسولِ عربی
ہر مرتبہ حضور کے شایانِ شان ہے — ختمِ رسل کہوں کہ شہِ انبیا کہوں

آقا دے غلاماں نوں ملدی اے شہنشاہی   اعلان کریندا اے اخبار مدینے دا

عبدالحمید قیصر کی نعتیہ شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ان کے جذبے کی سچائی، فکر کی گہرائی اور عقیدت کی رعنائی بخوبی دیکھی جاسکتی ہے البتہ کہیں کہیں زبان کی صحت کا مسئلہ ضرور پیدا ہوا ہے جس کے باعث مضمون کا حسن برقرار نہ رہ سکا۔ اپنی طرح ایک اور پہلو بھی خصوصی توجہ چاہتا ہے جس کی جانب جناب امجد اسلام امجد نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے 'وہ مقصدیت پر اس حد تک یقین اور ایمان رکھتے ہیں کہ کہیں کہیں شاعری کے فنی پہلو اور اس کی نزاکتیں، ان کی ترجیحات میں بہت پیچھے چلی جاتی ہیں۔'

بہر کیف عبدالحمید قیصر کی حمدیہ اور بالخصوص نعتیہ شاعری میں دل کے ساتھ ساتھ ان کی روح بھی شامل دکھائی دیتی ہے، وہ لایقِ مبارک باد ہیں کہ انھیں اللہ رب العزت نے اپنی اور اپنے پیارے محبوب ﷺ کی مدح وثنا کے لیے منتخب کیا، جس کا اظہار انھوں نے خود بھی کیا ہے:

یہ مرتبہ بھی کوئی کم ہے اُس گدا کے لیے
چنا گیا ہو جسے آپ کی ثنا کے لیے

سائبانِ رحمت / شیر افگن خاں جوہر

(مبصر: منصور ملتانی)

ہمارے ملک پاکستان میں بحمد اللہ حمد ونعت کے مجموعے کثرت سے شائع ہورہے ہیں جو اس بات کا اعلامیہ ہیں کہ ماحول پر جس قدر غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے بُرے اثرات بڑھتے جارہے ہیں اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ ذہنوں میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی مدحت کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ نعتیہ مشاعرے اور محافلِ نعت قلوب کو عشقِ رسول ﷺ سے منور کرنے کی مسلسل سعی میں مصروف ہیں یوں ازل سے جاری خیر وشر کی کش مکش میں ایک بار پھر خیر کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔ غضنفر علی خان غضنفر روہتکی جیسے شاعر کے خلف الرشید جناب شیر افگن خان خوب صورت اشعار کہنے والے جوہر کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔

جوہر ہمارے دبستانِ وارثیہ کے ردیفی مشاعروں کے مستقل شریک ہیں اور پچھلے تین چار سالوں سے خاصی پابندی کے ساتھ مشاعروں میں اپنا فکر انگیز کلام پڑھ کر مدحتِ رسول ﷺ میں ترقی کے زینے طے کر رہے ہیں۔ دبستانِ وارثیہ کے ردیفی مشاعروں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اکثر شعرا کو نئے کلام کے ساتھ شامل ہونا پڑتا ہے۔ کیوں کہ ہر مشاعرے کے لیے دی جانے

والی نئی ردیف پر پہلے سے کہا ہوا کلام بمشکل ہی دستیاب ہوتا ہے۔

اس مجموعۂ کلام 'سائبانِ رحمت' میں جوہر نے پانچ محامد بھی شامل کی ہیں جن میں سے دو دبستانِ وارثیہ کی ردیفوں پر کہی گئی ہیں:

پلکوں سے طوافِ کعبہ ہو — ہوں ذکر کی زیرِلب راہیں

میرے لیے جانے کا ہے پیغام بلاوا — لبیک کہوں بھیج مرے نام بلاوا

بابِ نعت میں اکیاون نعتیں ہیں جن کے اشعار میں شیر افگن جوہر کی راست فکری اور الفاظ کے استعمال کا سلیقہ نمایاں صفات ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے:

بھر لیتی ہے مدینے میں جا جا کے جھولیاں — ہونے لگے جو بے سر و سامان زندگی

خود ہی اسرار ہوتے ہیں سب منکشف — سوئے طیبہ ہے ہر اک سفر آگہی

ایک لمحے کو آقا چلے آئے — بن گیا ہے مرا سارا گھر آرزو

اُن کے دربار میں احوال سنا کر اپنا — یوں لگا جیسے کسی نے میرے پونچھے آنسو

ہوں ابرِ رحمت کے چند چھینٹے جو موسمِ جاں کا رُخ بدل دیں

حضور مجھ میں نہ جانے کب سے چھپا ہے یہ ناشناس موسم

ہے کون ساتھ اُڑنے کو چاہے نہ جس کا دل — سُوئے مدینہ جاتی ہوئی جب صبا ملے

ہم چلے تو سر پہ تھا یادِ نبی کا سایہ ہاں — لوگ سارے تو سفر کی شدتیں دیکھا کیے

آخر میں بابِ سلام و منقبت بھی اپنے پورے حسن کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ نمونے کے طور پر دو اشعار دیکھیے:

کون کرتا ہے سرِ راہ وفا جان فدا — کوئی کس طرح سے مشتاقِ ستم ہوتا ہے

آؤ کچھ رو کے کریں دل کو بھی ہلکا جوہر — سنتے آئے ہیں کہ غم رونے سے کم ہوتا ہے

'سائبانِ رحمت' شیر افگن خان جوہر کی کاوشوں کا نقشِ اوّل ہے اور اس میں موجود کلام پڑھنے کے بعد آپ میری اس رائے سے متفق ہوں گے کہ شیر افگن خان جوہر کی شاعری کا طلوع ہی ان کے لیے ایک روشن اور خوش گوار دن کی خبر بن کر آیا ہے۔

روشنی کے خدوخال / رفیع الدین راز (مبصر: منصور ملتانی)

معروف اور کہنہ مشق شاعر رفیع الدین راز کی مسدس درج بالا عنوان کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی ہے۔ ۲۵۴ صفحات پر مشتمل یہ خوب صورت کتاب جسے میڈیا گرافکس نے نارتھ کراچی سے

شائع کیا ہے اور جسے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے ایک شاعرانہ انجیل کا نام دیا ہے۔ اسے شاعر یعنی رفیع الدین راز نے مسدس، دورِ جاہلیت سے اسلام تک اور دورِ نبوت سے اسلام کے عروج تک کے بارے میں شاعرانہ کاوش کے روپ میں ڈھالا ہے۔ اس کتاب میں کل ۴۰۵ مسدس کے بند موجود ہیں اور پہلے بند سے آخری بند تک چھٹا مصرع ٹکڑے کا مصرع بن کر آیا ہے یعنی مسدس کے ہر بند کا اختتامی مصرع یہ ہے: مرحبا صلِ علیٰ اے آینہ اے روشنی گویا یہ مصرع ۴۰۵ مرتبہ دُہرایا گیا ہے۔ اس سے مسدس کی مجموعی ہیئت پر تو فرق نہیں پڑا البتہ ہمارے خیال میں شاعر کم از کم ۴۰۴ نئے مصرعے کہنے سے بچ گیا اور یوں اُس نے سیرتِ رسولِ پاک ﷺ کے بارے میں اپنے بیان کو محدود کر دیا وگرنہ ہر بار نئے مصرع کی صورت میں بہت سے نئے پہلو یا نئے انداز کے ذریعے مسدس پر امکانات کے نئے در کھولے جاسکتے تھے دوسری طرف شاعر نے اپنے اوپر ایک آزمایش مسلط کر دی کہ مسدس کا ہر بند کا اختتام ایک ہی مصرع پر کرنے کے لیے اسے ہر بند کے مضمون کا اختتامی انداز یکساں موضوع پر لانا پڑا جس کی وجہ سے بعض بندوں کے اختتام پر مندرجہ بالا مصرع بالکل علاحدہ محسوس ہوتا ہے مثلاً ایک منقبتی بند دیکھیے:

گھر میں جو کچھ تھا میسر نذر کر بیٹھے غنی
ایک جھاڑو تک نہیں رہنے دیا ایسے غنی
محوِ حیرت کیوں نہ ہوں یہ دیکھ کر سارے غنی
یہ غنی دراصل ہیں اللہ کے پیارے غنی
اُن کے آگے ہیچ ہے دریاؤں کی دریا دلی
مرحبا صلِ علیٰ اے آینہ اے روشنی

ہاں البتہ آخری مصرع ایک ہی رکھنے سے پوری مسدس مربوط ضرور ہوگئی ہے اور واقعی شاعرانہ انجیل ہی لگتی ہے۔

رفیع الدین راز نے اپنے اس مسدس کو بائیس مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ گو کہ انھوں نے کسی باب کو عنوان نہیں دیا لیکن پھر بھی کچھ باب ایسے ہیں جن میں موجود بندوں کا موضوع مرتکز ہے اور واضح طور پر قاری پر کھل جاتا ہے کہ اس باب میں کیا بات کی جارہی ہے لیکن کچھ باب واضح نہیں ہوتے۔ پہلے باب میں عہدِ جاہلیت کا بیان ہے جس میں ۴۶ بند ہیں۔ اس کے بعد ۴۵ بند میلادالنبی ﷺ سے متعلق ہیں۔ تیسرے باب کا موضوع شاید بند:۸۵ کے اس

مصرعے سے کہیے کہ:

جھیلتی ہے وقت کے دُکھ تب کلی بنتی ہے پھول

پھر اس کے بعد والے بند کا پہلا مصرع ہے:

ہے بہت دشوار پستی سے بلندی کا سفر

دونوں مصرعے کچھ چھپانے اور کچھ بتانے کے عمل سے گزر رہے ہیں مگر ہمارے نزدیک دونوں نعت کے حوالے سے قابلِ اعتراض مصرعے محسوس ہوتے ہیں۔ اس باب کے آخری بند میں بھی آخری مصرع پہلے پانچوں مصرعوں سے بالکل الگ ہے۔ چوتھا باب ۲۶ بندوں پر مشتمل ہے جس میں مکہ میں تبلیغِ اسلام سے لے کر مدینہ ہجرت تک کے واقعات کا بیان ہے۔ اگلے باب میں صرف چھے بند ہیں اور ان کو علاحدہ باب بنانے کی وجہ بھی ظاہر نہیں کہ ان میں غزوۂ بدر کا اشاراتی ذکر ہے جو اگلے باب کے بندوں میں بھی جاری ہے جس میں ۳۷ بند ہیں ان میں غزوات کا بھی ذکر ہے اور سیرتِ پاک کے حوالے بھی موجود ہیں۔ ساتویں باب میں فتح مکہ اور بعد کے واقعات اور سیرتِ پاک کے مختلف حوالے ہیں۔ اس باب میں ۲۷ بند ہیں، آٹھویں باب میں پھر صرف چھے بند ہیں جن کا موضوع عورت کی عظمت ہے جو اسلام نے اُسے عطا کی ہے۔ نویں باب میں چودہ بند ہیں جن میں نئی تہذیب کی بنیاد رکھے جانے کے اشارے دیے گئے ہیں جب کہ دسواں باب سب سے طویل باب ہے اور اس میں اُن عملی تبدیلیوں کا بیان ہے جو حضورِ پاک ﷺ کی بعثت کے سبب معاشرے میں آتی ہیں۔ اس میں ٦٧ بند ہیں۔ البتہ اس باب کے بند: ۳۱، ۳۲ اور ۳۳ کا موضوع علم ہے اور اس موضوع پر نویں باب میں بھی بند: ٦ سے ۱۲ تک علم کا ہی بیان ہے تو درج بالا بندوں کو ایک جگہ یا ایک باب میں نہ رکھا جانا بھی محلِ نظر ہے۔

اگلا باب گیارھواں باب ہے جس میں کل نو بند ہیں اور غالباً ان کا موضوع وحی القرآن ہے اس کے بعد کے چاروں باب چاروں اصحاب النبی ﷺ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی منقبت میں لکھے گئے ہیں۔ اگلے باب میں حضرت عبدالمطلب سے لے کر خاندانِ ہاشمی اور پھر اہلِ بیتِ اطہار کے منقبتی بند ہیں جس کا اختتامی بند حضرت امام حسینؓ بن علیؓ کی شان میں ہیں۔ اٹھارواں باب چار بندوں پر مشتمل ہے اور اُن کا موضوع شعب ابی طالب کی آزمائش سے ہے پھر انیسویں باب میں سات بندوں کے ذریعے وحی کے نزول کی کیفیات بیان کی گئی ہیں اور مختلف سورتوں کا بیان ہے۔ بیسواں باب آخری خطبے کی

وضاحت میں قائم ہوا ہے اس میں ۶۲ / بند ہیں جن میں بہت سے بند اصلاحاتِ معاشرہ سے متعلق ہیں اور پھر اکیسویں باب حضور پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس پر درود وسلام اور آخر میں دو بند جو ایک شاعر کا اظہار اور دوسرا شانِ حضور اکرم ﷺ میں ہے۔ بہرحال اس پوری مسدس کی زمانی ترتیب سے اختلاف کی گنجایش موجود ہے۔ مسدسِ راز میں جہاں تک شاعری کا تعلق ہے ان کے ہاں غزل کے تین مجموعے شائع ہونے کے بعد اپنا ایک لہجہ اور اپنی نفسیات واضح ہو چکی ہیں۔ راز فارسی، عربی اور ہندی الفاظ کو اتنی خوب صورتی سے ایک دوسرے سے جوڑ کر مصرع ترتیب دیتے ہیں کہ کہیں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی وہ خوب صورتی ہے جس سے 'روشنی کے خدوخال' سجی ہوئی ہے۔

ربِ خیر البشر / قمر وارثی　　　　(مبصر: منصور ملتانی)

یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے عصرِ حاضر کے بہت سے شعرا کے حمد یہ کلام پر مشتمل ہے۔ شاعری میں پروف ریڈنگ کی غلطیاں بے حد تکلیف دہ ہوتی ہیں لیکن زیرِ تبصرہ کتاب میں مجھے یہ خرابی بہت کم نظر آئی ہے یعنی اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں ہر شاعر کا کلام شاعر کے اپنے جذبات، لگن اور علم وبصیرت کا نمایندہ ہوتا ہے۔

میرے نزدیک یہ بھی ایک ادبی حادثہ ہے کہ مختلف اصنافِ سخن کے ہر مضمون و مقالات کے علاوہ انتخاب بھی شائع ہوتے رہے، لیکن آقائے نامدار کی مدح و ثنا پر مبنی کلام یعنی نعت کو نصف سخن ہی شمار نہیں کیا گیا۔ مقامِ مسرت ہے کہ اب گزشتہ چند عشروں سے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے والوں کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اور نعتیہ کلام پر مبنی مجموعے بھی کثیر تعداد میں شائع ہوئے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حضور ﷺ کی مدحت ہمارا جزوِ ایمان ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ خالِ کائنات اللہ ربّ ذوالجلال کی حمد و ثنا اور اس کے حضور اپنے ناچیز عبد ہونے اور اس کے مالک و خالق اور مشکل کشا ہونے کا اعتراف بھی ضروری ہی نہیں بلکہ جزوِ ایمان ہے اور اس سے اغماض مناسب نہیں۔

دبستانِ وارثیہ کے اراکین مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک بہت اچھا قدم اٹھایا ہے اس سے ہر مسلمان شاعر کے دل میں خاتم المرسلین کی مدح و ثنا کے ساتھ ساتھ رجوع الی اللہ کی ترغیب بھی ملے گی۔

میرے خیال میں اگر دبستان وارثیہ کے لوگ مناقبِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ازواجِ مطہرات کے مناقبِ کا انتخاب بھی شائع کرنے کا اہتمام کریں تو یہ بھی وقت کی اہم ضرورت اور ایک اچھا قدم ہوگا۔ یہ مبارک ہستیاں جنھیں قرآن کریم میں راشدون، مفلحون اور رضی اللہ و رضوعنہ کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے، تبلیغِ دینِ متین کے سلسلے میں جن کی خدمات سے انکار کی گنجایش ہی ممکن نہیں ہے ان کے مناقب کی اشاعت میں پس و پیش یا مصلحت کیا معنی رکھتی ہے۔ آج کے دور میں اگر ادبی و سیاسی شخصیات و شعرا کے بارے میں مضامین و نظموں کی اشاعت ہوسکتی ہے تو صحابہؓ کے بارے میں کیا چیز مانع ہے۔

دورانِ مطالعہ مجھے صرف ایک دو مقامات پر قوافی محلِ نظر محسوس ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک عام قاری کی حیثیت سے مجھے یہ بھی کچھ عجیب سا لگا کہ سجادؔ سخن کے لیے تقریباً چالیس صفحات اور تنویر پھول کے لیے تقریباً پینتیس صفحات مخصوص کیے گئے، جب کہ ڈاکٹر شاہد الوری اور سحر وارثی کے کلام کے لیے صرف ایک ایک صفحہ!

میرے خیال میں اتنا واضح امتیازی سلوک مناسب نہیں تھا، اسی طرح ترتیب میں بے ترتیبی محسوس ہوئی، معلوم نہیں کہ موجودہ ترتیب کس خاص مصلحت کے تحت رکھی گئی ہے! عموماً یا تو تقدمِ زمانی کے اعتبار سے ترتیب ہوتی ہے یا ایک طریقہ یہ ہے کہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے۔ لیکن یہاں دونوں صورتیں نہیں۔ سب سے پہلے ایک محترم بزرگ کمال میاں جمیلی سلطانی کا ذکر ہے جن کی پیدایش ۱۹۲۸ء کی ہے ان بزرگ کے بعد رفیق عزیزی ۱۹۱۶ء اور انجم شادانی ۱۹۲۰ء کا تذکرہ ہے پھر صفحہ ۷۸ پر شفیق بریلوی ۱۹۲۰ء کا اور ان کے فوراً بعد رحمٰن خاور ۱۹۳۷ء کا تذکرہ ہے۔ اگر کمال میاں کے لیے ایک خصوصی نوٹ لکھ دیا جاتا اور باقی شعرا کا کلام کسی خاص ترتیب سے مرتب ہوتا تو اور بہتر ہوتا۔

اس کے باوجود اپنی افادیت و اہمیت کے اعتبار سے یہ کتاب قابلِ مطالعہ ہے اور اس کی بھرپور پزیرائی ہونی چاہیے۔

حدیقۂ عقیدت / مظہر عارف (مبصر: منصور ملتانی)

نعت و سلام بعنوان 'حدیقۂ عقیدت' پیشِ نظر ہے۔ یہ خوب صورت اور خوب سیرت مجموعہ جس میں چار کنج اور ایک گل دستہ شامل ہے ہر صفحے پر قاری کا دامن تھام لینے کی صلاحیت سے

مالامال ہے۔ غالباً یہ پہلا مجموعہ ہے جس کے ہر نظمیہ ٹکڑے کا چاہے وہ نعتیہ غزل ہو یا نظم علاحدہ عنوان ہے جو اسی کے اشعار سے چنا گیا ہے۔ خاص طور پر نعتیہ غزلوں کے لیے یہ نیا التزام لگتا ہے۔ اس کے کنجِ اوّل کا عنوان 'آغاز و نیاز' ہے اس میں دس نعتیہ غزلیں ایک تضمین پر اشعارِ حالی اور دو طبع زاد مسدس شامل ہیں۔ کنج دوم جس کا عنوان 'مدینۃ النبی ﷺ' ہے، میں گیارہ نعتیہ غزلیں ہیں جو ذکرِ مدینہ سے بھری ہوئی ہیں۔ ابتدا یوں ہے کہ:

بہت شاق ہے میرے دل پر یہ دوری حضور اب تو مل جائے اذنِ حضوری

اور اختتام اس شعر پر ہے کہ:

ہوتے ہوئے رخصت، دیا جالی کو جو بوسہ بے ساختہ عارفؔ یہ خطا یاد رہے گی

اس کے بعد کنج سوم بعنوان 'ظہورِ قدسی' میں سترہ نعتیہ غزلیں برنگ مولود یعنی آمدِ حضورِ پاک ﷺ کے ذکر سے مزین ہیں:

مرادِ خلق بر آئی ظہورِ قدسی سے وجودِ پاک سے عالم نے مدعا پایا
وہ مہرِ عظمتِ انساں، وہ آفتابِ کمال وہی مقدرِ ہستی کو جس نے چمکایا

کنج چہارم 'ثنائے خواجہؐ' کے سرنامے کے ساتھ کتاب کا سب سے زیادہ صحیح اور نمایاں حصہ ہے جس میں چون (۵۴) نعتیہ غزلیں اور تین تضامین براشعارِ اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور بہادر یار جنگ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سلام اور ایک نعتیہ مسدس بھی اس کنج کا حصہ ہیں۔ نعتیہ غزلوں میں محمد ﷺ، صلِ علیٰ محمد، اے صلِ علیٰ اے صلِ علیٰ، یارسول اللہ ﷺ، یانبی ﷺ، یا مصطفیٰ، یامصطفیٰ اور ایسی دوسری ردیفیں نعت کی ایک خاص فضا پیدا کرتی ہیں۔ بیشتر اشعار میں درست الفاظ کا چناؤ، خوب صورت تخیل، پاکیزگیِ بیان اور ادب نعت قابلِ غور ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

رحمۃ للعالمینی تحفۂ رحمان ہے چاہیے تھا پیکرِ محسوس رحمت کے لیے
کائنات اس میں سما جائے جگہ باقی رہے دل اگر شایانِ شاں ہو ان سے الفت کے لیے
ہم گنہ گاروں کو دیجے اپنی رحمت میں پناہ شافعِ روزِ جزا ہم پر کرم فرمایئے
سب سراپا التجا ہیں آج ہم عارف کے ساتھ یانبی بہرِ خدا ہم پر کرم فرمایئے

آخری حصے میں گل دستہ کلام ہے جس میں بارہ غزلیہ سلام بہ حضور شہیدِ کربلا ہیں اور ایک مستزاد بھی اے شامِ غریباں کے عنوان سے موجود ہے۔ مضبوط شاعری گہرائی اور گیرائی رکھنے والا یہ کلام بیشتر اعلیٰ ادبی خصوصیات سے متصف ہے۔ آخر میں ایک شعر جو شاعر کی قلبی کیفیت کا

موزوں ترین ترجمان ہے:

میں نے جب تجھ کو پکارا تو حقیقت یہ کھلی تو مرے ساتھ ہے احساس نہیں تھا مجھ میں

روشنی کا سفر/ وسیم فاضلی (مبصر: منصور ملتانی)

وسیم فاضلی کافی عرصے سے شعر و ادب کی دنیا کے باسی ہیں ان کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جو ایک طویل عرصے سے ادب کی عملی خدمت میں مصروف ہے۔ وسیم کے ماموں زاد بھائیوں میں امید فاضلی، ندا فاضلی اور صبا فاضلی تو عہدِ حاضر میں ادب کے حوالے سے بڑے اہم ناموں میں شمار ہوتے ہیں۔ حمد و نعت سے وسیم فاضلی کا شغف فطری ہے اسی لیے انھوں نے زیادہ تر غزلیہ انداز میں حمد و نعت کے میدان میں کوششیں کی ہیں۔

اس مجموعے کی ابتدا میں حمد باری تعالیٰ کے زیرِ عنوان ۱۰ تخلیقات شامل ہیں جن میں 'رحمٰن و رحیم' نظمیہ ہے باقی غزلیہ حمدیں ہیں۔ خانۂ کعبہ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

یہ وہ جگہ ہے کہ گرتے ہوئے سنبھلتے ہیں رضائے حق سے مقدر یہاں بدلتے ہیں
تجلیات کا مرکز ہے خانۂ کعبہ یہاں تو جن و بشر سر بہ سجدہ چلتے ہیں

اس کے بعد کے حصے میں ۶ حمدیہ مختصر نظمیں، دس حمدیہ ثلاثی اور سات حمدیہ قطعات ہیں۔ پھر دعا مناجات کا حصہ ہے جس میں تین دعائیں اور ایک مناجات شامل ہے۔ اس کے بعد 'نعت' کا حصہ آتا ہے جس میں ساٹھ نعتیہ غزلیں موجود ہیں۔ بیش تر اشعار روایتی شاعری کے ضمن میں آتے ہیں کہیں کہیں جدید شاعری کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں خاص طور پر ان اشعار میں جہاں لفظوں کو اپنے مروّج معنی سے ہٹ کر استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً:

یہ کون چل رہا ہے سرِ رہ گزارِ زیست ہر ذرّہ اپنے بخت پر اِترا رہا ہے آج
میں دُور ہو کے مدینے سے ہوں بہت نزدیک یہ کیا یقین کی صورت مرے گمان میں ہے
دکھوں کی دھوپ بھلا اس کا کیا بگاڑے گی وہ دل جو عشقِ محمد کے سائبان میں ہے

مجموعے کے آخری حصے میں نعتیہ نظمیں اور مختصر نعتیہ نظمیں آتی ہیں جن کی تعداد پندرہ ہے۔ اور ان کے بعد نعتیہ قطعات ہیں جن کا شمار سترہ ہے:

یہ مدینہ کہ جو مرا دل ہے محورِ زیست جاں کی منزل ہے
وہ تجلی ہے محوِ خواب یہاں جو مری زندگی کا حاصل ہے

اب ایک نظم کا اقتباس دیکھیے:

اوروں کے واسطے جو اٹھاتا رہا ستم
جو غم کو ہر غریب کے سمجھا تھا اپنا غم
انسانیت کا دہر میں جس نے رکھا بھرم
وہ رحمت تمام ہمارا رسول ہے

محامد محمد ﷺ / خالد علیم　　　　(مبصر: منصور ملتانی)

خالد علیم محترم علیم ناصری کے خلف الرشید ہیں۔ حضرت علیم ناصری نعت کے حوالے سے پہلے ہی معتبر اہلِ سخن شمار ہوتے ہیں اور اب خالد علیم اپنے محامد کے ذریعے اہل فن میں اپنی جگہ بنانے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔

اس کتاب میں نعت کے لیے مختلف ہیئتیں استعمال ہوئی ہیں، مثلاً: غزلیہ نعتیں، قصیدۂ نعتیہ، نعتیہ آزاد نظم اور نعتیہ رباعیات۔

تقاریظ محترم جعفر بلوچ، خالد احمد اور حامد یزدانی کی ہیں۔ فلیپ ڈاکٹر خورشید رضوی اور سرورق کی پشت پر حضرت حفیظ تائب کی رائے ہے۔

خالد علیم اپنے مزاج کے اعتبار سے مجھے محسن کاکوروی کے بعد دکھائی دیتے ہیں۔ بقول حفیظ تائب ''طویل اور مختصر نعتوں میں بھی قصیدہ کی شان و شوکت کی گہری چھاپ ہے۔'' اسی طرح جعفر بلوچ کے الفاظ میں ''انھوں نے متعدد اساتذۂ فن کی زمینوں اور متعدد مشہور و معروف قصیدوں یا شعری شاہ کاروں کے تسلسل میں دادِ سخن دی ہے...'' خالد علیم کے اشعار کی کثرت غیر مردف زمینوں میں ہے۔ جو قصیدے کے مزاج سے قریب تر ہوتی ہیں۔ شوکت الفاظ کے حوالے سے خالد بعض جگہوں پر لغاتی الفاظ استعمال کرنے کے شوقین محسوس ہوتے ہیں۔ شاید اس کا سبب ان کا اپنا علمی معیار ہو، بہرحال اس سے قاری کو ابلاغ کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ گہرائی خیال، نعت کی فضا میں پوری طرح سے جذب ہو کر نعت لکھنے کی توفیق ان اشعار میں دیکھیے:

تو سیدِ والا گہر، خاکی ہیں تیرے ہم سفر　　　نوری ہیں تیرے ہم نشیں، یا رحمۃ للعالمیں
عقل و فہم و دانش و حکمت کا بحرِ بے کراں　　　مخزنِ علم و ادب امی لقب شاہِ عرب

کتاب کے آخر میں رباعیات خالد علیم کی مشقِ سخن کی شاہد بن کر سامنے آتی ہیں ایک

حمدیہ اور ایک نعتیہ رباعی بطور مثال پیش ہے:

حمدیہ:

حاصل ہے مجھے نشاط پیہم تجھ سے پرنور ہے میری چشم پرنم تجھ سے
زندہ میں ترے بغیر کس طرح رہوں رشتہ ہر سانس کا ہے محکم تجھ سے
لکھوں سرکار کا قصیدہ لکھوں اس خلق مجسم کا سراپا لکھوں
لکھنے کو ہیں بے شمار اس کے اوصاف محوِ حیرت ہوں میں کہ کیا کیا لکھوں

مرحبا سیّدی / تابش صمدانی (مبصر: منصور ملتانی)

برگِ ثنا کے بعد تابش صمدانی مرحوم و مغفور کا دوسرا مجموعۂ نعت 'مرحبا سیّدی' ان کی حیاتِ ظاہری میں شائع ہو کر وجود میں آ چکا تھا۔ فلیپ پر ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر جمیل جالبی، سرور خلیل صمدانی ایڈووکیٹ اور سرورق کی پشت پر ڈاکٹر ریاض مجید کی آرا شامل ہیں۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس مجموعۂ نعت میں ایک مخمس حمد اور ۷۲ر نعتیں شامل ہیں جس میں دو تضامین اور دو دعاؤں کے علاوہ تمام اشعار غزلیہ ہیئت میں کہے گئے ہیں۔ تابش صمدانی جو مسلسل فنِ شعر کی آبیاری میں مصروف رہے، بنیادی طور پر غزلیہ نعتیں ہی کہتے رہے اور اسی انداز میں انھوں نے بہت ہی خوب صورت اور خوش رنگ نعتیہ پھول کھلائے ہیں۔ ان کی نعتوں میں والہانہ پن، عقیدت کے لہجے میں بے ساختہ بولتا دکھائی دیتا ہے۔ زیادہ تر موضوعات: شہرِ نبی کی خواہشِ دیدار، حاضری اور حضور ﷺ کی تمنا، برکات سیرت اور امت کی حالتِ زار کا بیان ہے۔ کلام میں شائستگی اور روانی بہت ہے۔ اور بعض اوقات تو مسلسل نعت کی فضا قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے، 'روضۂ اطہر ﷺ کی حاضری سے پہلے' خاصے کی چیز ہے۔ مثال کے طور پر یہ دو اشعار دیکھیے:

جذبہ عشقِ نبی دل میں بسا لوں تو چلوں سنگِ بے پایہ کو آئینہ بنالوں تو چلوں
تربیت کچھ تو دل و ذہن و نظر کی کرلوں سب کو آدابِ حضوری میں سکھالوں تو چلوں

پہلے مجموعۂ نعت پر کتاب کے آخر میں 'برگ ثنا: اہلِ دانش کی نظر میں' کے عنوان سے مختلف اہلِ قلم و دانش کی آرا تقریباً ۱۵ر صفحات پر محیط شامل کی گئی ہیں۔

جس کی کتاب میں قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ تابش صمدانی کے اشعار ان کے نعت گو شاعر ہونے کا کافی ثبوت ہیں۔ آپ بھی ان سے فیض حاصل کیجیے:

کیجیے ہر دکھ سے بے نیاز حضور
آپ سب کے ہیں چارہ ساز حضور

حشر میں آپ کی شفاعت ہی
حرفِ بخشش کا ہے جواز حضور

آپ نے فرما دیا سرکار جب اپنا مجھے
اور اب کیا چاہیے کونین کے آقا مجھے

پھر خدا معلوم کیسے موتیوں میں تل گئے
اشک دامن پر گرے تھے یاد ہے اتنا مجھے

(مبصر: منصور ملتانی)

ساقیِ کوثر / خان اختر ندیم نقش بندی

ندیم نقش بندی اپنے پہلے مجموعۂ کلام 'ساقیِ کوثر' کے ذریعے نعت خواں حضرات کی صفوں سے آگے بڑھ کر نعت گو شعرا کی صفوں میں شامل ہوگئے ہیں۔ کتاب چھ نمایاں حصوں میں بٹی ہوئی ہے پہلے ساٹھ صفحات آرا و تاثرات سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس حصہ مضامین میں ڈاکٹر سید انوار احمد ادیب رائے پوری اور پروفیسر عتیق احمد جیلانی کے نام بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد حصۂ حمد جس میں ایک حمدیہ نظم اور چار حمدیہ غزلیں شامل ہیں۔ اس کے بعد حصہ نعت جس میں چار نعتیں خان اختر ندیم کے والد بزرگوار صوفی ماسٹر فیسر خان پیکر اکبر آبادی کی ہیں اس کے بعد ندیم کی دو نعتیہ نظمیں ۱۰۸ نعتیہ غزلیں، عربی زبان میں گیت اور چار نعتیہ نظمیں ہیں۔ اس کے بعد تین سلام بہ حضور سرور کونین ﷺ پھر سندھی حصہ ہے جس میں پروفیسر سرور نواز بگھو کی منظوم رائے اور ندیم کی نو سندھی نعتیں شامل ہیں اُس کے بعد مناقب جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر بابا معین الدین چشتی اجمیریؒ کی شان میں ہیں اور آخر میں منظوم دعا اور تہنیت کے علاوہ صاحب کتاب کی رنگین تصاویر ہیں۔ تمام کلام میں سادگی، روایت کی پاس داری اور ترنم کی روانی نمایاں اور صاف ہے اس تمام شاعری کو عقیدت و محبت کے منظوم اظہار کا نام دیا جاسکتا ہے۔ نعت اب اپنے مزاج کے اعتبار سے روایت سے بہت آگے جاچکی ہے جب کہ 'ساقیِ کوثر' میں موجود شاعری سے نعتیہ محافل میں خوش الحانی سے پڑھ کر وقتی طور پر دلوں میں حرارت پیدا کرنے کا کام لیا جاسکتا ہے۔

چند اشعار دیکھیے:

گھروں کو سجاؤ دلوں کو سنوارو نگاہیں جھکاؤ حضور آرہے ہیں
انھیں کی ہوں باتیں انھیں کی ہوں نعتیں سنو اور سناؤ حضور آرہے ہیں

دیکھا ہے میں نے خواب میں دربارِ مصطفیٰ
مجھ کو نصیب ہوگیا دیدارِ مصطفیٰ

روضے کا خوش رنگ نظارہ دکھلانا
ہم کو بھی سرکار مدینے بلوانا

فیوض الحرمین / عطاء الرحمٰن
(مبصر: منصور ملتانی)

حرمین شریفین میں بار بار حاضری جس کا نصیب ہوجائے اور محافل میلاد کا سال بھر مختلف مواقع پر انعقاد کرتے کرتے وادیِ شعر میں اتر جانا تمام خوش نصیبی کی علامتیں ہیں جو عطاء الرحمٰن شیخ کو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے کرم سے میسر ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ نعت 'عطائے حرمین' کے نام سے تقریباً پانچ سال قبل شائع ہو چکا ہے۔ اب یہ دوسرا مجموعہ، حمد و نعت 'فیوض الحرمین' دیدہ زیب انداز میں شائع کیا گیا ہے جس کا حرفِ اوّل پروفیسر عبدالجبار شاکر نے تحریر کیا ہے 'پیشوائی' حفیظ تائب کے زورِ قلم کا ارمغان ہے اور پیش لفظ معروف نعت خواں محبوب احمد ہمدانی نے لکھا ہے۔ اس مجموعے میں ایک حمد ۶۳ نعتیں (جن کی تعداد شاید حضور پاک ﷺ کی عمر مبارک کے ۶۳ برسوں کے پیش نظر رکھی گئی ہے) اور ایک حضرت علیؓ کی منقبت شامل ہے۔ اس کتاب میں موجود تمام شاعری سیدھے سادے لفظوں میں اور آسان مروج بحور میں کیا جانے والا ایک عقیدت مند کا دلی اظہار ہے جو سادگی کے سبب سے ہی پر اثر ہے۔ زیادہ تر نعتوں میں سامنے کے مضامین ہیں اور کہیں تہ داری کی شعوری یا غیر شعوری کوشش نظر نہیں آتی مندرجہ ذیل اشعار بطور ثبوت کے پیش ہیں۔ وہیں رحمتوں کا سہارا ملا جہاں کوئی مشکل مقام آگیا:

جو اُن کے کرم کا سہارا نہ ہوتا	زمانے میں کوئی ہمارا نہ ہوتا
جو پیارا ہے سب سے زیادہ خدا کو	ہمیں کس طرح سے وہ پیارا نہ ہوتا
نہ پوچھو کیا سے اب کیا ہوگیا ہوں	میں پتھر تھا ستارہ ہوگیا ہوں
سہارا مجھ کو کافی ہے نبی کا	نہ سمجھو بے سہارا ہوگیا ہوں

۱۴۸ ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب مصنف کے اپنے پتے سے شائع ہوئی۔

حرفِ ثبات / مقبول نقش
(مبصر: منصور ملتانی)

حضور پاک ﷺ کی مدحت انسان کو روحانی طور پر اُس تسکین کا احساس دلاتی ہے کہ اُس کا فنی سفر تیزی سے تکمیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ فنِ شاعری کے میدان میں طویل مشاہدے یا ریاضت سے قلب کو اطمینان کبھی نصیب نہیں ہوتا جو ہر شاعر کی تمنا ہوتی ہے۔ اور ویسے بھی عمر کے ایک خاص حصے میں پہنچ کر ذہن میں گزاری ہوئی عمر کے رائگاں ہونے کا خوف کچھ اس طرح جگہ

بنا لیتا ہے کہ حمد و نعت کے علاوہ کوئی جائے پناہ دکھائی نہیں دیتی۔ مقبول نقش کا حمد و نعت کا مجموعہ حرفِ ثبات اسی بات کے اہم ثبوت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ نصف صدی سے اوپر کی فنی ریاضت انھیں تکمیل کے موڑ پر پہنچاتی ہے۔

۱۲۸ر صفحات پر مشتمل یہ نسبتاً مختصر مجموعۂ کلام جس کا پیش لفظ سیّد ابوالخیر کشفی نے بہت خوب صورت انداز سے تحریر کیا ہے۔ اس کے سرورق کے پشت پر ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر اسلم فرخی جیسے جید اہلِ قلم کی آرا کتاب کی خوب صورتی اور خوب سیرتی کی گواہ ہیں اور اس کو ہم سخن رائٹر فورم نے کراچی سے شائع کیا ہے۔

چند اشعار دیکھیے کہ مقبول نقش نعت میں کس گہرائی تک پہنچ کر اپنی کیفیات بیان کرتے ہیں:

ہاں ہوا اور بادباں بھی ہیں مگر بندہ نواز　　　تھا کوئی جس کو رہا میرے سفینے کا خیال

میرے مولا اس حقیقت پر مرا ایمان ہے　　　آپ کو ہر ایک دل کے آبگینے کا خیال

رازِ آشنائے کن فکاں، کوئی نہیں تیرے سوا　　　تحقیق اور وجدان کا ہے آخری یہ فیصلہ

ہر عہد عہدِ مصطفیٰ، صلِ علیٰ صلِ علیٰ

باوضو آرزو / محمد فیروز شاہ　　　　　　　　(مبصر: منصور ملتانی)

ادبی مراکز سے دور میاں والی میں قیام پزیر محمد فیروز شاہ ایک طویل عرصے سے نعت کی کشتِ الفت میں عقیدت کی فصل بونے میں مصروف ہیں۔ غزل اور آزاد نظم کی ہیئتوں میں کہی گئی نعتیں اپنے اندر ایک خاص طرح کا اچھوتا پن رکھتی ہیں اور خاص طور پر غزل کے لہجے میں فیروز شاہ نے جو استعارتی فضا قائم کی ہے، وہ قابلِ داد ہے:

ہمارے لمحے تیری دعا کے شفیق ہالے میں جی رہے ہیں
ہمارے زخموں کو تیری یادوں کے شبنمی ہاتھ سی رہے ہیں

محمد فیروز شاہ کے بیشتر اشعار میں صرف لفظوں سے نہیں بلکہ عملی طور پر آرزو باوضو محسوس ہوتی ہے۔ اس خوب صورت کتاب کو راول پنڈی اسلام آباد سوسائٹی نے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اس کے سرورق کے پشت پر حفیظ تائب کی طرف سے استقبالیہ کلمات فیروز شاہ کے فنی سفر کو اعتبار آشنا کرتے ہیں۔ درج ذیل چند اشعار میری اس رائے کے گواہ کے طور پر پیش ہیں:

تیری مدحت میں ستارے چاند سورج کیا لکھوں　　　یہ فقط اشعار ہیں اور تو سراپا روشنی

ہر طلسمِ کفرِ باطل تیرے اسمِ پاک سے کاروانِ شب پہ حاوی تیری تنہا روشنی

مگر یہ شمعِ حسنِ مصطفیٰ ہے
کہ جس کی روشنی کے دائرے میں آکے پروانے
امر ہوتے چلے جاتے ہیں سب کے سب
بقدرِ ظرف
جگنو اور دیے کی منصبی عظمت
سے سرافراز ہوتے ہیں

ارمغانِ نعت/ حکیم رازی ادیبی اشرفی (مبصر: منصور ملتانی)

پُونے (ہندوستان) سے شائع ہونے والی یہ ۷۲ صفحات پر مشتمل کتاب چار شعرا کے نعتیہ کلام سے مرتب کی گئی ہے جب کہ حرفِ آغاز ڈاکٹر امانت کا۔ جس میں ڈاکٹر صاحب مذکور نے انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے عربی زبان میں میمون بن قیس کو پہلا نعت گو شاعر قرار دیا ہے جب کہ اس بارے میں تحقیقات کے نتائج مختلف ہیں۔ اور ثابت ہو چکا ہے کہ تبع اوّل حمیری پہلا نعت گو شاعر قرار پاتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں ادیب مالیگانوی کی اپنے رب کے حضور ایک التجا۔ دس نعتیہ غزلیں، تین نعتیہ نظمیں اور ایک سلام شامل ہے۔ کلام سے شاعر کی مشاقی اور بلند تخیل نمایاں ہے۔ مگر نعت کے مضامین کے حوالے سے بعض جگہوں پر وہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی گئی جو نعت کے لیے ضروری ہے۔ مثلاً یہ شعر:

ملی ہے عشقِ محمد کو جس کی سرمستی
وہ بن کے رشکِ اویسؓ و بلالؓ چل نکلا

اس میں رشکِ اویسؓ و بلالؓ کسی دوسرے عام اُمتی کو قرار دینا خلافِ ادب ہے۔

اس مجموعہ نعت میں 'ارمغانِ نعت' میں ڈاکٹر امانت کی صرف تین منظوم کاوشیں شامل کی گئی ہیں۔ پہلے ایک قطعہ جو ساقیِ ازل سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے اور بر اشعار غالب اور جگر مراد آبادی کی فارسی غزل کا ترجمہ اس کے بعد اس کتاب کے مرتب یعنی الحاج حکیم ادیبی اشرفی کی ایک حمد، ایک تضمین اور ۲۳ نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔ حکیم صاحب الفاظ کے چناؤ اور ان کے خوب صورت اور موزوں استعمال سے پوری طرح آشنا محسوس ہوتے ہیں اور سلیقے سے غزلیہ لہجے میں نعتیہ

اشعار تخلیق کرتے ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے:

ہر اک غنچہ یہ کہتا ہے بصد اندازِ رعنائی　　خزاں کی دست رس سے دُور ہے گلشن محمد کا

مجموعے کے آخر میں حسین دلبر ادیبی کی ایک دعا اور سات نعتیں شامل ہیں جن کا لہجہ روایتی -ا ہے۔ اس کتابچے میں شامل شعرا کے کوائف بھی اگر ساتھ دیئے جاتے تو اسے زیادہ سودمند بنایا جاسکتا تھا۔

سلام علیک / ریاض حسین چودھری (مبصر: منصور ملتانی)

معروف نعت گو شاعر ریاض حسین چودھری کی تازہ کتاب 'سلام' علیک' نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور نے اس دعوے کے ساتھ شائع کیا ہے کہ یہ اکیسویں صدی کی پہلی طویل نعتیہ نظم ہے۔ پیش لفظ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ہے۔ شاعر کا چھٹا مجموعہ ہے، مسدس کی ہیئت میں ہے اور جسے ڈاکٹر اظہر نے اردو نعت کی دنیا میں ایک شاعرانہ کرشمہ قرار دیا ہے اس نظمیے میں دوسو بند جس میں تقریباً ۶۰۰ / اشعار ہیں۔ پہلے پانچ بند حمد کے، پھر بند:۹ سے ۱۴ تک حضور ﷺ کے مختلف اسما کی تکرار کی گئی ہے اور اس کے بعد عقیدت کا دریا موج در موج آخر تک بہتا چلا گیا ہے۔ ہر بند موج کے بعد آنے والی موج کی طرح رواں دواں ہے مگر تمام بند غزل کے اشعار کی طرح کسی خاص ترتیب سے ماورا ہیں۔ چاہے آپ بند نمبر ۲۰ کو ۸۰ کی جگہ رکھ لیں یا ۴۷ کو ۱۸ کی جگہ۔ مجموعی طور پر اس طویل نظمیے کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا حالاں کہ نظم کی ایک خاص ترتیب ہونا چاہیے یا کم از کم ہر بند اپنے سے پہلے اور بعد والے بند سے منسلک ہو تو نظم کی خوب صورتی بڑھ جاتی ہے۔ بعض جگہوں پر جہاں ریاض حسین چودھری نے رسول پاک ﷺ کے حضور استغاثہ پیش کیا ہے وہاں اس کے قلب کی حالت اور احساس بہت شدید ہے اور اس کے اشعار سے ابلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مثال دیکھیے:

مسلماں ہدف ظلم کا بن رہا ہے　　مسلماں کا خون آج ادنیٰ ہوا ہے
دکھائی نہیں دے رہا کوئی رستہ　　کہ جرمِ ضعیفی سے مقتل سجا ہے
سلام' علیک　سلام' علیک

کتاب کے سرورق کی پشت پر مظفر وارثی اور ڈاکٹر مجید کی آرا ریاض چودھری کی فنی قامت کی گواہ ہیں۔

فانوس ہفت رنگ / رشیدہ عیاں (مبصر: منصور ملتانی)

کہنہ مشق شاعرہ رشیدہ عیاں کی طرف سے حمد و نعت اور منقبت کا یہ مجموعہ جس میں عرض ناشر کے علاوہ سیّد محمد ابوالخیر کشفی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری جیسی اہم شخصیات کے تعارفی مضامین شامل ہیں اور جس کے فلیپ پر محترم حنیف اسعدی، محترم سحر انصاری کی رائے درج ہے۔ ایک خوب صورت کتاب ہے۔ بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ نام کے اثرات شخصیت پر ضرور پڑتے ہیں سو یہ ہی کچھ رشیدہ عیاں کے ساتھ بھی ہوا ہے اور انھوں نے وہ تمام خواب بھی تحریر کی صورت اس کتاب میں شامل کردیے ہیں جنھیں دیکھنے والے عموماً عیاں کرنے سے گریز کرتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ اپنے بزرگ یا مرشد (اگر کوئی ہو) کو سنا کر تعبیر کی جستجو کرتے ہیں اس کے علاوہ اپنے اس مجموعے کے بارے میں شاعرہ کی اپنی رائے سے دو اقتباسات پیش کیے جانے ضروری ہیں۔

''ناقدین میری نعتوں میں فن تلاش نہ فرمائیں ف کا نکتہ بڑی رکاوٹ ہے اگر یہ نکتہ ہٹا دیں تو ہندی کا لفظ من رہ جائے گا یہ من کی کہانی ہے من کی واردات ہے محبت کسی قید و بند کو برداشت نہیں کرتی، محبت کے تلاطم میں اگر کوئی لہر اصول و قواعد بنانے والوں کی قائم کردہ حد سے متجاوز ہوگئی ہو تو میں مجبور ہوں اور استادانِ فن سے معذرت خواہ ہوں۔''

ایک اور جگہ انھوں نے لکھا کہ ''اس مجموعے میں ایسا کلام بھی شامل ہے جسے اہلِ فن شاید کم زور کلام سے تعبیر فرمائیں اور ایسا بھی ہے جسے پسندیدگی سے نوازیں مجھے یہ سب عزیز ہیں یہ میرے لیے تحفہ ہیں جو وقتاً فوقتاً مجھے دربارِ رسالت ﷺ سے عطا کیے گئے ہیں۔''

مندرجہ بالا اقتباسات پڑھنے کے بعد کلام کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا مناسب نظر نہیں آتا پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ اس کتاب میں موجود بہت سے اشعار ایسے ہیں جن میں بے ساختگی اور والہانہ پن عقیدت کی آنچ پر پختگی میں ڈھلتا محسوس ہوتا ہے۔ ۳۴۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے آخر میں عارفانہ کلام ہے جس میں خاص طور پر عارفانہ غزل کی اصطلاح شاید پہلی مرتبہ کسی غزل کے سرنامے کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہے اور 'دعا' اُس سلسلہ رشد و ہدایت کا شجرہ محسوس ہوتی ہے جس سے رشیدہ عیاں وابستہ ہیں اور یہ دعا خاصے کی چیز ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں:

حمدیہ:

روشن مہر و ماہ میں تو　　　ہر منزل ہر راہ میں تو

میرے دل کی آہ میں تو		لا الٰہ الا ھو

نعتیہ:

راہِ طیبہ میں دل دھڑکتا رہا		رہے پلکوں کے درمیاں آنسو
لے کے آئی درِ رسول پہ میں		لبِ خاموش اور رواں آنسو

منقبت:

میں شہرِ علم ہوں اور بابِ شہرِ علم علی		حدیث بھی ہے محبت کا اک پیام بھی ہے
یہ میرے شعر مرا ہدیۂ عقیدت ہیں		یہ منقبت بھی علیؓ کی یہی سلام بھی ہے

عارفانہ غزل سے:

اک جھلک روزِ ازل کیا دیکھ لی		ہے ابھی تک شوق کا دل میں وفور
دل پہ وہ عالم بھی گزرا ہے عیاں		جز ترے کچھ بھی نہ تھا نزدیک و دور

دعا:

برائے حضرت اویس قرنی		سکھا دے زندگی، الفت میں کرنی
حسن بصری کا تجھ کو واسطہ ہے		جنھیں حسنِ عمل سے رابطہ ہے

## جستجوے نعت/ محمد عبدالرحمٰن صدیقی عابد		(مبصر: منصور ملتانی)

یہ خوب صورت مگر مختصر مجموعہ کلام جس کا عنوان جستجوے نعت ہے حضور سرورِ کونین ﷺ ہے۔ جاپان میں موجود شاعر محمد عبدالرحمٰن صدیقی عابد کا ارمغان ہے جس کے ناشر بھی وہ خود ہیں۔ مقدمہ پروفیسر محمد محفوظ علی کا تحریر کردہ ہے، اس مجموعے میں ۳رحمدیں، ایک فارسی نعت، ۳۷ رنعتیں شامل ہیں جن میں بیشتر غزلیہ نعتیں ہیں مختلف جگہوں پر خطاطی کے خوب صورت نمونے کتاب کے صوری حسن میں اضافے کا باعث ہیں۔ زیادہ تر اشعار روایتی شاعری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اردو کے ادبی مراکز سے دور روشن رکھی جانے والی یہ نعت کی شمع اس لحاظ سے مبارک باد کے قابل ہے کہ اس کے ذریعے حضور ﷺ کے اخلاق اور سیرت کا بیان روح کو تازگی عطا کر رہا ہے البتہ کہیں کہیں مخاطبت میں تضاد پڑھنے والے کو مشکل میں مبتلا کرتا ہے جس سے شاعر کو یقیناً گریز کرنا چاہیے مثلاً ایک مطلع دیکھیے:

کتنی اعلیٰ ہے تیری شان مدینے والے		آپؐ کا خلق ہے قرآن مدینے والے

یعنی ایک ہی شعر میں تیری اور آپ کا استعمال محلِ نظر ہے۔ ویسے اشعار میں کہیں کہیں بے ساختگی کی فضا ہے، مثال دیکھیے:

ہے نعت کا ورود کہ بارش ہے نور کی
میں نعت کیا کہوں گا یہ کوشش ضرور کی
پوچھے گا کوئی مقصدِ نعت نبی ہے کیا
کہہ دوں گا: ہے یہ دل سے غلامی حضور کی

☆

میرے لیے تو نعت عبادت سے کم نہیں
طاعت نبی کی رب کی اطاعت سے کم نہیں

نفائس النبی / سیّد نفیس الحسینی (مبصر: قمر رعینی)

زیرِ تبصرہ کتاب ایک ایسی شخصیت کا نعتیہ کلام ہے جو بحیثیت شاعر خاص حلقوں میں ہی معروف ہیں جب کہ عصرِ حاضر کے بہترین خطاط کی حیثیت سے ان کی شہرت پورے عروج پر ہے اور وہ علمی و ادبی طبقوں میں نفیس رقم کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کتاب کی تقریظ جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے لکھی اور سیّد اظہار احمد گیلانی نے کتاب کے بارے میں ایک مضمون سپردِ قلم فرمایا ہے۔ کتاب میں اللہ ربّ العزت کے ننانوے صفاتی نام اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کا اسمِ گرامی ایک ایک صفحے پر علاحدہ علاحدہ اور ایک الگ صفحے پر اسمِ گرامی مع دیگر صفات اسمائے مبارکہ کے شائع کیا گیا ہے جو نفیس رقم کی خطاطی کا شاہ کار ہے۔ صفحہ ۲۷ سے نعتیہ کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ صفحہ ۶۶ پر مولانا رشید احمد گنگوہی اور صفحہ نمبر ۷۰ پر انھوں نے اپنے مرشد شاہ عبدالقادر رائے پوری کے بارے میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے شاعر کی محبت ایک ایک شعر اور ایک ایک لفظ سے عیاں ہوتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ وہ عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے ہیں چند شعر دیکھیے:

بوبکرؓ ہوں، عمرؓ ہوں، وہ عثمانؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار جمالِ رسول ہے

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سیّد الاوّلیں، سیّد الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
چار یاروں کی شانِ جلی ہے بھلی، یہ ہیں صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ
شاہدِ عدل ہیں، یہ ترے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

صفحہ ۴۲ پر مولانا احمد رضا خاں کی زمین میں سلام ہے جس کے ۲۵ ر اشعار ہیں اور اچھے ہیں اس سلام میں خلفاے راشدین اور حسنین کریمین کا ذکر ہے۔ لیکن ازواج مطہرات کا نہیں۔ یہاں یہ بات عرض کرتا چلوں کہ:

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سلام سے چند منتخب اشعار ہر محفلِ میلاد میں انتہائی عقیدت سے پڑھے جاتے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس انتخاب میں وہ اشعار ہرگز نہیں پڑھے جاتے جن کا تعلق خلفاے راشدین خصوصاً ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سے ہے یا جن کا تعلق ازواج مطہرات سے ہے۔ اب معلوم نہیں یہ فعل دانستہ کیا جاتا ہے یا نادانستہ، لیکن خلفاے راشدین سے یہ اغماض قابلِ توجہ ضرور ہے۔ صفحہ ۵۲ کی نعت بارگاہِ ایزدی میں شکرانہ نعت ہے سادہ ہے اور خوب ہے دو شعر دیکھیے:

شکر ہے تیرا، خدایا! میں تو اس قابل نہ تھا تو نے اپنے گھر بلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہِ سیّدِ کونین میں آکر نفیس سوچتا ہوں کیسے آیا، میں تو اس قابل نہ تھا

اس کی ردیف ''میں تو اس قابل نہ تھا'' اعترافِ عجز کے ساتھ ساتھ ہر شعر سچے جذبات کا آئینہ ہے اسی طرح صفحہ ۵۸ کی پوری نظم عمدہ ہے جس کا عنوان ہے 'بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ' صفحہ ۳۲ کے اشعار بھی عمدہ ہیں۔

ناچیز تبصرہ نگار کو دورانِ مطالعہ چند مقامات محلِ نظر محسوس ہوئے مثلاً:

صفحہ ۵۸ پر یہ شعر دیکھیے:

ان کی یہ ذرّہ نوازی ان کا یہ جود و کرم بارگاہِ قدس میں بہرِ سلام آ ہی گیا

اس میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ کون بہرِ سلام آ گیا یعنی یہاں فاعل غائب ہے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

اوّل: یہ کہ پہلے مصرعے میں فاعل کا صیغہ ڈال دیں یعنی اس طرح:

ان کی یہ ذرّہ نوازی ان کا یہ مجھ پر کرم...

دوم: یہ کہ دوسرے مصرعے میں ذرا سی تبدیلی ہوجائے اور پہلا مصرع جوں کا توں رہے اور شعر یوں ہوجائے:

ان کی یہ ذرّہ نوازی ان کا یہ جود و کرم　　　روضۂ اطہر پہ میں بہرِ سلام آہی گیا

صفحہ۵۹ پر یہ مصرع وزن سے خارج ہے:　　　آباد ہوگیا حرمِ رب رسول کا

صفحہ۷۰ تا صفحہ۷۲ جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے بارے میں عقیدت مندانہ جذبات پرمبنی نظم ہے جس کے قوافی ہیں: عالم، شبنم، برہم ...اس کا آخری شعر ہے:

حشر تلک تربت پر تیری　　　نور کی بارش برسے چھم چھم

اس میں 'بارش کا برسنا' غلط ہے یہ لفظ باریدن مصدر سے ہے اور بارش کا معنیٰ ہے برسنا جیسے کہیں کہ پتھروں کی بارش، پھولوں کی بارش، پانی برستا ہے بارش نہیں، برستی بارش ہوتی ہے۔

یہ مصرع یوں ہوسکتا تھا: نور کی بارش ہر دم چھم چھم

صفحہ۷ اور صفحہ۳۳ پر حرف نفی نہ کی جگہ 'نا' کا استعمال ہوا ہے جو مناسب نہیں مصرعے یہ ہیں:

☆ جو بار اٹھا سکے نہ ارض و جبال و افلاک (صفحہ۷)

☆ گر نہ ہوتا آمنہ جایا خلقت کا غم کھانے والا

دونوں مصرعوں میں نہ کی جگہ نا پڑھیے تو وزن درست رہے گا۔

کتاب میں نعتوں کی تعداد اگرچہ کم ہے لیکن معمولی فنی اختلافات کے باوجود، جو کچھ ہے وہ قابلِ مطالعہ ہے۔

اک شخص مہکتی چھاؤں سا / عمران نقوی　　　(مبصر: قمر رعینی)

یہ کتاب ایک ایسی قابلِ ذکر ہستی کے فن و شخصیت پر لکھے گئے مضامین پر مشتمل ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھا اور آج ہم میں نہیں، اس عظیم شخصیت اور منفرد نعت گو کا نام نامی ہے حفیظ تائب جس نے نعت کے میدان میں اَن مٹ نقوش چھوڑے ہیں اور جو اپنے کام کی بدولت نعتیہ ادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا کہ اس قد کاٹھ کے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

حفیظ تائب نے اردو کے علاوہ فارسی اور پنجابی کو بھی اپنی جولان گاہِ فکر بنایا اور ہر جگہ اپنی قادرالکلامی کی مہر ثبت کی ہے۔ نعت کے سلسلے میں انھوں نے نئی نئی زمینیں وضع کیں اور ایسے ایسے ردیف وقوافی میں اس خوب صورتی اور روانی سے اشعار کہے کہ حیرت ہوتی ہے مثلاً اثر احمد مختار،

نظر احمد مختار۔ پہچان ہے سبحان اللہ، ارمان ہے سبحان اللہ۔ اہل احمد مرسل، محل احمد مرسل، خبر خیر البشر، سحر خیر البشر، ظہور آقا حضور، شعور آقا حضور۔ تاج دار ہیں آقائے نام دار، بہار ہیں آقائے نام دار...

زیرِ تبصرہ کتاب میں حفیظ تائب کے تین اردو اور دو پنجابی کے نعتیہ مجموعوں کا تذکرہ ہے اور ان کی شخصیت وفن پر مضامین ہیں جب کہ تائب صاحب ڈھیر ساری کتابوں کے مصنف ہیں، میرے نزدیک یہ کتاب حفیظ تائب کے بارے میں حرفِ آغاز کا درجہ رکھتی ہے اس میں جن مقتدر اہلِ قلم کے مضامین شامل ہیں ان میں پہلے ان حضرات کے اسمائے گرامی یہاں درج کر رہا ہوں جن کے لکھے ہوئے ایک سے زیادہ مضامین شاملِ کتاب ہیں:

(۱) ڈاکٹر سیّد عبداللہ مرحوم ۳ مضمون (۲) جناب احمد ندیم قاسمی ۵ مضمون (۳) میرزا ادیب مرحوم ۴ مضمون (۴) ڈاکٹر تحسین فراقی ۳ مضمون (۵) ڈاکٹر آفتاب نقوی ۳ مضمون

عطاء الحق قاسمی، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، طارق زیدی اور جعفر بلوچ کے دو دو مضمون ہیں ان کے علاوہ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، حافظ محمد افضل فقیر، بشیر منذر، راجا رشید محمود، ڈاکٹر خورشید رضوی، صاحب زادہ خورشید احمد گیلانی اور بعض دوسرے نام ور اہلِ قلم کے مضامین بھی شاملِ اشاعت ہیں ان تمام لکھنے والوں نے حفیظ تائب کی زندگی اور ان کے فکر وفن کے ہر گوشے پر قلم اٹھایا ہے اس کے باوجود جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ابھی حفیظ تائب کے بارے میں بہت کچھ کہنا باقی ہے اور مجھے یقین ہے کہ مداحانِ حفیظ تائب اس سلسلے میں مصروف ضرور ہوں گے۔

سرورق پر حفیظ تائب کی بے حد دل کش اور پیاری تصویر ہے اس تصویر میں تائب کی معصومانہ مسکراہٹ ان کے باطن کی پاکیزگی اور طہارتِ قلب کی غماز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے (آمین)

نچھاور جاں مدینے پر/ احمد جلیل

(مبصر: مسعود احمد)

''نچھاور جاں مدینے پر'' احمد جلیل کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے۔ فخرِ موجودات کی مدح سرائی صفتِ خداوندی ہے۔ نعت گوئی اتنا نازک کام ہے گویا:

جلتے ہیں جبرئیل کے پر، اس مقام پر

جذب وشوق اور عشق ومستی وہ بنیادی لوازم ہیں جو شاعر کے لیے نعت گوئی کی اس دو

دھاری تلوار پر چلتے ہوئے لحہ لحہ ضروری ہیں۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ احمد جلیل نے ایک انتہائی ذاتی سانحہ یعنی اپنی والدہ محترمہ کی وفات کے بعد رمضان کے مقدس مہینے میں نعت گوئی کی باقاعدہ نیت باندھی اور اس جلیل القدر کاوش کا آغاز کیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی اُن کی اِکا دُکا نعتیں منظرِ عام پر آئیں لیکن اس پیمانے پر نعت گوئی کا منبع ومحور گزرنے والا ماہِ صیام ہی تھا۔ اس مجموعے کی اکثر نعتیں اسی ماہِ مقدس کا اعجاز اور حضور ﷺ کا فیضان ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ ایک مقدس مہینے میں شروع ہونے والا یہ سفر دوسرے مقدس مہینے میں بارآور ہوا۔ یعنی ربیع الاوّل کے مبارک مہینے میں یہ خوب صورت نعتیہ مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا نعت گوئی کوئی آسان کام نہیں۔ یہ وہ کام ہے، جسے خدائے بزرگ و برتر اور ملائکہ مسلسل کر رہے ہیں۔ تاریخِ اسلام میں یہ سلسلہ حضرت حسانؓ بن ثابت سے شروع ہوکر علامہ بوصیریؒ، رومیؒ و جامیؒ سے ہوتا ہوا علامہ اقبالؒ تک پہنچتا ہے اور پھر اقبال سے حفیظ تائب تک کئی سنہری کڑیاں آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ احمد جلیل بھی اس سلسلے کی ایک خوب صورت کڑی ہیں۔ احمد جلیل بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ اُن کے پہلے شعری مجموعہ ''دُور مت نکل جانا'' کے دلوں کو چھوتے ہوئے دو ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک چکے ہیں جب کہ غزلیات کا ایک تازہ مجموعہ تیار پڑا تھا۔ مگر انھوں نے اپنے اس نعتیہ مجموعے کو اوّلیت دی، جو قابلِ تحسین ہے۔ اُن کی نعت گوئی نے آنے والوں پر یقیناً نعت گوئی کے نئے در وا کیے ہیں۔ عقیدت میں گندھے ہوئے خیالات و افکار نظر کے سامنے جگنوؤں کی طرح جگمگ کرتے ہوئے اُڑتے نظر آتے ہیں۔ لفظوں کے نگینے اپنی چمک دمک سے قاری کو وہ روشنی اور راستہ دیتے ہیں کہ ہزاروں میلوں کا فاصلہ یک بہ یک سمٹ جاتا ہے اور اُس ہستی کا دربار نظر کے سامنے دکھائی دیتا ہے کہ جہاں:

کون محمود سب ایاز وہاں

سادہ اور سلیس لفظوں میں اظہارِ محبت و عقیدت قاری کو اپنے اندر جذب کرنے کی انتہائی قوت رکھتا ہے۔ اُن کے قلم و ذہن و دل سے نکلے ہوئے بعض شاہ کار مصرعے قاری کی نم ناک آنکھوں اور دل کے گداز کو اس مقام پر لے آتے ہیں کہ:

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

''نچھاور جاں مدینے پر'' کا شاعر کسی مشکل پسندی میں اُلجھے بغیر نعت گوئی کی اس وادیٔ پُر خار کو سر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ چوں کہ شاعر بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے لہٰذا اُس کی نعتوں میں پایا جانے

والا رنگِ تغزل قاری کو یقیناً اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے دوران جب مجھے یہ کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے دل میں ٹھانی کہ میں اور احمد جلیل مدینے کی گلی کوچوں میں اُٹھنے والے گرد و غبار کو سرمۂ چشم ضرور بنائیں گے، ان شاء اللہ! مجھے پتا نہیں کہ یہ کیسی خوش گمانی ہے کہ اس کتاب میں کھونے والا ہر قاری اُن محسوسات سے خود کو الگ نہیں رکھ سکے گا جو اس کو پڑھتے ہوئے راقم الحروف پر گزرے۔ اُن کی نعت کے یہ اشعار دیکھیے:

اُن کی مدحت کا اگر مجھ کو قرینہ ہوتا
میرے لفظوں، مرے حرفوں میں مدینہ ہوتا

اُن کی فرقت میں جو پلکوں پہ ستارے سجتے
پھر تو بہتا ہوا ہر اشک نگینہ ہوتا

دیکھ لیتا اگر آدم میں ترا عکسِ جمال
پھر تو ابلیس بھی مردود کبھی نا ہوتا

عکس بس جاتا اگر اُن کا نگاہوں میں جلیل
مصحفِ رُخ کی تلاوت سے شبینہ ہوتا

بلاشبہ اس گل دستہ ہائے عقیدت میں آنکھوں کو بھگوتی ہوئی، آئینوں کا گرد و غبار دھوتی ہوئی کئی ایسی بے مثل نعتیں موجود ہیں، جو اس صنف میں قدم جمانے والے احمد جلیل کے ہم عصروں سے اُسے ممتاز کرتی ہیں۔

ارمغانِ لطیف / کیف الاثر (مبصر: محمد صابر)

'ارمغانِ لطیف' کیف الاثر کے ان قصاید کا مجموعہ ہے جو حضور سرورِ کائنات ﷺ کی مدح میں لکھے گئے اور بارہ ربیع الاوّل کے موقع پر جشنِ ولادتِ محسنِ انسانیت کے سلسلے میں سرزمین میٹابرج میں منعقد ہونے والی قصیدہ خوانی کی محفلوں میں گزشتہ تقریباً پانچ دہائیوں کے دوران پڑھے گئے۔ اس مجموعے میں قصاید کے علاوہ ایک حمد، دو نعت شریف، ایک قطعہ اور چار رُباعیات بھی شامل ہیں مگر بنیادی طور پر یہ مجموعہ نعتیہ قصاید پر ہی مشتمل ہے جن کی تعداد ۵۳ ہے۔

'ارمغانِ لطیف' میں شامل قصاید کے سرسری مطالعے سے ہی کیف صاحب کی قادرالکلامی اور فنِ شاعری پر ان کی دسترس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ قصیدہ جیسی مشکل صنفِ سخن سے شاعر کا بہ حسن و خوبی عہدہ برآ ہونا بذاتِ خود اس کی شاعرانہ عظمت کی دلیل ہے۔ بالخصوص ایک ایسے دور میں جب کہ اس صنف کا رواج تقریباً مفقود ہو چکا ہے۔

جہاں تک نعتیہ قصاید کا تعلق ہے ان میں سے بیش تر اچھا نعتیہ کلام تو کہلا سکتے ہیں لیکن انھیں قصیدہ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ وہ فنِ قصیدہ نگاری کے مخصوص تقاضوں کی تکمیل نہ کرنے کی بنا پر

اس فن پر پورے نہیں اُترتے۔ میٹا برج کی متذکرہ روایتی محفلوں میں بھی ایسے قصاید سننے کو ملتے ہیں جو قصیدے کی فنی خامیوں سے پاک نہیں ہوتے۔ ایسے میں کیف صاحب کے نعتیہ قصاید نہ صرف قصیدہ کے فنی لوازمات کے حامل اور اس کے اجزاے ترکیبی کے عین مطابق ہیں بلکہ قصیدہ نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ بقول اعزاز افضل:

> کیف الاثر فنی مسلّمات سے انحراف نہیں کرتے عروضی مطالبات اور صنفی روایات کی حد بندیوں کو نہیں توڑتے۔ تشبیب سے دعا تک قصیدے کے ہر جزو پر توجہ دیتے ہیں۔

اور مظفر حنفی کے الفاظ میں:

> میٹابرج کے شعرا میں مدحیہ بالخصوص نعتیہ اور منقبتی قصاید کہنے کا چلن ہے جو ان کے قصیدوں کو کلاسیکی اور فنی تقاضوں سے زیادہ دُور نہیں ہونے دیتا پھر بھی انھیں مکمل قصیدہ تسلیم کرنے میں تکلف ہوتا ہے۔ اس تناظر میں کیف الاثر کے قصیدے دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ:
>
> ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

طوالت قصیدے کے فن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اور شاعر ایک قصیدے میں کئی کئی مطالع پیش کر کے اپنی قادرالکلامی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ مگر عہدِ حاضر کی تیز رفتار زندگی اس طوالت کی متحمل نہیں، نیز کیف صاحب کے قصاید جس مخصوص موقع اور مقصد کے تحت معرضِ وجود میں آئے ہیں وہاں طوالت کی اور بھی گنجایش نہیں رہتی۔ لہٰذا موصوف نے بھی اپنے قصاید میں اختصار سے کام لیا ہے مگر اس کے باوجود ان کے یہاں چند قصاید ایسے ملتے ہیں جو نہ صرف اس روایتی طوالت کے حامل ہیں بلکہ ان میں اساتذہ کی طرح متعدد مطالع بھی ملتے ہیں جس سے ان کی فنی مہارت مشاقی کا پتا چلتا ہے مثلاً اس مجموعے میں شامل پہلا قصیدہ جس کا مطلع اوّل ہے:

بہر سو جلوہ فرما ہے بہارِ جاوداں ساقی
ابد تک آ نہیں سکتی چمن میں اب خزاں ساقی

مذکورہ قصیدے میں کل ۶۹؍اشعار اور ۱۶؍مطالع ہیں مگر اس طرح کے چند قصاید کو چھوڑ کر فوری ترسیل و دیگر مطالبات کے پیشِ نظر ان کے یہاں بالعموم اختصار کا خیال رکھا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان قصاید میں قصیدے کے تمام اجزاے ترکیبی کو جگہ دی گئی ہے اور قصیدہ گوئی کا فن

کہیں مجروح نہیں ہوا ہے۔

کیف صاحب کے قصاید کے مطالعے سے ان کے ایمانی جذبے، دینی علوم سے کما حقہ واقفیت اور قرآن و حدیث کے رموز و نکات پر گہری نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس سے ان کے کلام میں ایک خاص تاثیر کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے جیسا کہ سالک لکھنوی فرماتے ہیں:

> کیف صاحب کے کلام کی اثر آفرینی سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک خاص جذبۂ ایمانی پورے کلام کو محیط کیے ہوئے ہے کہیں کہیں قرآن الحکیم کی آیاتِ ربانی سے تلمیح کا کام بھی لیا گیا ہے۔

یہ اور اس طرح کے متعدد قرآنی تلمیحات و اشارت کے علاوہ تاریخی واقعات اور رسول اکرم ﷺ کے معجزات بھی بطور تلمیح کیف صاحب کے قصاید میں جابہ جا استعمال ہوئے ہیں جن سے ایک جاذبیت پیدا ہوگئی ہے مثلاً:

سرِ سدرہ جو پہنچے تو سروشِ غیب کہتا تھا
شہِ معراج کی صورت صباحت اور ہی کچھ ہے

☆

عمرؓ کے دل کی ہوئی صفائی، امان سفیان نے بھی پائی
جو مانگے بوجہل بھی معافی وہ زیرِ لب مسکرا ہی دیں گے

کیف صاحب کی قادرالکلامی اور فن کاری کا بین ثبوت اس مجموعے میں شامل ان کا ایک غیر منقوطہ قصیدہ بعنوان 'درار دوئے معریٰ' ہے۔ شروع سے آخر تک پورے کلام میں ایک بھی نقطے والے حرف کا استعمال میں نہ لانا جہاں ایک طرف فن پر ان کی قدرت کا ثبوت ہے وہیں دوسری طرف الفاظ کے استعمال پر ان کی مضبوط گرفت کی بھی دلیل ہے اور اس پر طرہ یہ کہ مضامین کی بندش، خیال کے اظہار اور بیان کی روانی میں کہیں کسی ناہمواری کا احساس تک نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی لفظ کا استعمال غیر مناسب اور گراں محسوس ہوتا ہے۔ یقیناً یہ کلام اردو کے شعری سرمایے میں ایک گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتا ہے اور کیف صاحب کی فنی حیثیت کو مسلّم بنانے میں معاون ہے۔ اس قصیدے کے چند اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں:

ماہِ ہدیٰ کا ہے ورود آؤ ادھر دعا کرو　　اس کے لیے اٹھو ہر اک راہ کو گل کدہ کرو
سرِ ہی کی ہے ردائے گل عام ہے عکس ہائے گل　　کر کے سلام اُسے اٹھو رسم ولا ادا کرو

کیف الاثر کے قصاید میں تشبیب کو ایک خاص اور منفرد حیثیت حاصل ہے۔ تشبیب قصیدہ کا ایسا جز ہے جس میں شاعر آزادانہ طور پر کسی بھی موضوع پر اظہارِ خیال کرتا ہے۔ اپنے تشبیب کے متعلق خود کیف صاحب کا ارشاد ہے:

گل و بلبل، حسن و عشق اور دار و رسن کے علاوہ میں نے تشبیب میں ملّی، قومی، ملکی، سماجی پند و نصیحت اور قرآنی اشارات کو نظم کرنے کی سعی کی۔

ایک قصیدے میں قرآن شریف کی معروف سورہ 'سورۂ رحمٰن' کے مفہوم کو شعری پیکر میں ڈھال کر تشبیب کا کام لیا ہے۔ اس کے چند اشعار حاضر ہیں:

فیض اُٹھا کر بخشش و اکرام رحمانی سے تم — کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے آسانی سے تم
مملکت اس کی ہے وہ کرتا ہے سب کی دیکھ ریکھ — جاؤ گے اٹھ کر کہاں اس کی نگہبانی سے تم

گریز قصیدے کا سب سے کٹھن اور نازک مرحلہ ہوتا ہے جہاں شاعر تشبیب سے مدح کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چوں کہ قصیدے کا یہ حصہ تشبیب اور مدح کے درمیان کی کڑی ہوتا ہے اس لیے یہاں فن کارانہ چابک دستی و مشاقی کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے جس کے بغیر تسلسلِ بیان مجروح ہوجانے کا خطرہ رہتا ہے اور قصیدے کا اصل حسن جاتا رہتا ہے۔

کیف صاحب کی قصیدہ نگاری کا یہ کمال ہے کہ تشبیب میں خواہ کسی بھی موضوع پر اظہارِ خیال کر رہے ہوں مگر گریز کا شعر اس خوبی سے لاتے ہیں کہ نہ صرف تشبیب اور مدح کے درمیان مستحکم رابطہ پیدا ہو کر تسلسلِ بیان برقرار رہتا ہے بلکہ گریز کا وہ شعر تشبیب اور مدح دونوں کے لیے ایک لازمی جز بن جاتا ہے۔

شاعر کی اپنی ذات بس ایک مقطع میں سمٹ آتی ہے اور یہی مقطع اس کی اپنی بہتر پہچان بن جاتا ہے۔ انکساری اور خودداری کیف صاحب کے مقطع کے خاص موضوع ہیں جیسے:

نہ دیکھو کیف کی بے مائگی کو خاکساری کو — بظاہر خاک پر بیٹھا ہے عزت اور ہی کچھ ہے
کسی اہلِ دول کے پاس یارب کیف کیوں جائے — ترے محبوب سے بس بھیک یہ خوددار مانگے ہے
میں کیف نعتِ محمد لکھوں پڑھوں کیسے — مرے قلم میں نہ قوت مری زبان میں ہے

مقطع میں کہیں کہیں تعلّی سے بھی کام لیا گیا ہے مثلاً:

میرا جدا انداز ہے، اے کیف مجھ کو ناز ہے
میں نے قصیدہ جو لکھا فخرِ زمیں نازِ فلک

مگر ذاتِ رسول ﷺ سے اپنی خاص نسبت ان کے مقطع کے اشعار کی نمایاں خصوصیت ہے جیسے:

میں گنہ گار سیہ کار ہوں اے کیف تو کیا   کملی والے کی نظر مجھ پر کریمانہ ہے

کیا پوچھتے ہو کیف مرا تم اتا پتا   میں ہوں غلام اُن کا، ہے اتنا پتا مجھے

غرض کیف الاثر اپنے قصاید میں نظریاتی اور فنی دونوں اعتبار سے حالی اور اقبال سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔

میں اپنی بات کیف صاحب کے متعلق مظفر حنفی کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں سچ تو یہ ہے کہ جوارِ بنگال میں کوئی دوسرا قصیدہ گو اُن کے قد کو نہیں پہنچتا۔

☆

مدحتیں

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رسولِ دوعالم نے کیا کر دکھایا اُٹھایا، جگایا، سکھایا، پڑھایا
مسلماں کو انعام دنیا و عقبٰی بتایا، سجھایا، دکھایا، دلایا
نئے سر سے پھر گلستانِ جہاں کو لگایا، اُگایا، بنایا، سجایا
شرابِ حقیقت سے بھر بھر کے ساغر لٹایا، لنڈھایا، چھکایا، پلایا
طریقِ حقیقت سے باطل کو پل میں ہٹایا، گھٹایا، بھگایا، مٹایا
زمانے سے ظلم اور عصیاں کا جھگڑا ہٹایا، دبایا، مٹایا، چکایا
عذابِ جہنم سے خلقِ خدا کو ڈرایا، ہٹایا، بچایا، چھڑایا
خدا سے پےِ خلق لایا ہے دیکھو شفایا، سجایا، ہدایا، عطایا

عزیز ایسے غافل کو اُلفت کی رہ پر
بلایا، لگایا، چلایا، بڑھایا

مرزا عزیز فیضانی (مرحوم)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ظہور کرتی ہے جس دم سحر مدینے میں
اذانیں دیتے ہیں دیوار و در مدینے میں

گلی گلی میں وہ سیلاب نور ہے جیسے
اُتر کے آگئے شمس و قمر مدینے میں

ہوا کے جھونکوں میں خوش بو بسی ہوتی ہے وہاں
درود پڑھتا ہے اک اک شجر مدینے میں

نہا کے خوش بو میں کوثر سے باوضو ہوکر
ادب سے آتی ہے شام و سحر مدینے میں

حریمِ پاک کی تا صبح پاسبانی کو
فرشتے جاگتے ہیں رات بھر مدینے میں

دیارِ پاک کا موسم بہشت کا موسم
ریاض خلد ہے ہر رہ گزر مدینے میں

ادب شناس ہے موسم بھی اس دبستاں کا
کہ محو خواب ہیں خیرالبشر مدینے میں

اسی اُمید پہ جاری ہے اب سفرِ اقبالؔ
کہ ہو خدا کرے ختمِ سفر مدینے میں

اقبال عظیم (مرحوم)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مرے رسول کہ نسبت تجھے اُجالوں سے
میں تیرا ذکر کروں صبح کے حوالوں سے

نہ میری نعت کی محتاج ذات ہے تیری
نہ تیری مدح ہی ممکن مرے خیالوں سے

تو روشنی کا پیمبر ہے اور مری تاریخ
بھری پڑی ہے شبِ ظلم کی مثالوں سے

ترا پیام محبت تھا اور میرے یہاں
دل و دماغ ہیں پُر نفرتوں کے جالوں سے

یہ افتخار ہے تیرا کہ میرے عرش مقام
تو ہم کلام رہا ہے زمین والوں سے

مگر یہ مفتی و واعظ، یہ محتسب، یہ فقیہہ
جو معتبر ہیں فقط مصلحت کی چالوں سے

خدا کے نام کو بیچیں مگر خدا نہ کرے
اثر پزیر ہوں خلقِ خدا کے نالوں سے

نہ میری آنکھ میں کاجل، نہ مشک بو ہے لباس
کہ میرے دل کا ہے رشتہ خراب حالوں سے

ہے ترش رو مری باتوں سے صاحبِ منبر
خطیبِ شہر ہے برہم مرے سوالوں سے

مرے ضمیر نے قابیل کو نہیں بخشا
میں کیسے صلح کروں قتل کرنے والوں سے

میں بے بساط سا شاعر ہوں پر کرم تیرا
کہ باشرف ہوں قبا و کلاہ والوں سے

احمد فراز (لاہور)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں جو قسمت سے زمانہ ترا پاتا آقا
تیرے قدموں پہ میں جان اپنی لٹاتا آقا

تیری صورت سے دل و جان منور کر کے
اپنی پلکوں پہ ستارے سے سجاتا آقا

میں سمجھتا کہ ملی دونوں جہاں کی خیرات
تیرے نعلین جو میں سر پہ اُٹھاتا آقا

مثلِ حسانؓ ثنا خوانوں میں تیرے میں بھی
اے خوشا بخت مقام اپنا بناتا آقا

میں ترے حسنِ جہاں گیر کی مظہر نعتیں
بزمِ انوار میں خود تجھ کو سناتا آقا

تیرے اعدا سے جو لڑنے کی ضرورت پڑتی
تیرے ناموس پہ سر اپنا کٹاتا آقا

میں بھی پھیلاتا دل و جانِ ونظر کا کاسہ
تو جو انوار کی خیرات لٹاتا آقا

دل مہک اُٹھتا مرا مرکزِ خوش بو بن کر
اس میں گل ہائے عقیدت جو کھلاتا آقا

دیکھتا تجھ کو جو میں دیکھتا ہی رہ جاتا
اور پلٹ کر نہ کبھی ہوش میں آتا آقا

تیری چوکھٹ سے لگا رہتا سگِ در بن کر
ٹھوکریں کھاتا مگر اُٹھ کے نہ جاتا آقا

ماہ و انجم مرے قدموں کی بلائیں لیتے
تُو جو اک بار مجھے پاس بٹھاتا آقا

میں سمجھ لیتا کہ ہے سجدہ گہِ شوق وہی
جس جگہ نقشِ کفِ پا ترا پاتا آقا

وائے قسمت کہ سعادت نہ یہ میں نے پائی
میرے حصے میں فقط ہجر کی لذت آئی

محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حق غلامی کا ادا کیوں نہ کریں
مدحِ ممدوحِ خدا کیوں نہ کریں

بھیج کر اُن پر درود اور سلام
اپنے خالق کا کہا کیوں نہ کریں

ہم متاعِ دل و جاں رکھتے ہیں
آخر انور پہ فدا کیوں نہ کریں

کیوں تصور نہ کریں طیبہ کا
دردِ ہجراں کی دوا کیوں نہ کریں

داغ دھونے ہیں گناہوں کے ہمیں
اشک آنکھوں سے بہا کیوں نہ کریں

جو مدینے کی طرف جاتی ہیں
ایسی راہوں پہ چلا کیوں نہ کریں

اُن کو پایا تو ملا ہم کو خدا
اس وسیلے سے دعا کیوں نہ کریں

حق نے مختار کیا ہے اُن کو
جس کو جو چاہیں عطا کیوں نہ کریں

اُن کے دامن میں جگہ پائیں گے
اُن کے بھروسے پہ رہا کیوں نہ کریں

نعت کی بزم میں شرکت کرکے
اپنے ایماں کی جلا کیوں نہ کریں

ہم کہ حامدؔ ہیں عقیدے کے کھرے
شعر پھر ایسے کہا کیوں نہ کریں

حامد امروہوی (شکاگو)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مری آنکھوں کے آگے گنبدِ خضرا کا منظر ہے
میں اک قطرہ ہوں لیکن مہرباں مجھ پر سمندر ہے

کہاں میں اور کہاں طیبہ کی گلیوں کا طواف اے دل
ہوں اپنے بخت پر نازاں کہ یہ لطفِ پیمبر ہے

مدینے کی فضائیں کس قدر ایمان پرور ہیں
ہر اک لب پر یہاں صلِّ علیٰ، اللہ اکبر ہے

سلیقہ حمد کا سکھلا دیا ہم بے زبانوں کو
محمد کا یہی سب سے بڑا احسان ہم پر ہے

دعا مانگو درِ اقدس پہ آکر دردمندی سے
یہاں جو اشک آنکھوں سے گرے قیمت میں گوہر ہے

سہے ہیں جورِ اعدا، دینِ حق کو عام کرنے میں
جبھی تو رحمت للعالمیں کا تاج سر پر ہے

کسی کی سمت جانے کا گماں تک کر نہیں سکتے
انھی کے در سے وابستہ سحر اپنا مقدر ہے

سحر انصاری (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بے مثل و لاجواب ہو یکتا تمہی تو ہو — بعد از خدا، خدائی میں تنہا تمہی تو ہو
ارض و سما میں انجمن آرا تمہی تو ہو — تخلیقِ کائنات کا منشا تمہی تو ہو
غم ہائے دوجہاں کا مداوا تمہی تو ہو — نازِ خلیل و فخرِ مسیحا تمہی تو ہو
میری اُمید میرا سہارا تمہی تو ہو — میرا یقین میرا بھروسا تمہی تو ہو
ذرّہ تا آفتاب تمھارا جمال ہے — شمعِ حریم حق کا اُجالا تمہی تو ہو
خیرالبشر ہو رحمتِ کل کائنات ہو — جاری ہے جس کے فیض کا دریا تمہی تو ہو
میں خسروانِ دہر کو ٹھوکر پہ مار دوں — میں ہوں غلام جس کا وہ آقا تمہی تو ہو
مطلوبِ ذوالجلال، والاکرام کون ہے — سردارِ دوجہاں شہِ والا تمہی تو ہو
رب کے حضور ہوگی کسے تابِ گفتگو — محشر میں عاصیوں کا سہارا تمہی تو ہو
تم مل گئے تو دولتِ کونین مل گئی — جانِ مراد روحِ تمنا تمہی تو ہو

کل انبیا میں مُہرِ رسالت ہے اور کون
خاصانِ خاص، اشرف و اعلیٰ تمہی تو ہو

مہر وجدانی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

قلم کو توفیق دیں کہ لکھے اک ایسی تحریر میرے آقا
مرے لیے جو بروزِ محشر ہو وجہِ توقیر میرے آقا

نہ آسکے اب کبھی ہماری خطا مزاجی کی دسترس میں
خطا کے پیروں میں ڈال دیجے اک ایسی زنجیر میرے آقا

عطا ہو مجھ معصیت گزیدہ کو خاک و آب و ہوائے طیبہ
کہ میرے امراض کو یہی ہیں دوائیں اکسیر میرے آقا

سکھا کے خالق نے اس جہاں میں سلیقۂ انتظار پہلے
نبیِ آخر بنایا تم کو، بہ حسنِ تاخیر میرے آقا

وہ کیسے نکلیں وہ کیسے ڈھلکیں انھیں سنبھالے ہوئے ہیں آنکھیں
بسی ہے جن آنسوؤں کے دل میں تمھاری تصویر میرے آقا

رُندھا گلا، اشک بار آنکھیں، دلِ پُراُمید اور ماجدؔ
دکھا دی تم نے دعا سے پہلے دعا کی تاثیر میرے آقا

ماجد خلیل (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حلقۂ شعر و فن کی ہواؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی
میرے لب پر مچلتی دعاؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

خلدِ طیبہ کے شاداب گلزار میں، میرے آقا کے پُرنور دربار میں
سر جھکاتی ہوئی التجاؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

ہر اُفق پر ازل سے یہ تحریر ہے، عافیت خوابِ آدم کی تعبیر ہے
امنِ عالم کی اے فاختاؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

جگنوؤں کی قطاریں ہواؤں میں ہیں، تتلیاں رتجگوں کی فضاؤں میں ہیں
گریۂ شب کی روشن قباؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

کشتِ ایماں میں بھی معبدِ جاں میں بھی، آنسوؤں سے بھری چشمِ حیراں میں بھی
وادیِ عشق کی اپسراؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

قافلے خوش بوؤں کے گزرتے رہے، جمگھٹے روشنی کے اُترتے رہے
رحمتِ مصطفےٰؐ کی رداؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

خوش نما، دل کشا ہے فضا رات کی، اس میں کلیاں کھلی ہیں مناجات کی
صحنِ جاں میں برستی گھٹاؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

چاندنی ہر شجر پر بسیرا کرے، شب کا پچھلا پہر ہے سویرا کرے
گونج گنبد میں اپنی صداؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

محفلِ نعت میں ذکرِ میلاد ہے، خطۂ دیدہ و دل بھی آباد ہے
قریۂ جاں کی سرکش اناؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

بادباں بن گیا ہے درودِ نبی، لوٹ جائے گی ہر موج بپھری ہوئی
میری کشتی کے اے ناخداؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

تشنہ لب بن گئے میرے حرفِ دعا، حشر کیسا ہوا بستیوں میں بپا
شامِ مقتل کی اے کربلاؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

اوج پر ہے ستارہ ریاضؔ آج بھی، اس طرف روشنی، اُس طرف روشنی
میرے لوح و قلم کی نواؤ! سنو، پھول کھلتے رہے، نعت ہوتی رہی

ریاض حسین چودھری (سیالکوٹ)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

روشنی کی فضا پانے والے گئے اور میں رہ گیا
در پہ سرکارؐ کے جانے والے گئے اور میں رہ گیا

دیدۂ تر لیے سبز گنبد کے پُرنور آفاق پر
پرچمِ دید لہرانے والے گئے اور میں رہ گیا

بارگاہِ نبیؐ میں بہ حسنِ ادب حالِ دل کے سبب
پھول آنکھوں سے برسانے والے گئے اور میں رہ گیا

اُس درِ پاک سے کتنے پہلے پہل کتنے بارِ دگر
زندگی کی سند لانے والے گئے اور میں رہ گیا

اِس برس میری تقدیر کھوئی رہی یعنی سوتی رہی
نازِ قسمت پہ فرمانے والے گئے اور میں رہ گیا

اے شہِ دوسرا، دل پہ قابو رہے بھی تو کیسے رہے
ہم سفر میرے کہلانے والے گئے اور میں رہ گیا

رحمتوں کا نگر، شہرِ محبوبِ رب ہے جہاں سے قمرؔ
جھولیاں بھر کے لوٹ آنے والے گئے اور میں رہ گیا

قمر وارثی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

طلبِ عشق بہت خام تھی تجھ سے پہلے　　　عقل ابلیس کا الہام تھی تجھ سے پہلے
میں کسی دین کی تکذیب نہیں کرتا مگر　　　بندگی فرد پہ الزام تھی تجھ سے پہلے
راہ تھی، راہنما بھی تھے پہ منزل معدوم　　　جستجو کاہشِ ناکام تھی تجھ سے پہلے
خود فروشی کے لیے حسن تھا بازار کی جنس　　　خودکشی عشق کا انجام تھی تجھ سے پہلے
وہ اندھیرا کہ کہیں صبح کے آثار نہ تھے　　　اُفقِ دہر پہ اک شام تھی تجھ سے پہلے
ہر طرف پھیلی ہوئی کارگہِ آذر تھی　　　زیست جولانگہِ اصنام تھی تجھ سے پہلے
محترم ہوگیا انسان ترے آنے سے　　　ذلتِ نوعِ بشر عام تھی تجھ سے پہلے
تری بعثت تھی کہ خورشید یقیں پھوٹا تھا　　　چارسُو ظلمتِ اوہام تھی تجھ سے پہلے

زندگانی بھی ظفر ایک حسیں گالی تھی
موت تو پہلے ہی دشنام تھی تجھ سے پہلے

قاضی ظفر اقبال (عارف والا)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

پروانہ جو بھی شمعِ رسالت سے دُور ہے
منزل سے دُور نورِ ہدایت سے دُور ہے

ذکرِ نبی سے چشم ہی روشن نہیں فقط
دل کا یہ آئینہ بھی کدورت سے دُور ہے

جس دل میں آرزوئے مدینہ نہیں، وہ دل
مولائے کائنات کی رحمت سے دُور ہے

ہے جس کے سر پہ سایۂ دامانِ مصطفیٰؐ
سمجھو کہ وہ ہر ایک مصیبت سے دُور ہے

عابدؔ ہوا ہے جب سے درِ شاہ کا غلام
دنیائے مال و زر کی محبت سے دُور ہے

شوکت عابد (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

صد درود و صد سلام، اُس صاحبِ لولاک پر
جس کی عظمت کا پھریرا اُڑتا ہے افلاک پر

عرشِ اعظم سے بھی افضل ہے وہ خطہ بالیقیں
جسمِ اطہر، سیّدِ عالم کا ہے جس خاک پر

آئنے میں منعکس ہوتا ہے جیسے آفتاب
جلوہ گر نورِ خدا ہے اُن کے روئے پاک پر

گوہرِ نایاب بن جائے وہ کنزِ دہر کا
اک نظر اُن کی پڑے گر، ذرّۂ خاشاک پر

معطیِ نعمت خدا ہے، قاسمِ نعمت حضور
ہے حقیقت یہ عیاں ہر صاحبِ ادراک پر

سادگی و بے ریائی، سرورِ عالم کی دیکھ
کھاتے ہیں نانِ جویں، سوتے ہیں فرشِ خاک پر

اب یہی اک آرزو، فاروق صدیقی کی ہے
حاضری ہو جائے آقا کے مزارِ پاک پر

فاروق احمد صدیقی (بھارت)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بدن میں چاند کی تشکیل کر رہا ہوں میں
درود، روح میں تحلیل کر رہا ہوں میں

تپا کے عشقِ حبیبِ خدا میں جسم و جاں
وجود خام کی تکمیل کر رہا ہوں میں

لگا کے پائے مقدس کی خاک آنکھوں میں
چراغِ مردہ کو قندیل کر رہا ہوں میں

نظر ہے گنبدِ خضرا پہ دل حضوری میں
خدا کے نور کی تحصیل کر رہا ہوں میں

چھڑک کے آبِ شفائے درود سینے پر
سیہ کو سبز میں تبدیل کر رہا ہوں میں

یہ ہیرے کالے سمندر میں جگمگائیں گے
درود، داخلِ زنبیل کر رہا ہوں میں

حضور، معرکہ درپیش ہے توجہ دیں
دعا کو اپنی ابابیل کر رہا ہوں میں

حضور! اور تو کیا ہوگا اک سخن ور سے
بتانِ عصر کی تذلیل کر رہا ہوں میں

مخالفوں کو بھی انجم دعائیں دیتا ہوں
نبی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں میں

اشفاق انجم (مالی گاؤں)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلے دی آپ کو لولاک لما کی چادر
اور پھر اس سے بنی ارض و سما کی چادر

جگمگاتا رہا جو غارِ حرا میں برسوں
پھیلی عالم میں اسی نورِ ہدیٰ کی چادر

آپ جب ریش مبارک پہ لگاتے مہندی
حسن کر دیتی فزوں رنگِ حنا کی چادر

روضۂ پاک پہ ہر روز سلامی دینے
قدسی آتے ہیں لیے صلِّ علیٰ کی چادر

مندمل ہوتا ہے ہر زخم تجھے کیا معلوم
تُو نے اوڑھی ہی نہیں خاکِ شفا کی چادر

کیا ہوئے راز و نیاز ان میں وہی جانتے ہیں
رفعتِ وصل نے تانی تھی دنیٰ کی چادر

بدعقیدہ نے اگر کھینچنا چاہی مجھ سے
اور بھی پھیل گئی میری وفا کی چادر

بولا تلووں پہ وہ کافوری لبوں کو رکھ کر
چلیے معراج کو لایا ہوں لقا کی چادر

اک کفن اور بھی ہے زیرِ کفن زیبِ بدن
لے کر آئی ہے قضا ان کی رضا کی چادر

رحمتِ حق تھی جسے عائشہ بارش سمجھیں
اس گھڑی سر پہ تھی محبوبِ خدا کی چادر

عیب پوشی مری یوں کی مرے مدثر نے
درگزر کرکے مجھے بخشی جزا کی چادر

دھوپ میں رحمتِ بے مثل جدھر جاتے تھے
سر پہ رہتی تھی سدا ابرِ ولا کی چادر

دل کی آواز ابھی دل میں ہی گونجی تھی مگر
عرش تک پھیل گئی میری صدا کی چادر

جب بھی ملنے کے لیے بی بی حلیمہ آتیں
ان کی خدمت میں بچھا دیتے سخا کی چادر

نصب کرنے لگے جب کعبے میں سنگِ اسود
کام آئی مرے اقا کے ذکا کی چادر

اپنے روضے کے لیے فرش کو دی فوقیت
اس نوازش سے شرف پا گئی خاکی چادر

اہلِ بیعت نے کچھ اس شان سے نقاشی کی — رشکِ آفاق بنی کرب و بلا کی چادر
جس گھڑی لائی گئیں قیدی بنا کر شیما — آپ نے بخشی انھیں عفو و حیا کی چادر
جب سرِ حشر وہ پائیں گے مقامِ محمود — ان کی عظمت کا نشاں ہوگی لوا کی چادر
قحط کے دور میں بارش کی دعا مانگی جب — جوشِ رحمت سے اُٹھی کالی گھٹا کی چادر
کس قدر آپ ہیں مختار محیط اِس کا محال — عرشِ اعظم سے وری ان کی رسا کی چادر
کچھ رہے یا نہ رہے ان سے رہو وابستہ — ہاتھ سے چھوٹے نہ محبوبِ خدا کی چادر
آج میں رشکِ مسیحا کے درِ ناز پہ ہوں — موت آ ڈال مرے سر پہ قضا کی چادر
کرکے اقرار تُو کیوں بھول گیا اے بندے — تُو نے کی پیش وہاں قالو بلیٰ کی چادر
ان کی خوشبو کی ردا میں ہوئی ملبوس ہوا — ذی نفس اس لیے لیتے ہیں ہوا کی چادر
بدر میں وقتِ دعا جب بھی گری ان کی ردا — ٹھیک ابوبکر نے کی میرے شہا کی چادر
سبز چادر پہ لکھے نام سنہری دیکھے — بولا وجدان یہ ہے عقدہ کشا کی چادر
سب سے زائد ہیں احادیث انھی سے مروی — بوہریرہ کو ملی ایسی ذکا کی چادر
ان کی تطہیر و طہارت کی گواہی کی سند — دیکھو قرآں میں رقم اہلِ عبا کی چادر
کس میں ہمت ہے کہ چھینے مرا ملبوسِ وفا — ہے مرا جزوِ بدن، میری وفا کی چادر
ہو کے جب خوف زدہ بھاگ گئے تھے صفوان — آپ نے بھیجی انھیں حفظ و ولا کی چادر
عشقِ محبوب میں جو لوگ فنا ہوتے ہیں — اوڑھ لیتے ہیں وہ تسلیم و رضا کی چادر
ما رمیت سے ہی اس راز کا پردہ اٹھا — ان کے کاندھے کی ردا بھی ہے خدا کی چادر
چودہ سو سال سے وہ بن کے کفن لپٹی ہے — قابلِ رشک ہے محبوبِ خدا کی چادر
جب بھی پڑتی ہے مرے سر پہ کسی ظلم کی دھوپ — ڈھانپتی ہے مجھے رحمت کی گھٹا کی چادر
مجھ نکمے کا خدا عشق سلامت رکھے — تان کر بیٹھے ہیں کچھ لوگ ریا کی چادر
ان کے الطاف سے ہر بابِ اثر کھلتا گیا — جب بچھی ان کے توسل سے دعا کی چادر
نعت کے پھول منقش کیے میں نے ایسے — میں بیاں کرتا رہا اور ثنا کی چادر

اوڑھ لے کاش کسی روز سماعت ان کی
میں بڑے شوق سے بُنتا ہوں ثنا کی چادر

آپ کے یمنِ قدم سے ہوئی طیبہ میں شفا
ریزہ ریزہ ہوئی امراض و وبا کی چادر

میرے حق میں یہ دعا کر اے غلافِ کعبہ
چوم لوں حجرۂ محبوبِ خدا کی چادر

کیوں مرے ذہن میں آئے کوئی ناپاک خیال
میرے ادراک پہ ہے آلِ عبا کی چادر

اپنے جلووں میں مجھے میرے نبی گم رکھنا
موت جب ڈالے مرے سر پہ قضا کی چادر

جب مرے کرب کا احساس صدا دے اُن کو
ڈھانپ دیتی ہے مرے زخم شفا کی چادر

اس میں گلکاری شہیدانِ وفا کرتے ہیں
جب بھی بچھتی ہے کہیں کرب و بلا کی چادر

محفلِ نعت مرے مولا سجی ہے کب سے
اس پہ کر سایہ فگن نور و ضیا کی چادر

اتنا پیار آیا خدا کو مرے مزمل پر
دی جگا کر انھیں القابِ علا کی چادر

رحمتیں آئیں لیے پھول قبولیت کے
ابھی پھیلائی نہ تھی میں نے دعا کی چادر

میرے یاور کی عطا نے کیے احساں اتنے
مجھ کو احساس ہوا کم ہے دعا کی چادر

یوں تو دامانِ تمنا میں بڑی وسعت تھی
لیکن اس سے بھی سوا ان کے سخا کی چادر

اک صحابی کو بڑی شان سے کفنایا تھا
اس پہ ڈالی گئی محبوبِ خدا کی چادر

آتشِ غار کو پیغام عمر نے بھیجا
دیکھ بجھ جا یہ ہے آقا کے گدا کی چادر

کاش محشر میں اٹھوں نعتِ نبی پڑھتا ہوا
ڈھانپ لے میرا بدن حمد و ثنا کی چادر

پھر زمانے نے اسے خوب پزیرائی دی
میرے سرکار نے جس کو بھی عطا کی چادر

اپنے مداحوں پہ کیا کیا نہ عنایت کی ہے
کعب کو نعت سنانے پہ عطا کی چادر

نعت دربارِ رسالت میں پڑھا کرتے تھے
پائی حسان نے وہ عز و علا کی چادر

جب محبت سے قصیدہ پڑھا بوصیری نے
آپ نے ڈال دی خوش ہو کے شفا کی چادر

نعت پائے گی شرف اب تو قبولیت کا
مل گئی فکر کو مقصودؔ سخا کی چادر

مقصود احمد تبسم (دبئی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کیا بھلے دن تھے کہ ہم شغلِ نثار رکھتے تھے فکرِ امروز کو فردا پہ اُٹھا رکھتے تھے

فرصتِ شوق کے لمحات میسر تھے ہمیں روز و شب مشغلۂ حب و وِلا رکھتے تھے

اسمِ سرکارِ دوعالم تھا وظیفہ اپنا گنبدِ جاں میں یہی ایک صدا رکھتے تھے

حرم و دیر کی تفریق میں تقسیم نہ تھے معتبر یار کا نقشِ کفِ پا رکھتے تھے

کفش بوسی کی سعادت تھی تصور میں نصیب قدمینِ شہِ کونین میں جا رکھتے تھے

نقشِ باطل کی طرح، حرفِ غلط کی صورت اپنے ہونے کا گماں دل سے مٹا رکھتے تھے

پسِ درماندگیِ شوق تھے ارماں کیا کیا خاک ہوکر بھی مدینے کی ہوا رکھتے تھے

''بست'' میں وجہِ سکوں تھی کوئی اُمید ''کشاد'' ماورا پر کسی امکاں کی بنا رکھتے تھے

گریۂ شوق کی رم جھم تھی محیطِ دل و جاں چشمِ پُرآب میں تاروں کی ضیا رکھتے تھے

آنکھ کی جھیل میں کھلتے تھے عقیدت کے کنول روح میں تشنگیِ کرب و بلا رکھتے تھے

اتباعِ شہِ مظلوم تھا مسلک اپنا یوں بھی ہم شیوۂ تسلیم و رضا رکھتے تھے

حق پہ مٹنے کی تمنا لیے پھرتی تھی ہمیں جذبۂ پیرویِ آلِ عبا رکھتے تھے

لب پہ جاری تھا شب و روز درود و سلام دل و جاں آلِ محمدؐ پہ فدا رکھتے تھے

صحبتِ لختِ دل مہرِ علی حاصل تھی ناز شِ خوبیِ تقدیر بجا رکھتے تھے
چشمِ وجدان پہ روشن تھا ضمیرِ ہستی بے خودی میں بھی دو عالم کا پتا رکھتے تھے
زر الطاف سمیٹنے میں نہیں آتا تھا اپنی کوتاہیِ داماں سے گلہ رکھتے تھے
رمِ خوش بو تھا رہِ نعت میں خامے کا خرام ضبطِ تحریر میں اندازِ صبا رکھتے تھے
زیست بے کیف نہ تھی وقت پُر آشوب نہ تھا ذہن میں روشنیِ صلِ علیٰ رکھتے تھے
اے خنک دورِ سعید اور وہ عہدِ فرح یادِ محبوب میں جو خود کو بھلا رکھتے تھے
لے اُڑی طرفگیِ رنگِ سخن فکرِ معاش ورنہ ہم سب سے جدا طرزِ نوا رکھتے تھے
اب وہ رُوداد سنائیں تو سنائیں کس کو اب کسے یاد کہ ہم کون تھے کیا رکھتے تھے
کرم اے پشت پناہِ ہمہ خستہ حالاں کرم اُن پر جو ترا درد سوا رکھتے تھے
پھر سے کردے اُسے سینوں میں ہمارے زندہ تجھ سے نسبت جو ہم اے شاہِ ہدیٰ رکھتے تھے
کر ہی دے اب تو کرم ربّ دو عالم ہم پر ''ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے''

پھر وہی دور پلٹ آئے کہ جس میں افضلؔ
خود کو وابستۂ دامانِ عطا رکھتے تھے

افضل خاکسار (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یہ عالموں پہ جو اک سلسلہ کرم کا ہے
یہ فیض نورِ ازل سیّدِ اُمم کا ہے

وہ جن کے در سے فرشتے مراد پاتے ہیں
یہ رحمتوں کا چلن، ان کے دم قدم کا ہے

مرا شرف ہے کہ میں ہوں غلام ابنِ غلام
خوشا نصیب یہ رشتہ جنم جنم کا ہے

نبی کے روضے پہ پہنچے تو باوضو ہوجائے
یہ افتخار، یہ اعزام چشمِ نم کا ہے

جنھیں نبی نے چھپایا تھا اپنی چادر میں
یہ کائنات ظہورا انھی کے دم کا ہے

غبارِ کوے مدینہ سے جا ملے، مری خاک
یہ جسم و جاں کا حوالہ تو کوئی دم کا ہے

وہ بادشاہِ دوعالم، کرم کی حد نہ حساب
میں کم سواد، سو میرا سوال کم کا ہے

ہے ایک سانس کی دُوری پہ رہ گزارِ نجات
وجود سے بھی یہی فاصلہ عدم کا ہے

عباس رضوی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شافیِ ابتلا، دافعِ رنج و غم نامِ خیرالامم
بے گماں بعدِ حق، وجہِ فیض و کرم نامِ خیرالامم

حق نے قرآن میں اُن کو اسمِ صفت سے مخاطب کیا
چشمِ خالق میں ہے کس قدر محترم نامِ خیرالامم

ہے بہ حدِّ ادب، معجزہ ہے عجب، ملتے ہی دونوں اب
چومتے ہیں بہم، جب بھی لیتے ہیں ہم نامِ خیرالامم

آپ شمس الضحیٰ، آپ بدرالدجیٰ، آپ نورالہدیٰ
ہے وظیفہ مرا روز و شب بہ دم نامِ خیرالامم

ہر مرض کی دوا، کیجیے صبح و مسا وردِ صلِّ علیٰ!!
ہے یقیناً مداوائے درد و الم نامِ خیرالامم

آپ کے ذکر کو تاابد آپ کے رب نے رفعت یہ دی
سر بہ سجدہ ہوئے سن کے سارے صنم نامِ خیرالامم

جو اندھیروں میں تھے روشنی پا گئے، راہ پر آگئے
حق نے جس کر دیا دل پہ اُن کے رقم نامِ خیرالامم

امیرالاسلام صدیقی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بشر خلقِ خدا میں معتبر ان کی بدولت ہے
محمد مصطفیٰ کی ذات فخرِ آدمیت ہے

محبت حرفِ اوّل ہے کتابِ زندگانی میں
یہ بزمِ آب و گِل کیا شے ہے، شہکارِ محبت ہے

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کی شانِ رحمت کا
جہاں تک خلق ہے اس کی، وہاں تک ان کی رحمت ہے

نہ ہوتی رونقِ عالم اگر سرکار نا ہوتے
نکھارِ گیسوئے بزمِ جہاں ان کی بدولت ہے

مےِ عشقِ نبی پی کر خدا کی یاد میں رہنا
یہی عینِ محبت ہے، یہی روحِ عبادت ہے

ملے حُبِ نبی مجھ کو، کبھی یہ التجا کی تھی
خدا جو مہرباں ہے عبد پر، ان کی عنایت ہے

عبدالرحمٰن عبد (نیویارک)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کوئی یہ مجھ سے کہتا ہے ہر نعتِ علیؑ کے بعد
کیا لکھوگے مدحِ محمدؐ حرفِ خدا کے بعد

میرے دامن میں ڈالی ہے تو نے نعت کی خیر
کچھ بھی مانگا جائے نہ اور اس حسنِ عطا کے بعد

تیرے سوا ہم کس سے پوچھیں کون بھلا یہ جانے
کیا محسوس کیا تھا رب نے تیری ثنا کے بعد

تیرے گھرانے کی سنت تھی دینِ خدا سے وفا
کس نے سر دے کے یہ نباہی آلِ عبا کے بعد

ایسا بشر دیکھا نہ سنا جز تیرے، دنیا میں
ہوتی ہو تسلیم بزرگی جس کی، خدا کے بعد

مدحتِ سرور کی مانگی ہے قیصرؔ جب سے دعا
ساری دعائیں نادم ہیں اس ایک دعا کے بعد

قیصر نجفی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ منظر نہیں دیکھا
دیکھا تو ہے لیکن وہاں جا کر نہیں دیکھا

یوں عفو و کرم کا کوئی خوگر نہیں دیکھا
اخلاق کا ایسا کوئی پیکر نہیں دیکھا

الطاف و عنایات و عطا، جود و سخا میں
دنیا نے کوئی آپ سے بڑھ کر نہیں دیکھا

یکتا کے وہ محبوب ہیں، اور خود بھی ہیں یکتا
ہمسایہ بھی کوئی اُن کے برابر نہیں دیکھا

آقا کی اطاعت کے سفر میں جو چلے ہم
"رستے میں کبھی میل کا پتھر نہیں دیکھا"

کیا شانِ فصاحت ہے رسولِ عربی کی
ایسا کہیں کوزے میں سمندر نہیں دیکھا

قرآں کی طرح جس کا سخن دل میں اُتر جائے
اک اُن کے سوا کوئی سخن ور نہیں دیکھا

دیکھا کہ ہیں لب ہائے مبارک پہ دعائیں
کیا کیا انھیں اعدا نے ستا کر نہیں دیکھا

مائل بہ کرم رحمت مولا تو سدا ہے
ہم نے ہی کبھی ہاتھ اُٹھا کر نہیں دیکھا

اغیار سے شفقت کے طلب گار ہوئے ہم
اُس دامنِ رحمت میں سما کر نہیں دیکھا

کی جس پہ نظر سرورِ عالم نے، پھر اُس نے
دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا

اِن بھیگتی پلکوں کی گزارش ہے تو اتنی
سرکار، مدینہ کبھی آ کر نہیں دیکھا

ہم عرشؔ ہیں خوش بخت کہ اُس در پہ ہیں سائل
محروم گدا کوئی جہاں پر نہیں دیکھا

عرش ہاشمی (اسلام آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دلوں میں عشقِ محمد اگر نہیں ہوتا
دعائیں لاکھ کرو کچھ اثر نہیں ہوتا

اگر رسول کی عظمت نہیں نگاہوں میں
وہ چاہے کوئی ہو اہلِ نظر نہیں ہوتا

مجھے مدینے میں دیکھا تو ہوگئے قائل
جو کہہ رہے تھے دعا میں اثر نہیں ہوتا

جو ان کے نقشِ کفِ پا کو ڈھونڈ لیتا ہے
جہاں میں اُس سے بڑا دیدہ ور نہیں ہوتا

جو اُس نے درس دیا تھا وہ ہم بھلا بیٹھے
اسی لیے تو دعا میں اثر نہی ںہوتا

شفیعِ روزِ جزا کے جو ہیں غلامِ اُنس
حسابِ روزِ قیامت کا ڈر نہیں ہوتا

کٹے ہوئے ہیں جو حبِّ نبی کے موسم سے
یہ وہ شجر ہیں کہ جن پر ثمر نہیں ہوتا

نور امروہوی (امریکا)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شاملِ نعت ہر اک لفظ کے ابجد پہ نثار
سارے اصحابؓ پہ اور آلِ محمدؐ پہ نثار

میرا ہر اوج ترے نقشِ کفِ پا کے تلے
میری معراجِ تخیل ترے گنبد پہ نثار

ترے نعلین کا صدقہ ہیں سلاطین کے تاج
تختِ ہر شاہ ترے پایۂ منبر پہ نثار

تری مدحت کے ہر اک لمحے پہ میں یوں قربان
جس طرح اہلِ مدینہ تری آمد پہ نثار

جس کے پاؤں میں ہے جنت تری اس ماں پہ فدا
اس کے فرمائے ہوئے اسمِ احمدؐ پہ نثار

میری بھی آتش امید کو گلزار بنا
میں نسب پر ترے قربان ترے جد پہ نثار

اک دریچہ مری تربت کا تری سمت کھلے
ترا کوثر ہے تری رحمت بے حد پہ نثار

کوثر علی (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہجومِ عاشقاں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں
بڑا دل کش سماں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

اِدھر ہے روضۂ جنت اُدھر ہے دل کشا جالی
زمیں بھی آسماں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

کہیں محراب و منبر ہیں کہیں حنانہ و صفہ
ہر اک روشن نشاں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

نصیبِ طائرانِ خلد قرباں اس کبوتر پر
کہ جس کا آشیاں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

مرے آقا کی رحمت اور ان کی شانِ محبوبی
ہر اک دل پر عیاں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

فدا اللہ اکبر کی اُترتی ہے دل و جاں میں
عجب لطفِ اذاں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

خدا ہے سایۂ طوبیٰ بھی اس گنبد کی نسبت پر
در شاہ جہاں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

دلِ حسرت زدہ کو نورؔ، چھوڑ آیا ہوں طیبہ میں
بہت ہی شادماں ہے گنبدِ خضرا کے سائے میں

نور محمد جرال (امریکا)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دل مرا خوش رنگ ہو جاتا ہے فکرِ نعت میں
جیسے تتلی باغ میں، قوسِ قزح برسات میں

زاویے لاکھوں، مگر عکسِ محمدؐ ایک ہے
آینہ خانہ سجا، قرآن کی آیات میں

مہرباں حالات میں نامہرباں سب، اور آپ
ہیں سراپا مہرباں، نامہرباں حالات میں

نذر کرتا ہوں میں اُن کو دل کا ننھا سا دیا
جن کو دے دی کائنات اللہ نے سوغات میں

ہات میں آجائے میرے، دامنِ خیرالبشر
روزِ محشر آینہ جب ہو خدا کے ہات میں

آسماں پر جاگتے ہیں جس قدر تارے محیط
نام لوں اتنی ہی بار اُن کا، میں دن اور رات میں

محیط اسمٰعیل (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تھی اُن کے در پہ لٹائی، سنبھال کر رکھی
متاعِ اشک پرانی سنبھال کر رکھی

کہ ایک دن اسے آقاؐ کی نعت ہونا تھا
غزل نے اپنی جوانی سنبھال کر رکھی

وہ نعت جس سے مہکتی ہے شب کی تنہائی
وہ نعت رات کی رانی سنبھال کر رکھی

حضورؐ آپ کی مدحت کے واسطے میں نے
یہ حرف حرف روانی سنبھال کر رکھی

ظہیرؔ ریشِ مبارک کا احترام کیا
حضورؐ کی یہ نشانی سنبھال کر رکھی

محمد ثناء اللہ ظہیر (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تا ابد مثلِ حبیبِ کبریا ممکن نہیں
دوسرا میں اُن سا کوئی دوسرا ممکن نہیں

مرتبے بخشے ہیں حق نے ان کو سب سے منفرد
کوئی ان سا دل رُبا و دل کشا ممکن نہیں

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو قربِ حق کی انتہا
"نقطۂ قوسین سے کم فاصلہ ممکن نہیں"

ہے درِ شاہ دنیٰ ہی ہر سعادت کا نشاں
چھوڑ کر اس کو خدا سے رابطہ ممکن نہیں

رحمتِ حق اس پہ رہتی ہے سدا سایہ کناں
خیر سے محروم ہو ان کا گدا ممکن نہیں

اپنے لفظوں کو فقط کرتا ہے وہ معمورِ نعت
کرسکے واحدؔ ثنائے مصطفیٰ ممکن نہیں

صاحبزادہ ابوالحسن واحدؔ رضوی (اٹک)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کیا اذنِ حضوری ہو سرکار مدینے میں
منکوں کا بھی لگتا ہے دربار مدینے میں

کچھ اشک ندامت کے آنکھوں سے گرے اور پھر
مت پوچھیے کیا پایا، اس بار مدینے میں

ہے ورد درودوں کا اور لب پہ ثناخوانی
رہتا ہے کہاں کوئی بے کار مدینے میں

ہر زخم شفا پائے بس خاکِ مدینہ سے
انگار بھی ہوتا ہے، گلزار مدینے میں

جب ڈوبنے لگتی ہے کشتی مرے جیون کی
ہوتا ہے ہر اک بیڑا پھر پار مدینے میں

بس خواب میں آقا کا دیدار کرا دے جو
اک نعت لکھوں ایسی اس بار مدینے میں

ذکیہ غزل (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو بھی اللہ کے تسلیم و رضا مانگتے ہیں
آپؐ کا اُمتی بننے کی دعا مانگتے ہیں

آپؐ زیست کا ہر لمحہ جو محفوظ ہوا
خضر بھی آپؐ کے ہی در سے بقا مانگتے ہیں

روشنی کا تو ہے سرچشمہ فقط آپؐ کی ذات
آپؐ سے ثابت و سیار جلا مانگتے ہیں

مشعلِ رُشد و ہدایت کی تب و تاب حضورؐ
انبیا نورِ ہدایت سے ضیا مانگتے ہیں

تا قیامت ہے یہی عہدِ نبوت جاری
ہائے وہ لوگ جواب اس سے سوا مانگتے ہیں

آپؐ کا عکسِ حسیں تھا یدِ بیضا کیا تھا؟
معجزے آپؐ کے دامن کی ہوا مانگتے ہیں

کاش کہ روضۂ اطہر کی ملے خاک مجھے
کتنے بیمار یہاں خاکِ شفا مانگتے ہیں

اک حضوری کی تمنا میں جسے چاہتے ہیں
آپؐ کے در کی زیارت کا نشہ مانگتے ہیں

کاش بن جائے کبھی بندۂ مومن اصغرؔ
یہ مری آنکھ، زباں، کان دعا مانگتے ہیں

علی اصغر عباس (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اکتسابِ نورِ خورشیدِ حرا کرتے ہوئے	سانس چلتی ہے ثنائے مصطفےٰ کرتے ہوئے

شہپرِ جبریلؑ کا لاؤ قلم، مدحت گرو!	ابتدائے نعتِ ممدوحِ خدا کرتے ہوئے

منزلِ مقصود کو حاصل کریں گے ہم ضرور	رہنما سرکار کا ہر نقشِ پا کرتے ہوئے

آپ ہی کے نور کو تخلیق خالق نے کیا	خلقتِ کون و مکاں کی ابتدا کرتے ہوئے

خود خدا نے ہے اُتارا سارا قرآنِ حکیم	مدحت و توصیفِ شاہِ انبیا کرتے ہوئے

سادگی کو دیکھ کر ششدر ہیں شاہانِ جہاں	زیبِ مسند آپ کو اک بوریا کرتے ہوئے

میرے آقا کی ذرا شانِ کریمی دیکھیے	وسعتِ دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

ہوں کھڑا تائب سرِ ایوانِ نعت مصطفےٰ
لوگ کیوں ڈرتے ہیں میرا سامنا کرتے ہوئے

عبدالغنی تائب (حافظ آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

لکھا ہوگا ملک نے بھی کہ کس جانب قدم نکلے
نبی کے روضۂ اقدس پہ جانے کو جو ہم نکلے

خدا سے ہے دعا میری کہ سب غم دُور ہو جائیں
مرے دل سے مگر شاہِ دوعالم کا نہ غم نکلے

مدینہ دیکھ آیا ہوں تو اب محسوس ہوتا ہے
مرے ارماں کہاں پورے مرے رب کی قسم نکلے

لکھی تھی اپنی قسمت میں زیارت دونوں عالم کی
مدینے کی زیارت کی، کبھی سُوئے حرم نکلے

مدینہ پھر میں جاؤں اور وہیں کا ہو کے رہ جاؤں
تمنائے دلی نکلے جو اُن کے در پہ دم نکلے

دبستانِ نبی سے نسبتوں کا فیض تو دیکھو
یہاں سے کیسے کیسے صاحبِ جود و کرم نکلے

ہم اپنی کیفیت اُس دم بتائیں بھی تو کیا اے دلؔ
دیارِ مصطفیٰ سے ہم کیے آنکھوں کو نم نکلے

امان خان دل (نیویارک)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مل جائے مجھ کو نقشِ کفِ پا حضور کا
سر پر رکھوں گا چوموں گا تحفہ حضور کا

ہر اک معاملے میں ہے رہبر انھی کی ذات
سب کہ لیے مثال ہے اُسوا حضور کا

سب کو برابری کا سبق آپ نے دیا
سب کے لیے چراغ ہے خطبہ حضور کا

ان کے لیے ہی خلق ہوئی ساری کائنات
بٹتا ہے دو جہان میں صدقہ حضور کا

یہ مہر و ماہ و تارے منور انھی سے ہیں
ہر ایک میں ہے نور سراپا حضور کا

لکھتا رہوں گا نعت میں رب کہ حبیب کی
پڑھتا رہوں گا دل سے قصیدہ حضور کا

وہ دن بھی زندگی میں مدثر کی آئے گا
پلکوں سے چوم لے گا وہ روضہ حضور کا

مدثر سرور چاند (لاہور)

خطوط

خطوط

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ لاہور

مولانا مقصود حسین قادری نوشاہی اویسی زید مجدہ کی عنایت سے مجلّہ ''نعت رنگ'' کا مولانا احمد رضا خان نمبر'' موصول ہوا، دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا، ہر صفحے پر نظر پڑتے ہی زبان پر بے ساختہ سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کے کلمات جاری ہوجاتے، آپ نے زیادہ سے زیادہ نئے مقالات شاملِ اشاعت کیے ہیں، امام احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اگر آپ پرانے مقالات جمع کریں تو ایک سے زیادہ نمبر باآسانی نکال سکتے ہیں۔ مقالہ نگار حضرات نے بھی ایمانی اور ادبی ذوق میں ڈوب کر خامہ فرسائی کی ہے اور امام احمد رضا بریلوی کی نعتیہ کلام کے بہت سے محاسن کو بڑی خوش اسلوبی سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔

آج جب کہ لادین قوتیں ایٹمی طاقت رکھنے والے پاکستان پر پوری طاقت سے اپنی تہذیب، اپنی ثقافت اور اپنے لادین نظریات ٹھونس رہی ہیں اور ہمارے حکمران بڑی سعادت مندی کے ساتھ ان کے پروگرام کو آگے بڑھا رہے ہیں، ایک خطے کے نصاب سے طریقۂ نماز نکال دیا گیا ہے۔ آیاتِ جہاد نصاب سے نکالی جا رہی ہیں، مجاہدینِ اسلام اور مجاہدینِ تحریکِ پاکستان سے متعلق مضامین حذف کیے جا رہے ہیں، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ ریس کو عبادت کا درجہ دیا جا رہا ہے اور جو لوگ اس جاہلانہ رسم کو پسند نہیں کرتے، انھیں اسلام کے نام پر معرضِ وجود آنے والے ملک میں آنکھیں بند کر لینے کا مشورہ دیا جا رہا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور آخر میں بھی غربت کی طرف لوٹ جائے گا۔'' میں بجا

طور پر سمجھتا ہوں کہ غربتِ اسلام کا آغاز ہو چکا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس پر جس طرح احتجاج ہونا چاہیے وہ بالکل نہیں ہو رہا، ٹی وی نے تو بے پردگی کی مہم چلا رکھی ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ایسے گھپ اندھیرے میں ضرورت ہے کہ:

دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کردو

اور آپ نے اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کردیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

تھوڑی سی دوسرے پہلوؤں پر بھی گفتگو سن لیں:

(۱) ص ۱۷۰ پر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کا مضمون پڑھنے لگا تو پہلی سطر پڑھ کر ہی چونک گیا، میرا دل نہیں مانتا کہ ڈاکٹر انجم جیسے فاضل نے یہ کلمات لکھے ہوں گے اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ نے اسے شائع کیسے کردیا۔ وہ کلمات ملاحظہ ہوں:

> ذکرِ حق کے بعد ذکرِ رسولِ مقبول ﷺ افضل ترین عبادت ہے اور اس عبادت میں خالق اور مخلوق دونوں برابر کے شریک ہیں۔ (ص ۱۷۰)

یہ وہ سنگین ترین کلمات ہیں جن کی وجہ سے لکھنے والے شائع کرنے والے اور پروف ریڈنگ کرنے والے سب پر یہ فرض ہے، ورنہ ایمان جاتا رہے گا۔ اسی مقالے میں یہ الفاظ بھی قابلِ توجہ ہیں:

> بعض علما نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن کے تیسوں پارے رسول مقبول ﷺ کی مکمل نعت میں ہیں۔

ایسے علما سے صرف اتنی گزارش ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے لیے بھی تو رہنے دیں، کچھ دوسرے انبیائے کرام کے واقعات، اطاعت شعاروں کے اجر وثواب اور معصیت کاروں اور کافروں کے عذاب کے لیے بھی تو کچھ حصہ رہنے دیں، آج بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ نعتیں جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور نمازوں کے قریب نہیں جاتے۔

(۲) جناب ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی صاحب کا مقالہ بڑا جان دار ہے اور انھوں نے بڑی عمدگی کے ساتھ قارئین کو بھی سلامِ رضا کے دو باغوں کی سیر کرائی ہے۔ ایک جگہ انھوں نے فرمایا ہے:

دولھا، برات، نوشہ، شادی، نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اور ان کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو کیوں اس درجہ پسند تھے۔ نوشۂ بزمِ جنت کو مرکزِ بزمِ جنت، شانِ بزمِ جنت، رونقِ بزمِ جنت، کعبۂ بزمِ جنت کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔

بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اس تلازمے کی توجیہ کی ہے، تاہم اس سلسلے میں یہ ضرور عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ: نوشۂ بزمِ جنت کی ترکیب سامنے آنے کے بعد یہی بات ہے کہ باقی جتنی ترکیبیں بیان کی ہیں کسی میں وہ حسن اور جاذبیت نہیں ہے جو اس ترکیب میں ہے، عربی کا ایک مقولہ ہے "لاعطر بعد عروس" دلھن کے عطر کے بعد کسی عطر کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ بزمِ جنت کے دولھا ہیں باقی سب براتی ہیں۔ (یعنی طفیلی)

"دلائل الخیرات" میں ہے (و عروس مملکتک) اے اللہ اپنی مملکت کے دولھا پر رحمتیں نازل فرما۔

اس کی شرح میں علامہ فاسی نے بڑی عمدہ گفتگو کی ہے اور "مواہب لدنیہ" کے حوالے سے بعض علما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ (ولقدر آی من آیاتِ ربه الکبری) اس کا معنی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ملکوت (عالم بالا) میں اپنی صورت دیکھی (فاذا هو عروس المملکة) تو آپ ہی مملکتِ الٰہیہ کے دولھا تھے۔ (دیکھیے مطالع المسرات عربی، ص۲۲۳)

(۳) ٹائٹل پیج کی پشت پر آپ نے بے پردہ عورت کی تصویر شائع کی ہے۔ حالاں کہ کسی بھی جان دار کی تصویر بنانا چھاپنا بغیر کسی شدید مجبوری کے جائز نہیں ہے۔ کاش آپ اس سے اجتناب فرماتے۔

آخر میں اس یادگار نمبر کے شائع کرنے پر تہِ دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں، ان شاء اللہ العزیز یہ نمبر عرصۂ دراز تک ریفرنس بک کے طور پر اہلِ علم کے کام آتا رہے گا، ہاں علامہ کوکب نورانی کا مقالہ بڑا بھرپور، معلوماتی اور باحوالہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر اور قلم میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر معین الدین عقیل۔ کراچی

"نعت رنگ" کا خصوصی شمارہ "احمد رضا بریلوی خان نمبر" موصول ہوا۔ اس لطفِ خاص اور محبت وعنایت کا شکرگزار ہوں۔ بالاستیعاب دیکھا پڑھا اور عش عش کیا... آپ کی لگن، جستجو

اور محنت و سلیقے پر۔ حسنِ ذوق اور حسنِ اظہار ہر دو صورتوں میں بے مثل و یادگار رہے گا۔ غالباً مولانا احمد رضا خاںؒ اور ان کی نعت گوئی اور اثرات کو اس اہتمام سے اب تک کسی نے نہ موضوع بنایا ہوگا نہ کسی سے اس طرح حق ادا ہوا ہوگا۔

مبارک باد بھی قبول کیجیے۔ ان سعادتوں پر جو آپ ''نعت رنگ'' اور نعت کے میدان میں حاصل کر رہے ہیں۔

واجبات کے ساتھ

پس نوشت

انداز ہوا کہ ''نعت رنگ''... آپ کے حوصلوں کی بلندی کے باوجود... آپ کی وسعتوں کے لیے خود آپ کو محدود نظر آ رہا ہے... ''سفیرِ نعت'' یقیناً آپ کی توجہ، سرپرستی اور حوصلہ افزائی کے باوصف، حصولِ منزل میں آپ کی توقعات پر ضرور پورا اُترے گا۔ اس کا پانچواں شمارہ پہلی بار مطالعے میں آیا۔ اس میں آپ کی موجودگی صاف نمایاں ہے۔

سیّد ہاشم حسین۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا ۱۸ نمبر رسالہ موصول ہوا۔ سب سے پہلے تو اس کی ضخامت (۸۰۰صفحات) دیکھ کر حیرت اور خوشی کے جذبات اُبھرے۔ مولانا احمد رضا خان کی شخصیت کے بارے میں بہت اچھے معلوماتی مضامین ہیں اور ان کی نعتیں پڑھ کر بہت ہی لطف آیا۔

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کا طویل مضمون پسند آیا۔ پہلے تو شفاعت کے بارے میں سیر حاصل (قرآنی آیات کے ساتھ) بحث کی ہے۔ اس کے بعد کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس کے علاوہ موصوف نے علمِ غیبِ رسول ﷺ کے بارے میں بھی جو قرآنی آیات پیش کی ہیں وہ تھوڑی سی دلچسپی رکھنے والے کے علم میں ضرور ہوں گی اور یہ آیات بھی حضور ﷺ کا علمِ غیب ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ آں حضور ﷺ نے جو بے شمار پیشین گوئیاں کی ہیں (مثلاً عمارؓ بن یاسرؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا وغیرہ) جو بعد میں سچ ثابت ہوئیں، ان کے آئندہ واقعات کے علم کا ثبوت ہیں اور ان کا یہ فرمانا کہ ''میں جانتا ہوں کہ کس کا باپ کون ہے'' بتاتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے گزشتہ رازوں کا بھی علم عطا فرمایا تھا اور یہی علمِ لدنی ہے۔

تاہم میرے کچھ معروضات ہیں جو درج ذیل ہیں:

صفحہ ۳۸۰ پر جو آیت (و علمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللّٰہ علیک عظیما۔ ''اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضلِ عظیم ہے'') درج ہے۔ اس آیت کے تحت تفسیرِ خازن کے حوالے سے لکھا ہے، ''یعنی احکام اور امورِ دین اور کہا گیا ہے کہ آپ کو سکھا دیا اس علمِ غیب میں سے جس کو آپ نہیں جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو امورِ مخفیہ، دلوں کے راز، منافقین کے احوال اور ان کی مکاریوں کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔''

میری گزارش یہ ہے کہ مفسر نے ان کے بیان کے مطابق صرف چار علوم یعنی (۱) امورِ مخفیہ (۲) دلوں کے راز (۳) منافقین کے احوال (۴) اور ان کی مکاریاں تک ہی کیوں محدود کر دیا ہے، جب کہ آیت میں ایسی کوئی حد (Limit) نہیں ہے۔

آیت پر غور کریں، ''جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے'' وہ سب کچھ کا علم عطا کیا گیا ہے۔ مزید برآں آیت کا آخری حصہ ''اور آپ پر اللہ کا فضلِ عظیم ہے'' اس کی مزید تائید کرتا ہے کہ آپ کو تمام علوم عطا فرمائے گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمام علوم میں ہر علم شامل ہے جیسے علمِ فلکیات، علمِ طبیعیات، حیاتیات، ارضیات اور کیمیا وغیرہ تو قابلِ گرفت نہ ہوگا۔ یعنی اگر آئن اسٹائن اُس وقت ہوتا تو حضور ﷺ سے سبق لیتا۔ ''سکھا دیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے'' سے تو اعلانیہ یہی مطلب نکلتا ہے بلکہ اس میں تحت الارض کا علم بھی شامل ہے۔ اگر آصف بن برخیا جس کو صرف ایک اسمِ اعظم عطا ہوا تھا۔ یہ کر سکتا ہے کہ پلک جھپکنے میں ملکۂ سبا کو معہ تخت عدن سے شام تک پہنچا دے تو ہمارے رسول ﷺ کو تو ۳۰۷ میں سے ۳۰۲ اسمائے اعظم عطا ہوئے تھے۔

صفحہ ۳۸۳ پر آیت ''و کل شیء احصینہ فی امام مبین'' کا ترجمہ لکھا ہے۔ ''اور ہم نے ہر شے کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کر رکھا ہے۔'' یہاں امامِ مبین کا ترجمہ لوحِ محفوظ بتایا گیا ہے جو کسی طرح بھی عقل میں نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ''مبین'' یعنی روشن (کھلا ہوا) اور ترجمہ ہے ''محفوظ'' (یعنی پوشیدہ) یعنی بالکل ہی برعکس۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب قبلہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو: ''اور ہم نے ہر چیز کو ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔'' یہاں بھی امامِ مبین کے معنی ''کھلی کتاب'' لیے گئے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہیں۔ کسی نے لوحِ محفوظ ترجمہ کر دیا ہے تو کسی نے ''کھلی کتاب'' یہ لفظ ''امام'' سے کترانا کیسا؟

اصل میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی امامِ مبین سے مراد ہے امامِ مبین اور کچھ نہیں یعنی ''کھلا پیشوا''۔ کچھ اور تراجم ملاحظہ ہوں:

علامہ ذیشان حیدر جوادی: ''اور ہم نے ہر شے کو ایک روشن امام میں جمع کردیا ہے۔''

مولانا سیّد فرمان علی صاحب: ''اور ہم نے ہر چیز کو ایک صریح و روشن پیشوا میں گھیر دیا ہے۔''

مولانا سیّد مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی: ''اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مبین میں (از روئے علم و شمار) جمع کرلیا ہے۔''

بات دراصل یہ ہے کہ قرآن تو ہے ثامت اور جب تک قرآن کی آیات کو شانِ نزول اور متن کے حوالے (with reference to the context) کو سامنے رکھ کر ترجمہ اور تفسیر نہ کریں گے لازماً غلطی کا ارتکاب ہوگا۔ ہمارے اکثر علما شانِ نزول اور متن کے حوالے کے بغیر ترجمہ یا تفسیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

آیئے اب حدیثوں کی طرف رجوع کرتے ہیں:

۱۔ معانی الاخبار میں جناب امام محمد باقرؑ سے روایت اپنے والد ماجد اور جدامجد سے منقول ہے: ''جب رسولِ خدا ﷺ پر آیت **کل شی احصینہ فی امام مبین** نازل ہوئی تو حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ آیا امام مبین سے مراد تورات ہے؟'' فرمایا ''نہیں'' انھوں نے عرض کی ''پھر انجیل ہے؟'' فرمایا ''نہیں'' پھر ان دونوں نے عرض کی ''آیا قرآن ہے؟'' فرمایا ''نہیں''۔ اتنے میں جناب امیرالمومنین (حضرت علیؑ) تشریف لے آئے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو وہ امام جس میں خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے علم کا احصا فرما دیا ہے۔

۲۔ احتجاج طبرسی میں جناب رسولِ خدا ﷺ سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''اے گروہِ انسان کوئی علم ایسا نہیں ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمایا ہو اور میں نے علیؑ کو نہ سکھا دیا ہو۔''

۳۔ تفسیر قمی میں جناب امیرالمومنین سے منقول ہے کہ ان حضرت نے خود فرمایا کہ واللہ وہ امامِ مبین میں ہوں۔ حق و باطل کو صاف صاف بیان کردیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ جناب رسولِ خدا ﷺ سے وراثتاً پایا ہے۔

اُمید ہے کہ مندرجہ بالا معروضات سے امامِ مبین یعنی روشن پیشوا روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا ہوگا۔

محمد فیروز شاہ۔ میانوالی

''نعت رنگ'' ۱۸ اور ''سفیرِ نعت'' مل گئے ہیں۔ بے حد ممنون ہوں۔ اس باغِ ارم کی سیر میں کچھ دن گزار کر تازہ بلکہ تر و تازہ ہوجاؤں گا کہ یہی ہماری آکسیجن ہے۔ اللہ کریم آپ کو سدا سکھی رکھے۔ آمین

ابتدائی طور پر دیکھ رہا تھا محمد افروز قادری چریا کوٹی (بھارت) کے خط نے ہلا کر رکھ دیا۔ غلطی انسان سے ہوجاتی ہے مگر ''پسِ پردہ سازش'' کے الزام اور تحریر کی زبان نے بہت دُکھی کیا... میں تو سرکارﷺ کے غلاموں کی خاکِ پا کو بھی بوسہ دے سکوں تو خوش بختی کی انتہا سمجھوں گا... حقیقتِ احوال یہ ہے کہ اوّلاً تو اُس مذاکرہ میں نام غلط شائع ہوا... جس بات کا حوالہ ہے وہ گفتگو میری نہیں سیّد نصیر شاہ کی تھی جو یہاں کے بہت بڑے اسکالر اور اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد کے رکن بھی رہے ہیں... ثانیاً یہ کہ میں نے ان سے رابطہ کیا تو انھوں نے انور شاہ کاشمیری کا قطعہ قرار دیا اور کہا کہ شیخ سعدی کا مشہور قطعہ تھا بلغ العلیٰ بکمالہ... الخ میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ حوالہ آپ کو بھجوا دیں... بہرحال یہ میری بات نہیں تھی... دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے نبیٔ کریم ﷺ کے صدقے میں خصوصی رحم و کرم فرمائے اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے کہ ہم سراپا خطا ہیں۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

''نعت رنگ'' ۱۸ (مولانا احمد رضا بریلوی خان نمبر) نظر نواز ہوا۔ یہ مولانا کے شایانِ شان نمبر ہے۔ کئی بہترین تحریروں سے مالامال اور آپ کی محنت کا بولتا ثبوت۔ آپ نے اداریے میں صحیح لکھا ہے کہ مولانا کو بحیثیت شاعر موضوعِ گفتگو کو بنانے سے گریز کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ ایک بڑی دینی شخصیت تھے۔ ورنہ یہ بھی حقیقت ہے کہ نعت کے میدان میں وہ ایک بلند بالا حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں پروفیسر محمد جاوید اقبال کا مضمون ''حضرت حافظ احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری'' مجھے بہت اچھا لگا۔ اس لائن میں دوسرا مضمون ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کا ہے جو مولانا کے

بعض اشعار کی فنی اور لسانی توضیحات سے متعلق ہے۔ یہ بہت اہم مضمون ہے اور بہت توجہ سے پڑھنے والا ہے۔ ایک مضمون نے اور متاثر کیا وہ ہے "فتاویٰ رضویہ" سے متعلق جو ڈاکٹر سیّد یحیٰی نشیط کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر کا مضمون ہے جو کلامِ امام اور ہماری سخن فہمی سے متعلق ہے۔ اس شمارے میں بہت سے اور مضامین ہیں اور خوب ہیں۔

مولانا کوکب نورانی کا مضمون بھی میں نے پڑھا۔ اس میں کیا ہے؟ یہ کیسا ہے؟ اس بارے میں لب کشائی نہیں کرنا چاہتا کہ مولانا پہلے ہی میرے علم وفہم کے بارے میں اپنی رائے دے چکے ہیں البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ مضمون ہے جس نے اس شمارے کے ۱۵۰ صفحات گھیر رکھے ہیں۔

اب کچھ باتیں حصہ خطوط کے بارے میں۔ اس میں محمد افضل خاکسار کا خط بہت دلچسپ ہے۔ اس لیے نہیں کہ مولانا کوکب نورانی ہی سے شروع ہوکر یہ انھی پر ختم ہوا ہے بلکہ انھوں نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو معلومات بڑھانے والی ہیں۔ خاکسار صاحب نے اپنے اس خط میں دو ایک جگہ میرا نام "صغیر احمد صدیقی" لکھا ہے۔ جب کہ میرا نام احمد صغیر صدیقی ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے کسی اہلِ ادب کے قلم سے اپنا نام غلط لکھا دیکھ کر یا کسی اہلِ ادب کے منہ سے غلط سن کر بہت کوفت ہوتی ہے۔ میں خود اس معاملے میں بہت احتیاط برتتا ہوں۔ آج کل ادبی حلقے میں ایک جیسے ناموں کی بھرمار ہے اور صحیح شناخت ممکن نہیں رہی ہے۔ مثلاً سرور جاوید کراچی کے ایک معروف شاعر اور نقاد ہیں ایک سرور جاوید کوئٹہ میں ہیں وہ بھی لکھتے ہیں۔ عزیز احسن سے "نعت رنگ" والے واقف ہیں ایک شاعر احسن عزیز بھی ہیں۔ کراچی میں اقبال حیدر ہیں۔ ملک سے باہر ایک اقبال حیدر ہیں۔ ایک صاحب ہندوستان میں "احمد صغیر" ہیں۔ اب اگر آپ میرے نام کے سامنے "صدیقی" نہ لکھیں تو خیال ان کی طرف بھی جاسکتا ہے۔ حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی صاحب کا خط بھی اہم ہے مگر ان کی زبان اگر طنز آمیز نہ ہوتی تو اور اچھا تھا۔ غلطی کی نشان دہی اچھی بات ہے مگر طنزیہ لہجہ بلاضرورت محسوس ہوا۔ تنویر پھول کا خط بھی تنقیدی ہے اور اچھی طرح لکھا گیا ہے۔ حافظ عبدالغفار صاحب نے جناب محمد علی شیدا بستوی کی محنت پر معترض ہوتے ہوئے لکھا ہے کہ انھیں چاہیے وہ اپنا کلام بھیجنے سے قبل کسی کو دکھا لیا کریں۔ حافظ صاحب نے مثال نہیں دی جس سے پتا چلتا کہ یہ مشورہ انھوں نے کیوں دیا۔ شیدا

صاحب کی نعت مجھے خاصی اچھی لگی۔ میں عروض داں نہیں مگر مجھے تو اس میں کوئی خیال یا بیاں کی نمایاں خامی نہیں نظر آئی۔ اتنی اچھی نعت پر حافظ صاحب کا اعتراض سمجھ میں نہیں آسکا۔ اچھا ہوتا کہ وہ وضاحت کر دیتے۔

اس شمارے میں ایک بات میں نے اور نوٹ کی کہ بعض حروف کا اِملا بدلا گیا ہے، مثلاً انشاء اللہ کو ''ان شاء اللہ'' باوجودیکہ کو ''باوجود یہ کہ'' وغیرہ لکھا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہی ٹھیک ہو مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحریک بعض بعض الفاظ کے بارے میں درست نہیں۔ آج کل ''دلبرداشتہ'' لکھا جا رہا ہے۔ آپ خود دیکھیں اس کے کیا معنی نکل رہے ہیں اصولاً اسے دل برداشتہ ہی لکھا جانا چاہیے۔ ہاں ''سخن ور'' کو ''سخنور'' لکھنا کچھ مناسب نہیں۔ تاہم ''بجائے'' کو ''بہ جائے'' لکھنے کے حق میں بھی میں نہیں ہوں۔

ڈاکٹر حافظ منور حسین سرمد۔ گوجرانوالہ

اگرچہ کسی نہ کسی حوالے سے ''نعت رنگ'' کا دیر سے قاری ہوں مگر مضمون کی اشاعت کے لیے پہلی مرتبہ ''نعت رنگ'' کی پُرنور محفل میں شرکت کے لیے اجازت کا طلب گار ہوں۔

آپ فروغِ نعت اور ترویجِ مقاصدِ نعت کے لیے جو گراں قدر خدمات سرانجام دے رہ ہیں وہ برصغیر پاک و ہند ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کی عصرِ حاضر کی تاریخِ نعت کا حصہ ہیں۔ آپ نے فقط نعتیہ مضامین یا شعری کلام کی اشاعت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس ضمن میں پہلی مرتبہ نعت کے حوالے ے تنقیدی رویوں کو فروغ دیا۔ آپ کی سعیٔ عظیم نے زمانے بھر کو چونکا دیا اور اب لکھنے والے ادھر کو ہی چل پڑے ہیں جدھر آپ لے جانا چاہتے تھے۔ بلاشبہ یہ سعادتِ عظیم ہے جو ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی میری طرف سے لاکھوں مرتبہ سلامِ عقیدت قبول فرمائیے۔

حضرت پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعت گوئی پر ایک مضمون ارسالِ خدمت ہے۔ پروفیسر صاحب کی شاعری ایک طویل عرصہ سے ملک بھر کے رسائل و جرائد اور اخبارات کی زینت بن رہی ہے۔ میں نے ان کی مرتبہ غیر مطبوعہ ڈائریوں اور شائع شدہ نعتوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور پروفیسر صاحب کی شفقت اور تعاون کی بدولت اس مضمون کو پیش کرنے کے قابل ہوسکا ہوں۔

آج ان کا شمار نعت گوئی کے حوالے سے نہایت پختہ گو شعرا اور اساتذہ میں ہوتا ہے

مگر زمانے بھر پر لکھنے والے اس عظیم شاعر اور محقق نے کسی کو اپنی ذات پر مضمون لکھنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ میری کوشش مقبول ہوئی اور میں بھی فقط ان کی نعت گوئی کے حوالے سے ایک مضمون مرتب کرنے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔

بے شمار مرتبہ سلامِ عقیدت قبول فرمایئے۔

حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی۔ لاہور

سب سے پہلے تو ''نعت رنگ'' کے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی نمبر پر ہدیۂ تبریک قبول فرمایئے۔ ماشاء اللہ علمیت اور ضخامت کے اعتبار سے یہ ایک یادگار تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام احمد رضا پر کام کرنے والے محققین کے لیے جہاں یہ ایک وقیع و مدلل حوالہ بنے گا وہیں نعت گو شعرا کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے گا۔

''کلامِ رضا میں توحید کی ضیاباریاں'' کے عنوان سے پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے ایک اچھوتا مضمون تحریر کیا ہے جو رضویات کے باب میں خوب صورت اضافہ ہے۔ پروفیسر صاحب نے جابجا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے کلام سے استدلال کیا ہے جس سے ایمان میں تازگی اور عقیدہ میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ فاضل بریلوی کا یہ شعر بھی لکھتے تو لطف دوبالا ہو جاتا:

یہی عرض ہے خالقِ ارض و سما وہ رسول ہیں تیرے میں بندہ ترا
مجھے ان کے جوار میں دے وہ جگہ کہ ہے خلد کو جس کی صفا کی قسم

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے مضمون کی ابتدا میں شہرۂ آفاق سلامِ رضا کو جنوبی ایشیا تک محدود لکھ دیا ہے جب کہ ہم تو اہلِ مدینہ کی محافلِ میلاد میں یہ سلام پڑھتے رہے بلکہ خاص مواجۂ اقدس میں عاشقانِ مصطفیٰ کو دھیمے لہجے میں یہ سلام پڑھتے ہوئے سنتے رہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے خوب لکھا ہے کہ ''ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کی صورت میں وجد آفریں سلام کی صدائیں اُبھرتی ہیں۔ اس تناظر میں حافظ عبدالغفار حافظ نے مبالغہ آرائی نہیں بلکہ حقیقت بیان کی ہے:

آواز چار سمت ہے لاکھوں سلام کی
مقبولِ خلق آج بھی نغمہ رضا کا ہے

ڈاکٹر کشفی نے ص ۲۹ پر اعلیٰ حضرت کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے:

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

اور لکھا ہے: ''دولہا، برات، نوشہ، شادی، نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اور ان کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو اس درجہ کیوں پسند ہیں۔'' عرض یہ ہے کہ جیسے برات کا مرکز دولہا کی ذات ہوتی ہے اور اسی کے دم سے برات ہوتی ہے ایسے ہی سرکارِ دوعالم ﷺ کے باعثِ تخلیقِ کائنات اور فخرِ موجودات ہونے کے اوصاف کی جانب اشارہ کرنے کے لیے یہ لفظ فاضلِ بریلوی نے استعمال کیا ہے۔ یاد رہے نبی کریم ﷺ کی شان میں ''دولہا'' کا لفظ شعرا نے نہیں بلکہ جلیل القدر محدثین نے بھی استعمال کیا ہے، مثلاً امام قسطلانی ''مواہب الدنیہ میں لکھتے ہیں: ''فاذا ھو عروس المملکۃ'' یعنی نبی کریم ﷺ نے شبِ معراج عالم ملکوت میں اپنی ذات مبارک کی تصویر ملاحظہ فرمائی تو دیکھا کہ حضور تمام سلطنتِ الٰہی کے دولہا ہیں۔ اسی طرح دلائل الخیرات میں امام محمد بن سلیمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ جو درود لکھتے ہیں اس میں ہے: ''وعروس مملکتک'' ایسی ہی اور کئی مثالیں ہیں جو طوالت کے خوف سے یہاں تحریر نہیں کر رہا۔

یہاں ایک عجیب بات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ کشفی صاحب نے ص ۳۲ پر اپنے اعتراض کا جواب خود ہی لکھ دیا ہے کہ ''مولانا احمد رضا خاں کی علمیت، شاعرانہ تخیل، قرآن و حدیث سے ان کے تعلق نے بعض شاعرانہ علامات کے سیاق و سباق کو بدل دیا ہے اور وسیع منظر و پس منظر میں نئے معانی ہمارے ذہن میں طلوع ہوتے ہیں۔'' اب کشفی صاحب سے گزارش فقط اتنی ہے کہ وہ دولہا کے نئے معانی بھی فاضل بریلوی کے حوالے سے ذہن نشین کر لیں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کئی کتابوں کے مصنف اور منجھے ہوئے قلم کار ہیں۔ خوب لکھتے ہیں لیکن ''گرتے ہیں شاہ سوار ہی'' کے مصداق تجربہ کار قلم کار بھی کبھی کبھی پھسل جاتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ص ۱۷۰ پر اپنے مضمون کا آغاز ہی انھوں نے بڑے خطرناک جملے سے کیا ہے لکھتے ہیں، ''ذکرِ حق کے بعد ذکرِ رسول مقبول ﷺ افضل ترین عبادت ہے اور اس عبادت میں خالق و

مخلوق دونوں برابر کے شریک ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب! مخلوق تو خالق کی عبادت کرتی ہے اور اسے یہ عبادت کرنی بھی چاہیے لیکن عبادت کا لفظ کیا خالق کے لیے استعمال ہوسکتا ہے؟ سب اس کے عابد و ساجد ہیں اور وہ معبود و مسجود ہے۔ لہٰذا اس کے لیے عبادت کا لفظ استعمال کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ثانیاً درود بھیجنے میں خالق و مخلوق برابر کے شریک کیسے ہوسکتے ہیں کہ مخلوق کا درود تو دعا ہے اور اللہ تعالیٰ کا درود اپنے حبیب پر رحمت کا نزول ہے۔ دیکھیے امام بخاری کتاب التفسیر میں ابوالعالیہ تابعی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

صلوة الله ثناء ة عليه عند الملائكة و صلوة الملائكة الدعاء

یعنی اللہ کا درود یہ ہے کہ وہ فرشتوں کے سامنے حضور کی تعریف فرماتا ہے اور فرشتوں کا درود دعا کرنا ہے۔

معلوم ہوا فرشتے درود یعنی رحمت کے نزول کی دعا کرتے ہیں یوں ہی مسلمان بھی درود پڑھنے کی صورت میں رحمت کے نزول کی التجا کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تعریف فرماتا ہے اور رحمت نازل فرماتا ہے۔ رحمت کے نزول اور دعا دونوں میں فرق ہے یوں ہی اللہ تعالیٰ جو اپنے حبیب کی تعریف ارشاد فرماتا ہے اس میدان میں بھی مخلوق اپنے محدود علم، عقل اور ذہن کے ساتھ برابری نہیں کرسکتی کہ خالق کے ''کلماتِ ربی'' جو وہ اپنے محبوب کی شان میں بیان فرماتا ہے اگر ساری دنیا کے سمندر سیاہی اور درخت قلم بن جائیں تب بھی وہ لکھنے سے عاجز ہیں۔ میں نعت گو شعرا سے بھی التماس کرتا ہوں کہ وہ اشعار میں اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز و پرہیز کریں کہ ''درود وہ کام ہے جس میں لاشریک بھی شریک ہوتا ہے۔''

ص۱۸۱ پر شمشاد حسین رضوی نے اعلیٰ حضرت کے عربی دیوان کے نہ ہونے کی اطلاع دی ہے۔ یہ ان معنوں میں تو درست ہے کہ اعلیٰ حضرت نے خود کوئی عربی دیوان مرتب نہیں فرمایا لیکن الازہر یونی ورسٹی کے پروفیسر حازم محمد احمد المحفوظ نے کئی سال قبل ''بساتین الغفران'' کے نام سے منتشر کلام یک جا کر کے شائع کردیا ہے۔

یوں ہی ص۱۷۳ پر ''حدائق بخشش'' کے منظوم عربی ترجمے کے مستقبل میں شائع ہونے کی خبر ہے۔ الحمدللہ یہ بھی صفوة المدیح کے عنوان سے ۲۰۰۱ء میں مصر سے شائع ہوچکا ہے۔

ص۱۹۷ پر ریاض حسین چودھری نے ایک عجیب مہمل جملہ لکھا ہے کہ ''خدا اور اس کے

ملائکہ کے میزبان ہوکر مکینِ گنبدِ خضرا ﷺ پر درود و سلام بھیجیں۔'' شاید کمپوزنگ میں غلطی ہوئی ہے۔ موجودہ صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

محمد امجد رضا خاں، شمشاد حسین رضوی، رشید وارثی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد، صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی، غلام مصطفیٰ قادری رضوی نے ماشاء اللہ بڑی محنت سے مضامین تحریر کیے ہیں۔ مولائے کریم انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

عزیز احسن نے مدلل مضمون لکھا ہے اور بہت خواب لکھا ہے۔ دورِ حاضر میں ایسے مضامین کی اشد ضرورت ہے۔ ص۲۴۶ پر ایک شعر انھوں نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں لکھا ہے۔ یہ انتساب درست نہیں بلکہ مندرجہ ذیل شعر اُم المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ہے۔

شمع تابانِ کاشانۂ اجتہاد
مفتیِ چار ملت پہ لاکھوں سلام

ص۲۷۰ پر پروفیسر مظفر عالم جاوید صدیقی کا یہ کہنا درست نہیں کہ ''مولانا کفایت علی کافی اور کئی دیگر میلا دنگاروں نے اس کی تقلید میں سلام لکھے ہیں۔ کافی کے سلام میں بھی مولانا احمد رضا کے سلام کا رنگِ شاعری جھلکتا ہے۔'' کافی تو سلامِ رضا کے وجود میں آنے سے بہت پہلے آزادی کی جنگ لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ ہاں یہ کہنا درست ہے ''مولانا احمد رضا خاں کا سلام فکری وفنی لحاظ سے زیادہ مؤثر ہے۔'' ص۵۵۵ پر جگہ جگہ نبی کریم ﷺ کے نامِ اقدس کے ساتھ ''ص'' کا لفظ دیکھ کر تکلیف ہوئی۔ مکمل درود شریف لکھ کر حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل کرنی چاہیے۔ یہ حدیث پاک امام سخاوی نے ''القول البدیع'' کے ص۴۶۰ پر نقل کی ہے، ''جس نے کتاب میں مجھ پر درود پاک لکھا تو جب تک میرا نام مبارک اُس میں رہے گا فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے۔''

ص۵۵۷ پر جناب عرش ہاشمی کے ان اشعار نے ایمان تازہ کر دیا:

''بے گانہ سنتوں سے جو ہے وہ میرا نہیں''
کیوں اس حدیث پاک سے صرفِ نظر کریں
کس طرح زندہ ہوں میرے آقا کی سنتیں
اس دُھن میں اپنی شام اسی میں سحر کریں

نعت گو شعرا سے التماس ہے کہ وہ ان موضوعات پر بھی خامہ فرسائی فرمائیں۔

حضرت علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی نے ''رضا کی زباں تمھارے لیے'' کے عنوان سے مدلل، مفصل اور مکمل مضمون تحریر فرمایا ہے اور مضمون کیا لکھا ہے تحقیق کا، تدقیق کا، علم اور حکمت کا دریا بہا دیا ہے۔ مولائے کریم انھیں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ اس اعتراف کے ساتھ ساتھ اس محبت بھرے اعتراض کا حق ہم محفوظ رکھتے ہیں کہ اس مرتبہ انھوں نے خط تحریر نہیں فرمایا۔ ہم ان کے مکتوب کی کمی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

ص ۵۶۱ پر ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے حضرت کعبؓ کی ولدیت کو ان کا نام بنا دیا ہے۔ لکھنا چاہیے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ۔ ص ۵۶۵ پر نشیط صاحب نے استمداد اور استعانت کے خلاف مفتیِ سعودی عرب عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ یہ بن باز صاحب وہی ہیں جنھوں نے سرکارِ دوعالم، نورِ مجسم ﷺ کے والدین کریمین کو معاذاللہ کافر قرار دیا تھا۔ یہ اور اس جیسے فتوؤں کے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے ہم بجاطور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ موصوف بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھی محروم تھے۔ نشیط صاحب کے اور بھی کئی تسامحات ہیں بلکہ الزامات ہیں۔ طوالت سے ڈرتے ڈرتے ہوئے ان پر کچھ نہیں لکھ رہا البتہ علامہ کوکب نورانی صاحب سے ملتمس ہوں کہ وہ نشیط صاحب کی اصلاح فرمائیں۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے بڑا خوب صورت مضمون لکھا ہے۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی کے کلام کا بہت اعلیٰ انتخاب انھوں نے پیش کیا ہے۔ ان کا یہ شان دار مضمون زبانِ حال سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اب آپ ''نعت رنگ'' کا مولانا حسن رضا بریلوی نمبر بھی شائع فرمائیں۔

خطوط کے کالم میں ڈاکٹر طلحہ رضوی کے خط نے مزہ دیا۔ حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری کا خط اور مضمون دونوں ہی بڑے کام کی چیزیں ہیں اور نمبر کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ مولائے کریم انھیں صحت عطا فرمائے۔ محمد افروز قادری نے مدلل خط لکھا ہے انھیں ''نعت رنگ'' کی بزم میں شامل رہنا چاہیے۔ افضل خاکسار کے خط کا ایک ایک لفظ مولانا علامہ کوکب نورانی سے کسی مخفی عداوت کا پتا دیتا ہے۔ انھوں نے ص ۵۷۷ پر گزارش کو مذکر لکھا ہے۔ اسی سے ان کا مبلغِ علمی ظاہر ہے۔ مولائے کریم انھیں ہدایت فرمائے۔

رحمانی صاحب! کمپوزنگ کی اصلاح کی جانب خصوصی توجہ فرمائیں۔ عام تحریر میں تو

پھر بھی درگزر ممکن ہے لیکن آیاتِ کریمہ، احادیثِ طیبہ اور اشعار میں اغلاط بہت کھٹکتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اعلیٰ حضرت کے جو اشعار اپنے مضمون میں دیے ہیں ان میں کتابت کی ۲۵/اغلاط ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو تصرف کا گمان بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک مضمون میں صرف اشعار کی اغلاط ہیں۔ باقی اسی پر قیاس کرلیجیے۔ ص۴۸۶ پر میرے خط میں کمپوزنگ کی ایک غلطی در آئی ہے اور وہ یہ کہ لکھا ہے، ''بساتین الغفران کا منظوم عربی ترجمہ'' حالاں کہ ہونا چاہیے ''حدائق بخشش'' کا منظوم عربی ترجمہ صفوۃ المدیح۔ خدا آپ کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

"نعت ریسرچ سینٹر" کو موصول ہونے والی کتب

﴿ادارہ کتب ارسال کرنے والوں کا شکر گزار ہے﴾

کتاب	مصنف	سن	ناشر
برہانِ رحمت	طارق سلطان پوری	۲۰۰۵	رضا اکیڈمی، لاہور
تجلیاتِ حرمین	طارق سلطان پوری	۲۰۰۲	مکتبۂ ضیائیہ، راولپنڈی
بارانِ رحمت	طارق سلطان پوری	۲۰۰۵	رضا اکیڈمی، لاہور
آبشارِ نور	کوثر شاہ جہاں پوری	۲۰۰۵	مکتبۂ کوثر، کراچی
تقدیسِ شعر	مولانا صحوی شاہ	۱۹۶۲	ادارہ النور، حیدرآباد، بھارت
نذرِ مدینہ	مولانا صحوی شاہ	۱۹۹۹	ادارہ النور، حیدرآباد، بھارت
طیباتِ غوثی	مولانا غوثی شاہ	۲۰۰۲	ادارہ النور، حیدرآباد، بھارت
گلدستۂ نعت	موسیٰ ابو خالد صدیقی	۲۰۰۰	موسیٰ ایکسپورٹ انٹرپرائز، حیدرآباد، بھارت
کشکولِ گدائی	شکیب جلالی	۲۰۰۵	روحانی پبلشرز، لاہور
مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ	منیر حسین	۲۰۰۳	اخبارِ وطن، کراچی
سرورِ کائنات (منظوم سیرت)	گہر اعظمی	۲۰۰۵	جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی
گلستانِ مدحت	عزیز جبران انصاری	۲۰۰۶	عادل کتاب گھر، سکھر
صلوٰۃ و سلام بحضور خیر الانام	رئیس احمد نعمانی	۲۰۰۵	دانش بک ڈپو، ٹانڈہ، بھارت
طرحی نعتیں (حصہ نہم)	راجا رشید محمود	۲۰۰۵	ماہنامہ نعت، لاہور

باغِ ابد	اصغر علی اعجاز	ندارد	انداز پبلی کیشنز، لاہور
در خدا نما	مسرت جبیں زیبا	۲۰۰۴	انکشاف پبلی کیشنز، لاہور
صد صلوٰۃ و صد سلام	سبطین شاہجہانی	۱۹۹۴	ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد
نذرانہ عقیدت	سبطین شاہجہانی	۱۹۹۷	ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد
صدائے سحر	عبدالرشاد شاد	۲۰۰۵	بک لنک، میاں چنوں
رحمتوں کا سائباں	عبدالرشاد شاد	۲۰۰۱	خزینۂ علم و ادب، لاہور
نیاز نعت	راجا رشید محمود	۲۰۰۵	ماہنامہ نعت، لاہور
طرحی نعتیں (حصہ دہم)	راجا رشید محمود	۲۰۰۶	ماہنامہ نعت، لاہور
خوشبو درود کی	مشرف حسین انجم	۲۰۰۵	المدینہ پبلی کیشنز، لاہور
عنوانِ نجات	عارف مہجور رضوی	۱۴۱۷ھ	ٹیپو سلطان پبلی کیشنز، گجرات
یا رب معاف کردے	عارف مہجور رضوی	۲۰۰۵	ٹیپو سلطان پبلی کیشنز، گجرات
اللّٰھم بارک علیٰ محمد	ریاض مجید	۲۰۰۵	نعت اکادمی، فیصل آباد
مختصر شرح سلامِ رضا	محمد نعیم اللہ خاں قادری	۲۰۰۴	فیضانِ مدینہ پبلی کیشنز، کاموکی
سعادت کے موتی	رجب علی نعیمی	۱۹۹۶	صدیق کیسٹ لائبریری، کراچی
نعت حقیقت کے آئینے میں	محمد شفیق اختر	۲۰۰۴	لٹریری کونسل پاک شمع اسکول، جدہ
احسنِ تقویم	عبدالکریم ثمر	۱۹۸۲	محمد ظفر، لاہور
شاخِ سدرہ	عبدالکریم ثمر	۱۹۸۷	اعجاز ٹریڈر، لاہور
لوح و قلم	عبدالکریم ثمر	ندارد	یکے از مطبوعات نوائے وقت، لاہور
نورِ مبین	ریاض تصور	۲۰۰۵	طٰہٰ، پبلی کیشنز، لاہور
عرفانیات	عارف سیمابی	۱۹۸۵	سیماب اکیڈمی
الرحم الراحمین	تنویر پھول	۲۰۰۵	جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی
نورِ اعظم	علیم صبا نویدی	۲۰۰۱	ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، بھارت
ٹمل ناڈو میں نعت گوئی	علیم صبا نویدی	۲۰۰۴	ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، بھارت
کیف دوام	محمد حسن زیدی	۲۰۰۵	منزل پبلی کیشنز، اسلام آباد

توشۂ ہلال	ہلال جعفری	۲۰۰۶	حافظ نور احمد، اسلام آباد
مفیض (نعت نمبر)	محمد اقبال نجمی	۲۰۰۵	فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
نغمۂ حمد	محمد اقبال نجمی	۲۰۰۵	فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
امام نعت گویاں	اختر الحامدی	۲۰۰۶	رضا اکیڈمی، لاہور
قصیدہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ	بچین رجپوری	ندارد	الخیر اسلامی پبلشرز، لاہور
سیرت ہادی برحق	گوہر ملسیانی	۲۰۰۵	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
برق نور	حبیب احمد محسنی	۲۰۰۶	پاک لورز کلب، کراچی
دیوانِ نیاز	شاہ نیاز احمد بریلوی	۲۰۰۶	خانقاہ عالیہ اقبالیہ، کراچی
کعبے پہ پڑی جو پہلی نظر	محمد اقبال جاوید	۲۰۰۶	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مدینہ مدینہ	کمال اظہر	۲۰۰۴	القمر انٹرپرائزز، لاہور
ثنائے مصطفیٰ	ظفر سنبھلی	۲۰۰۴	مصنف، بھارت
کاروانِ نعت شمارہ ۲	محمد ابرار حنیف مغل	مارچ ۲۰۰۶	ادارہ کاروانِ نعت، لاہور
کاروانِ نعت شمارہ ۳	محمد ابرار حنیف مغل	اپریل ۲۰۰۶	ادارہ کاروانِ نعت، لاہور
کاروانِ نعت شمارہ ۶	محمد ابرار حنیف مغل	مئی ۲۰۰۶	ادارہ کاروانِ نعت، لاہور
کاروانِ نعت شمارہ ۷	محمد ابرار حنیف مغل	اگست ۲۰۰۶	ادارہ کاروانِ نعت، لاہور
نعت اور سلام	وحیدہ نسیم	۲۰۰۶	اقلیم نعت، کراچی
وارفتگی	محسن علوی	۲۰۰۲ء	ویلکم بک پورٹ، کراچی
سلام علیکم سلام علیکم	فیاض ٹانڈوی	۲۰۰۲ء	دانش بک ڈپو، ٹانڈہ، بھارت
صل علیٰ کے پھول	فیاض ٹانڈوی	۲۰۰۶ء	فیاض ٹانڈوی امبیڈکر نگر، بھارت
صل علیٰ نبینا	فیاض ٹانڈوی	۲۰۰۴ء	مجلس اربابِ اردو ادب، ٹانڈہ، بھارت
نعت کیلنڈر	ادارہ	۲۰۰۶ء۔۷	امیج ڈیویلپرز، کراچی
مولائے کل حبیبنا محمد ﷺ	سلیم یزدانی	۲۰۰۶ء	مجلسِ شاہ فرید، کراچی
مقامِ محمد قرآن حکیم کے آئینے میں	ابوالخیر کشفی	۲۰۰۵ء	دارالاشاعت، کراچی
حیاتِ محمد قرآن حکیم کے آئینے میں	ابوالخیر کشفی	۲۰۰۶ء	دارالاشاعت، کراچی

وسلمو تسلیما	حسن اختر	ندارد	المصطفیٰ پبلی کیشنز، کراچی
درسِ سیرت	سیّد عزیز الرحمٰن	۲۰۰۶ء	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی
شبستانِ حرا	شبیر احمد انصاری	۲۰۰۵ء	حرا فاؤنڈیشن پاکستان، کراچی
نعت گویانِ سرگودھا	شاکر کنڈان	۲۰۰۶ء	ادارہ فروغِ ادب پاکستان، سرگودھا
نفس الایمان	محمد مشتاق احمد فاروقی	۱۹۹۸ء	مرکزی مشتاقانِ رسول، لاہور
لگیاں نیں موجاں	رفیق ضیا قادری	۲۰۰۶ء	کرمانوالہ بک شاپ، لاہور
مدیح خیر المرسلین	محسن کاکوروی	۲۰۰۱ء	دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد
دیارِ عشق	آصف حیات	ندارد	جھوک پبلشرز، ملتان
سرودِ نعت	راجا رشید محمود	۲۰۰۶ء	ماہنامہ ''نعت'' لاہور
ذکروانی نعت خوانی	محمد الیاس قادری	ندارد	مکتبہ المدینہ، کراچی
فتاویٰ نورانی	محمد اختر رضا خاں	۲۰۰۶ء	ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور
نعت نیوز شمارہ نمبر ۱	محمد ذکریا شیخ الاشرفی	ندارد	اشرفی انٹر پرائز، کراچی
نعت نیوز شمارہ نمبر ۲	محمد ذکریا شیخ الاشرفی	ندارد	اشرفی انٹر پرائز، کراچی
ودیعت	عابد سعید عابد	۲۰۰۶ء	مصنف گوجر خاں
رسائی	عابد سعید عابد	۲۰۰۴ء	مصنف گوجر خاں
عافیت	عابد سعید عابد	۲۰۰۵ء	مصنف گوجر خاں
نجات	عابد سعید عابد	۲۰۰۲ء	مصنف گوجر خاں
قبولیت	عابد سعید عابد	۲۰۰۴ء	مصنف گوجر خاں
مواجہہ کے سامنے	محمد زاہد نیازی	۲۰۰۶ء	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور
دُور بارِ رسالت	علامہ نجم آفندی	۲۰۰۶ء	القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور
عہدِ نبوی میں شعر و ادب	شیریں زادہ خدوخیل	۲۰۰۶ء	احمد پبلی کیشنز، لاہور
ماہ نامہ ''قرطاس'' ناگ پور	محمد امین الدین	۲۰۰۶ء	احبابِ اردو اکادمی، مومن پورہ، ناگ پور
لاریب	اقبال حیدر	۲۰۰۵ء	ادارہ تعمیرِ ادب، کراچی

جناب حامد امروہوی معروف نعت گو ہیں، امریکا میں مقیم ہیں، ان کے خانوادے میں

نعتیہ مشاعرے کی روایت ۱۹۲۵ء سے قائم ہے۔ امروہہ میں یہ مشاعرے ان کے والد حضرت رؤف امروہوی (جو خود بھی صاحب دیوان اور قادرالکلام نعت گو شاعر تھے) کی سرپرستی میں شروع ہوئے تھے اور الحمدللہ ان کے نعتیہ مشاعرے کی روایت کو ان کے بعد بھی ان کی اولاد آج تک قائم رکھے ہوئے ہے۔ جناب حامد امروہوی نے اپنے خانوادے کی مندرجہ ذیل نعتیہ کتب نعت ریسرچ سینٹر کو عطیہ کی ہیں۔

کتاب	مصنف	سن	ناشر
کوثرِ رحمت	رؤف امروہوی	۱۹۹۹	احمد حسین سیفی، امروہہ، بھارت
لخلخہ محامد	رؤف امروہوی	۱۳۵۸ھ	احمد حسین سیفی، امروہہ، بھارت
گلرنگ تخیل	رؤف امروہوی	ندارد	محمد حسین، امروہہ، بھارت
رازِ بخشش	ساجد امروہوی	۱۴۱۰ھ	مرزا محمد زبیر، امروہہ، بھارت
آرزوئے بخشش	ساجد امروہوی	۱۴۲۶ھ	بزم شعروادب، امروہہ، بھارت
نکہتیں	احمد حسین سیفی	۲۰۰۲	مرزا محمد زبیر، امروہہ، بھارت
متاعِ مخفی	مخفی امروہوی	۲۰۰۵ء	اسلامک بک فاؤنڈیشن، بھارت

الحمدللہ! نعت ریسرچ سینٹر کے تعاون سے گزشتہ سال یعنی ۲۰۰۵ء میں بھی جامعہ کراچی کی دو طالبات نے نعت کے حوالے سے ایم اے کے مقالات مکمل کیے۔ یہ مقالے ''کراچی کے نعت گو شعرا کے نعتیہ کلام کی وضاحتی کتابیات'' کے عنوان سے لکھے گئے ہیں، جسے دو ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا مقالہ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۱ء شائع ہونے والے دواوین کے بارے میں ہے، جسے محترمہ صبا مسرور نے قلم بند کیا ہے جب کہ دوسرا مقالہ ۱۹۷۲ء تا ۲۰۰۴ء کے دواوین کے ذکر پر مشتمل ہے، جو محترمہ نورین ناز کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہے۔ ان مقالوں کو ڈاکٹر تنظیم الفردوس کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے جو خود بھی مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرچکی ہیں۔ ہم ان مقالوں کی تکمیل پر طالبات، نگراں اور جامعہ کراچی کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ان مقالوں کی نقول نعت ریسرچ سینٹر کو فراہم کرنے پر بھی شکرگزار ہیں۔

آخرت
کا کام آج کر
دنیا کا کام کل
پر چھوڑ دے۔

(حضرت مجدد الف ثانیؒ)

منجانب
مصباح الدین فرید
چیف انجینئر کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ، کراچی

سخی گناہ گار

اللہ کے نزدیک

بخیل عابد

سے بہتر ہے۔

(حدیث نبوی ﷺ)

منجانب:

کیپٹن (ر) وارث النبی اعوان کراچی

Vanguard

جو اللہ کے

کاموں میں لگ جاتا ہے

اللہ

اُس کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔

(حضرت ابوبکر صدیقؓ)

منجانب:

ریاض شیخ کراچی

Vanguard



عالمِ اسلام کے نامور ثناء خواں سید صبیح الدین صبیح رحمانی کی خوبصورت آواز میں نعتوں کے یادگار البم
Qtv
اے مدینے کی زمیں
Released by:
FRS
International
142
VIDEO CD
AUDIO CD
AUDIO CASSETTE
SONIC
عالمِ اسلام کے نامور ثناء خواں
سید صبیح الدین صبیح رحمانی
SYED
SABIH UDDIN SABIH REHMANI
AVAILABLE ON VIDEO CD, AUDIO CD & AUDIO CASSETTE
FRS International Regd. # 0458
1st Floor, Room # 106, Rainbow Centre, Saddar, Karachi.
Phone # (92-21) 278 66 88, Fax # (92-21) 278 22 60
E-mail: frs_intl@yahoo.com, frs_intl@hotmail.com